ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

آسان تفسیر القرآن

تفسیرِ ربانی

تالیف و ترتیب

حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
استاذ و مفتی دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

جلد پنجم

سورۂ یونس تا سورۃ النحل

مکتبہ ربانیہ کراچی
Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

مکتبہ ربانیہ کراچی
ISLAMIC STUDIES PUBLISHERS

٥

آسان تفسیر القرآن

جملہ حقوق بحق مکتبۂ ربانیہ محفوظ ہیں۔

مکتبہ ربانیہ
Islamic Studies Publishers
Karachi-Pakistan

باہتمام : عبیدالرحمٰن ربانی
جلد پنجم : سُوْرَةُ يُونُس تا سُوْرَةُ النَّحْل
طبع اوّل : ذی الحج ۱۴۳۹ھ بمطابق اگست 2018ء
ناشر : مکتبہ ربانیہ کراچی
فون : 0314-6107967
0302-2426288
(92-21) 35031011
ای میل
rabbaniglobal@yahoo.com
ibnerabbani@gmail.com

عرض ناشر

الحمدللہ!! اگرچہ مکتبۂ ربانیہ نے

آسان تفسیر القرآن

کی تصحیح وطباعت میں ہر ممکن احتیاط سے کام لیا ہے، لیکن کبھی کبھی کتابت، طباعت اور جلد سازی میں غلطی ہو جاتی ہے، اگر کسی صاحب کو ایسی غلطی کا علم ہو تو براہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں۔

(ادارہ)

ضروری انتباہ!!

اس کتاب کے جملہ حقوق کاپی رائٹ آفس میں رجسٹرڈ ہیں۔ اس کتاب کی کتابت، تدوین وترتیب اور کسی بھی طریقے سے کاپی کرنا ''کاپی رائٹ ایکٹ 1962ء'' کے تحت قابل تعزیر جرم ہے اور اس کی خلاف ورزی پر بطور رجسٹرڈ کاپی رائٹ مالک (Owner) قانونی کارروائی کی جائے گی۔

(ادارہ)

ملنے کا پتہ

مکتبہ ربانیہ کراچی
131/30 سیکٹر 36/A زیڈ ون کے ایریا کراچی
نزد جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

- ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی
- مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی
- بیت القرآن، اردو بازار کراچی
- ادارہ اسلامیات، اردو بازار کراچی
- دارالاشاعت، اردو بازار کراچی
- مکتبہ فہم دین (جامع مسجد بیت السلام ڈیفنس)

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ

آسان تفسیر القرآن

تَفسیرِ ربّانی

تالیف وترتیب

حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربّانی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ
اُستاذ و مفتی دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

جلد پنجم

سورۃ یونس تا سورۃ النحل

مکتبہ ربانیہ کراچی
131/30 سیکٹر 36/A ڈبل روم کے ایریا کورنگی کراچی
نزد جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست آسان تفسیر القرآن (جلد پنجم)

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
	سورۃ یونس	
۱	فرقِ مراتب	۳۳
۲	اللہ تعالیٰ کی پہچان	۳۶
۳	دوسری زندگی	۳۸
۴	سب اسی نے پیدا فرمایا ہے۔	۴۰
۵	احکام ومسائل	۴۲
۶	بات کا خلاصہ	۴۳
۷	غافلوں کا ٹھکانا	۴۴
۸	اللہ والوں کا حال	۴۵
۹	احکام ومسائل	۴۸
۱۰	مہلت	۴۸
۱۱	احکام ومسائل	۵۰
۱۲	مصیبت میں فریاد	۵۱
۱۳	دنیا میں سزا	۵۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۴	احکام ومسائل	۵۴
۱۵	قرآن کریم میں ردّو بدل کا مطالبہ	۵۵
۱۶	قرآن میں ردّو بدل سے انکار	۵۶
۱۷	کُھلا ثبوت	۵۷
۱۸	احکام ومسائل	۵۸
۱۹	بتوں کی بے بسی اور مشرکوں کی بے وقوفی	۵۹
۲۰	احکام ومسائل (علم والوں کے لیے لفظ "دُوْنِ" کے معنی کی تحقیق)	۶۰
۲۱	سفارش کی قسمیں	۶۱
۲۲	حق دین ایک ہے	۶۲
۲۳	اُمت واحدہ کی حقیقت	۶۳
۲۴	نشانی مانگتے ہیں	۶۳
۲۵	مکّاری کی سزا	۶۶
۲۶	احکام ومسائل	۶۷
۲۷	آدمی کا رویّہ	۶۷
۲۸	احکام ومسائل (سمندری سفر کی وجہ سے ایک شخص کے ایمان لانے کا واقعہ)	۷۰
۲۹	دنیا کی مثال	۷۱
۳۰	اللہ تعالیٰ کی عنایت	۷۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۱	احکام ومسائل	۷۵
۳۲	اچھوں کا انعام	۷۵
۳۳	بروں کی سزا	۷۷
۳۴	مشرک اور معبود	۷۸
۳۵	حقیقت کا ظہور	۷۹
۳۶	اللہ تعالیٰ کی پہچان	۸۰
۳۷	تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے	۸۲
۳۸	اللہ تعالیٰ کی قدرت	۸۳
۳۹	وہم وگمان	۸۵
۴۰	قرآن مجید کی شان	۸۶
۴۱	سیدھی بات	۸۸
۴۲	فرض کی ادائیگی	۹۰
۴۳	مختلف قسم کے لوگ	۹۱
۴۴	ظالم کون ہے؟	۹۲
۴۵	سزا مل کر رہے گی	۹۵
۴۶	قیامت کے دن کی شرمندگی	۹۹
۴۷	جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا ہے	۱۰۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۸	اللہ تعالیٰ کی رحمت	۱۰۱
۴۹	فضل اور رحمت سے کیا مراد ہے؟	۱۰۲
۵۰	اپنی مرضی یا اللہ تعالیٰ کی	۱۰۳
۵۱	حساب کتاب کا دن	۱۰۵
۵۲	اللہ تعالیٰ کو ذرّہ ذرّہ کا پتہ ہے	۱۰۶
۵۳	اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو خوشخبری	۱۰۷
۵۴	اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ ہیں	۱۱۱
۵۵	اٹکل پچو باتیں	۱۱۲
۵۶	وہم کے کرشمے	۱۱۵
۵۷	نوح علیہ السلام کی قوم	۱۱۷
۵۸	اللہ والوں کا منصب	۱۱۸
۵۹	ضد کرنے والوں کا انجام	۱۱۹
۶۰	بعد کا حال	۱۲۰
۶۱	فرعون کی ڈھٹائی	۱۲۳
۶۲	فرعونی ذہنیت	۱۲۵
۶۳	جادوگروں سے مقابلہ	۱۲۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۶۴	جادو بے کار ہے	۱۲۶
۶۵	فساد کی جڑ	۱۲۷
۶۶	مؤمن کا سہارا	۱۲۹
۶۷	نجات کی تدبیر	۱۳۰
۶۸	احکام ومسائل	۱۳۱
۶۹	سرکشی کا سبب	۱۳۲
۷۰	بددعا	۱۳۳
۷۱	احکام ومسائل	۱۳۵
۷۲	فرعون کی تباہی	۱۳۵
۷۳	احکام ومسائل	۱۳۹
۷۴	فرعون کی لاش کو عبرت بنانے کا پس منظر	۱۴۰
۷۵	بنی اسرائیل کا امتحان	۱۴۱
۷۶	علم آنے کے بعد اختلاف کا مطلب	۱۴۲
۷۷	قرآن مجید کی تصدیق	۱۴۳
۷۸	احکام ومسائل	۱۴۵
۷۹	ایمان کا فائدہ	۱۴۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۸۰	احکام و مسائل	۱۴۷
۸۱	ایمان میں زبردستی نہیں	۱۴۸
۸۲	جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کو ایمان کی نشانیاں کوئی فائدہ نہیں دیتیں	۱۴۹
۸۳	احکام و مسائل	۱۵۲
۸۴	ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت	۱۵۴
۸۵	حقیقت کا اظہار	۱۵۶
۸۶	پوری قدرت والا	۱۵۷
۸۷	پیغمبر کا کام	۱۵۹
	سورۃ ھود	
۱	سورۂ ہود	۱۶۰
۲	فرمانبرداروں کے لیے اجر	۱۶۱
۳	نافرمانوں کے لیے عذاب	۱۶۵
۴	اللہ سب کو روزی دینے والا ہے	۱۶۶
۵	احکام و مسائل ایک اشکال اور اس کا جواب	۱۶۸
۶	رزق ملنے کا ایک واقعہ	۱۶۸
۷	علماء کے لئے ایک علمی نکتہ	۱۷۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۸	"مُسْتَقَرّ" اور "مُسْتَوْدَع"	۱۷۱
۹	اللہ تعالیٰ کی قدرت	۱۷۲
۱۰	جزا سزا یقینی ہے	۱۷۴
۱۱	امتحان کا طریقہ	۱۷۶
۱۲	شکر اور صبر کا مقام	۱۷۷
۱۳	کافروں کی فرمائشیں	۱۷۹
۱۴	پیغمبر ہونے کی نشانی	۱۸۲
۱۵	پھر مانتے کیوں نہیں؟	۱۸۳
۱۶	زندگی کا قانون	۱۸۴
۱۷	کافر و مشرک کو دنیا میں نعمت کیوں ملتی ہیں؟	۱۸۶
۱۸	دینِ فطرت	۱۸۷
۱۹	احکام و مسائل	۱۹۰
۲۰	ظالم کون؟	۱۹۱
۲۱	عملوں کا پھل	۱۹۴
۲۲	دونوں کی مثال	۱۹۶
۲۳	نوح علیہ السلام کا پیغام	۱۹۷
۲۴	قوم کا جواب	۲۰۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۵	پیغمبروں پر پہلے پہل ایمان لانے والے	۲۰۳
۲۶	کوئی زبردستی نہیں	۲۰۳
۲۷	نوح علیہ السلام کی قوم اور مکہ کے مشرکوں کا ایک جیسا نظریہ	۲۰۷
۲۸	ہٹ دھرمی	۲۱۰
۲۹	میری خیر خواہی	۲۱۱
۳۰	اللہ تعالیٰ کا عذاب	۲۱۳
۳۱	تمام ضروری صنعتوں کی ابتداء وحی کے ذریعے ہوئی	۲۱۶
۳۲	کام کا آغاز	۲۱۷
۳۳	آخری ہدایتیں	۲۱۸
۳۴	احکام ومسائل	۲۲۰
۳۵	اصلی سہارا	۲۲۱
۳۶	احکام ومسائل	۲۲۲
۳۷	کشتی چلی	۲۲۳
۳۸	احکام ومسائل (علماء کے لئے ایک علمی نکتہ)	۲۲۴
۳۹	ایک سوال اور اس کا جواب	۲۲۵
۴۰	طوفان کا خاتمہ	۲۲۵
۴۱	اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونا	۲۲۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۲	احکام ومسائل	۲۲۷
۴۳	حال کی حقیقت	۲۲۸
۴۴	احکام ومسائل	۲۲۹
۴۵	نوح علیہ السلام کو سخت الفاظ میں تنبیہ کی وجہ	۲۳۰
۴۶	کنعان کے غرق ہونے کا ایک سبب	۲۳۱
۴۷	نوح علیہ السلام سمجھ گئے	۲۳۲
۴۸	نوح علیہ السلام کو تسلی	۲۳۳
۴۹	سلامتی حاصل ہونے کا مطلب	۲۳۴
۵۰	اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت حاصل ہونے کا مطلب	۲۳۵
۵۱	نوح علیہ السلام کا قصّہ	۲۳۵
۵۲	ہود علیہ السلام	۲۳۷
۵۳	زندگی کا بہترین طریقہ	۲۴۱
۵۴	احکام ومسائل	۲۴۲
۵۵	اُلٹی سمجھ	۲۴۳
۵۶	حضرت ہود علیہ السلام کا جواب	۲۴۵
۵۷	عذاب کا ڈراوا	۲۴۷
۵۸	حضرت ہود علیہ السلام اور ایمان لانے والوں کا اچھا انجام	۲۴۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۵۹	عبرت	۲۵۲
۶۰	احکام و مسائل علماء کے لئے ایک نکتہ	۲۵۳
۶۱	حضرت صالح علیہ السلام	۲۵۴
۶۲	ثمود کا جواب	۲۵۷
۶۳	سیدھی بات	۲۵۸
۶۴	آخری امتحان	۲۵۹
۶۵	ایمان والوں کی نجات	۲۶۲
۶۶	عذاب کی صورت	۲۶۳
۶۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی حاضری	۲۶۵
۶۸	احکام و مسائل سنت سلام	۲۶۸
۶۹	مہمان اور مہمان داری کے چند اصول	۲۶۸
۷۰	شفقت کی شان	۲۷۰
۷۱	لوط کی قوم کا حال	۲۷۱
۷۲	مت ماری گئی	۲۷۴
۷۳	انتہائی پریشانی	۲۷۶
۷۴	عذاب کی صورت	۲۷۸
۷۵	مدین شہر والے	۲۸۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۷۶	احکام ومسائل	۲۸۵
۷۷	قوم کا جواب	۲۸۵
۷۸	حضرت شعیب علیہ السلام کا جواب	۲۸۷
۷۹	میری مخالفت کر کے ہلاکت میں نہ پڑو	۲۸۹
۸۰	غرور کی حد	۲۹۰
۸۱	اللہ تعالیٰ سے غفلت	۲۹۱
۸۲	ناراضگی کا اظہار	۲۹۲
۸۳	عذاب کی صورت	۲۹۳
۸۴	موسیٰ علیہ السلام اور فرعون	۲۹۵
۸۵	احکام ومسائل	۲۹۷
۸۶	آخرت میں فرعون کا حال	۲۹۷
۸۷	نتیجہ	۲۹۸
۸۸	اللہ تعالیٰ کا عذاب	۳۰۰
۸۹	قیامت کا حال	۳۰۱
۹۰	بدبخت لوگ	۳۰۲
۹۱	احکام ومسائل	۳۰۵
۹۲	ظاہری حال	۳۰۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۹۳	انسان کی غفلت	۳۰۷
۹۴	اِستقامت	۳۰۹
۹۵	اچھائیاں برائی کو فنا کر دیتی ہیں	۳۱۴
۹۶	احکام و مسائل	۳۱۶
۹۷	اللہ کا عذاب غافلوں پر آتا ہے	۳۱۸
۹۸	اختلاف کی حکمت	۳۲۱
۹۹	پیغمبروں کے قصوں کی حکمت	۳۲۴
۱۰۰	بات کا خلاصہ	۳۲۶
	سورۃ یوسف	
۱	بہترین قصہ	۳۲۷
۲	یوسف علیہ السلام کا خواب	۳۳۰
۳	احکام و مسائل	۳۳۲
۴	پیش گوئی	۳۳۳
۵	احکام و مسائل	۳۳۵
۶	بھائیوں کا حسد	۳۳۶
۷	جذبات کی کش مکش	۳۴۰
۸	احکام و مسائل	۳۴۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۹	بہانہ بازی	۳۴۵
۱۰	جھوٹا بہانہ	۳۴۶
۱۱	احکام ومسائل "صبر جمیل" کا مطلب	۳۴۷
۱۲	مسائل	۳۴۷
۱۳	قافلہ کا آنا	۳۴۸
۱۴	یوسف علیہ السلام مصر پہنچ گئے	۳۵۱
۱۵	احکام ومسائل	۳۵۲
۱۶	یہ سب کیوں ہوا؟	۳۵۳
۱۷	حضرت یوسف علیہ السلام کی جوانی	۳۵۴
۱۸	اللہ تعالیٰ کی مدد	۳۵۸
۱۹	زلیخا کی طوطا چشمی	۳۶۰
۲۰	احکام ومسائل	۳۶۵
۲۱	عورتوں کا چرچا	۳۶۶
۲۲	احکام ومسائل	۳۶۹
۲۳	زلیخا کی دھمکی	۳۶۹
۲۴	جیل میں دو قیدیوں کے خواب	۳۷۳
۲۵	احکام ومسائل	۳۷۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۶	دین کی دعوت	۳۷۵
۲۷	احکام و مسائل	۳۷۸
۲۸	یوسف علیہ السلام کا پیغام	۳۷۸
۲۹	احکام و مسائل	۳۸۰
۳۰	قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر	۳۸۱
۳۱	احکام و مسائل پیغمبرانہ شفقت کی عجیب مثال	۳۸۳
۳۲	حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا قدرتی سامان	۳۸۴
۳۳	خواب کی تعبیر	۳۸۶
۳۴	بادشاہ کی طرف سے بلاوا	۳۸۹
۳۵	احکام و مسائل	۳۹۴
۳۶	حضرت یوسف علیہ السلام کی انکساری	۳۹۶
۳۷	شاہی مشیر	۳۹۸
۳۸	احکام و مسائل	۳۹۹
۳۹	بادشاہت	۴۰۰
۴۰	بھائیوں کی آمد	۴۰۱
۴۱	احکام و مسائل	۴۰۷
۴۲	حضرت یوسف علیہ السلام کا والد کو اپنے بارے میں اطلاع نہ دینے کی حکمت	۴۰۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۳	باپ بیٹوں کی گفتگو	۴۰۸
۴۴	ظاہری انتظام	۴۰۹
۴۵	احکام ومسائل	۴۱۰
۴۶	نصیحت	۴۱۱
۴۷	نصیحت پر عمل	۴۱۳
۴۸	احکام ومسائل	۴۱۴
۴۹	ایک تدبیر	۴۱۵
۵۰	احکام ومسائل مذکورہ آیتوں سے چند مسئلے اور حکم معلوم ہوئے:	۴۱۷
۵۱	پیالے کی تلاش	۴۱۷
۵۲	چور کی سزا	۴۱۸
۵۳	تلاشی	۴۱۹
۵۴	احکام ومسائل	۴۲۱
۵۵	بوکھلاہٹ	۴۲۲
۵۶	بے کار خوشامد	۴۲۴
۵۷	مشورہ	۴۲۵
۵۸	باپ کے آگے پیشی	۴۲۷
۵۹	احکام ومسائل	۴۲۸

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۶۰	یعقوب علیہ السلام کا جواب	۴۲۸
۶۱	صبر کی تلقین	۴۳۰
۶۲	اُمید کا سبق	۴۳۱
۶۳	احکام و مسائل	۴۳۳
۶۴	درخواست	۴۳۳
۶۵	بالکل معافی	۴۳۵
۶۶	مصیبت کا خاتمہ	۴۳۶
۶۷	خوشی کی گھڑی	۴۳۹
۶۸	ملاقات	۴۴۰
۶۹	آخری تمنا	۴۴۲
۷۰	احکام و مسائل	۴۴
۷۱	نبوت کی دلیل	۴۴۵
۷۲	نشانیوں سے غفلت	۴۴۷
۷۳	پیغمبر کا راستہ	۴۴۸
۷۴	پہلے پیغمبر	۴۴۹
۷۵	اللہ تعالیٰ کی مدد	۴۵۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۷۶	قصہ کی غرض	۴۵۱
	سورۃ الرعد	
۱	قرآن حق ہے	۴۵۴
۲	تفسیر "سُوْرَۃُ الرَّعْدِ" کا تعارف	۴۵۴
۳	اللہ تعالیٰ کی پہچان	۴۵۶
۴	عجیب انتظام	۴۵۹
۵	تعجب کا مقام	۴۶۱
۶	عذاب میں تاخیر	۴۶۳
۷	معجزوں کا مطالبہ	۴۶۵
۸	اللہ تعالیٰ کی صفات	۴۶۶
۹	احکام ومسائل	۴۶۸
۱۰	قومی پستی	۴۶۹
۱۱	خوف اور اُمید	۴۷۱
۱۲	پکارنا کسے چاہئے؟	۴۷۳
۱۳	خلاصہ کلام	۴۷۴
۱۴	اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری	۴۷۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۵	احکام ومسائل	۴۷۵
۱۶	توحید	۴۷۶
۱۷	کوڑا کرکٹ	۴۷۷
۱۸	انجام	۴۷۸
۱۹	مؤمن اور کافر ہرگز برابر نہیں	۴۸۰
۲۰	بھلائی کا پھل	۴۸۴
۲۱	دوسرا گروہ	۴۸۵
۲۲	احکام ومسائل	۴۸۶
۲۳	دنیا وآخرت	۴۸۸
۲۴	دنیا کی خوشحالی اور بدحالی	۴۸۹
۲۵	وہی رَٹ	۴۹۰
۲۶	رجوع کی نشانی	۴۹۱
۲۷	پیغمبروں کے بھیجنے کا سلسلہ پرانا ہے	۴۹۳
۲۸	حکم اللہ تعالیٰ کا ہی ہے	۴۹۴
۲۹	پیغمبروں کا مذاق اڑانے پر بُرا انجام	۴۹۷
۳۰	مشرکوں کی بیوقوفی	۴۹۸
۳۱	جنت اور دوزخ	۵۰۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۲	پیغمبر کی شان	۵۰۲
۳۳	قرآن کا فیصلہ	۵۰۴
۳۴	پیغمبروں کا سلسلہ	۵۰۵
۳۵	کوئی زبردستی نہیں	۵۰۸
۳۶	اللہ تعالیٰ کی تدبیر	۵۱۱
	سورۃ ابراهیم	
۱	قرآن کا مقصد	۵۱۲
۲	کفر کی غلط کاریاں	۵۱۴
۳	غرض ہدایت ہے	۵۱۶
۴	پیغمبر کی مثال	۵۱۷
۵	موسیٰ علیہ السلام کا طرزِ عمل	۵۱۸
۶	شکر کا پھل	۵۱۹
۷	گذشتہ سے عبرت	۵۲۱
۸	پیغمبروں کا جواب	۵۲۳
۹	انکار کی وجہ	۵۲۴
۱۰	سہارا سب کا اللہ تعالیٰ ہے	۵۲۵
۱۱	کافروں کی دھمکی	۵۲۷
۱۲	اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر کو تسلّی	۵۲۷

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۳	ہمیشہ کا عذاب	۵۲۸
۱۴	کافروں کے عملوں کی مثال	۵۳۱
۱۵	دوبارہ اٹھنے کی حقیقت	۵۳۲
۱۶	نفسا نفسی	۵۳۴
۱۷	شیطان کا جواب	۵۳۵
۱۸	شیطان کا کورا جواب	۵۳۶
۱۹	ایمان اور نیکی	۵۳۷
۲۰	اچھا کلمہ	۵۳۸
۲۱	گندا کلمہ	۵۳۹
۲۲	ناشکرے	۵۴۲
۲۳	سخت نادانی	۵۴۴
۲۴	مسلمانوں کا کام	۵۴۵
۲۵	اللہ تعالیٰ کی نعمتیں	۵۴۷
۲۶	اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں	۵۴۸
۲۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء	۵۴۹
۲۸	بتوں سے نفرت	۵۴۹
۲۹	خوشحالی	۵۵۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۰	اللہ تعالیٰ کا علم	۵۵۲
۳۱	شکر کی ادائیگی	۵۵۳
۳۲	مغفرت	۵۵۳
۳۳	احکام و مسائل	۵۵۴
۳۴	مہلت ملی ہوئی ہے	۵۵۴
۳۵	تنبیہ!	۵۵۵
۳۶	حالِ زار	۵۵۶
۳۷	وعدہ پورا ہو کر رہے گا	۵۵۷
۳۸	مجرمو! سمجھ جاؤ	۵۵۹
۳۹	اختتام سورت	۵۶۰
	سورۃ الحجر	
۱	سورۃ الحجر کا تعارف	۵۶۱
۲	کتاب اور قرآن	۵۶۲
۳	پچھتاوا	۵۶۳
۴	ہمارے لئے سبق	۵۶۴
۵	کافروں کی کم عقلی	۵۶۵
۶	فرشتوں کا کام	۵۶۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۷	گناہ کی نحوست	۵۶۷
۸	برے عملوں کی نحوست	۵۶۸
۹	قدرت کے کرشمے	۵۶۹
۱۰	زمین کا انتظام	۵۷۱
۱۱	اللہ تعالیٰ کی حکمت اور روزمرہ زندگی کی ضرورتوں میں تناسب	۵۷۲
۱۲	چیزوں کی پیدائش	۵۷۳
۱۳	تمام مخلوق کے لئے پانی پہنچانے کا بندوبست	۵۷۴
۱۴	اللہ تعالیٰ کی شان	۵۷۶
۱۵	"مُسْتَقْدِمِیْنَ" اور "مُسْتَأْخِرِیْنَ" کی تفسیر	۵۷۷
۱۶	انسان کی پیدائش	۵۷۷
۱۷	فرشتوں کو حکم	۵۷۸
۱۸	ابلیس کی سرکشی	۵۷۹
۱۹	سجدہ نہ کرنے پر سزا	۵۸۰
۲۰	بے کار خیال	۵۸۲
۲۱	بُروں کا انجام	۵۸۳
۲۲	پرہیزگاروں کے لئے انعامات	۵۸۴
۲۳	چند علمی باتیں	۵۸۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲۴	رحمت اور عذاب	۵۸۶
۲۵	مہمانوں کا قصہ	۵۸۷
۲۶	اچانک خوشی	۵۸۸
۲۷	فرشتوں کے آنے کی غرض	۵۸۹
۲۸	لوط علیہ السلام کی قوم کے شہر	۵۹۰
۲۹	حضرت لوط علیہ السلام اور فرشتے	۵۹۰
۳۰	لوط علیہ السلام کو بستی سے چلے جانے کا حکم	۵۹۲
۳۱	تباہی کی وجہ	۵۹۳
۳۲	اچانک عذاب	۵۹۳
۳۳	عبرتناک واقعات	۵۹۴
۳۴	ثمود کا حال	۵۹۶
۳۵	یہ کائنات کھیل نہیں	۵۹۸
۳۶	اللہ تعالیٰ کا انعام	۵۹۹
۳۷	دعویٰ مع دلیل	۶۰۰
۳۸	دل کی تنگی کا علاج	۶۰۱
۳۹	سورۃ الحجر پر ایک نظر	۶۰۳
	سورۃ النحل	
۱	سورۃ النحل	۶۰۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۲	قیامت قریب ہے	۶۰۴
۳	پیش گوئی	۶۰۵
۴	انسان پر انعامات	۶۰۷
۵	مزید انعامات	۶۰۸
۶	اللہ تعالیٰ کا راستہ	۶۰۹
۷	رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے	۶۱۰
۸	انسان کی خاطر	۶۱۲
۹	سمندری نعمتیں	۶۱۳
۱۰	احکام و مسائل	۶۱۴
۱۱	زمینی نعمتیں	۶۱۶
۱۲	ان گنت نعمتیں	۶۱۷
۱۳	غیر اللہ کی بے بسی	۶۱۹
۱۴	ایمان کیوں نہیں لاتے؟	۶۲۱
۱۵	بہکانے والا وبال	۶۲۲
۱۶	پچھلوں سے عبرت	۶۲۴
۱۷	آخرت کا عذاب	۶۲۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۱۸	کفر کا انجام	۶۲۶
۱۹	نیک لوگ	۶۲۷
۲۰	متقیوں کا گھر	۶۲۸
۲۱	خوب سوچ لو!	۶۲۹
۲۲	سزا کا قانون	۶۳۰
۲۳	مشرکوں کی اُلٹی بات	۶۳۱
۲۴	پیغمبر کا کام	۶۳۳
۲۵	غلط یقین	۶۳۶
۲۶	کُنْ فَیَکُوْن	۶۳۶
۲۷	ہجرت کا بدلہ	۶۳۸
۲۸	پیغمبروں اور کتابوں کا سلسلہ	۶۴۰
۲۹	ایک اہم مضمون	۶۴۲
۳۰	عذاب کی صورتیں	۶۴۲
۳۱	"تَخَوُّف" کے معنیٰ کے بارے میں ایک حکایت	۶۴۳
۳۲	کائنات کا مطالعہ	۶۴۳
۳۳	اللہ تعالیٰ کی بادشاہت	۶۴۴
۳۴	شرک غلط ہے	۶۴۶

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۳۵	حقیقی انعام دینے والا	۶۴۷
۳۶	بے انصافی	۶۴۹
۳۷	بچیوں سے نفرت	۶۵۰
۳۸	لفظی تصویر	۶۵۲
۳۹	دنیا میں مہلت	۶۵۳
۴۰	کافروں کی بے عقلی	۶۵۴
۴۱	سمجھ کا پھیر	۶۵۵
۴۲	نزول قرآن	۶۵۶
۴۳	رحمت کا نمونہ	۶۵۶
۴۴	رحمت کے اور نمونے	۶۵۷
۴۵	پینے کی چیزیں	۶۵۸
۴۶	ایک اور نعمت	۶۵۹
۴۷	شہد میں شفاء	۶۶۰
۴۸	خود اپنی حالت	۶۶۲
۴۹	عبرت کی بات	۶۶۳
۵۰	غلام اور آقا برابر نہیں	۶۶۳
۵۱	توحید ثابت کرنے کیلئے ایک مثال	۶۶۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۵۲	اللہ تعالیٰ کی نعمت	۲۶۵
۵۳	غلط طریقہ	۲۶۶
۵۴	ایک مثال	۲۶۷
۵۵	ایک اور مثال	۲۶۸
۵۶	مثالوں کا مطلب	۲۶۹
۵۷	مخلوقات کا بھید	۲۷۰
۵۸	اللہ تعالیٰ کی قدرت	۲۷۱
۵۹	انسان کا آرام	۲۷۲
۶۰	مزید انعامات	۲۷۳
۶۱	ہٹ دھرمی	۲۷۵
۶۲	قیامت میں کیا ہوگا؟	۲۷۶
۶۳	شریکوں کا رویّہ	۲۷۷
۶۴	قرآن عظیم	۲۷۹
۶۵	قرآنی تعلیم کا خلاصہ	۲۸۰
۶۶	عہد و پیمان	۲۸۲
۶۷	احکام و مسائل عہد توڑنا حرام ہے	۲۸۴
۶۸	اختلاف اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے	۲۸۵

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۶۹	اللہ کا عہد	۶۸۸
۷۰	قرآن مجید پڑھنے کا طریقہ	۶۹۱
۷۱	احکام و مسائل	۶۹۲
۷۲	شیطان کا داؤ	۶۹۳
۷۳	قرآن کی حقیقت	۶۹۵
۷۴	کافروں کا انجام	۶۹۸
۷۵	احکام و مسائل "اکراہ" کی تعریف	۶۹۹
۷۶	کافر نقصان میں ہیں	۷۰۳
۷۷	پیغمبروں کی آمد	۷۰۵
۷۸	اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے	۷۰۷
۷۹	ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ	۷۰۹
۸۰	ہفتہ کا دن	۷۱۱
۸۱	اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے	۷۱۳

آیاتها – ۱۰۹ سُوْرَةُ یُوْنُسَ مَکِّیَّةٌ رکوعاتها – ۱۱

سورۃ یونس مکی ہے، اس میں ایک سو نو آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں۔

فرقِ مراتب

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۝۱ اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ
الٓرٰ۔ یہ آیتیں ہیں اس کتاب کی جو مضبوط اور پختہ ہے (۱) کیا ہوگیا واسطے لوگوں کے تعجب کہ

اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَ بَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا
وحی بھیجی ہم نے طرف مرد ایک کی میں سے انہی کہ ڈرائے لوگوں کو اور خوشخبری دے ان کو جو ایمان لائے

اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؔط قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ
کہ واسطے ان کے مرتبہ ہے بلند پاس رب ان کے کے کہا کافروں نے بلاشبہ

هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیْنٌ ۝۲
یہ ضرور جادوگر ہے ایک کھلا (۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ الٓرٰ۔ یہ مضبوط پختہ کتاب کی آیتیں ہیں۔ (۱) کیا لوگوں کو تعجب ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد پر وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈر سنائے اور ایمان والوں کو خوشخبری سنا دے کہ ان کے لیے اپنے رب کے ہاں بلند مرتبہ ہے منکر کہنے لگے بلاشبہ یہ تو کھلا جادوگر ہے۔ (۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ یہ آیتیں ہیں جس میں شک وشبہ ورد وبدل کی گنجائش نہیں ہے اس میں جو بات ہے وہ نہایت پختہ ہے یہ کتاب اللہ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دے کر انہیں انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ : میں لفظ تلک سے اشارہ اس سورت کی آیتوں کی طرف ہے جن کا ذکر آگے آرہا ہے اور کتاب سے مراد قرآن کریم ہے اس کی صفت اس جگہ حکیم کے لفظ سے بیان فرمائی ہے جس کے معنی اس جگہ حکمت والی کتاب کے ہیں۔

ارشاد ہے کہ: اس میں تعجب کی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے ایک انسان کو اپنا رسول مقرر کردے اور اس کو وحی کے ذریعے اپنا پیغام سمجھا کر لوگوں کے پاس بھیج دے تاکہ انسان کے لیے اس کا راستہ اور منزل واضح ہوجائے۔

اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ : اس لفظ قدم کے اصلی معنی تو وہی ہیں جو اردو میں سمجھے جاتے ہیں، یعنی: پاؤں، چونکہ انسان کی کوشش اور عمل اور اس کی ترقی کا ذریعہ قدم ہوتا ہے؛ اس لیے مجازاً بلند مرتبہ کو قدم کہا جاتا ہے، یعنی: اللہ پاک ان کو بلند مرتبہ عطا فرمائیں گے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر انسانوں کی طرف بھیجا جاتا ہے، لہٰذا پیغمبر کا ان کی جنس میں سے ہونا ضروری ہے تاکہ ان کو پیغمبر سے اجنبیت نہ ہو اور ان سے آسانی کے ساتھ دین حاصل کرسکیں اور جن کے فرائض میں یہ چیز شامل فرمائی کہ وہ لوگوں کو ان کے کفر وشرک کے برے انجام سے ڈرائیں۔

''رَجُل'' کے لفظ سے مشرکوں کے ایک شبہ اور اعتراض کا جواب ہے، شبہ کا حاصل یہ ہے کہ ان لوگوں نے اپنی جہالت سے یہ سمجھ رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو بھی پیغمبر آئے وہ انسان نہیں ہونا چاہئے بلکہ کوئی فرشتہ ہونا چاہئے، قرآن پاک نے ان کے اس لغو خیال کا جواب کئی جگہ مختلف انداز سے دیا ہے، ایک آیت میں ارشاد فرمایا ''قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ

مَلَكًا رَّسُوْلًا''، یعنی: اگر زمین پر بسنے والے فرشتے ہوتے تو ہم ان کے لیے پیغمبر بھی کسی فرشتہ ہی کو بناتے، جس کا حاصل یہ ہے کہ پیغمبری کا مقصد بغیر اس کے پورا نہیں ہو سکتا کہ جن لوگوں کی طرف کوئی پیغمبر بھیجا جائے وہ اور ان پر بھیجے گئے پیغمبر ایک دوسرے کے ہم جنس ہوں فرشتوں کی مناسبت فرشتوں سے اور انسان کی انسان سے ہوتی ہے، جب انسانوں کے لیے پیغمبر بھیجنا مقصد ہے تو کسی انسان ہی کو پیغمبر بنانا چاہئے۔

برائی سے ڈرانے کے بعد ایمان والوں کو بشارت دینے کا حکم بھی ساتھ ہی دیدیا گیا کہ آپ ایمان والوں کو خوشخبری بھی سنا دیں کہ حقیقی کامیابی انہی کو حاصل ہوگی چنانچہ اس سورت میں کامیابی کے بڑے بڑے اصول بیان کئے گئے ہیں، یہاں بھی فرمایا کہ: اے پیغمبر! آپ ایمان والوں کو خوشخبری دے دیں۔

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ: ان لوگوں کا اس بات پر تعجب کرنا کہ بشر کو کیوں پیغمبر بنایا گیا اور اس کو نافرمان انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے اور فرمانبرداروں کو اس کے ثواب کی خوشخبری سنانے کا کام کیوں سپرد کیا گیا، یہ تعجب خود قابل تعجب ہے کیونکہ انسانوں کی طرف انسان کو پیغمبر بنا کر بھیجنا عین عقل اور فطرت کے مطابق ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ''قَدَمَ صِدْقٍ'' کا ترجمہ ''دَرَجَةٌ رَفِيعَةٌ'' کرتے ہیں کہ ایمان والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑا اونچا درجہ ہے اس میں کمال، اور ترقی کی ساری حقیقتیں آجاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کے لیے مقرر کی ہیں۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ کا پیغمبر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے برے کاموں کے انجام سے ڈرانے اور اچھے کاموں کی خوشخبری دینے کا فریضہ انجام دے رہا ہے، برے عقیدے، برے اخلاق اور برے عمل والوں کو ڈرا رہا ہے اور اچھے عقیدے، اچھے اخلاق اور اچھے عمل والوں کو جنت کی خوشخبری دے رہا ہے، مگر کافروں کی حالت یہ ہے کہ وہ پیغمبر کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادوگر ہے۔ (اللہ بچائے)

اللہ تعالیٰ کی پہچان

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ
بلاشبہ رب تمہارا اللہ ہے وہ جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اندر چھ دن کے

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ مَا مِنْ شَفِیْعٍ اِلَّا
پھر قائم ہوا اوپر عرش کے بناتا ہے سارا کام نہیں کوئی سفارشی مگر

مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ؕ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③
بعد اجازت اس کی کے وہ ہے اللہ رب تمہارا پس عبادت کرو اسی کی کیا نہیں سوچتے تم (۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ تحقیق تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو چھ دن میں بنایا پھر قائم ہوا عرش پر، کام کی تدبیر کرتا ہے کوئی سفارش نہیں کرسکتا مگر اس کی اجازت کے بعد وہ ہے اللہ تعالیٰ تمہارا رب سو اس کی بندگی کرو کیا تم دھیان نہیں کرتے۔ (۳)

تفسیر

ارشاد ہوتا ہے کہ: ''اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ'' یہاں پر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی کہ وہی سب کا پالنے والا ہے، اور یہ لفظ قرآن پاک میں اکثر جگہوں پر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے کی صفت کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ کے سچے خدا ہونے کو سمجھایا گیا ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن پاک کی ابتداء بھی اسی لفظ رب سے ہوئی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' اور اس کے آخر میں بھی اسی صفت کا ذکر ہے ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ'' اور ''قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ''۔

اس کی قدرت اور حکمت تو ایسی ہے کہ وہ یکدم بھی ہر چیز کو پیدا کرسکتا ہے مگر اللہ پاک نے ان چیزوں کو

چھ دنوں میں پیدا فرمایا ہے تاکہ انسانوں کو اس بات کی تربیت دی جائے کہ کسی کام کو جلد بازی میں کرنے کے بجائے دھیرے دھیرے کریں، حدیث شریف میں آتا ہے، ''التوئد من الرّحمن والعجلة من الشیطان'' یعنی: کسی کام کو دھیرے دھیرے کرنا یہ اللہ پاک کی طرف سے ہے اور بغیر سوچے سمجھے کسی کام کو جلد بازی سے کرنا یہ شیطان کی طرف سے ہے، بہر حال پہلے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کی صفت کا ذکر ہوا، اس کے بعد پیدا کرنے کی صفت کا اور آگے اللہ پاک کے ایک ہونے کی صفت کا ذکر ہوگا، آسمان اور زمین کو چھ دن کے وقفہ میں پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ عرش پر قائم ہوا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے بڑی چیز عرش ہے جب اس پر اللہ تعالیٰ کی حکومت ہے تو ہر چیز پر اس کی حکومت ہے حدیث پاک میں آتا ہے کہ ساتوں آسمان و زمین عرش کے مقابلے میں ایسے ہی ہیں جیسے ایک بڑے سے تھال میں سات پیسے ہی ہوں۔

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ: وہ معاملے کی تدبیر کرتے ہیں، ''سورۂ الم سجدہ'' میں ہے کہ ''یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ''، وہ آسمان سے زمین تک ہر چیز کی تدبیر کرتے ہیں ظاہر ہے کہ ہر شئے کی تدبیر کرنے والے صرف اللہ تعالیٰ ہیں مگر مشرک لوگ اس مسئلہ میں بھی بہک جاتے ہیں اور شرک کرنے لگتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے میں تمام مشرک بھی متفق ہیں کہ ہر چیز کا مالک وہی ہے مگر جب تدبیر کی صفت آتی ہے تو پھر اس میں غیر اللہ کو بھی شریک کر لیتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ ہمارے اور معبود بھی ہیں جو ہماری مرادیں پوری کرتے ہیں اور ہماری سفارشیں کرتے ہیں البتہ جو مخلص مومن ہیں وہ تدبیر کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص کرتے ہیں کہ ذرے ذرے تک کی تدبیر صرف ذات باری تعالیٰ ہی کرتی ہے۔

فرمایا: ''مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ''، اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی سفارشی نہیں ہے مگر یہود و نصاریٰ اور مشرکوں نے سفارشی بنا رکھے ہیں جن کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ خدا راضی ہو نہ ہو یہ سفارشی ہمارا کام ضرور کرا دیں گے، یہ باطل عقیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکے گا ''مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ''، ''البقرۃ'' میں بھی یہی بات ہے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی سفارش کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے، اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کسی کو سفارش کی مجال نہیں، اور یہ

زبردستی والی سفارش والاعقیدہ تو مشرکوں کا ہے، اور صحیح سفارش بھی ان لوگوں کے حق میں ہوں گی، جن کے دل توحید کے نور سے روشن ہوں گے، ان کے لیے پیغمبر اور شہید اور نیک لوگ سفارش کریں گے، جو لوگ ایمان کے نور سے خالی ہوں گے ان کے لیے قطعاً سفارش نہیں ہو سکے گی؛ اسی لیے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔

فرمایا: یاد رکھو! "ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ"، یہی ہے تمہارا رب، ذرے ذرے کا مالک ہے، لہٰذا عبادت بھی صرف اسی کی کرو، اللہ کا پیغمبر بھی یہی تعلیم دیتا ہے کہ عبادت صرف ایک اللہ وحدہ لاشریک لہ کی کرو، فرمایا: "اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ"، کیا اس کے بعد بھی تم نصیحت نہیں پکڑتے؟

اس آیت میں توحید کو اس ناقابل انکار حقیقت کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے کہ آسمان اور زمین کو پیدا کرنے میں اور پھر پورے جہان کے کاموں کی تدبیر کرنے اور چلانے میں جب اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک اور ساجھی نہیں تو پھر عبادت وطاعت میں کوئی دوسرا کیسے شریک ہو سکتا ہے، بلکہ کسی دوسرے کو اس میں شریک کرنا بڑی بے انصافی اور بڑا ظلم ہے۔

دوسری زندگی

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ

طرف اسی کی　لوٹنا ہے تمہارا　سب کے سب کا　وعدہ　اللہ تعالیٰ کا　حق ہے　بلاشبہ وہی شروع کرتا ہے　پیدا کرنا　پھر

يُعِيْدُهٗ لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ

دوبارہ کرے گا　تاکہ بدلہ دے　ان کو جو　ایمان لائے　اور　کئے کام　نیک　ساتھ انصاف کے

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِيْمٌۢ

اور　وہ لوگ　کفر کیا جنہوں نے　واسطے ان کے　پینا ہے　میں سے کھولتے ہوئے پانی　اور　عذاب　دردناک

بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ④

بوجہ اس کے تھے وہ کفر کرتے (۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے، وہی اول بار پیدا کرتا ہے اور وہی پھر دوبارہ پیدا کرے گا، تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے تھے اور نیک کام کئے تھے انصاف کے ساتھ بدلہ دے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے اس لیے کہ وہ کفر کرتے تھے۔ (۴)

تفسیر

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنے کی صفت کا ذکر فرمایا ہے، سفارش کا مسئلہ سمجھایا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کا درس دیا ہے، اور آخر کار ایمان والوں اور کافروں کی جزا اور سزا کا ذکر فرما کر ان کے انجام سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔

اس آیت میں آخرت کے عقیدہ کا بھی بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تم سب کا لوٹنا ہے، اور یہ اللہ تعالیٰ کا سچا اور پکا وعدہ، یعنی: وہ پہلی بار پیدا کرتا ہے تمام مخلوق کو اور وہی اس کو قیامت میں دوبارہ زندہ فرمائے گا، اس جملہ میں بتلا دیا گیا کہ اس پر کوئی تعجب کرنے کی بات نہیں کہ یہ ساری کائنات فنا ہو جانے کے بعد پھر کیسے زندہ ہوگی کیونکہ جس ذات کے قبضہ میں یہ ہے کہ پہلی کسی چیز کو بغیر کسی مادہ کے اور بغیر کسی نمونہ کے پیدا کر دے اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ پیدا شدہ مخلوق کو فنا کرنے کے بعد پھر دوبارہ پیدا کر دے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: تمہارا کام جب ٹھیک ہوگا جب تم یقین کر لو گے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو کر جواب دینا ہوگا، اسی نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا اور وہی تمہارے مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ پیدا کرے گا، اور اپنے اطاعت گذار بندوں کو ان کے عملوں کا انصاف کے ساتھ بدلہ دے گا، اور نہ ماننے والوں کو یہ

بدلہ ملے گا کہ وہاں انہیں تکلیف پہنچانے والی چیزیں دی جائیں گی، مثلاً: کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور پریشانی اور تکلیف ان کو ہر طرف سے گھیر لیں گی۔

قرآن کریم کی سچائی، پیغمبر کی پیغمبری اور قیامت کا واقع ہونا آپس میں ایک دوسرے سے جڑی ہوئی چیزیں ہیں کیونکہ اس دنیا میں آسمانی کتابوں اور پیغمبروں پر ایمان لانے یا نہ لانے کا بدلہ تو قیامت کو ہی ملے گا تو فرمایا، لوگو یاد رکھو! اس دنیا میں تم جو چاہو کرلو، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرالو، مگر بالآخر تم سب کو اسی اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے وہاں ہر ایک کو ان کے کیے کی سزا مل کر رہے گی یہ اللہ پاک کا سچا وعدہ ہے اور اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

سب اسی نے پیدا فرمایا ہے

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ مَنَازِلَ

وہی ہے جس نے بنایا سورج کو چمک دار اور چاند کو روشن اور مقرر کردیں واسطے اسکے منزلیں

لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ ؕ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا

تا کہ جانو تم گنتی برسوں کی اور حساب نہیں پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ سب مگر

بِالْحَقِّ ۚ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴿۵﴾

ساتھ نظام مقرر کے کھولتا ہے وہ نشانیاں واسطے اس قوم کے جو جانتے ہیں (۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہی ہے جس نے سورج کو چمکدار بنایا اور چاند کو روشن اور اس کے لیے منزلیں مقرر کیں تا کہ برسوں کی گنتی اور حساب پہچانو، اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ نہیں بنایا مگر تدبیر سے نشانیاں ان لوگوں کے لیے ظاہر کرتا ہے جنہیں سمجھ ہے۔ (۵)

تفسیر

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً: ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے سورج کو

چمکدار بنایا اور چاند کو روشن بنایا اس کائنات میں نہ صرف انسان بلکہ ہر جاندار سورج اور چاند سے فائدہ حاصل کرتا ہے، جانداروں کے پودے، درخت اور کیڑے مکوڑے وغیرہ تک سورج اور چاند کی روشنی سے فائدہ اٹھارہے ہیں، چاند کی دھیمی اور ٹھنڈی روشنی ایک طرف انسانوں کے لیے روشنی مہیا کرتی ہے، تو دوسری طرف پھلوں میں مٹھاس پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے۔

انسان کو دونوں قسم کی روشنیوں کی ضرورت پڑتی ہے، عام کاروبار کے لیے دن کی تیز روشنی درکار ہے، اور معمولی کاموں کے لیے رات کی ہلکی روشنی کو پسند کیا جاتا ہے، اگر دن کو بھی صرف چاند کی دھیمی روشنی رہے تو کاروبار میں خلل آئے اور رات کو بھی سورج چمکتا رہے، تو نیند اور رات کے مناسب کاموں میں خلل آئے؛ اس لیے قدرت نے دونوں طرح کی روشنی کا انتظام فرمایا۔

"وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا" الخ: (چاند کو روشن بنایا اور اس کے لیے منزلیں مقرر کردیں)، ہم دیکھتے ہیں کہ چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں اور وہ ہر روز نئی منزل میں ہوتا ہے، پھر ایک یا دو دن غائب رہتا ہے اور اس طرح پورے مہینہ میں اپنی منزلیں طے کرلیتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سورج کے لیے بھی منزلیں مقرر کر رکھی ہیں، سورج اپنی حرکت بارہ برجوں میں جاری رکھتا ہے، سال بھر ان منزلوں پر چلنے کی وجہ سے موسم میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے، کبھی گرمی، کبھی سردی، کبھی بہار اور کبھی خزاں، اگر سورج پورا سال ایک ہی راستہ پر چلے تو موسم تبدیل نہ ہوں بلکہ سارا سال ایک موسم رہے، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص حکمت کے تحت سورج کی منزلیں مقرر کردی ہیں جن کی وجہ سے انسان مختلف موسموں میں مختلف ضروریات حاصل کرلیتا ہے۔

لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَ الْحِسَابَ: فرمایا: ہم نے اس کی منزلیں مقرر کی ہیں، تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب معلوم کرسکو، رات اور دن کا نظام بھی اللہ تعالیٰ نے ان سیاروں کی گردش پر رکھا ہے، لہٰذا ایک دن اور ایک رات پورے ہونے پر چوبیس گھنٹے شمار ہوتے ہیں، اور پھر ایک ایک دن کرکے مہینوں، سالوں اور صدیوں کی گنتی کا حساب لگالیا جاتا ہے، اگر دن اور رات میں ادلی بدلی نہ ہو تو حساب کتاب کا معلوم کرنا ممکن نہ ہو، تمام کاروبار اور عبادتوں کا نظام دن رات کے سلسلے سے جڑا ہوا ہے دن کے وقت کام کرکے آدمی تھک جاتا ہے،

تو رات کو آرام کر کے اگلے دن کے کام کاج کے لیے پھر تیار ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اس نظام میں بڑے فائدے رکھے ہیں؛ اسی لیے فرمایا کہ: چاند اور سورج کو تمہارے حساب کا ذریعہ بنایا۔

ایک حدیث شریف میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان موجود ہے کہ: اللہ تعالیٰ کے اچھے بندے وہ ہیں جو سورج اور چاند کی گردش کے اوقات معلوم کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا اہتمام کرتے ہیں، گویا عبادت کا تعلق بھی اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کے ساتھ رکھا ہے۔

اس کے بعد آخر آیت میں اسی پر مزید تنبیہ کے لیے فرمایا: "مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ "، یعنی: ان سب چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے بے فائدہ پیدا نہیں کیا بلکہ ان میں بڑی بڑی حکمتیں اور انسان کے لیے بے شمار فائدے ہیں، وہ یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بتلا رہے ہیں جو عقل و دانش رکھتے ہیں۔

احکام و مسائل

یہ بات یاد رہے کہ سورج کے نظام کا یاد رکھنا یا استعمال کرنا ناجائز نہیں ہے بلکہ اس کا اختیار ہے کہ کوئی شخص نماز، روزے، حج، زکوۃ اور عدت کے معاملہ میں تو چاند کا حساب استعمال کرے مگر اپنے کاروبار اور تجارت وغیرہ میں سورج کے نظام کے مطابق عمل کرے، شرط یہ ہے کہ مجموعی طور پر مسلمانوں میں چاند کا حساب جاری رہے تاکہ رمضان اور حج وغیرہ کے اوقات معلوم ہوتے رہیں، ایسا نہ ہو کہ اسے جنوری اور فروری وغیرہ کے سوا کوئی مہینے معلوم نہ ہوں، فقہاء کرام رحمہ اللہ علیہم نے چاند کا حساب باقی رکھنے کو مسلمانوں کے ذمہ فرض کفایہ قرار دیا ہے۔

اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ پیغمبروں کی سنت اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور خلفائے راشدین میں چاند کے نظام کے مطابق ہی عمل کیا گیا ہے اس کا اتباع برکت اور ثواب کا ذریعہ ہے۔

بات کا خلاصہ

إِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ

تحقیق میں بدلنے رات اور دن کے اور جو پیدا کیا اللہ نے میں آسمانوں

وَ الْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝٦

اور زمین البتہ نشانیاں ہیں واسطے ان لوگوں کے جو ڈرتے ہیں (۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ البتہ رات دن کے بدلنے میں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ان لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں جو (اللہ تعالیٰ سے) ڈرتے ہیں۔(۶)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد فرمایا کہ: رات دن کے ایک دوسرے کے بعد آنے میں اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین میں پیدا فرمایا ہے ان سب میں ان لوگوں کے واسطے (توحید اور آخرت کی) دلیلیں ہیں جو خدا تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔

بے مثال قدرت اور بغیر کسی امداد کے ان تمام چیزوں کو پیدا کرنا اور ایسے نظام کے ساتھ چلانا اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی دلیلیں ہیں، اس لیے کہ اگر اس نظام کو بنانے والے کئی ہوتے تو ضرور اس نظام میں پھوٹ ہوتی اور خلل واقع ہوتا۔

اور یہ چیزیں آخرت کی دلیلیں اس طرح بنتی ہیں کہ جس اللہ نے ان تمام چیزوں کو انسانوں کے فائدے کے لیے بنایا اور ایک مضبوط نظام کا پابند کیا، اس سے یہ ممکن نہیں کہ اس نے انسانوں اور جنوں کو بے فائدہ محض کھانے پینے کے لیے پیدا کیا ہو، اس کے ذمہ کچھ فرائض نہ لگائے ہوں اور جب یہ لازم ہوا کہ ان پر بھی کچھ پابندیاں ہونا ضروری ہے، تو یہ بھی لازم ہوا کہ ان پابندیوں کو پورا کرنے والوں اور نہ کرنے والوں کا کبھی کہیں

حساب ہو، کرنے والوں کو اچھا بدلہ ملے اور نہ کرنے والوں کو سزا، اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس دنیا میں تو جزا اور سزا کا یہ دستور نہیں، یہاں تو مجرم بسا اوقات متقی پارسا سے زیادہ اچھی خوشحال زندگی گذارتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ حساب اور جزا و سزا کا کوئی دن مقرر ہو، اسی کا نام قیامت اور آخرت ہے۔

غافلوں کا ٹھکانا

إِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
تحقیق جولوگ نہیں توقع رکھتے ملاقات ہماری کے اور خوش ہوگئے ساتھ زندگی کے دنیا کی

وَ اطْمَاَنُّوْا بِهَا وَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ أُولٰٓئِكَ
اور مطمئن ہوئے وہ ساتھ اس کے اور جولوگ وہ سے نشانیاں ہماری غافل ہیں (۷) ایسے لوگ

مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝
ٹھکانہ ان کا آگ ہے بدلے اس کے جو تھے کماتے وہ (۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ البتہ جولوگ ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پر خوش ہو گئے اور اسی پر مطمئن ہو گئے اور جولوگ ہماری نشانیوں سے بے خبر ہیں۔(۷) ایسوں کا ٹھکانا آگ ہے اس کے بدلے میں جو وہ کماتے تھے۔(۸)

تفسیر

یہ آیت انسانوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے یہ ایک ایسا عام حکم ہے جس کے اندر کسی کی رو رعایت نہیں۔

اس آیت میں فرمایا کہ: ''جن لوگوں کو ہمارے پاس آنے کی توقع نہیں ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ آخرت کی ہمیشہ والی زندگی اور اس کے دکھ سکھ کو بھلا کر صرف دنیا کی زندگی پر راضی ہو گئے''۔

دوسرے یہ کہ: ''اس دنیا میں ایسے مطمئن ہو کر بیٹھے ہیں کہ گویا یہاں سے کہیں جانا ہی نہیں ہمیشہ یہیں رہنا ہے ان کو کبھی یہ دھیان نہیں آتا کہ اس دنیا سے ہر شخص کو رخصت ہونا تو ایسا آنکھوں دیکھا معاملہ ہے جس میں کبھی کسی کو شبہ ہی نہیں ہو سکتا اور جب یہاں سے جانا یقینی ہے تو جہاں جانا ہے وہاں کی کچھ تیاری ہونی چاہئے''

تیسرے یہ کہ: ''یہ لوگ ہماری آیتوں اور نشانیوں سے لگاتار غفلت ہی غفلت میں ہیں، اگر وہ آسمان وزمین اور ان کے درمیان کی عام مخلوقات میں اور خود اپنے اندر ذرا بھی غور کرتے تو حقیقت کا سمجھنا کچھ مشکل نہ ہوتا'' اور وہ اس بے وقوفانہ غفلت سے نکل سکتے تھے۔

ایسے لوگ جن کی علامتیں بتلائی گئیں ان کی سزا آخرت میں یہ ہے کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے اور یہ سزا خود ان کے اپنے عملوں کا نتیجہ ہے۔

افسوس ہے کہ! قرآن کریم نے کافروں کی آخرت سے غفلت کے بارے میں جو حالت بتلائی ہیں آج ہم مسلمانوں کا عمل ان سے کچھ جدا نہیں، ہماری زندگی اور دن رات کے ہمارے کاموں اور ہماری سوچوں کو دیکھ کر کوئی نہیں سمجھ سکتا کہ ہمیں اس دنیا کے سوا آخرت کی بھی کوئی فکر لگی ہوئی ہے اور اس کے باوجود ہم اپنے آپ کو پکا اور سچا مسلمان یقین کئے بیٹھے ہیں، حالانکہ سچے اور پکے مسلمان تو وہ ہوتے ہیں کہ جن کے چہرے دیکھ کر خدا یاد آتا ہو اور یہ محسوس ہوتا ہو کہ یہ کسی ہستی کا خوف اور کسی حساب کی فکر رکھتے ہیں۔

اللہ والوں کا حال

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيهِمْ رَبُّهُمْ بِإِيمَانِهِمْ ۚ

تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے نیک راستہ دکھائیگا ان کو رب ان کا بدولت ایمان ان کے کی

تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهٰرُ فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿٩﴾ دَعْوٰهُمْ فِيهَا

بہتی ہوں گی سے نیچے ان کے نہریں میں باغوں چین آرام والے کے (۹) صدا ان کی ہوگی میں اس

سُبۡحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ تَحِيَّتُهُمۡ فِيۡهَا سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعۡوٰٮهُمۡ اَنِ
پاک ہیں آپ اے اللہ! اور ملتے وقت کا کلام ان کا میں اس سلام ہوگا اور خاتمہ بات ان کی کا یہ ہوگا کہ

الۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝۱۰ ع ۶
خوبیاں ساری واسطے اس اللہ کے پروردگار ہیں جو سارے جہانوں کے (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے ان کو ان کا رب ایمان سے ہدایت کرے گا، ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، آرام کے باغوں میں۔(۹) ان کی صدا اس جگہ یہ ہے کہ پاک ذات ہے آپکی اے اللہ اور ان کے آپس کی دعا سلام ہوگی اور ان کی بات کا خاتمہ اس پر ہوگا کہ "الحمد للہ رب العالمین"۔(۱۰)

تفسیر

اس آیت میں واضح طور پر فرمایا گیا کہ اللہ جل شانہ کو مان کر اس کی طرف سے مقرر کی ہوئی شریعت کی پابندی کرنے والے ہر طرح سے فائدہ میں رہیں گے، اللہ تعالیٰ کو پہچان کر اس کے حکم پر چلنے والوں کے لیے مرنے کے بعد کشادہ باغ اور مکانات جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی رہنے کو ملیں گی جن میں بے شمار نعمتیں ہوں گی، سلامتی اور امن کی زندگی ہمیشہ کے لیے ہوگی اور جنت والے اللہ تعالیٰ کا شکر کریں گے اور مزے سے رہیں گے اور کہیں گے "الحمد للہ رب العالمین"، وہاں کسی قسم کا کوئی دنیاوی جھگڑا یا ناراضگی نہ ہوگی، سب خوش ہوں گے اور آپس میں ایک دوسرے کو بھی سلام اور دعا سے ہی یاد کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جس کے دل میں ایمان ہوتا ہے، یعنی: جو اپنے رب کو پہچان کر اس کی تابعداری کے لیے دل وجان سے تیار ہوتے ہیں انہیں اللہ جل شانہ اس راستے پر ڈال دیتا ہے بے ایمان لوگ غلط راستوں پر بھٹکتے بھٹکتے آخر کار دوزخ میں جا گرتے ہیں۔

یہاں پر ان خوش نصیب لوگوں کا ذکر ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں غور کیا اور اس کو

پہچانا اس پر ایمان لائے اور ایمان کے تقاضے پر عمل کر کے نیک عملوں کے پابند ہو گئے۔

قرآن کریم نے ان حضرات کے لیے دنیا و آخرت میں جو اچھا صلہ اور بدلہ مقرر فرمایا ہے اس کا ذکر اس طرح فرمایا ''يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ''یعنی: ان کا رب ان کو ایمان کی وجہ سے منزل مقصود، یعنی: نعمتوں والی جنت تک پہنچائے گا، جس میں نہریں بہتی ہوں گی۔

یہاں پر لفظ ہدایت آیا ہے جس کے مشہور معنی راستہ بتلانے اور دکھلانے کے ہیں اور کبھی منزل مقصود تک پہنچا دینے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے یہاں پر یہی معنی مراد ہیں اور منزل مقصود سے مراد جنت ہے جن کی وضاحت بعد کے لفظوں میں ہو گئی ہے، جس طرح نافرمانوں کی سزا ان کے اپنے کرتوت کا نتیجہ تھی اسی طرح ایمان والوں کو اچھا بدلہ دینے کے بارے میں فرمایا کہ یہ بہترین جزاء ان کو ان کے ایمان کی وجہ سے ملی ہے اور چونکہ اوپر ایمان کے ساتھ نیک کام کا ذکر آچکا ہے اس لیے اس جگہ ایمان سے وہی ایمان مراد ہوگا جس کے ساتھ نیک عمل بھی ہوں، ایمان اور نیک عمل کا بدلہ بے مثال راحتوں اور نعمتوں کا مقام جنت ہے۔

امام ابن جریر، ابن منذر وغیرہ نے یہ روایت نقل کی ہے کہ جنت والوں کو جب کسی چیز کی ضرورت اور خواہش ہوگی تو وہ '' سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ '' کی آواز لگائیں گے، یہ سنتے ہی فرشتے ان کے مطلب کی چیز حاضر کر دیں گے، گویا کلمہ '' سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ ''جنتیوں کا ایک مخصوص لفظ ہوگا جس کے ذریعہ وہ اپنی خواہش کا اظہار کریں گے، اور فرشتے ہر مرتبہ اس کو پورا کر دیں گے۔

جنتیوں کا دوسرا حال یہ بتلایا کہ '' وَ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ '' ''تَحِيَّةٌ'' عرف میں اس کلمہ کو کہا جاتا ہے جس کے ذریعہ کسی آنے والے یا ملنے والے شخص کا استقبال کیا جاتا ہے، جیسے: سلام یا خوش آمدید، اهلاً وّسهلاً وغیرہ اس آیت نے بتلایا کہ اللہ جل شانہ کی طرف سے یا فرشتوں کی طرف سے جنت والوں کا ''تَحِيَّةٌ''، یعنی:

ملاقات کے وقت کا کلام لفظ "سلام" سے ہوگا، یعنی: ایک دوسرے کو "السلام علیکم" یا "سلام علیکم" کہیں گے جس کے معنیٰ ہے کہ تم ہر تکلیف اور نا گوار چیز سے محفوظ رہو گے، یہ سلام خود حق تعالیٰ کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے جیسے: "سورۂ یٰس" میں ہے "سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ" اور فرشتوں کی طرف سے بھی ہوسکتا ہے، جیسے: دوسری جگہ ارشاد ہے کہ "وَ الْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ"، یعنی: فرشتے جنت والوں کے پاس ہر دروازے سے "سلام علیکم" کہتے ہوئے داخل ہوں گے اور یہ دونوں اس طرح ممکن ہیں کہ کسی وقت براہِ راست اللہ تعالیٰ کا سلام پہنچے اور کسی وقت فرشتوں کی طرف سے، (روح) تیسرا حال جنتیوں کا یہ بتلایا کہ "وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" یعنی: ان کی گفتگو کا آخری کلام "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" ہوگا۔

احکام ومسائل

قرطبی نے "احکام القرآن" میں فرمایا کہ: کھانے پینے اسی طرح تمام کاموں میں سنت اہل جنت کے اس عمل کے مطابق یہ ہے کہ "بسم اللہ" سے شروع کرے اور "الحمدللہ" پر ختم کرے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ بندہ جب کوئی چیز کھائے پیئے تو "بسم اللہ" سے شروع کرے اور فارغ ہونے پر "الحمدللہ" کہے۔

مہلت

وَ لَوْ یُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ

اور | اگر | جلدی بھیج دی | اللہ نے | واسطے لوگوں کے | برائی | جیسے وہ جلدی مانگتے ہیں | بھلائی | تو ختم کردی جائے

اِلَیْهِمْ اَجَلُهُمْ ؕ فَنَذَرُ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِیْ

ان کو | عمر ان کی | پس چھوڑتے ہیں ہم | ان کو جو | نہیں | اُمید رکھتے | ملاقات ہماری کی | میں

طُغۡيَانِهِمۡ يَعۡمَهُوۡنَ ﴿۱۱﴾

سرکشی ان کی بھٹکتے ہوئے (۱۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو برائی جلدی پہنچادے جیسے کہ وہ بھلائی جلدی مانگتے ہیں تو ان کی عمر ختم کردی جائے، سو ہم ان کو جنہیں ہماری ملاقات کی جلدی امید نہیں ان کی شرارت میں سرگرداں چھوڑتے ہیں۔(۱۱)

تفسیر

ارشاد ہے کہ بعض لوگ ایسے گستاخ ہیں کہ اپنے لیے برائی مانگ بیٹھتے ہیں چنانچہ جب کافروں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ لوگ کہتے کہ کیوں باتیں بناتے ہو اگر یہ سچ ہے تو عذاب کیوں نہیں آتا اور بعض تو یہاں تک دلیر تھے کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس سے کہتے کہ اگر اسلام تو نے بھیجا ہے اور یہی سچ ہے تو ہم پر پتھر برسادے یا کوئی اور دکھ دینے والا عذاب بھیج دے۔(”سورۂ انفال“ میں یہ باتیں گذر چکی ہیں)۔

وَ لَوۡ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ: ان سے کہہ دیں کہ اگر عذاب بھی اسی طرح جلدی آجایا کرتا، جیسے: دن رات تم پر انعام واکرام کی بارشیں ہوتی رہتی ہیں تو دنیا میں تمہارا زندہ رہنا مشکل ہوجاتا جو لوگ ایمان سے محروم ہیں، بعض دفعہ مصیبت میں یا غصہ میں اپنے آپ کو یا دوسروں کو بری طرح کوسنے کاٹنے بھی لگتے ہیں، اگر ان کا کہا مان لیا جائے تو دنیا کا خاتمہ ہوجائے لیکن دنیا کو قائم رکھنا ہے تاکہ نیک لوگ نیکیاں کرلیں اور آخرت میں اجر کے مستحق ہوں، اس لیے ان کی بددعاؤں کا خیال نہیں کیا جاتا اور ان کو ان کی بدمستیوں میں غافل رہنے دیا جاتا ہے۔

اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے انسان کی ناشکری اور جلد بازی کا ذکر فرمایا ہے سورۂ بنی اسرائیل میں یہ بھی موجود ہے کہ ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرادے کیونکہ ہم محمد اور اس کے لائے ہوئے دین کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے تھے کہ اگر آپ پیغمبر ہونے کے دعوے میں سچے ہیں، اگر واقعی قیامت آنے

والی ہے، تو پھر ہمارے سروں پر آسمان کا ٹکڑا گرا دے تا کہ تیری سچائی واضح ہو جائے اس آیت میں بھی یہی مضمون بیان کیا گیا ہے کہ انسان بھلائی کا تو ہر وقت طلبگار رہتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کے مال و دولت میں اضافہ ہو ہر طرح کا آرام اور راحت حاصل ہو مگر جب تنگ دل ہو کر کسی وقت سزا کی دعا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جلد بازی نہیں فرماتے ورنہ وہ فوراً ہلاک ہو جائیں۔

اس آیت کا تعلق ان لوگوں سے ہے جو آخرت کے منکر ہیں، اسی وجہ سے جب ان کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا جاتا ہے تو وہ مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر تم سچے ہو تو یہ عذاب ابھی بلا لو یا یہ کہ پھر یہ عذاب جلد کیوں نہیں آجاتا؟

اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہیں یہ عذاب فوراً اس وقت بھی اتار سکتے ہیں مگر وہ اپنی حکمت سے ایسا نہیں کرتے یہ ناسمجھ جو اپنے حق میں بددعا کرتے اور عذاب مانگتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ ان کی بددعا کو بھی اسی طرح جلد قبول فرمالیں جس طرح ان کی اچھی دعا کو اکثر کر لیتے ہیں تو یہ سب ہلاک ہو جاتے۔

احکام و مسائل

اس سے معلوم ہوا کہ خوشحالی کی دعا کے متعلق تو حق تعالیٰ کی یہ عادت ہے کہ اکثر جلد قبول کر لیتے ہیں لیکن اگر کوئی اپنی نادانی سے یا غصہ اور رنج سے اپنے لیے یا اپنے اہل وعیال کے لیے بددعا کر بیٹھے یا آخرت کے انکار کی بناء پر اپنے لیے عذاب مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کو فوراً قبول نہیں فرماتے بلکہ مہلت دیتے ہیں تا کہ منکر کو غور وفکر کر کے اپنے انکار سے باز آنے کا موقع ملے اور اگر کسی وقتی رنج وغصہ یا دلی تنگی کے سبب بددعا کر بیٹھا ہے تو اس کو اس کی مہلت مل جائے کہ اپنے بھلے برے کو دیکھے اور انجام پر نظر ڈال کر اس سے باز آجائے۔

مصیبت میں فریاد

وَ اِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآىِٕمًا ۚ

اور جب پہنچتا ہے انسان کو دُکھ پکارتا ہے ہمیں پڑا پہلو اپنے پر یا بیٹھے ہوئے یا کھڑے ہوئے

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ يَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ

پھر جب دور کردیتے ہیں ہم سے اس دُکھ اس کا چل دیتا ہے گویا نہ پکارتا تھا ہمیں میں کسی دکھ جو پہنچا تھا اسے

كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۲

اسی طرح آراستہ کردیا گیا واسطے گستاخوں کے جو ہیں کررہے وہ (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب انسان کو تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے پڑا ہوا یا بیٹھا یا کھڑا ہوا پھر جب ہم اس سے وہ تکلیف دور کردیتے ہیں چلا جاتا ہے گویا ہم کو کسی تکلیف پہنچنے پر پکارا ہی نہ تھا، اسی طرح خوشنما بنادیا گیا بے باک لوگوں کو جو کچھ وہ کررہے ہیں۔ (۱۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ انسان خوشحالی میں اللہ تعالیٰ کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا لیکن جب اس پر کوئی سخت مصیبت پڑتی ہے اور بچنے کا کوئی چارۂ کار نہیں رہتا تو وہ جس حالت میں بھی ہو لیٹا ہو بیٹھا ہو یا کھڑا ہو بے ساختہ اللہ تعالیٰ کو پکارتا اور اس سے مدد طلب کرتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب مصیبت میں اور کوئی مدد کرنے والا نہیں ہوتا تو انسان ہمیں پکارتا ہے یہ تو اچھی بات ہے کہ انسان اس پر قائم رہے اور مصیبت میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارے اسی کو اپنے ہر نفع نقصان کا مالک سمجھے مگر افسوس کہ انسان کی یہ حالت قائم نہیں رہتی جب ہم اس کی تکلیف کو دور کردیتے ہیں تو وہ ایسے گزر جاتا ہے کہ جیسے اس نے ہمیں کسی تکلیف کے وقت پکارا ہی نہیں، تکلیف کے دور

ہو جانے پر وہ اس طرح بھول جاتا ہے گویا کہ نہ اسے کبھی تکلیف آئی اور نہ اس نے ہمارے سامنے ہاتھ پھیلائے یہ انسان کی خودغرضی اور بے وفائی کی انتہا ہے۔

"سورۂ نحل" میں اس طرح آتا ہے" ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ " پھر جب وہ تم سے تکلیف دور کر دیتا ہے تو تم میں سے ایک گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے جب مشکل پیش آتی ہے تو خدا تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ مہربانی فرما کر تکلیف کو دور کر دیتے ہیں تو اس کا اعزاز (کریڈٹ) غیر اللہ کو دیتے ہیں اور ان کے نام کی نذر و نیاز دینے لگتے ہیں، اور پھر وہی کفریہ اور شرکیہ رسم و رواج شروع کر دیتے ہیں۔

"سورۂ عنکبوت" میں موجود ہے کہ جب وہ کشتی میں سوار ہوتے تھے تو حفاظت کے ساتھ پار اترنے کے لیے خالص اللہ تعالیٰ کو پکارتے تھے، جب اللہ تعالیٰ ان کو نجات دے کر خشکی پر پہنچا دیتے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرانے لگتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کی بردباری پر تمہیں مغرور نہیں ہونا چاہئے وہ دیر سے پکڑتا ہے مگر سختی سے پکڑتا ہے اللہ تعالیٰ کی اس بات کو قرآن پاک میں کثرت سے بیان کیا گیا ہے اسی لیے فرمایا کہ نافرمانوں کو مہلت ملنے سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے اور نہ انہیں اللہ تعالیٰ کا محبوب سمجھنا چاہئے بلکہ یہ تو خدا تعالیٰ کی دی ہوئی ڈھیل ہے۔

"بخاری شریف" کی حدیث میں آتا ہے کہ جب تم دیکھو کہ کوئی شخص نافرمانی میں بڑھ رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے مال و دولت سے نواز رہا ہے تو ہرگز دھوکا نہ کھانا کیونکہ یہ تو ڈھیل ہے کسی نہ کسی وقت یہ آدمی ضرور پکڑا جائے گا، اگر اس زندگی میں اس کی پکڑ نہ بھی ہوئی تو مرنے کے بعد فوراً پکڑ ہو جائے گی۔

بہرحال نافرمانوں کے لیے مہلت اللہ تعالیٰ کا حلم اور حوصلہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔

مشرکوں کو اپنی نظروں میں اپنے شرکیہ کام بڑے خوبصورت اور بھلے معلوم ہوتے ہیں، فرمایا "كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" کفر، شرک، اور بدعت کا ارتکاب کرنے والوں کو شیطان ان کے

کام خوبصورت کر کے دکھاتا ہے یہ لوگ حد سے بڑھے ہوئے ہیں جو ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کر رہے ہیں، شکر کی بجائے ناشکری کو اپنا رہے ہیں اور خدا تعالیٰ کو بالکل بھول چکے ہیں ایسے لوگ اپنے برے عملوں کو ہی اچھا سمجھ کر ان پر چلے جا رہے ہیں۔

دنیا میں سزا

وَ لَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ وَ جَآءَتْهُمْ

اور البتہ تحقیق ہلاک کیا ہم نے قوموں کو سے پہلے تم جب ظلم کیا انہوں نے اور آ چکے تھے پاس ان کے

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَ مَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ

پیغمبر ان کے ساتھ نشانیوں کے اور نہ تھے وہ کہ ایمان لاتے اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم قوم

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ

مجرم کو (۱۳) پھر کیا ہم نے تم کو نائب میں زمین بعد ان کے

لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

تاکہ دیکھیں ہم کیسے کام کرتے ہو تم (۱۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور البتہ ہم تم سے پہلے جماعتوں کو ہلاک کر چکے ہیں جب انہوں نے ظلم کیا حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر کھلی نشانیاں لائے اور وہ ایمان لانے والے ہرگز نہ تھے، گناہ گار قوم کو ہم ایسے ہی سزا دیتے ہیں۔ (۱۳) پھر ان کے بعد ہم نے تم کو زمین میں نائب کیا تاکہ دیکھیں تم کیا کرتے ہو۔ (۱۴)

تفسیر

ہم نے پہلے زمانے میں تم سے پہلے بہت سے جتھوں اور قبیلوں کو تباہ و برباد کر دیا کیونکہ انہوں نے ظلم پر

کمر باندھ لی اور کسی طرح شرارتوں اور بدمعاشیوں سے باز نہ آئے، لیکن یہ ایک دم اچانک نہیں ہوا بلکہ پہلے ان کے پاس ہمارے پیغمبر آئے اور ان کو کھلی نشانیاں دکھائیں تا کہ وہ پہچان لیں کہ واقعی یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں پھر جب باوجود اس کے وہ ایمان نہ لائے اور اپنی بدمستیوں میں غرق رہے تو ہمارا عذاب ان پر اتر پڑا اور وہ ہلاک کر دیئے گئے اور یہ کہ ہم مجرموں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

یاد رکھو! اگر تم بھی ظلم اختیار کرو گے تو خدا کا قانون وہی ہے وہ تمہیں بھی ہلاک کر سکتا ہے یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کچھ مدت کے لیے مہلت دے دے مگر ظلم کا نتیجہ ہمیشہ برا ہی نکلے گا، کفر، شرک، بدعت اور گناہوں کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلے گا۔

فرمایا: اس کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں حکمرانی دی تا کہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو، کیا تم بھی پہلے لوگوں کا راستہ اختیار کر کے ہلاکت کی طرف جاتے ہو یا نیک عمل کر کے اللہ تعالیٰ کے نائب ہونے کا صحیح حق ادا کرتے ہو" لِنَنْظُرَ " کا معنی ہے تا کہ ہم دیکھیں مگر اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے دیکھ رہا ہے اور ہمیشہ تک ہر چیز اس کی نگاہ میں رہے گی؛ اس لیے یہاں پر دیکھنے کا معنی ظاہر کرنا ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے گا کہ پہلے لوگوں نے ایسے کام کئے اور اب تم نے یہ کچھ کیا ہے۔

احکام ومسائل

کوئی اللہ تعالیٰ کے ڈھیل دینے سے یہ نہ سمجھے کہ دنیا میں عذاب آ ہی نہیں سکتا پچھلی قوموں کی تاریخ اور ان کی سرکشی ونافرمانی کی سزا میں مختلف قسم کے عذاب اسی دنیا میں آ چکے ہیں اس امت میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام کی وجہ سے یہ وعدہ فرمالیا ہے کہ پوری امت پر عام عذاب نہ آئے گا کہ جس سے پوری کی پوری امت ہلاک ہو جائے، اور اللہ تعالیٰ کے اسی لطف وکرم نے ان لوگوں کو ایسا بے باک کر دیا ہے کہ وہ بڑی جرأت سے اللہ کے عذاب کو دعوت دینے اور اس کا مطالبہ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں لیکن یاد رہے کہ اللہ کے عذاب سے بے فکری ان کے لیے بھی کسی حال میں روا نہیں کیونکہ پوری امت اور پوری دنیا پر عام عذاب نہ

بھیجنے کا وعدہ ضرور ہے مگر خاص خاص افراد اور قوموں پر عذاب آجانا اب بھی ممکن ہے۔

قرآن کریم میں ردّ و بدل کا مطالبہ

وَ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ ۙ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ

اور جب پڑھی جاتی ہے اوپر ان کے آیتیں ہماری واضح کہتے ہیں وہ جو نہیں توقع کرتے

لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ؕ

ملنے کی ہم سے لے آ کوئی قرآن سوا اس کے یا بدل دے اسے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ان کے سامنے ہماری واضح آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جن کو ہم سے ملاقات کی امید نہیں کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی اور قرآن لے آ یا اس کو بدل دے۔

تفسیر

ان آیتوں میں آخرت کے منکروں کے ایک غلط خیال اور فرمائش کی تردید ہے ان لوگوں کو نہ خدا تعالیٰ کی معرفت حاصل تھی اور نہ یہ لوگ وحی و پیغمبری کے مسئلوں سے واقف تھے پیغمبر علیہم السلام کو بھی عام انسانوں کی طرح جانتے تھے، اور یہ سمجھتے تھے قرآن کریم خود آپ کا کلام اور آپ کی تصنیف ہے، اسی خیال کی وجہ سے جب ان کے سامنے قرآن کریم کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو اس پر ایمان لانے کے بجائے انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبہ کیا کہ یہ قرآن تو ہمارے اعتقادات و نظریات کے خلاف ہے جن بتوں کی ہمارے باپ دادا ہمیشہ پوجا کرتے آئے، اور ان کو حاجت روا مانتے آئے ہیں قرآن کریم ان سب کو بے ہودہ اور بے کار قرار دیتا ہے، اور پھر قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا اور حساب کتاب دینا ہوگا، یہ سب چیزیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں ہم ان کو ماننے کے لیے تیار نہیں، اس لیے آپ یا تو ایسا کریں کہ اس قرآن کریم کے بجائے کوئی دوسرا قرآن بنادیں جس میں یہ چیزیں نہ ہوں یا کم از کم اسی میں ترمیم کر کے ان چیزوں کو نکال دیں۔

قرآن میں ردّ و بدل سے انکار

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ
کہہ دیجئے نہیں ہے واسطے میرے کہ بدل دوں اس کو سے جانب اپنی نہیں پیروی کرتا میں

اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ
مگر اسکی جو وحی کی جائے طرف میری بلاشبہ میں ڈرتا ہوں اگر نافرمانی کروں میں پروردگار اپنے کی عذاب سے

يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾
دن بڑے کے (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے! میرا کام نہیں کہ میں اس کو اپنی طرف سے بدل ڈالوں میں اسی کی تابعداری کرتا ہوں جو میری طرف حکم آئے میں ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں بڑے دن کے عذاب سے۔(۱۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے پیغمبر! ان سے کہہ دیجئے کہ میرا کام اللہ تعالیٰ کے اس پیغام میں کمی زیادتی اور ردوبدل کرنا نہیں ہے اپنی طرف سے نہ میں اس میں کچھ گھٹا بڑھا سکتا ہوں اور نہ ردوبدل کرسکتا ہوں میرا کام صرف یہ ہے کہ جو میری طرف وحی کی جائے اس کے مطابق عمل کروں اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں اور اس کے حکم سے منہ موڑوں تو ڈر ہے کہ قیامت کے دن جو بڑا ہیبت ناک دن ہے میں سخت سزا کا حق دار ٹھہروں، میں اس کلام میں کوئی ذرا بھی ردوبدل نہیں کرسکتا، ایسا کرنا تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ بغاوت کرنے کے مترادف ہے اپنے کسی حکم کو تبدیل کرنا یا اسے منسوخ کردینے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

"سورۂ بقرہ" میں ہے کہ "مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا" جو ہم

کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا وہ آیت آپ کو بھلوا دیتے ہیں تو ہم اس سے بہتر یا اس جیسی آیت اس کی جگہ لے آتے ہیں مقصد یہ ہے کہ کسی آیت میں تبدیلی یا منسوخ کرنے کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

کُھلا ثبوت

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَ لَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ ۖ فَقَدْ

کہہ دیجئے آپ اگر چاہتا اللہ نہ پڑھتا میں اس کو اوپر تمہارے اور نہ خبر کرتا وہ تم کو اس کی پس تحقیق

لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ

رہا ہوں میں بیچ تمہارے ایک عمر تک سے پہلے اس کے کیا پس نہیں سوچتے تم (۱۶) پس کون زیادہ ظالم ہے

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا

اس سے جو باندھے پر اللہ جھوٹ یا جھٹلایا آیتوں اس کی کو بلاشبہ وہ نہیں

يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

فلاح پاتے مجرم (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ! اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو میں اس کو تمہارے سامنے نہ پڑھتا اور نہ وہ اس کی تمہیں خبر دیتا، کیونکہ میں اس سے پہلے ایک عمر تک تم میں رہ چکا ہوں، کیا پھر تم سوچتے نہیں۔ (۱۶) پھر اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے بے شک گنہگاروں کا بھلا نہیں ہوتا۔ (۱۷)

تفسیر

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ تم اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے اور اسے تبدیل کرنے کا مطالبہ کرتے ہو، اگر

اللہ تعالیٰ بھی ایسا ہی چاہتے تو میں تمہیں پڑھ کر نہ سناتا۔

اور نہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے باخبر کرتے اور جب اللہ تعالیٰ کو یہی منظور ہے کہ تمہیں یہی کلام سنوایا جائے تو کس کی مجال ہے جو اس میں کوئی کمی زیادتی کر سکے۔

اس کے بعد ایک واضح دلیل سے یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے ”فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ“، یعنی: تم ذرا سوچو تو کہ قرآن کے اترنے سے پہلے میں نے تمہارے سامنے چالیس سال کی لمبی مدت گزاری ہے میں نے اس مدت میں اپنی طرف سے ایسا کلام پیش نہیں کیا اگر میں اس طرح کر سکتا تو کچھ نہ کچھ اس چالیس سال کے عرصہ میں بھی کیا ہوتا، اس کے علاوہ اس چالیس سال کی لمبی زندگی میں تم میرے چال چلن میں سچائی اور دیانت داری کا تجربہ کر چکے ہو کہ عمر بھر کبھی جھوٹ نہیں بولا تو آج چالیس سال کے بعد آخر جھوٹ بولنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ اس سے بدیہی طور پر ثابت ہوا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم صادق امین ہیں، قرآن مجید میں جو کچھ ہے وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اسی کی طرف سے آیا ہوا ہے۔

احکام ومسائل

اس دلیل نے صرف قرآن کریم کے حق ہونے پر ہی مکمل ثبوت پیش نہیں کیا بلکہ عام معاملات میں کھرے کھوٹے اور حق اور باطل کی پہچان کا ایک اصول بھی بتا دیا کہ کسی شخص کو کوئی عہدہ یا منصب سپرد کرنا ہو تو اس کی قابلیت اور صلاحیت کو جانچنے کا بہترین اصول یہ ہے کہ اس کی پچھلی زندگی کا جائزہ لیا جائے، اگر اس میں سچائی وامانت داری موجود ہے تو آئندہ بھی اس کی توقع کی جاسکتی ہے اور اگر پچھلی زندگی میں اس کی دیانت وامانت اور سچائی کی شہادت موجود نہیں ہے تو آئندہ کے لیے محض اس کے کہنے اور دعوے کی وجہ سے اس پر اعتماد کرنا کوئی دانشمندی نہیں، آج عہدوں کی تقسیم اور ذمہ داریوں کی سپردگی میں جس قدر غلطیاں ہیں اور ان کی وجہ سے بڑی بڑی خرابیاں پیدا ہو رہی ہیں، ان سب کی اصلی وجہ اسی فطری اصول کو چھوڑ کر رسمی چیزوں کے پیچھے پڑ جانا ہے۔

اس کے بعد والی آیت میں اسی مضمون کی مزید تاکید آئی ہے جس میں کسی کلام کو غلط طور پر اللہ تعالیٰ کی

طرف نسبت کرنے کا سخت عذاب بیان کیا گیا ہے۔

بتوں کی بے بسی اور مشرکوں کی بے وقوفی

وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمْ وَ لَا یَنْفَعُهُمْ
اور پوجتے ہیں سوا اللہ کے اس کو جو نہ ضرر پہنچا سکے انکو اور نہ نفع دے سکے ان کو
وَ یَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ ؕ قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ
اور کہتے ہیں یہ سب سفارشی ہیں ہمارے پاس اللہ کے آپ کہہ دیجئے کیا خبر دیتے ہو تم اللہ کو
بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِی الْاَرْضِ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰی
اس کی جو نہیں جانتا وہ میں آسمانوں اور نہ میں زمین پاک ہے وہ اور بلند ہے وہ
عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾
سے اس جو شریک کرتے ہیں وہ (۱۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سوا اس چیز کی پوجا کرتے ہیں جو نہ ان کو نقصان پہنچا سکے اور نہ نفع اور کہتے ہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے سفارشی ہیں، آپ کہہ دیجئے کیا تم اللہ تعالیٰ کو بتلاتے ہو جو اسے معلوم نہیں؟ آسمانوں اور زمین میں وہ پاک ہے اور برتر ہے اس سے جس کو تم شریک کرتے ہیں۔ (۱۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان لوگوں کو دیکھو یہ ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جو انہیں نہ نفع پہنچا سکیں اور نہ نقصان، اس سے منع کرو تو کہتے ہیں کہ واہ یہی تو ہمیں اللہ تعالیٰ سے کہہ کر سب کچھ دلواتے ہیں اگر یہ نہ ہوں تو ہماری پہنچ اللہ تعالیٰ تک کیسے ہو ان سے کہہ دیں کہ یہ تمہاری من گھڑت بات ہے کیونکہ واقعی باتیں وہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ

جانتے ہیں زمین اور آسمان کی ساری مخلوق اس خیال کو جھٹلاتی ہے اس کے کاموں میں اور تدبیر میں کوئی اس کا شریک نہیں یہ سب اس کی مخلوق ہے اور اس کے حکم کے تابع ہے کوئی چیز اس پر حکم نہیں چلا سکتی۔

فرمایا کہ: اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو ایسی چیز بتلاتے ہو جس کو وہ آسمان و زمین میں نہیں جانتا، اگر اس کا کوئی سفارشی ہوتا تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوتا مطلب یہ ہے کہ درحقیقت ایسا کوئی سفارشی تو موجود نہیں ہے مگر تم اسے اللہ تعالیٰ کے علم میں لا رہے ہو کہ فلاں فلاں ہمارا سفارشی موجود ہے معلوم ہوا کہ ایسا کوئی سفارشی کائنات میں موجود ہی نہیں جو کوئی بات اللہ تعالیٰ سے جبراً منوالے بلکہ "سُبْحٰنَهٗ" اس کی ذات تو پاک ہے اور بلند ہے ایسی چیزوں سے جن کو یہ خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔

احکام و مسائل

علم والوں کے لیے لفظ "دُوْنِ" کے معنی کی تحقیق

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ: کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کے سوا بھی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ورے بھی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بڑا معبود تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں مگر اس کے نیچے چھوٹے معبود بھی بنا رکھے ہیں جن کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کے مقرر کئے ہوئے ہیں جب "دُوْنِ" کا معنیٰ سوا کرتے ہیں تو اس کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ مشرک اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کا مدمقابل مان کر کسی دوسرے خدا کی پوجا کرتے ہیں، جیسا کہ مجوسی آگ کی پوجا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ چونکہ قیامت کے دن گناہگاروں اور کافروں کو آگ ہی جلائے گی اس لیے دنیا میں اس کی پوجا کر کے اس کو راضی کرلیں تاکہ آخرت میں اس کی سزا سے بچ جائیں، اور ثنوی اہرمن اور یزداں کو دو خدا مانتے ہیں، یزداں کو نیکی اور روشنی کا خدا اور اہرمن کو تاریکی اور برائی کا خدا مانتے ہیں، یعنی: یزداں کو خیر اور اہرمن کو شر کا خدا مانتے ہیں خیر اور بھلائی حاصل کرنے کے لیے یزداں کی اور شر اور برائی سے بچنے کے لیے اہرمن کی پوجا کرتے ہیں، مگر مشرکوں کا عقیدہ مختلف ہے وہ حقیقی معبود اور خالق اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے ہیں، مگر

کہتے ہیں کہ اس نے اپنے اختیارات دوسروں کو بھی دے رکھے ہیں اور وہ بھی لوگوں کی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔
جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے اس طرح دوسروں کی عبادت کرنا شرک ہے اور ایسا شخص مشرک ہے،
فرمایا: مشرک لوگ ایک تو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری بات یہ کہتے ہیں کہ ''هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ'' کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں ہم جن کی عبادت کرتے ہیں، نذر و نیاز دیتے ہیں اور ان کی حد درجہ تعظیم کرتے ہیں یہ ہمیں خدا تعالیٰ کے ہاں چھڑا لیں گے۔

سفارش کی قسمیں

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ سفارش دو قسم کی ہوتی ہے، ایک سفارش وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے فرشتے، پیغمبر، شہید اور ایمان والے نیک لوگ کریں گے اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہی کو سفارش کی اجازت ہوگی اور یہ سفارش اس شخص کے حق میں قبول ہوگی جس کا عقیدہ درست ہوگا اور جس کے حق میں اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے، سفارش کی دوسری قسم جبری سفارش ہے جس کے مشرک لوگ قائل ہیں امام رازیؒ اس کو جبری سفارش کا نام دیتے ہیں۔

مشرک لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کو دنیا کے بادشاہوں پر قیاس کر کے ایسی سفارش کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ بعض اوقات کسی جابر سے جابر بادشاہ کو بھی اپنے کسی وزیر یا پسندیدہ کی سفارش ماننا پڑتی ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کی بات نہ مانی تو اس کے اقتدار کو خطرہ ہو سکتا ہے، اسی طرح مشرک لوگ سمجھتے ہیں کہ ہمارے معبود خدا کی مرضی کے خلاف بھی سفارش کر کے ہمیں چھڑا لیں گے۔

عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام ان کے گناہوں کا کفارہ بن کر انہیں چھڑا لیں گے۔
کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دوزخ کے دروازے پر کھڑے ہوں گے اور کسی ختنہ شدہ اسرائیلی کو دوزخ میں نہیں گرنے دیں گے، یہی جبری سفارش ہے جو اس قسم کی سفارش کا قائل ہے وہ مشرک ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نے ایسی سفارش کی نفی فرمائی ہے اوران لوگوں کا رد فرمایا ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ہمارے سفارشی ہیں اورہم کچھ بھی کرتے پھریں یہ ہمیں بچالیں گے۔

حق دین ایک ہے

وَ مَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ

اور نہ تھے لوگ مگر امت ایک پس الگ الگ ہوگئے اور اگر نہ ہوتا حکم

سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۹﴾

جو پہلے ہی ہو چکا طرف سے رب آپ کے کی توفیصلہ ہوجاتا درمیان ان کے اس کا میں جس اختلاف کرتے ہیں وہ (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اورلوگ سب کے سب (شروع میں) ایک ہی طریقے پر تھے (یعنی: توحید کے عقیدہ پر) پھر وہ (اپنی اپنی خواہشات کی بنیاد پر) اختلاف میں پڑ گئے اور اگر ایک بات طے نہ ہو چکی ہوتی آپ کے رب کی طرف سے تو یقیناً ان کے درمیان فیصلہ کر دیا گیا ہوتا ان تمام باتوں کا جن میں یہ اختلاف کر رہے ہیں۔(۱۹)

تفسیر

انسان کے لیے دنیا میں ایک ہی دین ہے جو پہلے انسان اور پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کو سکھا دیا گیا تھا جب اس کو لوگوں نے اپنی غلط فہمیوں سے اور دنیاوی فائدوں کی خاطر بگاڑ دیا تو اس کو دوبارہ واضح کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر بھیجے اوران کو کتابیں دیں انہوں نے لوگوں کو سمجھایا اور نصیحتیں کیں اس کا اثر یہ تھا کہ شروع میں سارے لوگ ایک ہی امت تھے (سب مسلمان تھے) مگر کچھ مدت گذرنے کے بعد لوگوں نے ان ہدایتوں کو توڑ موڑ کر الگ الگ فرقے بنالئے۔

فرمایا: پھر لوگوں نے اختلاف کیا "وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ" اور اگر وہ بات نہ ہوتی جو آپ کے رب

کے پاس پہلے سے طے پا چکی تھی (یعنی: قیامت تک عذاب کو مؤخر کرنا) تو ان کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتا جن باتوں میں وہ اختلاف کرتے ہیں، یعنی: ان کو دنیا میں فوراً سزا دے دی جاتی، مگر یہ بات پہلے بیان ہو چکی ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض اوقات کافروں کو ڈھیل دیتے ہیں اگر وہ اس دنیا میں بچ بھی جائیں تو قیامت کے دن ان کے درمیان ضرور فیصلہ کر دیا جائے گا اور پھر وہ اپنے اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت اور گمراہی کو واضح کر دیا ہے مگر جو لوگ حق کو چھوڑ کر گمراہی میں پھنس گئے ہیں ظلم اور زیادتی کے عادی ہوئے ہیں ان کا عملی فیصلہ قیامت کے دن لازماً ہو جائے گا، یعنی: ان کو ہمیشہ کے لیے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔

اُمت واحدہ کی حقیقت

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت نوح علیہ السلام سے کچھ عرصہ پہلے تک لوگ توحید کے عقیدہ پر قائم تھے، یعنی: تمام آدم کی اولاد شروع میں ایک ہی امت تھی، شرک و کفر کا نام نہیں تھا پھر توحید میں اختلاف پیدا کر کے مختلف قومیں مختلف گروہ بن گئے، اس دوران حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام بھی گزرے ہیں لیکن لوگوں میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔

حدیث اور تاریخ کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک یہی صورت تھی نوح علیہ السلام کے زمانے میں شرک و کفر ظاہر ہوا، حضرت نوح علیہ السلام کو اس کا مقابلہ کرنا پڑا۔

نشانی مانگتے ہیں

وَ يَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۚ فَقُلْ اِنَّمَا

اور کہتے ہیں وہ کیوں نہ اتاری گئی اوپر اس کے نشانی کوئی طرف سے رب اس کے کی پس کہہ دیجئے آپ بات یہی ہے

الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا ۚ اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٢٠﴾

کہ غیب واسطے اللہ کے ہے پس انتظار کرو تم بلاشبہ میں بھی ساتھ تمہارے ہوں میں سے انتظار کرنے والوں (۲۰)

ع ۲/۱۰ ۷

با محاورہ ترجمہ:۔ اور کہتے ہیں اس کے رب کی کوئی نشانی اس پر کیوں نہ اتری تو آپ کہہ دیجئے کہ غیب کی بات اللہ تعالیٰ ہی جانے، سو منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ (۲۰)

تفسیر

مکہ مکرمہ کے مشرکوں کو جب قرآن مجید میں سمجھا دیا گیا کہ انسانوں کے لیے اصل دین وہی ہے جو قرآن مجید سکھاتا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں وہ دین جس پر تم قائم ہو اور جس کو تمہارے باپ دادوں نے اختیار کیا تھا وہ سراسر غلط ہے، یہ بت جن کو تم اپنا معبود سمجھتے ہو اور جن کی پوجا کرتے ہو یہ تمہیں نہ کچھ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان یہ تو سراسر غلطی ہے، یہ تو بالکل بے جان پتھر کی مورتیاں ہیں، ان میں طاقت اور قوت کہاں؟ کہ یہ تمہاری مدد کریں، مکہ مکرمہ کے مشرک ان باتوں کو سن کر کہنے لگے کہ ہم کیسے یقین کرلیں کہ اے محمد! تجھے اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو اپنے رب سے کوئی نشانی مانگ اور ہمیں دکھا جو بالکل نئی ہو اور کوئی انسان تیرے سوا اس کو نہ دکھا سکے، بیٹھے بیٹھے زمین پھاڑ کر چشمہ جاری کر، میوے دار درختوں کا ایک تیار باغ فوراً لگا دے جس میں ہر طرف نہریں بہتی ہوں، آسمان کو توڑ کر ہم پر گرا دے، اپنے اللہ سے کہہ کہ اپنے فرشتوں کو لے کر شان و شوکت سے ہمارے سامنے ظاہر ہو یا تو اپنے لیے سونے کا گھر جگمگاتا ہوا بنا لے یا آسمان پر خالی ہاتھ چڑھ اور وہاں سے ایک تیار لکھی ہوئی کتاب لے کر اتر وغیرہ غرض کوئی ایسی بات دکھا جس کے دکھانے سے سب عاجز ہوں جسے معجزہ کہتے ہیں۔

قرآن حکیم نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہمارے پیغمبر کا کام رہنمائی کرنا ہے اسے ہم نے ایک کتاب، یعنی: قرآن کریم دے کر تمہارے پاس بھیجا ہے اس جیسی کتاب جس کی عبارت نہایت مختصر اور پر اثر ہو اور جس میں انسان کی بہتری کی تمام باتیں ہر زمانے کے لیے جمع کر دی گئی ہوں تم میں سے کوئی نہیں بنا سکتا اور نہ آئندہ دنیا میں کوئی بنا سکے گا، کیا یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے کے ثبوت کے طور پر کافی نشانی نہیں ہے؟

فرمایا: یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے کوئی نشانی یا معجزہ کیوں نہیں اترتا مشرک کہتے تھے اس سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام لاٹھی کو سانپ بنانے کا اور اپنا ہاتھ بغل میں داخل کر کے صاف چمکدار ہو کر نکالنے کا معجزہ لے آئے، حضرت صالح علیہ السلام پتھر سے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکالنے کا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ لے کر آئے، مگر آخری پیغمبر کوئی اس قسم کا معجزہ لے کر کیوں نہیں آئے؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اے پیغمبر! غیب کی بات تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یہ تو اسی کے علم میں ہے کہ کون سی نشانی کب ظاہر ہوگی کسی پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہے کہ وہ کوئی معجزہ اپنی مرضی سے پیش کر سکے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ اٹل قانون ہے "وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ" (الرعد)، کوئی پیغمبر اپنی مرضی سے کوئی معجزہ پیش نہیں کر سکتا مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے گویا پیغمبر کا معجزہ اور ولی کی کرامت اللہ تعالیٰ کا فعل ہے یہ چیز کسی بندے کے اختیار میں نہیں ہے بلکہ اسے صرف یہ اعزاز حاصل ہوتا ہے کہ فلاں معجزہ ان کے ہاتھوں ظاہر ہوا ہے جتنے معجزے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے ہیں اتنے کسی دوسرے پیغمبر سے ظاہر نہیں ہوئے، آپ کا سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک ہے یہ ایسی بے مثال کتاب ہے جس کا مقابلہ کرنے سے سارا عرب عاجز ہے یہ ایک ہمیشہ رہنے والا ہے ایمان لانے والے لوگ معجزے طلب نہیں کرتے بلکہ وہ سچائی اور حقانیت کو فوراً پہچان جاتے ہیں ایسے مطالبات تو فسادی لوگ کرتے ہیں مکے کے مشرک مختلف چیزوں کا مطالبہ کرتے تھے مثلاً مکے کی پہاڑیاں سونے کی بن جائیں وغیرہ وغیرہ، جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے، مگر ہر فرمائش کو پورا کرنا اللہ تعالیٰ کی مصلحت کے خلاف ہے وہ جب چاہتا ہے اپنی مصلحت کے مطابق کوئی نشانی ظاہر کر دیتا ہے مکے والوں نے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ طلب کر دیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف اشارہ کیا تو دو ٹکڑے ہو کر ایک ٹکڑا پہاڑ کی اس طرف نظر آیا اور دوسرا دوسری طرف تھا ابوجہل چونکہ فسادی تھا وہ اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا کہنے لگا یہ تو چلتا ہوا جادو ہے پہلے لوگ بھی جادو کرتے تھے آج محمد نے جادو کر دیا۔

فرمایا: اگر تم نشانیاں دیکھنے پر ہی بضد ہو تو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں، دیکھیں کب نشانی آتی ہے اور تمہارے کفر اور شرک کا کیا نتیجہ نکلتا ہے پھر جان لینا کہ کس کے حصے میں ہدایت ہے اور کون

گمراہی پر مرتا ہے؟ کس کو کامیابی ملتی ہے اور کون ناکام ہوجاتا ہے تم بھی انتظار کرو اور میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کرتا ہوں۔

مکّاری کی سزا

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ

اور جب چکھائیں گے ہم لوگوں کو رحمت پیچھے دُکھ کے جو پہنچے انہیں اسی وقت واسطے ان کے

مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا

حیلہ ہے میں آیتوں ہماری کہہ دیجئے آپ اللہ جلدی کرسکتے ہیں حیلے میں تحقیق فرشتے ہمارے

يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿٢١﴾

لکھتے ہیں جو حیلہ بازی کرتے ہو تم (۲۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب لوگوں کو ہم اپنی رحمت کا مزہ چکھائیں گے ایک تکلیف کے بعد جو ان کو پہنچی تھی اس وقت ہماری قدرتوں میں حیلے بنانے کرنے لگیں، آپ کہہ دیجئے! اللہ تعالیٰ سب سے جلد حیلے بنا سکتا ہے تحقیق ہمارے فرشتے تمہاری حیلہ بازی لکھتے ہیں۔(۲۱)

تفسیر

مکہ والوں پر اللہ تعالیٰ نے سات سال کا قحط مسلط کیا، جب مکہ والے ہلاکت کے قریب پہنچ گئے تو گھبرا کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست کی اور وعدہ کیا کہ یہ عذاب اٹھ جائے تو ہم ایمان لے آئیں گے، آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے خوشحالی کردی اور قحط کی بلا دور ہوئی، اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ لوگ وعدے کے مطابق ایمان لاتے اور فرمانبردار بن کر زندگی گزارتے مگر پھر وہی شرارتیں کرنے لگے، خدا کی آیتوں کو جھٹلاتے اور اس کی

قدرت اور رحمت پر نظر نہ رکھتے، بلکہ اللہ کے انعاموں کو ظاہری اسباب، حیلے اور محض بے اصل خیالات اور وہموں کی طرف نسبت کرنے لگتے اس کا جواب دیا کہ اچھا تم خوب مکروفریب اور حیلہ بازی کرلو مگر یہ یاد رہے کہ تمہاری حیلہ بازیاں ایک ایک کر کے لکھی جارہی ہیں وہ سارا دفتر قیامت کے دن تمہارے سامنے رکھ دیا جائیگا پھر جب تمہاری کوئی حیلہ بازی فرشتوں سے چھپی ہوئی نہیں تو اللہ تعالیٰ جو ہر ذرے ذرے کا علم رکھنے والا ہے اس کی قدرت اور علم سے کہاں باہر رہ سکتی ہے؟ تمہیں اپنے مکروحیلہ سازی پر غرور ہے حالانکہ اللہ کا جوابی مکر اور تدبیر تمہارے مکروتدبیر سے کہیں تیز ہے وہ مجرم کو اتنا ڈھیل دیتا ہے کہ مجرم کو غفلت کی نشہ میں ڈوبا ہوا ہونے کی وجہ سے سزا کا تصور بھی نہیں آتا جب ان کی نافرمانی حد سے بڑھ جاتی ہے تو اچانک پکڑ لیتا ہے لہٰذا سمجھدار آدمی کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی نرمی اور بردباری اور خوش حالی کو دیکھ کر مغرور نہ ہو نہ معلوم نرمی کے بعد کیسی سختی آنے والی ہے؟

احکام ومسائل

قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا: عربی زبان کے اعتبار سے لفظ "مکر" خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں جو اچھی بھی ہوسکتی ہے بری بھی، اردو زبان کے محاورہ سے دھوکہ نہ کھائیں کہ لفظ مکر اردو میں صرف دھوکہ فریب کے لیے استعمال ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بری ہیں۔

آدمی کا رویّہ

هُوَ الَّذِیْ یُسَیِّرُكُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا كُنْتُمْ فِی
وہی ہے جو پھراتا ہے تم کو میں خشکی اور سمندر یہاں تک کہ جب ہوتے ہو تم میں

الْفُلْكِ ۚ وَ جَرَیْنَ بِهِمْ بِرِیْحٍ طَیِّبَةٍ وَّ فَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا
کشتیوں اور چلتی ہیں وہ لے کر ان کو ساتھ ہوا پاکیزہ کے اور خوش ہوتے ہیں وہ ساتھ اس کے آتی ہیں پاس ان کے

رِیْحٌ عَاصِفٌ وَّ جَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ
ہوا تیز اور آتی ہے ان پر موج سے ہر جگہ اور جان لیتے ہیں وہ بلاشبہ

أُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا

گھیر لیا گیا ہے ان کو پکارنے لگتے ہیں اللہ کو خالص کر کے واسطے اس کے تابعداری البتہ اگر نجات دیں آپ ہم کو

مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۲۲﴾ فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ

سے اس ضرور ہونگے ہم میں سے شکرگزاروں (۲۲) پھر جب بچالیا اللہ پاک نے ان کو تو فوراً وہی لوگ

يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ

شرارت کرنے لگے میں زمین ناحق کی اے لوگو! اور کچھ نہیں شرارت تمہاری

عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ

اوپر ہیں جانوں تمہاری کے تھوڑے سے مزے ہیں زندگی کے دنیا کی پھر طرف ہماری لوٹنا ہے تمہارا

فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾

پھر بتادیں گے ہم تمہیں وہ جو تھے کرتے تم (۲۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہی تم کو جنگل اور دریا میں پھراتا ہے یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں بیٹھے اور وہ لوگوں کو لے کر چلیں اچھی ہوا سے اور اس سے خوش ہوئے، پھر کشتیوں پر تند ہوا آئی اور ان پر موج آئی ہر جگہ سے اور انہوں نے جان لیا کہ وہ گھیر گئے، لگے پکارنے اللہ تعالیٰ کو اس کی بندگی میں خالص ہو کر، اگر تو نے ہمیں اس سے بچالیا تو بے شک ہم تیرے شکرگذار رہیں گے۔ (۲۲) پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان کو بچالیا اسی وقت لگے زمین میں شرارت کرنے ناحق، سنو لوگو! تمہاری شرارت تمہی پر پڑے گی دنیا کی زندگی کا نفع اٹھالو، پھر تمہیں ہمارے پاس لوٹنا ہے، پھر ہم تمہیں بتادیں گے جو کچھ تم کرتے ہو۔ (۲۳)

تفسیر

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ: وہی ذات ہے جو تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے، اچھی

تو سائنسی دور ہے جس میں سامان لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے وسائل بہت ترقی کر چکے ہیں، ہر ملک میں ریلوں اور سڑکوں کے جال ہیں جن پر ریل گاڑیاں اور بسیں اور کاریں چوبیس گھنٹے رواں دواں نظر آتی ہیں ان کے علاوہ فضائی سفر کی بہترین اور تیز ترین سہولتیں میسر ہیں مگر پرانے زمانے میں دور دراز علاقوں کا سفر ایک کٹھن کام تھا خاص طور پر جنگلوں اور صحراؤں کا سفر تو خطرات سے بھر پور ہوتا تھا اور ان سب سے بڑھ کر سمندری سفر تھا جس کا دار و مدار زیادہ تر ہواؤں کے رخ پر ہوتا تھا ناسازگار موسم اور مخالف ہوائیں سمندری طوفان کا سبب بن جائیں اور اس طرح بحری سفر خطرناک ترین سفر کی صورت اختیار کر جاتا تھا۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر سمندری سفر کا ذکر کیا ہے ارشاد ہوتا ہے کہ جب تم کشتیوں یا بحری جہاز میں سوار ہوتے ہو اور وہ کشتیاں موافق ہواؤں کے زور سے چلتی ہیں اور تم اس سے خوش ہو جاتے ہو پھر اچانک کیا ہوتا ہے تیز ہوا چلتی ہے اور کشتیاں ہچکولے کھانے لگتی ہیں اور ہر طرف سے پانی کی موجیں آ کر گھیر لیتی ہیں اور مسافروں کو یقین ہو جاتا ہے کہ اب وہ گھیر لئے گئے ہیں اور ان کی کشتیوں کے بچ نکلنے کی کوئی امید باقی نہیں رہی تو ایسی حالت میں وہ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں اور خالص اسی کے فرمانبردار بن کر فریاد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر آپ ہمیں اس طوفان سے نجات دے دیں ہماری کشتی کو پار لگا کر ہمیں مصیبت سے بچا لیں، تو ہم آپ کا شکر ادا کرنے والے بن جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: جب ہم انہیں مصیبت سے نجات دیدیتے ہیں تو اچانک وہ زمین میں ناحق سرکشی کرنے لگتے ہیں تکلیف دور ہو گئی تو پھر وہی کفر اور شرک کی باتیں اور وہی نافرمانیاں شروع کر دیتے ہیں، یہ سب ناشکری کی باتیں ہیں، ان کا فرض تھا کہ جس طرح وہ تکلیف میں اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر معافی مانگتے اور آئندہ کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بندے بن کر جینے کا وعدہ کرتے پھر اس وعدہ پر قائم رہتے ہوئے راحت وسکون میں اللہ پاک کو یاد کرتے اور اسی کی رضا کے مطابق زندگی گذارتے مگر یہ لوگ ایسا نہیں کرتے بلکہ دوبارہ ناشکری کرتے ہوئے اپنے اسی کفر و شرک میں لگ جاتے ہیں۔

یہ دنیا کی زندگی کا تھوڑا سا فائدہ ہے اٹھا لو کچھ عرصہ عیش و راحت میں گزار لو، پھر تم سب ہی کو ہماری طرف ہی لوٹ کر آنا ہے پھر ہم تمہیں جتلا دیں گے جو کچھ تم کرتے رہے ہو، یعنی: ہم تمہارے کہنے کی تمہیں سزا دیں گے۔

تمہارے ظلم کا وبال تمہارے اوپر پڑے گا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ظلم کا وبال یقینی ہے، اور آخرت سے پہلے دنیا میں بھی بھگتنا پڑتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ صلہ رحمی اور لوگوں پر احسان کا بدلہ بھی جلد دیتا ہے کہ آخرت سے پہلے دنیا میں اس کی برکات نظر آنے لگتی ہیں اور ظلم اور قطع رحمی کا بدلہ بھی جلد دیتا ہے جو ظالم کو دنیا میں بھگتنا پڑتا ہے۔

احکام و مسائل

سمندری سفر کی وجہ سے ایک شخص کے ایمان لانے کا واقعہ

بعض مصنفین نے ابو جہل کے بیٹے حضرت عکرمہ کے اسلام لانے کا واقعہ نقل کیا ہے، جس کا تعلق بھی بحری سفر کے ساتھ ہے ۸ ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو عکرمہ وہاں سے بھاگ گیا آگے چل کر کشتی میں سوار ہو گیا، یہ کشتی کوئی تیس میل کے قریب گئی ہوگی کہ طوفان میں گھر گئی، کشتی کے مسافر لات اور عزی نامی بتوں کی دہائی دینے لگے، مگر ملاحوں نے بتایا کہ اس مشکل موقع پر لات، عزی وغیرہ کام نہیں آئیں گے بلکہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا موقع ہے اگر اس کی چاہت میں ہوگا تو وہ بچا لے گا یہ سن کر عکرمہ کے دل پر بہت اثر ہوا، دل میں سوچا کہ اسی معبود حقیقی کو نہ مان کر تو ہم بھاگے ہیں، اور اب اسی کو پکاریں؟ اس کی کایا پلٹ گئی اور اسے سمجھ میں آ گیا کہ جس خدا کو سمندری طوفان میں پکارنا ہے اس کو خشکی پر کیوں نہ پکاریں، چنانچہ اس نے دل میں عہد کیا کہ اگر اس طوفان سے بچ گیا تو واپس جا کر محمد کے ہاتھوں پر اسلام قبول کر لوں گا۔

ادھر عکرمہ کی بیوی ام حکیم رضی اللہ عنہا پہلے ہی اسلام قبول کر چکی تھی جب عکرمہ بھاگ گیا تو اُمّ حکیم نے پیغمبر ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کا خاوند تو بھاگ گیا ہے اگر اب بھی وہ آ کر توبہ کر لے تو کیا

اسے معافی مل سکتی ہے؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، ہاں! معافی مل سکتی ہے، ام حکیم نے نشانی طلب کی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دستار مبارک عطا کر دی، چنانچہ اُمّ حکیم رضی اللہ عنہا وہ نشانی لے کر عکرمہ کی تلاش میں سمندر کی طرف جا نکلی جب عکرمہ طوفان سے بچ کر ساحل پر پہنچا تو اس کی بیوی وہاں موجود تھی اس نے کہا تم کہاں ٹھوکریں کھا رہے ہو؟ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے کئے پر پشیمان ہو جاؤ اور حق دین قبول کر لو، چنانچہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عکرمہ کو دیکھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے فرمایا: "مرحباً بالراکب المهاجر"، سوار ہو کر آنے والے مہاجر کو خوش آمدید، گویا آپ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ کے بھاگنے اور واپس آنے کو ہجرت سے تعبیر فرمایا اس طرح عکرمہ ایمان لے آیا جس کا سبب سمندری طوفان بنا۔

دنیا کی مثال

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ
بس حالت زندگانی دنیا کی جیسا ہے پانی کہ اتارا ہم نے اسے سے آسمان پس گھتم گھتا نکلی

بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَ الْاَنْعَامُ ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ
سے اس پیداوار زمین کی سے جس کھائیں لوگ اور چوپائے یہاں تک کہ جب

اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ ازَّيَّنَتْ وَ ظَنَّ اَهْلُهَاۤ اَنَّهُمْ
لے لی زمین نے رونق اپنی اور آراستہ ہو گئی اور سمجھا والوں زمین نے بلاشبہ وہ

قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا
بس رکھتے ہیں اوپر ان کے آیا اس پر حکم ہمارا رات کو یا دن کو پس کر ڈالا ہم نے اس کو

حَصِيْدًا كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
کٹا ہوا ڈھیر گویا کہ نہ تھی موجود کل اسی طرح کھولتے ہیں ہم نشانیاں

لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾

واسطے ان لوگوں کے سوچتے ہیں جو (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ دنیا کی زندگانی کی وہی مثال ہے، جیسے: ہم نے آسمانوں سے پانی اتارا پھر اس پانی کی وجہ سے زمین کی پیداوار گھنا ہونے کی وجہ سے گھتم گھتا نکلی جو کہ انسان اور جانور کھاتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب زمین نے رونق پکڑی اور خوبصورت ہوگئی اور زمین والوں نے خیال کیا کہ وہ ہمارے ہاتھ لگے گی اچانک اس پر ہمارا حکم پہنچا رات کو یا دن کو، پھر اس کو کٹی ہوئی کھیتی کی طرح کر ڈالا گویا وہ کل موجود نہ تھی اسی طرح ہم نشانیوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں ان لوگوں کے سامنے جو غور کرتے ہیں۔ (۲۴)

تفسیر

اس آیت میں دنیا کی حقیقت سمجھائی گئی ہے تا کہ معلوم ہوجائے کہ ایسی ناپائیدار چیز سے دل لگانے کے کوئی معنی نہیں، ارشاد ہے کہ: لو دنیا کی جس چیز پر تم فدا ہو اس کی مثال سن لو! ہم نے آسمان سے مینہ برسایا تو زمین پر سبزہ لہلہانے لگا نباتات کی کثرت سے سارے میدان بھر گئے تل دھرنے کی جگہ نہ رہی، کچھ ایسی تھی کہ آدمیوں کی غذا بنی کچھ جانوروں کے کھانے کے کام آئی ہر قسم کے غلے، میوے، پھل ترکاریاں طرح طرح کی گھاس پھوس پھولوں سے لدے ہوئے بوٹے قسما قسم کے پھول، آنکھوں کی طراوت، دل کی راحت، غرض دیکھتے ہی دیکھتے اس سرے سے اس سرے تک زمین ہر قسم کی پیداوار سے لد پھد گئی اور دیکھنے والے اس کی بہار دیکھنے لگے اور اس کی خوبیوں میں مگن ہو کر رہ گئے۔

ظاہر ہے کہ جب اناج پیدا ہوتا ہے تو اس کے دانے تو انسان کھالیتے ہیں اور بھوسا، چھلکا وغیرہ مویشیوں کی خوراک بن جاتا ہے، گندم، مکئی، چاول، باجرہ، جو وغیرہ سب کا یہی حال ہے کہ یہ تمام اناج اور بھس بیک وقت انسانوں اور جانوروں کے کام آتا ہے۔

سبزہ کھیتی میدان میں اگی بڑھی، پھلی پھولی، پوری رونق پر آئی اور پک کر تیار ہوگئی زمین والے یقین کئے بیٹھے تھے، کہ بس اب یہ ہماری ہے، اچانک اللہ تعالیٰ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا حکم ہوا، زور کی آندھی آئی، بگولا چلے، اولے پڑے یا ٹڈی دل آجائے چنانچہ رات کو یا دن کو کوئی ایسا عذاب آیا کہ اس نے ساری فصل کو کٹے ہوئے کھیت کی طرح ٹنڈ منڈ کردیا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، یہ ہیں ہمارے سمجھانے کے طریقے ہم نشانیاں کھول کر بیان کردیتے ہیں، سمجھنے والے سمجھ جاتے ہیں اور انہی کی خاطر تفصیل بھی کی جاتی ہے مناسب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو پہچانو اور اس کے حکم کے مطابق زندگی بسر کرو۔

اس مثال کو اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی پر منطبق (فٹ) کرکے فرمایا ہے کہ دیکھو! انسان پیدا ہوتا ہے جوان ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کی تمام صلاحیتیں بلندیوں کو چھو رہی ہوتی ہیں تو اچانک موت آکر اس کا کام تمام کر دیتی ہے اور وہ شخص اپنی پوری صلاحیتوں سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاسکتا۔

دنیا میں قدرتی آفتیں، قحط، طوفان، ٹڈی دل، زلزلے وغیرہ مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں جن کی وجہ سے فصلیں اور انسانی جانیں تباہ ہوجاتی ہیں، سورۂ قلم میں باغ والوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، ان کی فصل پک چکی تھی اور وہ غریبوں اور مسکینوں کو ٹالنے کی خاطر سویرے ہی فصل کاٹ لینا چاہتے تھے کہ اس وقت مسکین بے خبر سو رہے ہوں گے، مگر جب وہ منہ اندھیرے پہنچے تو باغ کا نام ونشان تک نہ تھا، پہلے تو سمجھے کہ راستہ بھول گئے ہیں مگر بالآخر وہ جان گئے کہ وہ باغ اور اس کے پھل سے محروم ہوچکے ہیں اللہ تعالیٰ نے راتوں رات اس کو تباہ و برباد کردیا تھا دنیا کے مختلف خطوں میں زلزلے بھی آتے رہتے ہیں۔

زلزلے اور دوسری آفتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کے طور پر آتی ہیں کہ اے لوگو! اب بھی نیکی کی طرف آجاؤ ورنہ اللہ تعالیٰ تو تمہیں پلک جھپکتے میں ملیامیٹ کرنے پر قدرت رکھتے ہیں، پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ: جب اس قسم کی مصیبت آپڑے، سورج یا چاند کو گرہن لگ جائے تو توبہ استغفار کیا کرو، نماز پڑھو اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو، مگر اللہ تعالیٰ سے غفلت کا یہ حال ہے کہ گرہن کے وقت گڑگڑانے کی بجائے اپنے پہلے برے کاموں میں مشغول رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں برے کام چھوڑ کر اچھے اور نیک کام کی توفیق عطا فرمائے اور اپنی پکڑ سے بچائے۔ (آمین)

اللہ تعالیٰ کی عنایت

وَ اللّٰهُ يَدْعُوْۤا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ؕ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى
اور اللہ بلاتا ہے طرف گھر کی والے سلامتی اور ہدایت کرتا ہے وہ جسے چاہتا ہے وہ طرف

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾
راہ سیدھے کی (۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہے سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔(۲۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ لوگوں کو سلامتی کی طرف بلا رہے ہیں یعنی ایسے گھر کی طرف بلا رہے ہیں جہاں کوئی پریشانی نہیں اور نہ وہاں کوئی دشمن ہے کہ تمہیں ستائے، ہمیشہ کی اس جنت کے لیے اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے راستہ پر صبر و ہمت کے ساتھ قائم ہوجانا چاہیے تاکہ وہ اپنی رحمت سے جنت میں پہنچادے جہاں سلامتی ہی سلامتی ہے جہاں چاروں طرف اور خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام سلام کی آوازیں آرہی ہوں گی دل خوشی سے بھر جائے گا، ہر چاہت پوری ہو رہی ہوگی، اور زبان سے بے ساختہ نکل رہا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے سارے درد، رنج وغم دور کردئے، جانی دشمنوں سے نجات دی اور اپنے فضل سے سب کچھ عطا فرمایا۔

حدیث میں آتا ہے سورج نکلنے کے وقت اس کے دونوں کناروں پر اللہ تعالیٰ کے فرشتے آواز دیتے ہیں کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ تمہیں "دارالسلام" ، یعنی: سلامتی کے گھر کی طرف بلا رہے ہیں اس طرف جانے کی کوشش کرو، فرماتے ہیں کہ اس آواز کو انسانوں اور جنوں کے سوا ساری مخلوق سنتی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے درمیان پردہ ڈال رکھا ہے تاکہ غیب پر ایمان قائم رہے، بہرحال اللہ تعالیٰ ہر شخص کو جنت کی دعوت دیتے ہیں کہ مجھ پر ایمان لاکر

نیک کام کرو تو تمہیں دار السلام، یعنی: سلامتی والا گھر حاصل ہو جائے گا، جہاں ہر قسم کا امن و آمان حاصل ہوگا باقی رہی ہدایت کی بات تو یہ اس شخص کو حاصل ہوگی جو اس کا خواہشمند ہوگا انکار کرنے والے کو ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔

یہاں "دار السلام" سے مراد جنت ہے اس کو "دار السلام" کہنے کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس میں ہر طرح کی سلامتی اور امن و سکون ہر شخص کو حاصل ہوگا، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں بسنے والوں کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی طرف سے سلام پہنچتا رہے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "دار السلام" جنت کے سات ناموں میں سے ایک نام ہے۔

احکام ومسائل

اس سے معلوم ہوا کہ دنیا میں کسی گھر کا نام "دار السلام" رکھنا مناسب نہیں، جیسا کہ جنت یا فردوس وغیرہ نام رکھنا درست نہیں۔

اچھوں کا انعام

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ

واسطے ان کے بھلائی کی جنھوں نے بھلائی ہے اور زیادہ اور نہ ڈھانکے گی چہروں ان کے کو سیاہی

وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور نہ ذلت وہ لوگ رہنے والے ہیں جنت کے وہ میں اس ہمیشہ رہیں گے (۲۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جنھوں نے بھلائی کی ان کے لیے بھلائی ہے اور اس سے زیادہ ایک اور نعمت ہے اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چڑھے گی اور نہ رسوائی وہ لوگ جنت والے ہیں وہ اسی میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ (۲۶)

تفسیر

مومنوں کو بھلائی کے بدلے بھلائی تو ملے گی ہی اس کے سوا اس سے بڑھ کر ایک اور نعمت بھی ملے گی جس کا یہاں تصور بھی نہیں ہوسکتا جو جنت میں ہر مومن کو حاصل ہوگا۔

اس آیت کی تفسیر جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائی وہ یہ ہے کہ اس جگہ اچھے بدلہ سے مراد جنت ہے اور ''زِیَادَةٌ'' سے مراد حق تعالیٰ سبحانہ کی زیارت ہے جو جنت والوں کو حاصل ہوگی۔

جنت کی اتنی حقیقت سے تو ہر مسلمان واقف ہے کہ وہ ایسی راحتوں اور نعمتوں کا گھر ہے جن کو انسان اس وقت تصور میں نہیں لاسکتا، اور اللہ تعالیٰ کا دیدار ان سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔

"صحیح مسلم" میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جب جنت والے جنت میں داخل ہوچکیں گے تو حق تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ کیا تمہیں کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟ اگر ہو تو بتلاؤ، ہم اس کو پورا کریں گے۔ جنتی لوگ جواب دیں گے کہ: آپ نے ہمارے چہرے روشن کیے، ہمیں جنت میں داخل فرمایا، دوزخ سے نجات دی، اس سے زیادہ اور کیا چیز مانگیں، اس وقت درمیان سے پردے اٹھا دئے جائیں گے، اور تمام جنتی اپنی اپنی جگہ رہتے ہوئے حق تعالیٰ کا دیدار کریں گے، جیسے کہ: سورج اور چاند کو ہر آدمی اپنی اپنی جگہ رہ کر دیکھ سکتا ہے، حق تعالیٰ کی زیارت کے لیے کوئی دھکم پیل نہیں کرنی پڑے گی، اس وقت جنتیوں کو معلوم ہوجائے گا کہ جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت تھی جس کی طرف ان کا دھیان بھی نہ گیا تھا، جو "رب العالمین" نے محض اپنے کرم سے بے مانگے عطا فرمائی، اور پھر انہیں جنت والوں کا یہ حال بیان فرمایا کہ: نہ ان کے چہروں پر کبھی کدورت یا تکلیف وغم کا اثر چھائے گا، اور نہ ذلت کا اثر ہوگا جو دنیا میں ہر شخص کو کبھی نہ کبھی پیش آیا کرتا ہے اور آخرت میں دوزخ والوں کو پیش آئے گا۔

بروں کی سزا

وَ الَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا ۙ وَ تَرْهَقُهُمْ
اور جو کمائیں برائیاں بدلہ ہے برائی کا برابر اس کے اور ڈھانک لے گی ان کو

ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ
رسوائی نہیں واسطے ان کے طرف سے اللہ کی کوئی بچانے والا گویا کہ ڈھانک لیے گئے چہرے ان کے

قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷﴾
ٹکڑوں سے کے رات کالی سیاہ وہ لوگ رہنے والے ہیں دوزخ کے وہ میں اس ہمیشہ رہیں گے (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور جنہوں نے برائیاں کمائیں ان کو برائی کا بدلہ اس جیسی برائی سے ملے گا اور رسوائی ان کو ڈھانک لے گی، ان کو اللہ تعالیٰ سے بچانے والا کوئی نہیں گویا ان کے چہرے اندھیری رات کے ٹکڑوں سے ڈھانک دیئے گئے، وہ دوزخ والے ہیں وہ اسی میں ہمیشہ رہا کریں گے۔(۲۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: برے کام کرنے والے سن لیں کہ جتنی برائی ہوگی اس کے برابر انہیں سزا دیجائے گی، اس میں زیادتی نہ کی جائے گی، دنیا میں انہوں نے اللہ کا قانون توڑا تھا اور کفر کیا تھا، قیامت میں انہیں اس کی سزا میں ذلیل اور رسوا کیا جائے گا، دنیا میں جو اپنی خواہشیں پوری کی تھیں ان کا پچھتاوا تاریکی بن کر ان کے چہرہ پر چھا جائے گا وہ ادھر ادھر نگاہ دوڑائیں گے کہ شاید ہمیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانے والا کوئی آ جائے لیکن وہاں کس کی مجال ہوگی جو چوں کر سکے مجرم انسان کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ سے بچانے والا کوئی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پیارے اور مقبول بندے تو خود اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور نافرمانوں سے بیزار ہیں یہ نافرمان دنیا میں ان کے پاس نہ پھٹکے تو

آخرت میں بھی انہیں ان کے قریب نہ آنے دیا جائے گا یہ لوگ دوزخی ہیں اوران کا ٹھکانا ہمیشہ کے لیے وہی ہے۔

مشرک اور معبود

وَ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ

اور جس دن اکٹھا کریں گے ہم ان کو سب کے سب کو پھر کہیں گے ہم واسطے ان لوگوں کے شرک کیا جنہوں نے کھڑے رہو جگہ اپنی اپنی

اَنْتُمْ وَ شُرَكَآؤُكُمْ ۚ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَ قَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا

تم اور شریک تمہارے پس جدائی ڈال دیں گے ہم درمیان ان کے اور کہیں گے شریک ان کے نہ

كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۸﴾

تھے تم ہماری عبادت کرتے (۲۸)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اور جس دن ہم ان سب کو جمع کریں گے پھر شرک کرنے والوں سے کہیں گے اپنی اپنی جگہ پر تم اور تمہارے شریک کھڑے ہو جاؤ پھر ہم ان کے درمیان جدائی کر دیں گے ان کے شریک کہیں گے، تم ہماری تو بندگی نہ کرتے تھے۔ (۲۸)

تفسیر

قیامت کے دن اللہ پاک تمام مشرکوں کو اور ان کے باطل معبودوں کو جمع کریں گے اللہ پاک فرماتے ہیں کہ جو لوگ ہمارے سوا اوروں کو پوجتے تھے، ان کو حکم ہوگا کہ تم اور تمہارے معبود سب اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہو جاؤ ہم ان کے سارے تعلقات جو انہوں نے اپنے خیال کے مطابق اپنے معبودوں کے ساتھ قائم کر رکھے تھے درہم برہم کر دیں گے پوجنے والے اس توقع میں ہوں گے کہ آج یہ معبود ہمیں بچا لیں گے لیکن وہ نام نہاد معبود کانوں پر ہاتھ رکھیں گے اور کہیں گے کہ ہم تمہارے معبود کبھی بھی نہیں تھے دراصل تمہارے معبود خود تمہارے وہم اور خیالات تھے؛ اس لیے تم خود ان کے ذمہ دار ہو وہی تمہارے معبود ہوں گے ہم ہرگز تمہارے معبود نہیں۔

حقیقت کا ظہور

فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ

پس کافی ہے اللہ گواہ درمیان ہمارے اور درمیان تمہارے تحقیق تھے ہم سے بندگی تمہاری

لَغٰفِلِيْنَ۝۲۹ هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَ رُدُّوْٓا اِلَى

یقیناً بے خبر (۲۹) وہاں جانچ لے گا ہر شخص جو پہلے کیے اس نے اور لوٹائے جائیں گے طرف

اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۝۳۰

اللہ کی مالک ان کا ہے حقیقی اور جاتا رہے گا سے ان جو تھے تراشتے وہ (۳۰)

ع ۳ / ۸ النصف

بامحاورہ ترجمہ:۔ سو اللہ تعالیٰ بطور گواہ کافی ہیں ہمارے اور تمہارے درمیان ہم کو تمہاری بندگی کی خبر نہ تھی۔(۲۹) وہاں ہر کوئی جانچ لے گا جو اس نے پہلے کیا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کریں گے جو ان کا سچا مالک ہے اور جو جھوٹ باندھا کرتے تھے، وہ ان کے پاس سے جاتا رہے گا۔(۳۰)

تفسیر

اور مشرکوں کے بنائے ہوئے معبودان لوگوں سے کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ گواہ ہیں کہ ہم سچ کہہ رہے ہیں کہ ہرگز ہم نے تم سے کبھی نہیں کہا کہ تم ہماری عبادت کرو کیونکہ ہم اس قابل ہی نہیں کہ ہماری عبادت کی جائے اللہ تعالیٰ ہماری حالت سے واقف ہیں، وہ جانتے ہیں کہ ہمیں ذرا بھی اس کی خبر نہیں کہ تم ہماری عبادت کر رہے ہو یہ باتیں سن کر مشرکوں کی آنکھیں کھلیں گی، انہیں اس میں کوئی شک وشبہ نہ رہے گا کہ ہمارا مالک، آقا، رب، معبود غرض جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ ہیں، دوسروں کو معبود بنانا ہماری غلط فہمی تھی اور سچ مچ انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ ہماری عبادت کرو ہم تمہارے معبود ہیں بلکہ انہیں اس کی خبر ہی نہیں کہ ہم نے انہیں واقعی معبود بنا رکھا ہے چنانچہ اس غلط فہمی میں جو کام بھی ہم نے کئے وہ سب بے کار گئے، بلکہ آج وہ ہمارے لیے وبال جان ہیں، چنانچہ ان کے وہ

سارے خیالات کہ فلاں دیوتا ہمارا کام کرتا ہے، فلاں یہ کرتا ہے سب ناپید ہو جائیں گے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ حکم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا غیروں کی پوجا کرنے والے اپنے اپنے خداؤں کے پیچھے آجائے، سورج اور چاند کی پوجا کرنے والے ان کے پیچھے جائیں گے، بتوں کے پجاری ان کے پیچھے پیچھے چلتے جائیں گے، حتیٰ کہ دوزخ میں پہنچ جائیں گے، البتہ پیغمبروں اور ولیوں کی عبادت کرنے والے بھی دوزخ میں جائیں گے پیغمبر اور ولی دوزخ سے دور ہونگے بلکہ وہ تو جنت کے اعلیٰ درجوں میں ہونگے، اس لیے کہ پیغمبروں اور ولیوں نے تو ان کو اپنی عبادت کا نہیں کہا تھا بلکہ وہ تو عمر بھر توحید کا درس دیتے رہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ'' جن کے حق میں ہماری طرف سے پہلے نیکی ثابت ہو چکی ہے وہ ہمارے علم میں ہے اور وہ دوزخ سے دور رہیں گے۔

رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ: وہ سب اللہ کی طرف لوٹائے جائیں گے جو ان کا آقا ہے یہی وہ معبود حقیقی ہے جس کی عبادت سے یہ کافر و مشرک دنیا میں منہ موڑتے رہے اور شرک کے پیچھے پڑے رہے اللہ تعالیٰ کے سوا غیروں کی عبادت کرتے رہے حالانکہ ان معبودوں کو تو کوئی اختیار ہی نہیں تھا انہوں نے تو اپنی عبادت کے لیے کہا ہی نہیں تھا، وہ تو ان کے دشمن ہو جائیں گے اور انہی کے خلاف گواہی دیں گے، کہ اے پروردگار! انہوں نے خود غلط کام کیا ہم ان سے بیزار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی پہچان

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ

کہہ دیجئے کون روزی دیتا ہے تم کو سے آسمان اور زمین یا کون مالک ہے کان

وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ

اور آنکھوں کا اور کون نکالتا ہے زندہ کو سے مردہ اور نکالتا ہے مردہ کو

مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ
سے زندہ اور کون چلاتا ہے کام پس کہہ اٹھیں گے اللہ تعالیٰ تو آپ کہہ دیجئے

اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾
کیا پس نہیں ڈرتے تم (۳۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ پوچھیں کون روزی دیتا ہے تمہیں آسمان سے اور زمین سے یا کون کانوں اور آنکھوں کا مالک ہے اور زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے کون نکالتا ہے اور کاموں کی تدبیر کون کرتا ہے، سو! بول اٹھیں گے کہ اللہ، تو آپ کہہ دیجئے کہ کیا پھر ڈرتے نہیں؟ (۳۱)

تفسیر

قرآن کریم میں آسمان اور زمین کی کائنات اور حادثات وواقعات کا جگہ جگہ ذکر کیا گیا ہے، اور جن آیتوں میں ان کا ذکر ہے ان کو اکثر ان الفاظ پر ختم کیا گیا ہے "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" (پھر کیا تم سمجھ نہیں رکھتے) "اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ" (کیا تمہارے کان نہیں) "اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" (کیا تمہاری آنکھیں نہیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی عقل، کان، آنکھ اور علم کا اصل کام صرف یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز سے ارد گرد کے تمام حادثات وواقعات سے اس نتیجہ پر پہنچے کہ ان سب چیزوں کا بنانے والا قائم رکھنے والا اور ان کا انتظام کرنے والا صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے اس لیے کہ اس کو کسی ساتھی اور مددگار کی ضرورت نہیں، اگر کائنات کے مطالعہ سے انسان اس نتیجہ پر نہیں پہنچتا تو وہ اور چاہے کتنی ہی مادی ترقی کرے قرآن کی زبان میں وہ ناسمجھ ہے۔

یہ آیت بتاتی ہے کہ اگر انسانی عقل ظاہری اسباب کے چکر میں پھنس کر رہ جائے تو اس نے اپنا اصلی کام پورا نہیں کیا انسانی عقل کے کمال کا آخری مرتبہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پہچانے اگر اس سے نیچے کے کسی مرحلہ میں اٹک کر رہ گئی تو وہ عقل ابھی ناقص ہے، یہ ناقص عقل والے لوگ ہرگز اس قابل نہیں کہ انسان ان کی قائم کی ہوئی راہ

پر چلے، ورنہ وہ بھی انہی کی طرح انسانی کمال حاصل کرنے سے محروم رہ جائے گا۔

ظاہر بات ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندوں کے سوا کسی کی نظر ظاہری مادی اسباب سے اونچی نہیں اٹھتی لیکن انسانی فطرت کے اندر یہ خلفشار (Confusion) موجود ہے کہ یہ ظاہری دنیاوی زندگی انسانی شان کے مناسب نظر نہیں آتی، ضرور اس کے لیے کوئی اور زندگی ہونی چاہیے، جس میں یہ اپنے بلند عظیم الشان ارادے بلا روک ٹوک پورے کرے۔

تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ

پس یہ اللہ ہے رب تمہارا حقیقی پھر کیا رہ گیا بعد سچ کے سوا گمراہی کے

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿٣٢﴾ كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا

پس کدھر پھرے جا رہے ہو تم (۳۲) اسی طرح ٹھیک اتری بات رب آپ کے کی پر ان لوگوں جو نافرمان ہوئے

اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾

کہ وہ نہ ایمان لائیں گے (۳۳)

با محاورہ ترجمہ:۔ سو اللہ تعالیٰ تمہارا سچا رب ہے، پس سچ کے بعد سوا بھٹکنے کے کیا باقی رہ جاتا ہے؟ کہاں لوٹے جاتے ہو۔ (۳۲) اسی طرح نافرمانوں پر آپ کے رب کی بات ٹھیک آئی کہ یہ ایمان نہ لائیں گے۔ (۳۳)

تفسیر

پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا تھا کہ کائنات کا انتظام کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے ان آیتوں میں ارشاد ہے کہ جب تم سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارا رازق مالک تمام کائنات کا خالق کون ہے تو تم فورا بول اٹھتے ہو کہ اللہ، پھر

اس کا کہنا کیوں نہیں مانتے؟ دیکھو اللہ تعالیٰ جب یہ سب باتیں کرتا ہے اور تمہیں پالتا ہے اور تمہاری پرورش کرتا ہے تو ظاہر بات ہے کہ وہی تمہارا اصلی رب ہے، تمہارے جواب سے ظاہر ہے کہ اس کے سوا تمام جہان میں کوئی نہیں جو یہ سارے کام انجام دے سکے، اگر کسی کے ذریعہ کوئی تمہارا کام ہو جائے تو اس کو رب سمجھنا غلطی ہے اس نے تو جو کچھ کیا اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا اسے نہ کوئی قوت اور نہ کوئی اختیار، اتنی بات سمجھ لینے کے بعد اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو رب سمجھنا سوا گمراہی کے اور کچھ نہیں۔

تعجب ہے کہ تم سچی بات کا اقرار کر کے بھٹکے جا رہے ہو، آخر سوچو تو کہ یہ کیسا رویہ ہے؟ یہ جان بوجھ کر ٹیڑھا پن صاف بتا رہا ہے کہ تم اپنی جان کے خود دشمن ہو اور تمہارا فسق و فجور، تمہاری سرکشی اور نافرمانی تمہیں کفر کی طرف دھکیل رہی ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان کہ گناہ گار اپنی شامت اعمال کی وجہ سے ایمان نہ لائیں گے، ٹھیک ثابت ہوا۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ قُلِ

کہہ دیجئے کیا میں سے شریکوں تمہارے کوئی ہے جو پہلی بار بھی پیدا کرے پھر دوبارہ بھی لوٹائے اسے کہہ دیجئے آپ

اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ قُلْ هَلْ مِنْ

اللہ پہلی بار بھی پیدا کرتا ہے پھر دوبارہ بھی لوٹائے گا پس کہاں پلٹے جاتے ہو (۳۴) کہہ دیجئے آپ کیا کوئی ہے

شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ

شریکوں تمہارے جو راستہ بتائے طرف حق کی کہہ دیجئے آپ اللہ راستہ بتاتا ہے حق کا

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ

کیا پس جو راہ دکھائے طرف حق کی زیادہ حق دار ہے اس کا کہ مانی جائے یا جو نہیں پاتا راہ مگر

اَنْ يُّهْدٰى ۚ فَمَا لَكُمْ ۟ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿۳۵﴾

یہ کہ راستہ بتایا جائے اسے پس کیا ہوا واسطے تمہارے کیسے فیصلے کرتے ہو (۳۵)

بامحاورہ ترجمہ: ۔آپ ان سے پوچھیں کہ تمہارے شریکوں میں کوئی ہے جو مخلوقات کو پیدا کرے پھر دوبارہ زندہ کرے، آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے، پھر اس کو دوبارہ پیدا کرے گا، (کیونکہ اس سوال کا اس کے سوا کوئی جواب ہی نہیں؛ اس لیے فرمایا کہ خود ہی کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا) پھر کہاں پلٹے جاتے ہو؟ (۳۴) آپ پوچھ لیجئے کہ کیا کوئی ہے تمہارے شریکوں میں جو صحیح راستہ بتائے، آپ کہہ دیجئے صحیح راستہ اللہ تعالیٰ بتاتے ہیں تو اب جو کوئی صحیح راستہ بتائے اس کی بات ماننی چاہئے یا اس کی جو خود صحیح راستے پر نہ ہو مگر یہ کہ جب کوئی اور اسے راہ بتائے، سو! تم کو کیا ہو گیا کیسا انصاف کرتے ہو۔ (۳۵)

تفسیر

اس آیت میں ہے کہ تم جو اوروں کو دنیا کے پیدا کرنے کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتے ہو، کبھی تم نے یہ بھی سوچا کہ کوئی کسی چیز کو پہلی دفعہ پیدا بھی کر سکتا ہے یا نہیں؟ کسی ایک کا بھی ابتدا میں پیدا کرنا انسان کے بس کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو پہلی دفعہ پیدا کیا پھر وہ ان کو فنا کر کے دوبارہ پیدا فرمائیں گے، یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے بس کی بات نہیں، ابتداء میں پیدائش تو تم مانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کی اس لیے فنا کر کے دوبارہ بھی وہی پیدا فرمائیں گے، اس کو کیوں نہیں مانتے؟ ضرورت اس بات کی ہے کہ پہلی بات صرف زبانی نہیں دل سے مانو جب یہ مان لو گے تو دوسری بات کا مان لینا بھی بالکل آسان ہے کیونکہ وہ پہلی بات کا نتیجہ ہے جس نے پہلے پیدا کیا وہ دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے پھر تم شریکوں کو بیچ میں کہاں سے لے آئے۔

فرمایا: کیا تمہارے شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو حق کی رہنمائی کرے یقیناً ایسا کوئی بھی نہیں بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے اب خود سمجھ لو کہ عبادت کے لائق کونسی ذات ہے جو حق کی رہنمائی کرتا ہے یا جو خود کو راستہ سجھائی نہیں دیتا بلکہ وہ خود رہنمائی کے محتاج ہیں؟

مطلب یہ ہے کہ عبادت کا زیادہ حقدار وہ ہے جو ہر معاملے میں حق کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور جو خود راستہ نہیں پاتا وہ بالکل بھی عبادت کے حق دار نہیں، پس تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم کیا فیصلہ کرتے ہو دیکھو! یہ کتنی ناانصافی کی بات ہے کہ تم انکو خدا کا شریک بنا رہے ہو ان کی پوجا کر رہے ہو جن کا اختیار ہی کچھ نہیں اور جو اللہ عبادت کے حقدار ہیں اس کی بات ہی نہیں مانتے۔

وہم وگمان

وَ مَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ

اور نہیں پیروی کرتے اکثر ان کے مگر گمان کی تحقیق گمان نہیں کام دیتا بارے میں حقیقت کے

شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾

کچھ بے شک اللہ خوب واقف ہے سے اس جو وہ کرتے ہیں (۳۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور ان میں سے اکثر محض اٹکل پر چلتے ہیں سو اٹکل حق کے مقابلے میں کچھ بھی کام نہیں دیتی، اللہ تعالیٰ کو جو کچھ وہ کرتے ہیں خوب معلوم ہے۔(۳۶)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اگر کوئی واقعی کسی چیز کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہے تو اسے وہم وگمان اور اٹکل پچو خیالات کو چھوڑ کر قرآن کریم اور پیغمبر کی باتوں پر عمل کرنا ہوگا، انہی باتوں کو سمجھانے کے لیے اللہ پاک نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی کتاب دے کر بھیجا ہے تاکہ آپ انسانوں کو بتادیں کہ کون سے کام ان کے لیے آخرت میں نقصان دہ ہیں اور کون سے کام ان کے لیے فائدہ مند ہیں۔

وہ بات جو ساری کی ساری درست اور فائدہ مند ہو اور جس میں غلط اور نقصان دہ بات کی ذرا سی ملاوٹ بھی نہ ہو صرف انسان کا پیدا کرنے والا، یعنی: اللہ تعالیٰ اور اس کے بھیجے ہوئے سچے پیغمبر ہی بتا سکتے ہیں اور ان کی

بتائی ہوئی نصیحت اور ہدایت پر عمل کر کے ہی ہر انسان دونوں جہاں کی کامیابی اور خوشی حاصل کر سکتا ہے، ورنہ حق کے مخالف اپنے وہم وخیال پر چلنے سے تو گمراہی اور نقصان کے سوا کچھ بھی نہیں۔

قرآن مجید کی شان

وَ مَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ
اور نہیں ہے یہ قرآن کہ بنالیا جائے سوا اللہ کے اور لیکن

تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ
تصدیق ہے اس کی جو پہلے ہے اس کے اور تفصیل ہے اس کتاب کی نہیں ہے شک میں اس

مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾
طرف سے پروردگار سارے جہاں کے (۳۷)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور یہ قرآن کریم وہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بنالے اور (یہ تو اللہ تعالیٰ کا اتارا ہوا ہے) جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور یہ تفصیل ہے ان احکام کی جو تم پر لکھے گئے ہیں، جس میں کوئی شبہ نہیں پروردگار عالم کی طرف سے۔ (۳۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ اس قرآن مجید کو دیکھو، پڑھو، سنو اور غور کرو، اس کے عمدہ الفاظ کی اندرونی سجاوٹ پھر ان کی عبارت کے اندر ترتیب پھر ان کے اندر شاندار مضمون اور مطلب کی چمک دمک بالکل جیسے سنہرے زیورات میں ہیرے موتی جڑے ہوں، اس کا انداز بیان کلام کا زور ہر چیز اپنے اپنے مناسب مقام پر رکھی ہوئی اور پھر انسان

کے لیے فائدے دینے والی ہدایتیں یقینی فیصلے دنیا کی حقیقت انسانی زندگی کا راز پھر انداز ایسا دلچسپ اور دلکش کہ کبھی پڑھنے اور سننے سے دل نہ اکتائے کیا ایسی خوبیوں والی کتاب کوئی انسان بنا سکتا ہے یا کوئی اور مخلوق بنا کر پیش کر سکتی ہے ان سب کے علاوہ انسان کے اس دنیا میں ظاہر ہونے سے لے کر اب تک جتنے عقیدے اس کے لیے پچھلی کتابوں میں تھے وہ سب اس میں موجود ہیں پھر کہیں اٹکل اور اندازے کا نام نہیں جو بات ہے بالکل اٹل اور یقینی ہے اس میں شک وشبہ کا گذر ہی نہیں، کیا ایسی خوبیوں والی کتاب سوا اللہ تعالیٰ کے جو ساری کائنات اور سارے جہاں کا رب ہے کسی اور کی ہو سکتی ہے، عقل نہیں مان سکتی کہ ایسی یقینی باتوں کو چھوڑ کر کوئی انسان وہم وخیال پر چل کر آخرت میں کامیاب ہو سکتا ہے ہرگز نہیں۔

وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ: بلکہ یہ قرآن کریم تو پہلی آسمانی کتابوں کی تصدیق کرنے والی کتاب ہے، پہلی کتابیں اپنے اپنے وقت پر اپنے اپنے پیغمبروں پر اتر کر ہدایت کا کام دیتی رہیں مگر اس زمانے کے لوگ اپنی نالائقی، بددیانتی اور خیانت کی وجہ سے ان سے ہدایت کا کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے، بلکہ انہوں نے ان کتابوں میں ردوبدل کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب کو للکارا، غرضیکہ یہ "قرآن پاک، زبور، تورات، انجیل" اور دوسرے صحیفوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔

فرمایا: ایک تو یہ کتاب پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی کتاب ہے، اور دوسرا "وَ تَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ" کتاب کی تفصیل بھی ہے کتاب کا لفظی معنی لکھی ہوئی چیز ہوتا ہے، یعنی: اس میں ان سب باتوں کی تفصیل موجود ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی دنیا وآخرت کی کامیابی کے لیے لکھ دی ہے اور یہ تفصیل اس قسم کی ہے کہ اس میں تمام آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا خلاصہ آ گیا ہے، یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جن کتابوں کا خلاصہ اس آخری کتاب میں موجود ہے اگر وہ ساری کتابیں اور صحیفے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور برحق ہیں تو پھر یہ قرآن مجید بھی برحق ہے۔

سیدھی بات

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَ ادْعُوْا مَنِ

کیا کہتے ہیں وہ کہ خود ہی بنالیا ہے یہ اس کو کہہ دیجئے آپ پس لے آؤ ایک ہی سورت اس کی طرح اور بلالو جسے

اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۸ بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا

بلاسکتے ہو تم سوا اللہ کے اگر ہو تم سچے (۳۸) بات یہ ہے جھٹلانے لگے اس کو کہ

لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَ لَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ

نہ احاطہ کیا انہوں نے علم اس کی کا اور ابھی بھی نہیں آئی پاس انکے اصلی بات اس کی اسی طرح جھٹلایا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝۳۹ وَ

ان لوگوں نے جو پہلے تھے ان کے پس دیکھیں کیسا ہوا انجام ظالموں کا (۳۹) اور

مِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ وَ

میں سے ان وہ ہیں جو ایمان لے آئیں گے پر اس اور میں سے ان وہ ہیں جو نہیں ایمان لائیں گے پر اس اور

رَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝۴۰ ع ۴ ۹

رب آپکا خوب جانتا ہے فسادیوں کو (۴۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا لوگ کہتے ہیں کہ خود ہی بنالایا ہے اس (قرآن) کو آپ کہہ دیجئے تم ایک ہی سورت ایسی لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا جس کو بلاسکو بلالو اگر تم سچے ہو۔ (۳۸) بات یہ ہے کہ جس کے سمجھنے پر انہوں نے قابو نہ پایا اسے جھٹلانے لگے اور ابھی تک اس کی حقیقت ان کے سامنے نہیں آئی اسی طرح ان سے اگلوں نے جھٹلایا سو دیکھ لیں ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔ (۳۹) اور بعض ان میں قرآن کریم کا یقین کریں گے اور بعض یقین نہ کریں گے اور شرارت کرنے والوں کو آپکا رب خوب جانتا ہے۔ (۴۰)

تفسیر

جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم پڑھ پڑھ کر لوگوں کو اللہ پاک کی طرف بلانے لگے تو مکہ کے مشرک کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کو کیا غرض کہ اپنا کلام بھیجے اور پھر وہ بھی ایسے شخص کے ہاتھ جس کے پاس نہ دھن، نہ دولت، نہ ملک، نہ بادشاہت، ہونہ ہو یہ باتیں بنا کر سرداری حاصل کرنا اور دولت بٹورنا چاہتا ہے، اور اس لیے خود اس نے جوڑتوڑ کر کے قرآن بنالیا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن کو خود بنالایا ہے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو تم بھی خود اس جیسی کوئی سورت بنا کر لے آؤ، سورۃ بنی اسرائیل میں ہے کہ اگر سارے انسان اور سارے جن مل کر بھی قرآن کریم جیسی کتاب بنا کر پیش کرنا چاہیں تو سارے مل کر بھی اس جیسی کتاب بنا کر پیش نہیں کر سکتے، مقصد یہ ہے کہ انسانی کلام کا مقابلہ تو دوسرے انسانی کلام سے ہوسکتا ہے کتنا بڑا شاعر اور ادیب ہو اس کے کلام کو جانچا جاسکتا ہے، اور جانچنے والے مختلف حیثیتوں سے اس کی جانچ پرکھ کر سکتے ہیں، مگر جہاں مقابلہ اللہ تعالیٰ کے کلام اور مخلوق کے کلام کے درمیان ہو وہاں کون فیصلہ کریگا؟ اللہ کا کلام تو انسان کے تمام علم سے بلند و برتر ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ مشرکوں نے ایسی چیز کو جھٹلایا جس کا انہیں پوری طرح علم نہیں حق بات یہ ہے کہ کسی بات میں خامی اور کمزوری کی نشاندہی وہ کر سکتا ہے جو اس علم وفن پر مکمل درجے کی مہارت رکھتا ہو، مگر اللہ تعالیٰ کے کلام پر تو کسی کا احاطہ ہی نہیں لہذا بغیر مکمل مہارت کے کون اس سے بازی لے جاسکتا ہے، لہٰذا اس کلام کو جھٹلانا تو نہایت ہی بے عقلی کی بات ہے۔

فرمایا: ایک تو انہوں نے اس کلام کو مکمل طور پر جانا نہیں اور دوسری بات یہ ہے کہ ابھی تک آئندہ پیش آنے والی حقیقت کا انہیں پتہ ہی نہیں، تاویل سے مراد وہ حقیقتیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان کیا اور جن کا ظاہر ہونا ابھی باقی ہے، مثلاً فرشتوں اور جنوں کا وجود، قیامت واقع ہونا، حساب کتاب کی منزل اور پھر

جزا اور سزا کا فیصلہ وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کا دعویٰ تو قرآن حکیم نے کیا ہے مگر وہ آنے والے زمانے میں ظاہر ہوگا، فرمایا جب ان چیزوں کی آزمائش کا ابھی وقت ہی نہیں تو انہوں نے پہلے ہی ان کو کیسے جھٹلانا شروع کر دیا ہے۔

فرمایا: اے پیغمبر! جھوٹے لوگوں کا یہ جھوٹ بولنا کوئی نئی بات نہیں ہے، ان سے پہلے لوگوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی باتوں کو اسی طرح جھٹلایا پہلے کے کافر و مشرک واضح حقیقتوں کا انکار کرتے تھے مگر دیکھ لو کہ کیا وہ کامیاب ہو گئے، فرعون، شداد، نمرود، عاد کی قوم، ثمود کی قوم اور لوط کی قوم وغیرہ نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا تھا تو ان کا کیا حشر ہوا دنیا میں بھی ذلیل ہوئے اور آخرت کی ہمیشہ کی ذلت تو بہر حال ان کے مقدر میں ہے سورۂ شعراء میں اللہ تعالیٰ نے تمام جھٹلانے والی قوموں کا نقشہ کھینچا ہے اور پھر آخر میں فرمایا ہے کہ دیکھو ظلم کرنے والوں کا کیسا برا انجام ہوا۔

اب یہ ہے کہ ان میں سے بعض قرآن پاک پر ایمان لاتے ہیں جن کی صلاحیت اچھی ہوتی ہے وہ ایمان لا کر فائدہ اٹھا لیتے ہیں، قرآن پاک کی تعلیمات سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو قرآن پاک پر ایمان نہیں لاتے، وہ اپنی ضد پر اڑے ہوئے ہیں اور اس کو جھٹلاتے ہیں۔

قرض کی ادائیگی

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـــُٔوْنَ

اور اگر جھٹلائیں آپ کو پس کہہ دیں آپ واسطے میرے ہے کام میرا اور واسطے تمہارے ہے کام تمہارا تم بری ہو

مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْۤءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

سے اس جو کرتا ہوں میں اور میں بری ہوں سے اس جو کرتے ہو تم (۴۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر آپ کو جھٹلائیں تو آپ کہہ دیں کہ میرے لیے میرا کام اور تمہارے لیے تمہارا کام تم پر میرے کام کا ذمہ نہیں اور جو تم کرتے ہو اس کا مجھ پر ذمہ نہیں ہے۔ (۴۱)

تفسیر

پچھلی آیتوں پر غور کیجئے، واقعی قرآن کریم نے ناسمجھ انسانوں کو صحیح بات سمجھانے کا حق ادا کر دیا ہے ارشاد ہے کہ اے پیغمبر! اگر یہ آپ کو اس قدر صاف طور پر سمجھا دینے کے بعد بھی جھٹلاتے ہی چلے جائیں، تو کہہ دیں کہ لو اب تم جانو تمہارا کام، میں اپنا کام کر چکا مجھ سے صرف میرے ہی کاموں کے متعلق پوچھا جائے گا اگر میں سچا ہوں تو مجھے اس کا پھل ملے گا ادھر تم نے میری نہ مان کر اپنی ذمہ داری آپ لے لی ہے؛ اس لیے تم اپنے کرتوتوں کے خود جواب دہ ہو گئے میں نے اپنا کام کر دیا اور انہیں سمجھا دیا لیکن انہوں نے میری نہ سنی اس لیے میں ان سے بری الذمہ ہوں۔

مختلف قسم کے لوگ

وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ

اور میں سے ان جو کان لگاتے ہیں طرف آپ کی کیا پس آپ سنائیں گے بہروں کو اگرچہ

كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ

ہوں وہ نہ سمجھ رکھتے (۴۲) اور میں سے ان جو نظر کرتے ہیں طرف آپ کی کیا پس آپ

تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

راہ دکھائیں گے اندھوں کو اگرچہ ہوں وہ نہ بینائی رکھتے (۴۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بعض ان میں آپ کی طرف کان لگاتے ہیں کیا آپ بہروں کو سنائیں گے اگرچہ انہیں سمجھ نہ ہو۔ (۴۲) اور بعض ان میں آپ کی طرف نگاہ کرتے ہیں کیا آپ اندھوں کو راہ دکھائیں گے اگرچہ وہ سوجھ سمجھ نہ رکھتے ہوں۔ (۴۳)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل جیسی عظیم نعمت عطا کی ہے جسے صحیح طور پر استعمال کرنے کی ضرورت ہے مگر یہ لوگ ایسا کرنے پر تیار نہیں، غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جھٹلانے والوں کی حالت یہ ہے کہ وہ آپ کی بات دل سے سنتے ہی نہیں تو آپ ان کو زبردستی کیسے سنائیں گے۔

سننے کے بعد دیکھنے کا ذکر فرمایا کہ ان میں سے بعض وہ ہیں جو بظاہر آپ کی طرف دیکھتے ہیں مگر وہ دل کے اندھے ہیں کیا آپ اندھوں کو راستہ دکھائیں گے، اگرچہ وہ نہ دیکھتے ہوں جو لوگ دل کے بہرے اور اندھے ہیں وہ آپ کی بات کو نہ سن سکتے ہیں، نہ دیکھ سکتے ہیں، اور نہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، دل کے اندھاپن کے بارے میں "سورۂ حج" میں موجود ہے کہ یاد رکھو! اکثر ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں، بلکہ سینوں میں پڑی ہوئی دل کی آنکھیں بند ہوتی ہیں جس کی وجہ سے ان کے دل میں اچھی بات جمتی ہی نہیں، جو شخص دل کا اندھا ہو وہ کسی اچھی چیز سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو معلوم ہوا کہ خالی سننا اور خالی دیکھنا فائدہ نہیں دیتا جب تک انسان کے دل کے کان اور دل کی آنکھیں کھلی نہ ہوں جب تک کسی نیکی کی طلب اور شوق نہ ہو، اچھی سے اچھی بات بھی اثر نہیں رکھتی؛ اسی لیے فرمایا کہ: ظاہری سننا اور دیکھنا اس وقت تک فائدہ نہیں دے سکتا جب تک دل متوجہ نہ ہو۔

ظالم کون ہے؟

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْـًٔا وَّ لٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ

تحقیق اللہ نہیں ظلم کرتا لوگوں پر ذرا بھی اور لیکن لوگ جانوں اپنی پر

يَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَ يَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ يَلْبَثُوْٓا اِلَّا سَاعَةً

ظلم کرتے ہیں (۴۴) اور جس دن جمع کرے گا ان کو گویا نہ ٹھہرے تھے وہ مگر گھڑی ایک

مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ ؕ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

دن کی | پہچانیں گے | آپس میں | تحقیق | خسارے میں رہے | وہ لوگ جنھوں نے | جھٹلایا

بِلِقَآءِ اللّٰهِ وَ مَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾

ملنے کو | اللہ سے | اور | نہ | تھے وہ | راہ پانے والے (۴۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتے لیکن لوگ اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں۔(۴۴)اور (آج تو یہ لوگ جلدی مچاتے ہیں پر) جس دن اللہ ان کو اکٹھا کرلائے گا (تو اس دن ان کو یوں محسوس ہوگا کہ) گویا وہ دنیا میں ایک گھڑی ٹھہرے تھے اور یہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانتے ہونگے (تب واضح ہوجائے گا کہ) وہ لوگ بڑے ہی خسارے میں رہے جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ سیدھے راستہ پر نہ تھے۔(۴۵)

تفسیر

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم نہیں کرتے، بلکہ لوگ خود اپنے آپ پر ظلم کرتے ہیں، وہ خود ایسے کرتوت کرتے ہیں جن کی بنا پر دوزخ کے حق دار بن جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے، ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (الحج)، یہ تو تیرے اپنے ہاتوں کی کمائی ہے، اللہ تعالیٰ تو کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتے، وہ تو نہایت ہی شفیق اور مہربان ہیں مگر یہ تو خود انسان ہیں جو اپنی بدعملیوں کی وجہ سے دوزخ کا ایندھن بنتے ہیں جو فکر اور عقیدہ تم نے اپنایا اور جو برے عمل کئے یہ اس کا نتیجہ ہے، اسے بھگتو، فرمایا ''فَاصْبِرُوْۤا اَوْ لَا تَصْبِرُوْا ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ '' (الطور)، تم صبر کرو یا نہ کرو اب تمہارے لیے برابر ہے تمہیں اپنے کئے کی سزا بھگتنی پڑے گی تم نے قرآن کریم اور پیغمبر کو جھٹلایا آج کے دن کو جھٹلایا اللہ تعالیٰ کے دین کا انکار کیا اللہ تعالیٰ کے قانون کی پرواہ نہ کی، اب یہ تمام چیزیں جمع ہوکر تمہارے

لیے عذاب کا سبب بنیں گی۔

ارشاد ہے کہ: کبھی قیامت کے دن کو بھی یاد کرلیا کرو، اس وقت تو تم اسے من گھڑت کہانی سمجھتے ہو لیکن جب آ ہی بنے گی تو سوا ذلت اور رسوائی کے کچھ نہیں ہوگا، یہ رنگ رلیوں کی راتیں، سیر و تفریح کے دن جن سے تم عمر بھر مزے لیتے رہے اور جن میں پھنس کر کبھی ایک دم کے لیے بھی موت کو یاد نہ کیا۔

فرمایا: آج تو تم دندناتے پھرتے ہو، قرآن کریم اور سچے پیغمبر کا انکار کرتے ہو، اسی زندگی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے ہو، مگر یاد رکھو! جس دن ہم ان کو اکٹھا کریں گے دوبارہ زندہ کرکے اپنے سامنے حاضر کریں گے، اس دن انہیں احساس ہوگا کہ ہم تو دنیا میں ایک گھڑی بھر ٹھہرے ہماری دنیاوی زندگی تو نہایت ہی کم تھی، دنیا کی پوری کی پوری ساٹھ ستر سالہ زندگی ایسی محسوس ہوگی، جیسے: کوئی شخص گھنٹے دو گھنٹے خوش گپیوں میں گذار دیتا ہے، دوسری جگہ "ضحی" کا لفظ آتا ہے، یعنی: دنیا کی زندگی کا لمبا ہونا اس قدر معلوم ہوگا جیسے کوئی شخص دوپہر کے وقت تھوڑا سا آرام کرلیتا ہے یا جیسے پچھلے پہر کا تھوڑا سا وقت ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت کے دردناک عذاب کے پیش نظر زندگی بھر عیش و آرام نہایت حقیر نظر آئے گا، لیکن اس وقت افسوس اور شرمندگی کے سوا کچھ ہاتھ نہیں آئے گا۔

جس وقت تمہیں حشر کے میدان میں اکٹھا ہونے کا حکم ہوگا کہو گے کہ افسوس وہ عیش اور آرام کے دن کس قدر جلدی گذر گئے کیسی ہولناک باتوں سے واسطہ پڑا ہے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں صرف گھڑی بھر ٹھہرنا ملا تھا ایک اور مصیبت یہ ہوگی کہ مستی اور غفلت سب جاتی رہے گی، دنیا کے رشتہ دار ساتھی ایک دوسرے کو پہچانیں گے لیکن کوئی کسی کی مدد نہ کرسکے گا سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی، یار دوست، ملنے جلنے والے، جھوٹے معبود، حاکم محکوم سب ٹکا سا جواب دیں گے، عجیب نفسا نفسی کا عالم ہوگا، سب ساتھ ہوں گے، لیکن ہر ایک تنہا ہوگا، ہاں جنہوں نے دنیا اور دنیا والوں سے بے غرض ہو کر اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر سے رشتہ قائم کیا تھا، اور سب سے توڑ کر ان سے رشتہ جوڑا تھا، وہ اس وحشت سے آزاد ہوں گے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ملاقات کا انکار کرنے والے، قرآن حکیم اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو خاطر میں نہ لانے والے اس دن پچھتائیں گے، اور دیکھیں گے کہ وہ سراسر گھاٹے میں ہیں، دنیا میں جو راستہ انہوں نے اختیار کیا تھا، وہ سراسر غلط تھا، مگر اس وقت کا سمجھنا کچھ کام نہ آئے گا،

یہ باتیں انہیں آج سمجھنی چاہئے۔

قیامت کے دن کوئی کسی کے کام نہیں آئے گا، وہ سب ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے البتہ اللہ سے ڈرنے والے لوگ ایمان والوں کے کام آسکیں گے وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان کی سفارش کریں گے۔

قیامت کا حال ایسا ہے کافر اور مشرک لوگ اپنے رشتہ داروں کو پہچانیں گے، مگر چونکہ وہ دنیا میں کفر و شرک کرتے رہے، لہٰذا یہ پہچان کچھ کام نہیں آئے گی، اور انہیں اپنے کئے کی سزا مل کر رہے گی، بے شک خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ملاقات کو جھٹلایا۔

سزا مل کر رہے گی

وَ اِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا

اور اگر دکھائیں ہم آپ کو بعض ایسے وعدہ کیا ہم نے جن سے یا ہم وفات دیں آپ کو پس طرف ہماری

مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ۝۴۶ وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ

لوٹنا ہے ان کا پھر اللہ گواہ ہیں پر اس جو کرتے ہیں وہ (۴۶) اور واسطے ہر امت کے

رَّسُوْلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِیَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَ هُمْ لَا

ایک پیغمبر ہے پھر جب آیا پیغمبر ان کا فیصلہ کر دیا گیا درمیان ان کے ساتھ انصاف کے اور وہ نہ

يُظْلَمُوْنَ۝۴۷ وَ يَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝۴۸

ظلم کئے جائیں گے (۴۷) اور کہتے ہیں کب (پورا ہوگا) یہ وعدہ اگر ہو تم سچے (۴۸)

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ

کہہ دیجئے آپ نہیں مالک ہوں میں واسطے جان اپنی کے نقصان کا اور نہ نفع کا مگر جو چاہے

اللّٰهُ ؕ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ؕ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

اللہ واسطے ہر امت کے گھڑی ہے جب آجائے گھڑی ان کی پس نہ پیچھے ہٹیں گے

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ
ایک لمحہ اور نہ آگے سرکیں گے (۴۹) کہہ دیجئے کیا دیکھا تم نے اگر آپہنچے تم پر عذاب اس کا

بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا
رات کو یا دن کو کیا ہے جلدی کرتے ہیں وہ جس کی مجرم (۵۰) کیا پھر جب

وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْئٰنَ وَ قَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ
آپڑا وہ تو ایمان لاؤ گے تم پر اس اب مانے حالانکہ تحقیق تھے تم واسطے اس کے جلدی مچاتے (۵۱) پھر

قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا
کہا جائے گا واسطے ان کے ظلم کیا جنہوں نے چکھو تم عذاب ہیشگی کا نہیں بدلہ دیئے جاؤ گے تم مگر

بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَ يَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ ؕ قُلْ اِیْ
اسی کا جو تھے تم کماتے (۵۲) اور خبر پوچھتے ہیں آپ سے کیا سچ ہے یہ کہہ دیجئے آپ قسم ہے

وَرَبِّیْۤ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚ وَ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۵۳﴾ ع ۵ (۱۴)
رب میرے کی تحقیق وہ البتہ سچ ہے اور نہ تم تھکا سکو گے (۵۳)

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم — وقف الغفران ۱۰

با محاورہ ترجمہ:۔ اور اگر ہم آپ کو ان وعدوں میں سے جو ہم نے ان سے کئے ہیں دکھائیں یا آپ کو وفات دیں سو ان کو لوٹنا ہماری طرف ہے پھر اللہ تعالیٰ ان کاموں پر جو وہ کرتے ہیں گواہ ہیں۔(۴۶) اور ہر امت کا ایک پیغمبر ہے پھر جب ان کا پیغمبر آچکا ہے تو ان میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔(۴۷) اور کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہے اگر تم سچے ہو۔(۴۸) آپ کہہ دیجئے میں اپنے لیے برے یا بھلے کا مالک نہیں مگر جو اللہ چاہے ہر امت کا ایک وعدہ ہے جب اچانک وعدہ آپہنچے گا تو پھر نہ پیچھے سرکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے سرک سکیں گے۔(۴۹) آپ کہہ دیں کہ بھلا دیکھو تو! اگر تم پر اس کا عذاب راتوں رات یا دن کو آپہنچے تو اس سے پہلے گنہگار کیا کرلیں گے۔(۵۰) کیا پھر جب عذاب آچکے گا تب اس پر یقین کرو گے، اب مانے ؟ اور تم اسی کا مطالبہ کرتے تھے۔(۵۱) پھر ظالموں (مشرکوں) سے کہا جائیگا ہیشگی کا عذاب چکھتے رہو

تمہیں اسی چیز کا بدلہ دیا جاتا ہے، جو تم کماتے تھے۔(۵۲) اور آپ سے خبر پوچھتے ہیں کہ کیا یہ بات سچ ہے؟ آپ کہہ دیجئے میرے رب کی قسم! یہ سچ ہے، اور تم (اللہ تعالیٰ کو مقابلہ کر کے) تھکا نہ سکو گے۔(۵۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے ہمارے پیغمبر! ہم نے ان نافرمانوں کو اپنے عذاب سے ڈرایا ہے ان سے کچھ وعدے تو آپ کے سامنے ہی پورے ہو جائیں گے، جیسے بدر وغیرہ میں دکھلایا گیا، لیکن اگر ہم نے آپ کو وفات دیدی پھر بھی اسلام کی فتح جاری رہے گی ہم وقتاً فوقتاً ہر امت میں پیغمبر بھیج کر انسان کو یہ سب کچھ یاد دلاتے رہے ہیں، جب پیغمبر آ چکا اور یاددہانی کرا چکا تو پھر ان کے ساتھ وہی معاملہ دنیا میں ہوا اور آخرت میں بھی ہوگا جس کا انصاف تقاضا کرتا ہے ان پر ظلم بالکل نہ کیا جائے گا۔

ارشاد ہے کہ: یہ لوگ غفلت کے نشہ میں مست ہیں ان کو بُرا ہی بُرا سوجھتا ہے سمجھاؤ تو کہتے ہیں جاؤ جی جاؤ بے کار باتیں نہ بناؤ، عذاب وغیرہ ہم کچھ نہیں مانتے، سچے ہو تو عذاب ابھی لاؤ، ورنہ ہماری جان نہ کھاؤ، ہم ایسے ڈھکوسلوں کو کچھ نہیں سمجھتے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، کہ ان سے کہہ دیجئے کہ میں تو اپنے لیے بھی کسی نفع یا نقصان کا مالک نہیں ہوں، یہاں تو یہ ماجرا ہے کہ تمہارا اور میرا دونوں کا نفع ونقصان اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے وہی ہم دونوں کا فیصلہ کرے گا، اس وقت تو تم اس کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ اٹھا رہے ہو، اگر تم نے ہدایت کا راستہ اختیار نہ کیا اور اسی مخالفت میں اڑے رہے تو تمہارا منہ مانگا عذاب بھی آخر کار مل کر رہے گا، اور اپنے کئے کی سزا بھگتو گے عذاب میں جلدی مچانے سے کچھ نہیں ہوتا، سب کچھ اسی نظام کے مطابق ہو کر رہے گا جو اللہ تعالیٰ مقرر فرما چکے ہیں۔

ارشاد ہے کہ: تم عذاب کی جلدی مچا رہے ہو بھلا یہ تو بتاؤ کہ اگر تمہارے پاس رات کو یا دن کو عذاب سچ مچ آ گیا تو وہ کھیل تماشا تو ہوگا نہیں جس میں ہنسی، دل لگی کے شعبدے یا ٹوٹکے ہوں گے، وہ ایک ایسا ہولناک واقعہ ہوگا، کہ تمہارے ہوش وحواس اڑ جائیں گے، اور کچھ کرتے دھرتے نہ بن پڑے گی نہ اس کا موقعہ ہوگا کہ عذاب

آنے کے بعد ایمان لاکر جان بچالو کہہ دیا جائے گا کہ تمہیں اب ایمان لانے کی سوجھی اس سے پہلے کیا کررہے تھے؟ تم سے کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی باتیں سنو، اس کی آیتوں پر غور کرو اس کے بتائے ہوئے طریقے پر چل کر نجات حاصل کرو، لیکن اس وقت تمہارے کان پر جوں نہ رینگی بولے کہ جا عذاب لے آ، ہم تو نہیں مانتے، اب یہ وہی عذاب ہے جس کی تم جلدی کررہے تھے۔

ان آیتوں میں پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ مرکر جینے کے بعد ظالموں سے کہہ دیا جائیگا، کہ اس غفلت اور بے ہوشی کے بدلے جس میں تم دنیا کے اندر اکڑتے پھرتے رہے آج ہمیشہ والا عذاب چکھو جو کچھ تم کرتے تھے، آج تمہارے سامنے آئے گا، اس کے بعد ارشاد ہے کہ حشر میں ان بے جا اور نامناسب حرکتیں کرنے والے ظالموں سے کہہ دیا جائیگا، کہ آج تمہارے عملوں کی تمہیں سزادی جائے گی اور تمہیں معلوم ہوجائے گا، کہ وہی کام جن کے اندر تم دنیا میں مشغول تھے اور ایک پل ان سے جدا ہونا نہ چاہتے تھے آج عذاب کی شکل میں تمہیں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور کبھی تم سے جدا ہونے کا نام نہ لیں گے، تم نے انہیں دنیا میں نہ چھوڑا وہ تمہیں آخرت میں نہ چھوڑیں گے، کوئی ان میں سے آگ بن کر جلائیگا، کوئی سانپ بچھوبن کر ڈسے گا کسی کی شکل کھولتے ہوئے پانی کی ہوجائے گی، اور اسے پینا پڑے گا، غرض جوان کے اندر عارضی دل لگی کا نام ونشان تھا وہ بالکل مٹ جائے گا، اور صرف تکلیف اور اذیت دینے والی باتیں رہ جائیں گی اگر آج یہ باتیں سن کر وہ تعجب سے پوچھتے ہیں کہ کیا یہ سب کچھ سچ مچ ہونے والا ہے تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ میں اپنے رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ ضرور بالضرور ہوگا تمہاری کوئی حالت، مثلاً: ہڈیوں کا ریزہ ریزہ ہوجانا، بدن کا راکھ یا مٹی ہوجانا، اللہ کو اس بات سے عاجز نہیں کرسکتی کہ وہ تمہیں دوبارہ زندہ کرے۔

یَتَعَارَفُوْنَ: یعنی: جب قیامت میں مردے قبروں سے اٹھائے جائیں گے، تو ایک دوسرے کو پہچانیں گے جیسے کوئی بچھڑے ہوئے زیادہ عرصہ نہ گزرا ہو، امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ: یہ پہچان شروع میں ہوگی، بعد میں قیامت کے ہولناک واقعات سامنے آجائیں گے تو یہ پہچان ختم ہوجائے گی اور بعض روایتوں میں ہے کہ پہچان تو پھر بھی رہے گی مگر قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے بات نہ کرسکیں گے۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ: یعنی: کیا تم ایمان اس وقت لاؤ گے جب تم پر عذاب آپڑے گا، خواہ موت کے وقت یا اس سے پہلے ہی، مگر اس وقت تمہارے ایمان کے جواب میں یہ کہا جائے گا، کیا اب ایمان لاتے ہو جب کہ ایمان کا وقت گذر چکا۔

قیامت کے دن کی شرمندگی

وَ لَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ وَ

اور اگر ہو واسطے ہر شخص کے ظلم کیا جس نے جو کچھ میں ہے زمین کے تو بدلے میں دے ڈالے گا اس کو اور

اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ وَ قُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ

چھپائیں گے شرمندگی کو جب دیکھیں گے عذاب اور فیصلہ کیا جائے گا درمیان ان کے ساتھ انصاف کے

وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾

اور وہ نہ ظلم کئے جائیں گے (۵۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر ہر گنہگار شخص کے پاس جتنا کچھ زمین میں ہے سب ہو تو اپنے بدلے میں دے ڈالے گا (اور کافر) اپنی شرمندگی چھپائیں گے جب عذاب دیکھیں گے، اور ان میں انصاف سے فیصلہ ہوگا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔ (۵۴)

تفسیر

جس کسی نے بھی دنیا میں غفلت کی زندگی بسر کی، قرآن حکیم کی بات نہ مانی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کی تو پھر آخرت میں عذاب سے بچنے کی کوئی صورت نہیں عذاب کافروں کو چاروں طرف سے گھیر لے گا، اور وہ اپنی جان چھڑانے کے لیے سب کچھ دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے، یہاں تک کہ اگر دنیا بھر کا مال و دولت اس

وقت عذاب سے جان چھڑانے کے لیے کسی کافر کے قبضہ میں ہو تو وہ کسی غور وفکر کے بغیر فوراً سب کا سب دیدے لیکن وہاں کسی کے پاس ہوگا ہی کیا؟ جسے وہ دے سکے، عذاب کو دیکھ کر سخت شرمندگی ہوگی اور چپکے چپکے دل میں حسرت اور افسوس کر رہے ہوں گے کہ دنیا میں اس کا یقین نہ کیا اور اس سے بچنے کی کوشش نہ کی۔

اس کے بعد ان کو ان کا اعمال نامہ دکھایا جائے گا، اور مقرر قانون کے مطابق عملوں کی جزا سزا ملنی شروع ہو جائے گی کسی پر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا، وہی عہد و پیمان جو یہ اللہ تعالیٰ سے کر چکے تھے ان کے سامنے رکھ دیا جائیگا، اور بالکل اسی کے مطابق فیصلہ کر دیا جائے گا، کیا یہ باتیں ایسی ہیں جن کو بے پروائی کے ساتھ رد کر دیا جائے؟ لوگوں کا حال بھی عجیب ہے سب پیغمبر کہہ رہے ہیں کہ کافر انسان مرنے کے بعد عذاب میں مبتلا ہوں گے، مگر یہ غفلت سے بیدار نہیں ہوتے۔

جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا ہے

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ

یادرکھو! تحقیق واسطے اللہ کے ہے جو کچھ میں ہے آسمانوں اور زمین یادرکھو! تحقیق وعدہ اللہ کا

حَقٌّ وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ هُوَ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ

سچ ہے اور لیکن اکثر ان میں سے نہیں جانتے (۵۵) وہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے

وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ

اور طرف اسی کی لوٹائے جاؤ گے (۵۶) اے لوگوں! تحقیق آ گئی ہے پاس تمہارے نصیحت طرف سے

رَّبِّكُمْ وَ شِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ۬ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾

رب تمہارے کی اور شفا اس کی جو میں ہے سینوں اور ہدایت اور رحمت ہے واسطے مومنوں کے (۵۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سن رکھو! جو آسمان اور زمین میں ہے اللہ تعالیٰ کا ہے، سن رکھو! اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچ ہے

پر بہت لوگ نہیں جانتے۔(۵۵) وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔(۵۶) اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آچکی ہے جو دلوں کی بیماری کے لیے شفا اور مومنوں کے لیے رحمت اور ہدایت ہے۔(۵۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ دنیا کی کسی چیز کی طرف اس نگاہ سے ہرگز نہ دیکھو کہ تم اس کے اصلی مالک ہو جتنی چیزیں تمہیں نظر آرہی ہیں ان کا پیدا کرنے والا مالک اللہ تعالیٰ ہے، یہ نہ آپس میں ایک دوسرے کے قبضے میں ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے سوا ان پر کسی کی ملکیت ہے، زندگی اور موت انسان کے اختیار میں نہیں اللہ تعالیٰ ہی جلاتا اور مارتا ہے اور پھر ایک دن اسی کے سامنے کھڑے ہو کر سب کو اپنے عملوں کا حساب دینا ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے جو کچھ وعدے انسان سے کئے ہیں وہ پورے کئے جائیں گے۔

قرآن کریم لوگوں کے لیے نصیحت ہے جو لوگوں کو ہلاکت اور نقصان میں ڈالنے والی چیزوں سے روکتا ہے اور یہ قرآن کریم دلوں کی بیماری کے لیے شفا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا راستہ بتاتا ہے اور اپنے ماننے والوں کو دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حق دار ٹھہراتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ

کہہ دیں آپ ساتھ فضل اللہ کے اور رحمت اس کی کے پس اسی سے چاہئے کہ خوش ہوں یہ بہتر ہے

مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ۝۵۸

سے اس جو جمع کرتے ہیں وہ (۵۸)

بامحاورہ ترجمہ: آپ کہہ دیجئے انہیں اللہ تعالیٰ کے فضل پر اور اس کی رحمت پر خوش ہونا چاہئے یہ ان

چیزوں سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں۔(۵۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ ان سے کہہ دیجئے کہ جن چیزوں پر تم خوش ہوئے پھرتے ہو اور پھولے نہیں سماتے وہ محض عارضی اور وقتی ہیں، ہمیشہ کی خوشی تو اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ قرآن مجید کی نصیحتیں سنو اور ان پر عمل کرو دل کو کینہ حسد، بغض، لالچ وغیرہ سے پاک صاف کرو، سچے دل سے قرآن مجید کی باتیں مانو اور آخر کار اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کامیابی حاصل کرو، یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے جو وہ اپنے فضل سے ان لوگوں کو عطا فرماتا ہے جو قرآن مجید کو اپنا رہنما قرار دیتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت مل جائے، اس کے لیے یقیناً خوش وخرم ہونے کی بات ہے اور یہ جو دنیاوی مال ودولت ہیں جنہیں وہ جمع کرتے ہیں کسی کو بادشاہت کسی کو مال ودولت حاصل ہوجاتی ہے، یہ سب بے بنیاد چیزیں ہیں، جو چیزیں تم جمع کرتے ہو، وہ تمہیں خوش نہیں کرسکتیں؛ اس لیے بہتر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرکے اس کی رحمت کے حق دار ہو اس کی رحمت سے تمہیں اصلی اور ہمیشہ باقی رہنے والی خوشی حاصل ہوگی۔

فضل اور رحمت سے کیا مراد ہے؟

اس آیت میں دو چیزوں کو خوشی کا سامان قرار دیا ہے، ایک فضل اور دوسری رحمت ان دونوں سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس کے بارے میں ایک حدیث میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے فضل سے مراد قرآن کریم ہے اور رحمت سے مراد یہ ہے کہ تم کو قرآن پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق بخشی۔

یہی مضمون حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے اور بہت سے مفسرین حضرات نے فرمایا کہ: فضل سے مراد قرآن اور رحمت سے مراد اسلام ہے اور مطلب اس کا بھی وہی ہے جو اس سے پہلے والی حدیث سے معلوم ہوا کہ رحمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن کریم سکھایا اور اس پر عمل

کرنے کی توفیق بخشی، کیونکہ اسلام اسی حقیقت کا ایک عنوان ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ فضل سے مراد قرآن کریم اور رحمت سے مراد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، قرآن کریم کی آیت ''وَ مَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ'' سے اس مضمون کی تائید ہوتی ہے اور حاصل اس کا بھی پہلی تفسیر سے کچھ مختلف نہیں، کیونکہ پہلی حدیث کے مطابق اسلام پر عمل کرنا، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ والی حدیث کے مطابق قرآن پر عمل کرنا درحقیقت دونوں صورتوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کرنا ہے۔

اپنی مرضی یا اللہ تعالیٰ کی

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ

کہہ دیجئے آپ یہ تو بتاؤ جو اتاری اللہ نے واسطے تمہارے میں سے روزی پس کر لی تم نے کچھ میں اس

حَرَامًا وَّ حَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾

حرام اور حلال کہہ دیجئے کیا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے واسطے تمہارے یا پر اللہ جھوٹ باندھتے ہو(۵۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے بھلا دیکھو تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے روزی اتاری پھر تم نے اس میں سے کوئی حرام ٹھہرائی اور کوئی حلال آپ کہہ دیجئے کیا اللہ تعالیٰ نے تم کو حکم دیا ہے یا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو۔(۵۹)

تفسیر

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ: اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیجئے مجھے بتلاؤ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رزق پیدا فرمایا ہے تم نے اس میں سے از خود کچھ کو حلال اور کچھ

کو حرام بنالیا ہے کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس بات کی اجازت دی ہے کہ اپنی مرضی سے جس کو چاہے حلال اور جس کو چاہے حرام بنالو، یا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو، یاد رہے کہ! یہاں انزل خلق کے معنی میں ہے جس کے معنی پیدا کرنے کے ہیں، یعنی: اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے رزق پیدا فرمایا۔

"سورۂ انعام" میں تفصیل موجود ہے کہ مشرک لوگ حلال چیزوں کو کس طرح حرام کر لیتے تھے، بعض مادہ جانور جب حاملہ ہو جاتے تو مشرک کہتے کہ پیدا ہونے والا بچہ ہمارے مردوں کے لیے حلال ہے اور عورتوں کے لیے حرام ہے اور اگر بچہ مردہ پیدا ہوتا تو اس میں سب مرد و عورت شامل ہو کر کھاتے اسی طرح کھیت کی پیداوار کا کچھ حصہ بتوں کے نام پر کر دیتے اور کہتے کہ اس کو کوئی نہیں کھا سکتا مشرک لوگ ''بحیرہ، سائبہ'' نامی بعض جانوروں کو بھی بعض معبودوں کے نام پر کھلا چھوڑ دیتے تھے اور کہتے کہ نہ تو اس پر سواری کی جا سکتی ہے اور نہ اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے اور نہ اس کا دودھ پیتے تھے ان سب کو یہ لوگ اپنے اوپر حرام کر لیتے تھے تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پاک روزی کا بندوبست کیا مگر تم نے از خود کچھ کو حرام اور کچھ کو حلال ٹھہرالیا۔

مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق و مالک ہے، اس نے انسانوں کی روزی کے لیے سب چیزیں پیدا کی ہیں مگر تمہیں از خود حلال اور حرام قرار دینے کا اختیار تو نہیں دیا۔

"سورۂ نحل" میں فرمایا کہ: محض مشرکانہ نظریوں کے مطابق اپنی زبانوں سے کسی چیز کو خود سے حلال یا حرام مت بناؤ کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہرانا اللہ تعالیٰ کا کام ہے تمہیں تو اس کی اجازت نہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا اور حرام وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام کیا اور اس کا بیان قرآن کریم میں بھی ہے کہ کوئی شخص اپنی مرضی سے کسی چیز کو حلال یا حرام نہیں بنا سکتا، جو ایسا کرے گا وہ شرک کرنے والا ہوگا کیونکہ حلال اور حرام قرار دینے کا اختیار سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں۔

فرمایا: اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ کیا تمہیں اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے یا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہو، آج کل کچھ لوگوں نے یہ عقیدہ بنا رکھا ہے فلاں کے نام پر دی ہوئی چیز صرف عورتیں کھا سکتی ہیں مرد نہیں کھا سکتے اور وہ بھی کمرے کے اندر چھت کے نیچے کھائیں اور جگہ نہ کھائیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اور اس

کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا، جو کوئی ایسا کرے گا وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے گا، اور پیچھے گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام شرکیہ باتوں سے پاک ہے شرکیہ کاموں کی مشرکوں کے پاس کوئی دلیل نہیں ہوتی، بلکہ وہ محض اپنے ملک علاقے یا گاؤں کے رسم ورواج کے پیچھے چلتے ہوئے ایسا کرتے ہیں۔

حساب کتاب کا دن

وَ مَا ظَنُّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ

اور کیا گمان ہے ان کا جو باندھتے ہیں پر اللہ جھوٹ دن قیامت کے تحقیق

اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَشْكُرُوْنَ۠ ﴿۶۰﴾ ع ۷ ۶ ۱۱

اللہ البتہ والا ہے فضل اوپر لوگوں کے اور لیکن بہت ان میں سے نہیں شکر کرتے (۶۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والوں کا کیا خیال ہے قیامت کے دن کے بارے میں، اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر فضل کرتا ہے اور لیکن بہت لوگ حق نہیں مانتے۔ (۶۰)

تفسیر

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ قیامت کے بارے میں کیا سمجھتے ہیں؟ کیا وہ اللہ کی پکڑ سے بچ جائیں گے؟ حلال اور حرام کا حکم لگانے والے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کبھی نہیں بچ سکتے، قیامت کے دن یہ لوگ سزا کے مستحق ٹھہریں گے فرمایا: یاد رکھو! کہ اللہ تعالیٰ تو لوگوں پر فضل کرنے والا ہے اس نے پیدا کیا عقل وشعور سے نوازا، اور ہدایت کے لیے پیغمبر بھیجے، کتابیں اتاریں توبہ کا دروازہ کھلا رکھا مگر اکثر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

اللہ تعالیٰ کو ذرّہ ذرّہ کا پتہ ہے

وَ مَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّ مَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّ لَا
اور نہیں ہوتے آپ میں کسی حال اور نہیں پڑھتے آپ میں سے اس کچھ قرآن اور نہ

تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ
کرتے ہو تم کوئی کام مگر ہوتے ہیں ہم پر تم گواہ جب تم لگے ہوتے ہو میں اس

وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا
اور نہیں غائب ہوتا سے رب آپ کے برابر ایک ذرے کے میں زمین اور نہ

فِي السَّمَآءِ وَ لَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾
میں آسمان اور نہ چھوٹا سے اس اور نہ بڑا مگر میں کتاب کھلی کے (۶۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ جس حال میں بھی ہوں یا کچھ قرآن پڑھ رہے ہوں اور تم سب لوگ جو بھی کام کرتے ہو جب تم اس میں مصروف ہوتے ہو سب کے دوران ہم تمہیں دیکھ رہے ہوتے ہیں، اور آپ کے رب سے ایک ذرہ بھی غائب نہیں رہتا زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہ اس سے چھوٹا اور نہ بڑا مگر وہ سب کچھ کھلی ہوئی کتاب، یعنی: لوح محفوظ میں ہیں۔ (۶۱)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے پیغمبر! لوگوں کو سیدھا راستہ بتانے میں آپ کی ہر کوشش ہم دیکھ رہے ہیں آپ کا قرآن مجید پڑھنا اور اس کے حکموں پر عمل کر کے دکھانا، تاکہ لوگ سیکھیں یہ سب ہماری آنکھوں کے سامنے ہو رہا ہے، پھر آپ کے علاوہ اور لوگ جو کام بھی کر رہے ہیں، اور جو سلوک آپ کے ساتھ کر رہے ہیں وہ سب ہم دیکھ رہے ہیں۔

اے لوگو! تم جس کام میں بھی مشغول ہو اس کے شروع سے لے کر آخر تک اللہ تعالیٰ کو ساری کیفیت معلوم ہے نیکوں کے نیک کام اور بروں کے برے کام سب اس کے سامنے ہیں کوئی چیز اس سے اوجھل نہیں یہی ایک واقعہ ایسا ہے کہ اگر انسان اسے اچھی طرح نگاہ میں رکھے تو کبھی برے کام نہیں کر سکتا وہ سمجھتا ہے کہ میں آزاد ہوں جو چاہے سو کروں یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر وقت اس کے ہر کام کو دیکھ رہا ہے۔

ارشاد ہے کہ: زمین اور آسمان میں ایک ذرہ برابر بھی چیز اللہ کے سامنے سے غائب نہیں ذرہ کے برابر یا اس سے چھوٹی یا بڑی چیز ہر ایک اس کے ہاں لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے جو چیز یا بات چھوٹی سے چھوٹی یا بڑی سے بڑی یہاں ظاہر ہوتی ہے، فوراً ہو بہو اس کا خاکہ نامۂ اعمال میں اتر آتا ہے، جو کام کسی نے کیا چھوٹا یا بڑا جو بات کسی نے کہی اچھی یا بری، اسی وقت نامۂ اعمال میں لکھ لیا جاتا ہے، غرض! دنیا میں کوئی عمل ایسا نہیں ہوتا جو وہاں نہ لکھا جائے ایسے زبردست انتظام کے بعد انسان کا یہ سمجھنا بے وقوفی ہے کہ میں جو جی میں آئے کر سکتا ہوں کوئی پوچھنے والا نہیں۔

بظاہر اس جگہ جو اللہ تعالیٰ کے علم کا وسیع ہونا اور ہر چیز سے اللہ تعالیٰ کا باخبر ہونا بیان کیا گیا ہے اس میں حکمت یہ ہے کہ اس کے ذریعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جائے کہ اگر چہ مخالف اور دشمن آپ کے بہت ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی حفاظت آپ کے ساتھ ہے آپ کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔

اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو خوشخبری

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٢﴾ ۚ

سنو کہ دوست اللہ تعالیٰ کے نہ خوف ہے اوپران کے اور نہ وہ غمگین ہیں (۶۲)

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿٦٣﴾ ؕ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ

جو لوگ ایمان لائے اور رہے پرہیزگاری کرتے (۶۳) واسطے ان کے خوشخبری ہے میں زندگی

الدُّنْيَا وَ فِي الْاٰخِرَةِ ۭ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ هُوَ

دنیا کی اور میں آخرت نہیں ہے بدلنا واسطے کلمات اللہ کے یہی ہے وہ

الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ۭ۶۴

جو کامیابی ہے بڑی (۶۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یاد رکھو! جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں ان پر نہ ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔(۶۲) جو لوگ ایمان لائے اور بچتے رہے۔(۶۳) ان کے لیے دنیا کی زندگانی میں اور آخرت میں خوشخبری ہے اللہ تعالیٰ کی باتیں نہیں بدلتیں یہی ہے بڑی کامیابی۔(۶۴)

تفسیر

ارشاد ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہو رہے اور اپنا ساتھی، دوست، مددگار اور محافظ سب کچھ اسی کو سمجھ بیٹھے یہ لوگ ہر قسم کے ڈر اور خوف سے چھوٹ گئے اللہ تعالیٰ کی دوستی اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ اس پر ایمان لاؤ اور یقین کرو کہ اس کے سوا نہ کوئی معبود بن سکتا ہے نہ رب ہوسکتا ہے اس یقین سے تقوی حاصل ہوگا، یعنی: انسان ہر وقت اس کوشش میں لگا رہے گا کہ جس بات سے اللہ تعالیٰ نے منع کر دیا ہے اس کے پاس تک نہ جاؤں جس کام کے بارے میں معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا ہے اس سے فوراً رک جاؤں، آگے فرمایا کہ: جو شخص یہ باتیں اختیار کرے گا دنیا میں بھی بے فکر رہے گا اور آخرت میں بھی چین و آرام سے رہے گا، یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے وہ جو حکم جاری کر دیتا ہے اس میں رد و بدل کی گنجائش نہیں وہ ہو کر رہے گا۔

یہاں چند باتیں قابل غور ہیں، پہلی یہ کہ اولیاء اللہ پر خوف و غم نہ ہونے کے کیا معنی ہیں؟

دوسری یہ کہ اولیاء اللہ کون ہیں اور ان کی علامتیں کیا ہیں۔ تیسری یہ کہ دنیا و آخرت میں ان کے لیے خوشخبری ہونے سے کیا مراد ہے؟

(۱)۔۔۔۔ پہلی بات کہ اولیاء اللہ پر خوف وغم نہیں ہوتا، اس سے یہ بھی مراد ہوسکتا ہے کہ آخرت میں حساب وکتاب کے بعد جب ان کو جنت میں داخل کردیا جائیگا تو خوف وغم سے ان کو ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی، نہ کسی تکلیف و پریشانی کا خطرہ رہے گا، نہ کسی پسندیدہ چیز کے ہاتھ سے نکل جانے کا غم ہوگا، بلکہ جنت میں ہر اچھی اور پسندیدہ چیزیں موجود ہوں گی اور یہ نعمتیں ہمیشہ کے لیے ہوں گی اس معنی کے اعتبار سے آیت کے مضمون پر کوئی اشکال نہیں لیکن یہ سوال ضرور پیدا ہوتا ہے کہ اس میں اولیاء اللہ کی کوئی خصوصیت نہ رہی، بلکہ تمام جنتی جن کو دوزخ سے نجات مل گئی وہ اسی حال میں ہوں گے ہاں یہ کہا جاسکتا ہے، کہ جو لوگ آخر جنت میں پہنچ گئے وہ سب اولیاء اللہ ہی کہلائیں گے، دنیا میں ان کے عمل کتنے ہی مختلف رہے ہوں مگر جنت میں داخل ہونے کے بعد سب کے سب اولیاء اللہ ہی شمار ہونگے۔

(۲)۔۔۔۔ اب سوال یہ ہے کہ اولیاء اللہ کون لوگ ہیں؟ "اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا" سے اولیاء اللہ کی پہچان بتارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، فرشتے، پیغمبروں پر اور قیامت کے دن کو برحق جانا اور انہوں نے اس دنیا میں تقوی کی راہ اختیار کی، برائی سے بچتے رہے اور نیکی کو اختیار کرتے رہے اللہ تعالیٰ کے دوست ایسے ہی لوگ ہیں، "سورۂ بقرہ" میں فرمایا: مسلمانوں کا ولی، کارساز اور دوست اللہ تعالیٰ ہی ہے، چنانچہ اس کے مطابق ہر ایمان والا شخص اللہ تعالیٰ کا ولی ہے، تاہم اصطلاحاً ولی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس میں اعلیٰ درجے کی صفات پائی جائیں، یعنی: وہ نہ صرف ایماندار ہو بلکہ اعلیٰ اخلاق وکردار کا حامل بھی ہو، اس کی مثال ایسے ہی ہے کہ ہزار پانچ سو روپے کا مالک بھی مالدار ہی ہوتا ہے مگر اس کو عام طور پر مالدار نہیں سمجھا جاتا بلکہ اصطلاح میں مالدار وہ شخص ہوتا ہے، جو کم از کم کروڑ دو کروڑ روپے کا مالک ہو اسی طرح ایمان والے اللہ تعالیٰ کے ولی ہیں مگر اصطلاحاً ولی وہ ہے جس کا مرتبہ بہت بلند ہے۔

ایک حدیث میں اس طرح آتا ہے "لَيْسَ عَلٰى اَهْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه وَحْشَةٌ"، یعنی: کلمہ طیبہ پر ایمان رکھنے والوں پر قیامت کے دن وحشت طاری نہیں ہوگی، وہ قبروں سے مٹی جھٹکتے ہوئے اٹھیں گے،

قیامت کی شدت اور سختیوں میں بھی کسی نہ کسی درجے میں سکون حاصل ہوگا، بہرحال فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے ولی وہ ہیں جو ایمان کے تمام جزئیات پر قائم رہے اور تقویٰ کی راہ اختیار کرے، یعنی: شریعت کی حدود کا احترام کرتے ہوئے کفر، شرک، نفاق تمام گناہوں سے بچتے رہے۔

عام لوگوں کے ہاں ولی کا غلط تصور پایا جاتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ولی وہ ہوسکتا ہے جس کے ہاتھ پر کرامات ظاہر ہوں حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ولی ہونے کا معیار اس سے کرامت کا ظاہر ہونا نہیں بلکہ ولی ہونے کا معیار سنت کے مطابق زندگی بسر کرنا ہے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ: ولی ہونے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اسے اچھے لوگوں کی ایسی مجلس نصیب ہو جس سے اللہ تعالیٰ کی محبت، عقیدے کی پاکیزگی، دنیا کی حقیقت اور آخرت کی فکر پیدا ہوتی ہے فرماتے ہیں کہ ولی ہونے کی دوسری علامت یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرے۔

اور جو لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے تابع نہیں وہ خود ولایت کے درجہ سے محروم ہیں خواہ اس سے کتنی ہی کرامتیں ظاہر ہوں، اور جو شخص ان صفتوں کے اعتبار سے ولی ہو اگرچہ اس سے کبھی کوئی کشف وکرامت ظاہر نہ ہوئی ہو وہ پھر بھی اللہ تعالیٰ کا ولی ہے۔

اولیاء اللہ کی علامت اور پہچان "تفسیر مظہری" میں ایک حدیث قدسی کے حوالہ سے یہ نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: میرے اولیاء میرے بندوں میں سے وہ لوگ ہیں جو میری یاد کے ساتھ یاد آئیں اور جن کی یاد کے ساتھ میں یاد آؤں، اور ابن ماجہ میں حضرت اسماء بنت یزید کی روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اولیاء اللہ کی یہ پہچان بتلائی "اَلَّذِيْنَ اِذَا رُءُوْا ذُكِرَ اللهُ"، یعنی: جب وہ دکھائی دیں تو اللہ تعالیٰ یاد آجائیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ: جن لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر انسان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی توفیق اور دنیاوی فکروں کی کمی محسوس ہو، یہ علامت اس کے ولی ہونے کی ہے۔

(۳)....آیت کے آخر میں جو یہ فرمایا گیا کہ اولیاء اللہ کے لیے دنیا میں بھی خوش خبری ہے اور آخرت میں بھی، آخرت کی خوش خبری تو یہ ہے کہ موت کے بعد جب اس کی روح کو اللہ پاک کے پاس لے جایا جائے گا،

اس وقت اس کو خوش خبری جنت کی ملے گی پھر قیامت کے روز قبر سے اٹھنے کے وقت جنت کی خوش خبری دی جائے گی جیسا کہ طبرانی نے ابن عمر کی روایت نقل کی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: "لا الٰه الاّ الله" کہنے والوں کو نہ موت کے وقت کوئی وحشت ہوگی نہ قبر میں اور نہ قبر سے اٹھنے کے وقت، گویا میری آنکھیں اسوقت کا حال دیکھ رہی ہیں جب یہ لوگ اپنی قبروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے اٹھیں گے،"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ"،یعنی: شکر ہے اللہ تعالیٰ کا جس نے ہمارا غم دور کردیا۔

اور دنیا کی خوشخبری کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ سچی خواب، جو انسان خود دیکھے یا اس کے لیے کوئی دوسرا دیکھے جن میں ان کے لیے خوش خبری ہو۔

اور دنیا کی دوسری خوشخبری یہ ہے کہ عام مسلمان بغیر کسی غرض کے اس سے محبت کریں اور اچھا سمجھیں، اس کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا عام مسلمانوں کا اچھا سمجھنا اور تعریف کرنا مؤمن کی نقد خوش خبری ہے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو خوشخبری دی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے، خوف مستقبل میں پیش آنے والے واقعات کی بناء پر ہوتا ہے جب کہ غم کا تعلق ماضی کے واقعات سے ہوتا ہے قیامت کے دن ساری مخلوق سخت تشویش میں گرفتار ہوگی کسی کو پتہ نہیں ہوگا ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا، مگر جو اللہ تعالیٰ کے دوست ہیں ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا، اور وہ اپنے مستقبل کے متعلق پر امید ہوں گے اللہ تعالیٰ کے بندوں نے اس زندگی کے لمحات بھی اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کے احکام کی تعمیل میں گزارے ہوں گے اس لیے سابقہ زندگی پر بھی انہیں کوئی حسرت یا غم نہیں ہوگا، ایسے لوگوں کو قیامت کے سخت ترین دن میں بھی امن حاصل ہوگا جو ان کی کامیابی کی علامت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ ہی سب کچھ ہیں

وَ لَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ

اور نہ غمگین کرے آپ کو بات ان کی تحقیق زور ہے اللہ کا سارا وہی سننے والا

وقف لازم

الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ

جاننے والا ہے (۶۵) خبردار! تحقیق واسطے اللہ کے ہے جو میں ہے آسمانوں اور جو میں ہے زمین

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ان کی بات سے غم نہ کریں اصل میں سب زور اللہ تعالیٰ کا ہے وہی سننے والا جاننے والا ہے۔ (۶۵) خبردار! جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ تعالیٰ کا ہے۔

تفسیر

اس آیت میں آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ یہ ناسمجھ جو اتنی بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں ان میں کچھ نہیں رکھا، ان سے آپ کو غمگین نہیں ہونا چاہئے حقیقت یہ ہے کہ زور، طاقت، عزت، دبدبہ، شان وشوکت سب کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ان غافلوں کی باتیں سب اللہ تعالیٰ سن رہا ہے اور ہر چیز کی حقیقت سے واقف ہے وقت پر مناسب فیصلے کر دے گا جس وقت وہ فیصلے کرے گا یہ سب منہ دیکھتے رہ جائیں گے لیکن اس وقت کا جاننا کچھ کام نہ آئے گا سمجھنے کا وقت یہی ہے، اچھی طرح سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے آگے کسی کا فیصلہ نہیں چل سکتا آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ کا ہے۔

اٹکل پچو باتیں

وَ مَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنْ

اور کس چیز کا اتباع کر رہے ہیں یہ جو پکارتے ہیں سوا اللہ کے شریکوں کو نہیں

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿٦٦﴾ هُوَ الَّذِيْ

اتباع کر رہے ہیں مگر گمان کا اور نہیں وہ مگر اٹکلیں دوڑاتے (۶۶) وہی ہے جس نے

جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ

بنائی واسطے تمہارے رات تا کہ آرام کرو تم میں اس اور دن کو واسطے دیکھنے کو تحقیق اندر

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿٦٧﴾

اس کے ہیں نشانیاں واسطے ان لوگوں کے جو سنتے ہیں (٦٧)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کاہے کی پیروی کر رہے ہیں وہ لوگ جو پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو یہ لوگ تو محض اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور یہ محض اٹکل پچو سے کام لیتے ہیں۔ (٦٦) وہ (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام وسکون حاصل کرو اور دن بنایا روشنی بخشنے والا (تاکہ تم اس میں کام کرسکو) بے شک اس میں بڑی بھاری نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں۔ (٦٧)

تفسیر

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کل زمین وآسمان میں صرف ایک اللہ کی بادشاہت ہے سارے کے سارے جن، انسان اور فرشتے اسی کی مخلوق ہیں مشرکوں کا اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو پکارنا اور انہیں اللہ تعالیٰ کی خدائی کا حصہ دار بنانا، محض اٹکل کے تیر اور تباہی میں ڈالنے والے خیالات ہیں ان کے ہاتھ میں نہ کوئی حقیقت ہے نہ کوئی دلیل۔ خالی وہم، گمان اور خیالوں کی اندھیروں میں پڑے ٹھوکریں کھا رہے ہیں دن رات اور اندھیرے اجالے کا پیدا کرنے والا وہی ایک خدا ہے اسی سے خیر وشر اور تمام چیزوں کی پیدائش کو سمجھ لو۔

"هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَ النَّهَارَ مُبْصِرًا": خدا کی ذات وہی رحیم وکریم ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام پکڑو، اور دن کو روشن بنایا تاکہ تم اس میں دیکھ سکو اور کام کرسکو، دراصل یہ انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے عقلی دلیل بیان کی ہے کہ اگر تم رات اور دن کے آنے اور جانے میں غور کرو تو تمہیں اللہ کی وحدانیت آسانی سے سمجھ میں آجائے رات اور دن خود بخود آگے پیچھے نہیں آتے بلکہ یہ خدا تعالیٰ کے قائم کردہ نظام کا ایک حصہ ہے اور اسی نظام کے مطابق آتے جاتے ہیں "سورۂ فرقان" میں ہے "وَ هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ خِلْفَةً" اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جو رات اور دن کو ایک دوسرے کے آگے پیچھے لاتی ہے رات اور دن قدرت کی نشانیاں ہیں رات کی نشان دھیمی ہے اور دن کی روشن ہے ان

دونوں کے ساتھ انسان کے لیے بڑے فائدے ہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کے آرام اور سکون کے لیے رات بنادی اور کام کاج کرنے کے لیے دن بنادیا۔

نیند عام طور پر رات کے وقت آتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کی وجہ سے انسانوں کو سکون حاصل ہوتا ہے سورہ نبا میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نیند کو تمہارے لیے آرام کا ذریعہ بنادیا ہے اللہ تعالیٰ نے رات کی بناوٹ ایسی رکھی ہے کہ اس میں ہر چیز خاموش ہوجاتی ہے، انسان، جانور، پرندے، کیڑے مکوڑے وغیرہ سارے کے سارے جاندار آرام کرنے لگتے ہیں، اور بالکل خاموشی چھاجاتی ہے۔

انسان جو بھی کام کرتا ہے اس کی وجہ سے اس کی جسمانی قوتیں کمزور ہوجاتی ہیں، انسان ذہنی یا جسمانی طور پر تھک جاتا ہے اس کمزوری کو دور کرنے کے لیے اور دوبارہ تازہ دم ہونے کے لیے نیند کو پیدا فرمایا ہے تاکہ لوگ کام کاج کے بعد کچھ دیر کے لیے سوکر آرام کرلیں اور پھر صبح تازہ دم اٹھ کر اگلے دن کے کام اور عبادت میں مصروف ہوجائیں، گویا رات کا آنا اور پھر اس میں نیند کا آنا اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے دن اور رات کو انسانی زندگی میں برابری قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے کہ دن کو کام کرو اور رات کو آرام کرو، جو لوگ اس فطرت کے خلاف کام کرتے ہیں انہیں سکون حاصل نہیں ہوتا اور ایسا کرنے سے اس کی جسمانی قوتیں کمزور پڑتی جاتی ہیں، اور وہ اپنے روزانہ کے کام انجام نہیں دے سکتا، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسان کی بہتری کے لیے دن اور رات کا یہ نظام قائم کیا ہے، دن اور رات کا تبدیل ہونا ان لوگوں کے لیے قدرت کی نشانیاں ہیں جو سنتے ہیں اور پھر ان چیزوں پر غور کرتے ہیں پہلا کام قرآن کریم کو سننا ہوتا ہے دوسرا کام اس پر غور کرنا تیسرا کام اس کو یاد کرنا چوتھا اس پر عمل کرنا ہے اور پانچواں اس کی تبلیغ کرنا ہے، اب جو سنے گا نہیں تو وہ غور کہاں سے کرے گا اور پھر اس کو یاد اور اس پر عمل کیسے کرے گا پھر اس کی تبلیغ کیسے کرپائے گا۔

اس آیت میں مشرکوں کے شرک کا رد ہوگیا اور ادھر بھی اشارہ ہوگیا کہ جس طرح رات کی تاریکی کے بعد اللہ تعالیٰ روشن دن کو لاتا ہے اور دن کے اجالے میں وہ چیزیں نظر آتی ہیں جو رات کے اندھیرے میں دکھائی نہ

دیتی تھیں ایسے ہی مشرکوں کے وہم وخیال کی اندھیریوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے اس نے قرآن کریم کا سورج چمکایا جو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کا اور اس کو راضی کرنے کا ٹھیک راستہ دکھانے والا ہے۔

وہم کے کرشمے

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ هُوَ الْغَنِيُّ ؕ لَهٗ مَا فِي
کہتے ہیں بنالیا اللہ نے بیٹا پاک ہے وہ جو بے نیاز ہے واسطے اس کے ہے جو کچھ میں ہے

السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ؕ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍۭ بِهٰذَا ؕ
آسمانوں اور جو کچھ میں ہے زمین نہیں پاس تمہارے کوئی سند اس کی

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ
کیا کہتے ہو پر اللہ ایسی بات جو نہیں جانتے تم (۶۸) کہہ دیجئے آپ تحقیق جو لوگ

يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾ مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا
گھڑتے ہیں پر اللہ جھوٹ نہیں فلاح پاتے (۶۹) تھوڑا سا نفع ہے میں دنیا

ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا
پھر طرف ہماری لوٹنا ہے ان کا پھر چکھائیں گے ہم ان کو عذاب سخت بدلے اس کے

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾
کہ تھے وہ کفر کرتے (۷۰)

ع ۷ ۱۲ الثلثة

بامحاورہ ترجمہ:۔ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنالیا وہ پاک ہے، وہ بے نیاز ہے، اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، تمہارے پاس اس کی کوئی سند نہیں، اللہ تعالیٰ پر کیوں جھوٹ کہتے ہو، جس بات کی تمہیں خبر نہیں۔ (۶۸) آپ کہہ دیجئے کہ! بے شک جو لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ کبھی

کامیاب نہیں ہونگے۔(۶۹) دنیا میں کچھ مزے کرلیں پھران سب کو بہر حال لوٹ کر ہمارے ہی پاس آنا ہے اس وقت ہم انہیں سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے اس کفر کے بدلے میں جس کا ارتکاب یہ لوگ کرتے رہے۔(۷۰)

تفسیر

فرمایا: ان ظالم لوگوں کا حال دیکھو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹا بنالیا ہے پرانے مشرکین بھی اسی طرح کا عقیدہ رکھتے تھے، یہودی عزیر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں، یہ کھلم کھلا شرک ہے خدا تعالیٰ کا کوئی ہم جنس نہیں اور اس کی کوئی بیوی نہیں ہے، لہٰذا خدا کا حقیقی بیٹا ہونا تو محال ہے باقی رہا منہ بولا بیٹا، تو اس کے متعلق یہودی اور عیسائی عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات دے کر کسی کو بیٹا بنالیا ہے جو کہ نہایت غلط عقیدہ ہے؛ اس لیے کہ اللہ پاک کو نہ حقیقی بیٹے کی ضرورت ہے نہ منہ بولے بیٹے کی، بلکہ وہ ہر چیز کا خالق اور مالک ہے؛ اسی لیے فرمایا وہ بے نیاز ہے اور آسمان وزمین کی ہر چیز اسی کی ہے اور اسی کی قدرت میں ہے لہٰذا اس کو کسی کو بیٹا بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یا کسی کے بیٹے کو اپنا منہ بولا بیٹا بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ "سورۂ مریم" (آیت نمبر: ۹۰) میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بیٹا ہونے کا عقیدہ اتنا گندا ہے کہ آسمان پھٹ جائے اور زمین شق ہو جائے اس بات سے کہ وہ رحمان کے لیے اولاد کا عقیدہ ثابت کریں، فرمایا کیا تمہارے پاس اس بات کی کوئی سند یا کوئی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام یا عزیر علیہ السلام کو بیٹا بنالیا ہے یا جیسا کہ عرب کے مشرک کہتے تھے کہ خدا نے فرشتوں کو بیٹیاں بنالیا ہے۔

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ: کیا تم اللہ تعالیٰ پر ایسی چیز بولتے ہو جس کو خود نہیں جانتے، اللہ تعالیٰ نے کسی کو بیٹا نہیں بنایا یہ تمہارا اللہ پر جھوٹ اور بہتان ہے اللہ تعالیٰ نے نہ کسی کو بیٹا بنایا ہے اور نہ کسی کو اختیار دیا ہے وہ ہر چیز پر مکمل قدرت رکھنے والا ہے۔

جب تک قرآن مجید اترا نہیں تھا اس وقت بھی تم اپنے پیغمبروں کی تعلیم کو چھوڑ کر جھوٹی باتیں اللہ پاک کے ذمہ لگاتے تھے مثلاً: یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت عزیر علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنالیا ہے، لیکن اس کے اترنے کے بعد اب

تمہارے پاس کوئی عذر نہیں ہے کہ تم وہی جھوٹی باتیں اس کے نام لگائے جاؤ اگر اب بھی وہی کئے جاؤ گے، جو پہلے کہتے تھے، خوب غور سے سن لو یہ دنیا کی زندگی تھوڑے سے دن فائدے اٹھانے کی چیز ہے اس کے بعد آخر کار ہمارے پاس ہی آ ؤ گے پھر ہم تمہیں تمہارے کفر کی وجہ سے سخت عذاب دیں گے۔

نوح علیہ السلام کی قوم

وَ اتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ وقف لازم

اور پڑھیں پران حال نوح کا جب کہا اس نے سے قوم اپنی اے قوم میری! اگر ہے

كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَ تَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ

بھاری ہوا اوپر تمہارے کھڑا ہونا میرا اور نصیحت کرنا میرا ساتھ آیتوں کے اللہ کی پس اوپر اللہ کے

تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَ شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ

بھروسہ کیا میں نے سو پختہ کر لو کام اپنا اور (بلالو) شریک اپنے پھر نہ رہے کام تمہارے

عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾

پر تمہارے کچھ پوشیدہ پھر کر گزرو طرف میری اور نہ مہلت دو مجھے (۷۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ذرا انہیں نوح کا (عبرتوں بھرا) حال بھی سنا دو، کہ جب انہوں نے (بڑے درد بھرے انداز میں) اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! اگر تمہیں میرا یہاں رہنا، اور اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ذریعہ نصیحت کرنا بہت ناگوار ہو رہا ہے تو (ہوا کرے کہ) میں نے تو بہر حال اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کر رکھا ہے پس تم سب مل کر میرے خلاف اپنی تدبیر پختہ کر لو، اور اپنے شریکوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لو، پھر تمہاری چالبازی تم پر پوشیدہ بھی نہ رہے پھر تم لوگ میرے خلاف اپنا داؤ چلا لو اور مجھے کوئی مہلت بھی نہ دینا۔ (۷۱)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اے ہمارے پیغمبر! انہیں نوح کا حال پڑھ کر سنایئے وہ اپنی قوم کو ہر طریقے سے سمجھاتے رہے، کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کی فرمانبرداری کرو جب انہوں نے ان کا کہانہ مانا تو نوح نے کہا تم اگر پسند نہیں کرتے تو جاؤ اپنے منصوبے تیار کرلو اور خوب سوچ لو اپنے سارے جھوٹے معبودوں کو سمیٹ لاؤ اور جو ہو سکے کرلو میں بھی اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

اللہ والوں کا منصب

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ اَجْرِىَ اِلَّا عَلَى

پس اگر | روگردانی کروتم | تو نہیں | طلب کیا میں نے تم سے | کوئی | اجر | نہیں | اجر میرا | مگر | اوپر

اللّٰهِ ۙ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾

اللہ کے | اور | حکم ملا ہے مجھے | یہ کہ | ہوں میں | میں سے | فرمانبرداروں | (۷۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر اگر تم منہ پھیر لو تو میں نے تم سے مزدوری نہیں چاہی میری مزدوری تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے، اور مجھ کو حکم ملا ہے کہ میں فرمانبردار رہوں۔ (۷۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: نوح علیہ السلام نے اس کے بعد اپنی قوم سے کہا کہ میں اپنے کام کی تم سے اجرت بھی نہیں مانگتا، میں اپنا کام خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے کرتا ہوں تم سے کچھ نہیں چاہتا وہی میرا مددگار ہے اس کے بعد ظاہر ہے کہ مجھے نہ تمہاری ہوشیاری، چالاکی، دبدبے، شوکت، اور قوت کا خوف ہو سکتا ہے اور نہ تم سے کسی قسم کی مالی اور معاشی امداد چاہتا ہوں۔

حضرت نوح علیہ السلام نے قوموں کی نجات اور کامیابی کا راستہ اپنے نہایت قیمتی لفظوں میں جو ان آیتوں میں بیان کئے گئے ہیں ہمیشہ کے لیے واضح کر دیا ہے اس میں ایک طرف تو رہنماؤں، لیڈروں اور قائدوں کو سکھایا ہے کہ اصلاح کا کام جب درست ہوگا، جب تم لوگوں سے اپنی ذاتی غرض نہ رکھو گے نہ اپنی شہرت اور دکھلاوے کی تمنا دل میں لئے ہوگے، اور نہ مال اور عہدے اقتدار حاصل کرنے کے پیچھے پڑ جاؤ گے، دوسری طرف عوام کو تنبیہ کر دی ہے کہ اگر تباہی اور بربادی سے بچنا چاہتے ہو تو جھوٹے رہنماؤں اور سچے خیر خواہوں میں تمیز کرنا سیکھو۔

ضد کرنے والوں کا انجام

فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَ مَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَ جَعَلْنٰهُمْ

پھر جھٹلایا انہوں نے اسے سو ہم نے بچا لیا اس کو اور جو تھا ساتھ اس کے میں کشتی اور کر دیا ہم نے ان کو

خَلٰٓئِفَ وَ اَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ

آباد ان کی جگہ اور ڈبو دیا ہم نے ان کو جھٹلایا جنہوں نے آیتوں ہماری کو سو دیکھئے! کیسا ہوا

عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾

انجام ڈرائے ہوئے لوگوں کا (یعنی: کافروں کا) (۷۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا سو ہم نے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو کشتی میں بچا لیا اور ان کو ان کی جگہ آباد کر دیا اور جو ہماری باتوں کو جھٹلاتے تھے ان کو ڈبو دیا، سو دیکھ لیں! کیسا دردناک انجام ہوا ان کا جنہیں (برے انجام سے) ڈرایا گیا تھا۔ (۷۳)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ آپ نے نوح علیہ السلام کی قوم کا رویہ سن لیا، اب ان کا انجام سنو، انہوں نے ہمارے پیغمبر نوح علیہ السلام سے کہا کہ ہمیں تیری باتوں کا اعتبار نہیں اور ان کو کھلم کھلا جھوٹا کہا، اور اپنے کفر و شرک میں

لگے رہے، آخر ان کو سزا ملی ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان سب کو جو اس کے ساتھ کشتی میں سوار ہو گئے تھے بچا لیا اور باقی سب منکروں کو طوفان میں غرق کر دیا جب وہ ڈوب گئے اور پانی خشک ہو گیا تو پھر یہی کشتی والے ان مرنے والوں کی جگہ ان کی بستیوں میں آباد ہوئے اور دنیا میں ان کے جانشین بنے دیکھو جنہیں ڈرایا گیا تھا اور وہ نہ ڈرے ان کا انجام کیسا خوفناک ہوا۔

جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ کا پیغمبر بار بار ڈرا رہا تھا اور ان کے برے انجام سے باخبر کر رہا تھا، اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ان کا نام و نشان تک مٹا دیا یہ واقعہ بیان کر کے مکہ مکرمہ اور عرب کے مشرکوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم بھی انکار کرتے رہو گے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو جھٹلاؤ گے تو تمہارا حشر بھی نوح کی قوم کی طرح ہو سکتا ہے۔

بعد کا حال

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

پھر | بھیجے ہم نے | بعد نوح کے | کتنے پیغمبر | طرف | قوم ان کی کی | سو آئے وہ پاس ان کے | لے کر کھلی دلیلیں

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ

پس نہ | تھے وہ کہ | ایمان لائیں | پر اس | کہ جھٹلائیں | اس کو | اس سے | پہلے | اسی طرح | مہر لگاتے ہیں ہم

عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَ

پر | دلوں | حد سے نکلنے والوں کے (۷۴) | پھر | بھیجا ہم نے | بعد ان کے | موسیٰ | اور

هٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا

ہارون کو | طرف | فرعون کی | اور سرداروں اس کے کی | ساتھ نشانیوں ہماری کے | پھر تکبر کرنے لگے | اور | تھے وہ

قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

لوگ | مجرم | (۷۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر نوح کے بعد ہم نے کتنے ہی پیغمبر ان کی قوم کی طرف بھیجے پھر ان کے پاس کھلی دلیلیں لائے، سو! ان سے یہ نہ ہوا کہ جن کھلی دلیلوں کو وہ پہلے جھٹلا چکے تھے ان پر ایمان لاتے، اسی طرح ہم حد سے نکل جانے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں۔(۷۴) پھر ہم نے بھیجا ان کے پیچھے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس نشانیاں دے کر پھر وہ تکبر کرنے لگے اور وہ مجرم لوگ تھے۔(۷۵)

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جن قوموں کا اور ان کے پیغمبروں کا قرآن مجید میں ذکر آیا ہے ان میں سے حضرت ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام ہیں اور بعض دوسروں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا، "سورۂ نساء" میں ہے، اے پیغمبر! ہم نے اس سے پہلے بعض پیغمبروں کا ذکر کیا ہے، اور بعض کا نہیں کیا، غرضیکہ فرمایا، جو پیغمبر ہم نے مختلف قوموں کی طرف بھیجے وہ ان کے پاس کھلی دلیلیں، نشانیاں، معجزات، اور احکام لے کر آئے، انہوں نے ہر چیز کو واضح طور پر بیان کر دیا اور کوئی ایسی بات نہ چھوڑی جو سمجھ میں نہ آسکے مگر جس چیز کو اس سے پہلے ہی جھٹلا چکے تھے، اس کو آخر تک نہ مانا بلکہ مسلسل جھٹلاتے رہے، اور وہی سرکشی جو ان کے پہلوں نے کی تھی اختیار کی اور اپنے اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، آخر تباہ و برباد ہوئے۔

فرمایا: اسی طرح ہم زیادتی کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ انصاف اور ہدایت چاہنے والے کا دل تو نیکی اور ایمان کے لیے کھول دیا جاتا ہے مگر سرکشی اور تکبر کرنے والے کے دل پر ٹھپہ لگا کر ہمیشہ کے لیے بند کر دیا جاتا ہے اور پھر اس کے دل میں ایمان نہیں اتر سکتا اور وہ اسی طرح دنیا سے نامراد چلا جاتا ہے۔

فرمایا: پھر ہم نے ان کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بھیجا، یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے بڑے مرتبے والے پیغمبر تھے، موسیٰ علیہ السلام اگر چہ عمر میں چھوٹے تھے مگر زیادہ شان والے تھے ہارون علیہ السلام آپ کے بڑے بھائی تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی پیغمبری عطا فرمائی اور موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے انہیں آپ کا مددگار بنایا پھر

اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو فرعون اور اس کے سرداروں کی طرف بھیجا، یہ دونوں حضرات بنی اسرائیل اور قبطیوں پر مشتمل پوری امت کے پیغمبر تھے، بنی اسرائیل کے لوگ تو آپ کو پیغمبر مان چکے تھے، حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہما السلام خاص طور پر فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کی طرف بھیجے گئے تھے یہ لوگ بڑے متکبر، ظالم اور حق کو جھٹلانے والے تھے، اس بات کو اللہ تعالیٰ نے "سورہ طٰہٰ" میں اس طرح فرمایا کہ تم دونوں بھائی ہماری نشانیاں لے کر فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ بہت منہ زور ہوگیا ہے اس کو اور اس کے ساتھیوں کو جا کر سمجھائیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جو نشانیاں دے کر بھیجا تھا ان کا ذکر "سورۂ اعراف" اور بعض دوسری سورتوں میں موجود ہے ان میں سے دو معجزات، یعنی: لاٹھی کا سانپ بن جانا اور ہاتھ بغل میں داخل کرنے کے بعد نکالنے پر روشن ہونا تھے جب دونوں بھائی فرعون کے دربار میں پہنچے اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچایا تو ان لوگوں نے تکبر کیا اور اکڑ دکھائی وہ سب مجرم اور گنہگار لوگ تھے، نہ تو فرعون نے پیغمبروں کی بات مانی اور نہ ہی اس کی قوم کے بڑے لوگوں نے، ان میں سے صرف ایک آدمی ایمان لایا تھا جس کا ذکر "سورۂ مومن" میں موجود ہے، فرعون اور اس کی قوم کی طرح مکے کے لوگ بھی بہت ہی غرور و تکبر کرنے والے تھے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے جواب میں اکڑ دکھاتے تھے۔

فرعون اور اس کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام کو ماننے کے بجائے الٹا ان کو ملامت کی اور فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو ڈانٹتے ہوئے کہا کہ تو ہمارے ہاں بچہ تھا ہم نے تیری پرورش کی اور تو ہمارے درمیان کئی سال تک رہا پھر تم نے ہمارے ایک آدمی کو قتل کر دیا اور بھاگ گیا، اب تم پیغمبری کا دعویٰ کر کے ہمیں نصیحت کرنے آئے ہو۔

فرعون اپنے لوگوں کے سامنے کہتا تھا کہ موسیٰ کی زبان میں تو لکنت ہے آپ کے لیے مہین، یعنی: حقیر کا لفظ استعمال کیا (اللہ بچائے) یہ سب اکڑ اور غرور کا نتیجہ تھا اور باقی سب لوگ فرعون کی ہاں میں ہاں ملانے والے تھے، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ یہ ساری کی ساری قوم مجرم تھی ان میں کوئی بھی انصاف پسند نہیں تھا۔

فرعون کی ڈھٹائی

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾
پھر جب آیا پاس ان کے حق سے پاس ہمارے بولے تحقیق یہ جادو ہے کھلا (۷۶)

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ هٰذَا ؕ وَ
کہا موسیٰ نے کیا ایسا کہتے ہو سچی بات کو جب وہ آئی تم تک کیا جادو ہے یہ حالانکہ

لَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾
نہیں کامیاب ہوتے جادوگر (۷۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب ان کو ہمارے پاس سے سچی بات پہنچی کہنے لگے یہ تو کھلا جادو ہے۔(۷۶)

موسیٰ نے کہا کیا تم حق بات کو ایسا کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس پہنچی کیا یہ جادو ہے حالانکہ جادوگر تو کامیاب نہیں ہوتے۔(۷۷)

تفسیر

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا: جب ان کے پاس ہماری طرف سے سچی بات آئی اللہ تعالیٰ کی توحید کا پیغام آیا، قیامت کا ذکر آیا اور پیغمبر کی پیغمبری آ گئی۔

جب اللہ تعالیٰ کا پیغمبر یہ سچی باتیں لے کر آ گیا تو کہنے لگے، یہ تو کھلا جادو ہے حالانکہ اس میں جادو والی کوئی بات نہ تھی بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا سچا پیغام تھا، اس طرح فرعون اور اس کے درباریوں نے حقیقت کو جادو کہہ کر جھٹلا دیا۔

اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم حق بات کو جادو کہتے ہو جبکہ وہ تمہارے پاس آ گئی ہے؟

پیغمبر علیہ السلام اور جادوگروں میں تو زمین اور آسمان کا فرق ہے پیغمبروں کے چہروں سے ان کے پاکیزہ اخلاق، عبادات اوران کی خدا ترسی اور پاکدامنی، ان کی چال ڈھال کی شائستگی سب واضح ہوتے ہیں، جبکہ جادوگر خود غرض ہوتے ہیں، وہ تو جادو کو ذریعہ معاش بناتے ہیں اوراس کے ذریعے کمائی کرتے ہیں اس کے برخلاف ایک پیغمبر کا یہ واضح اعلان ہوتا ہے کہ میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا بلکہ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

جب فرعون نے جادوگروں کو اکٹھا کیا تھا تو انہوں نے بھی سب سے پہلے یہی شرط طے کی تھی کہ اگر ہم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے تو ہمیں کیا انعام ملے گا؟ فرعون نے کہا کہ انعام کی کیا بات ہے میں تمہیں اپنا قریبی درباری بنالوں گا، تمہیں دربار میں کرسی مل جائے گی، اس سے بڑا انعام کیا ہو سکتا ہے غرضیکہ فرعون اور اس کے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی دعوت کو جادو کہہ کر ٹھکرا دیا۔

جادو ایک ایسی چیز ہے جس میں انسان اکثر ناپاک رہتا ہے بعض اوقات جادوگر کو جنابت کا غسل بھی نصیب نہیں ہوتا کوئی قبروں سے ہڈیاں اکٹھی کرتا ہے، کوئی زندہ آدمی کو قتل کرنے کے درپے ہوتا ہے کوئی کسی نابالغ بچے کے خون سے ہاتھ رنگتا ہے، اور کوئی کسی کے بال حاصل کرنے کی فکر میں رہتا ہے اور پھر یہ کہ جادو کے لیے جو کلام پڑھا جاتا ہے وہ شرکیہ کلام ہوتا ہے غیر اللہ سے مدد مانگنا، شرکیہ کلمات کہنا، باطل عقیدہ رکھنا اور گندے عمل کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ اچھے عملوں کی توفیق نہیں ملتی، اسی لیے جادو کی حوصلہ شکنی کی گئی ہے۔

"سورۂ بقرہ" میں یہودیوں کی برائی ان لفظوں کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو چھوڑ کر جادو سیکھنا شروع کر دیا یہ سلیمان علیہ السلام کے زمانے کا ذکر ہے جب شیطان جنات لوگوں کو جادو سکھاتے تھے، جس کا ذکر "سورۂ بقرہ" کی آیت" وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ" میں ہے حالانکہ سیکھنے والے لوگ جانتے تھے کہ جس نے جادو کا علم حاصل کیا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں مگر اس کے باوجود اس برے علم کے پیچھے لوگ لگے ہوئے تھے اور آج بھی کچھ لوگ اس کے پیچھے لگے ہوئے ہیں، اللہ تعالیٰ سارے مسلمانوں کو اس سے محفوظ رکھے۔ (آمین)

فرعونی ذہنیت

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَ تَكُوْنَ

کہنے لگے کیا آیا ہے تو پاس ہمارے تا کہ ہٹادے تو ہمیں سے اس کہ پایا ہم نے پر جس باپ دادا اپنے کو اور ہو جائے

لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ؕ وَ مَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ۝۷۸

واسطے تم دونوں کے بڑائی میں زمین اور نہیں ہم تمہیں ماننے والے (۷۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بولے کیا تو ہمارے پاس اس لیے آیا ہے کہ ہم کو اس راستے سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا اور اس ملک میں سرداری تم دونوں کو مل جائے ہم تو تمہیں ماننے والے نہیں۔ (۷۸)

تفسیر

فرعون اور اس کے وزیروں نے لوگوں کو کہا کہ یہ دونوں بھائی جادوگر ہیں یہ اپنے جادو سے تمہیں اپنے ملک سے نکال کر خود اس پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں اور تمہارے باپ دادوں کا جو بہترین طریقہ ہے اس کو ختم کر کے اپنی حکومت جمانا چاہتے ہیں۔

انسان کی یہ بدگمانی دنیا میں ساری مصیبتوں کی جڑ ہے کہ کسی کی دینی اصلاحی کاموں کا ان کے نزدیک اس کے سوا کوئی مطلب نہیں ہوتا کہ یہ ہم کو پیچھے دھکیل کر خود آگے آنا چاہتا ہے چونکہ یہ لوگ خودغرض، لالچی، اور اقتدار کے بھوکے تھے اس لیے پیغمبروں کو بھی ایسا ہی سمجھتے تھے اور ان کو آگے بڑھنے سے روکنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں، تا کہ خود ہمیشہ کے لیے اقتدار کی کرسی سے چمٹے رہے۔

جادوگروں سے مقابلہ

وَ قَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ

اور کہا فرعون نے لے آو پاس میرے ہر جادوگر کو ماہر (۷۹) پس جب آپہنچے جادوگر

قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾

کہا واسطے ان کے موسیٰ نے ڈالو جو تم ڈالنے والے ہو (۸۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور فرعون بولا، لے آو میرے پاس ہر ماہر جادوگر کو۔(۷۹) پھر جب جادوگر آ گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا (جادو کے لیے تم) جو (کچھ) ڈالتے ہو ڈالو۔(۸۰)

تفسیر

فرعون نے اللہ تعالیٰ کے دونوں پیغمبروں کو دنیا کا طلب گار اور ملک و دولت کا لالچی قرار دے کر دھمکی دی کہ ہم لوگ تمہاری کبھی نہ چلنے دیں گے یہاں کا میں بادشاہ ہوں اور دیکھو! ابھی تمہیں شکست دینے کی تدبیر کرتا ہوں، فرعون نے ان دونوں کو پہلے ہی جادوگر کہہ دیا تھا؛ اس لیے اس نے درباروالوں سے کہا کہ ہمارے ملک میں بہت سے جادوگر ہیں ان میں سے چھانٹ کر بڑے بڑے ماہر جادوگروں کو میرے پاس لاؤ۔

فرعون کے حکم کے مطابق جادوگر ڈھونڈ ڈھونڈ کر بلا لئے گئے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں ڈٹ گئے موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ جو کرنا چاہتے ہو کرلو، یہ رسیاں اور لکڑیاں زمین پر پھینک کر دیکھو کہ تم کیا کر سکتے ہو۔

جادو بے کار ہے

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ ۙ السِّحْرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

پھر جب ڈالا انہوں نے کہا موسیٰ نے جو آئے تم لے کر جادو ہے تحقیق اللہ

سَیُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ یُحِقُّ

عنقریب بگاڑ دیگا اس کو تحقیق اللہ نہیں سنوارتا کام شریروں کا (۸۱) اور سچ کرتا ہے

ع ۱۲ ۸ ۱۴

اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع

اللہ حق بات کو ساتھ حکم اپنے کے اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ (۸۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب انہوں نے ڈالا کہا موسیٰ نے جو تم لائے ہو سو جادو ہے، اب اللہ تعالیٰ اسے ناکام کرتا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ نہیں سنوارتا شریروں کے کام۔(۸۱) اور اللہ تعالیٰ حق بات کو اپنے حکم سے سچا کرتا ہے خواہ مجرم لوگ ناپسند کرتے رہیں۔(۸۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کی رسیوں اور لاٹھیوں کو ہیبت ناک سانپوں کی طرح دوڑتے دیکھا تو کہا کچھ نہیں یہ جو تم دکھا رہے ہو یہ جادو ہے یہ کوئی واقعی چیز نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا ہے کہ میں ان سب کو حرف غلط کی طرح ابھی مٹائے دیتا ہوں آگے کہا کہ جو لوگ اپنی بات اونچی رکھنے کے لیے دنیا میں فساد مچاتے ہیں ان کی ساری تدبیریں ملیامیٹ کر کے اللہ تعالیٰ انجام کار وہی کرتا ہے جو ہونا چاہئے لیکن اللہ تعالیٰ ایسے خودغرض فسادی لوگوں کی چلنے نہیں دیتا جو زمین میں اپنی بڑائی قائم رکھنا چاہتا ہے۔

فساد کی جڑ

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ

پس نہیں ایمان لایا کوئی پر موسیٰ مگر چند نوجوان میں سے قوم اس کی ڈرتے ہوئے سے

فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَ اِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي

فرعون اور سرداروں سے ان کے دکھ پہنچانے سے ان کے اور تحقیق فرعون البتہ بڑا چڑھا ہے میں

الْاَرْضِ ۚ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

ملک اور تحقیق وہ البتہ میں سے ہے حد سے تجاوز کرنے والوں (۸۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پس موسیٰ پر کوئی ایمان نہیں لایا مگر اس کی قوم کے کچھ لڑکے فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ہوئے (ایمان لائے) کہ کہیں ان کو بچلا نہ دے اور فرعون ملک میں چڑھ رہا ہے اور وہ حد سے باہر ہو رہا ہے۔(۸۳)

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل فرعون کے ظلم سے تنگ تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا نجات دہندہ سمجھتی تھی لیکن یہ لوگ فرعون اور اس کے خوشامدی سرداروں کے ڈر کی وجہ سے کھلم کھلا ایمان کا اعلان نہیں کرتے تھے بلکہ ان کے بڑے لوگ مصلحت اسی میں سمجھتے تھے کہ فرعون ہی کے طرف دار رہیں؛ اس لیے اپنے لوگوں کو سمجھاتے تھے، کہ فرعون کے خلاف موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ نہ دیں، اگر چہ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ہار چکا تھا، لیکن ابھی تک اس کا دبدبہ ویسا ہی قائم تھا، لوگ ڈرتے تھے کہ اس کے خلاف ہوئے تو یہ بے دھڑک سزائیں دے گا، چنانچہ بظاہر وہ فرعون ہی کے طرفدار بنے رہے اور چند باہمت نوجوانوں کے سوا کسی نے ایمان کا اعلان نہیں کیا۔

صرف تھوڑے سے افراد تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے جن کا ذکر قرآن وحدیث میں ملتا ہے ان میں فرعون کی بیوی حضرت آسیہ، فرعون کا خزانچی، فرعون کی بیٹی کو کنگھی وغیرہ کرنے والی خادمہ کا خاندان اور آل فرعون کا ایک مومن شامل ہیں فرعون کی بیوی آسیہ کا ذکر سورۂ تحریم میں موجود ہے، اس نے بڑی تکلیفیں برداشت کیں اور بالآخر اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اسے فرعون کے ظالموں سے نجات دے، اسی طرح فرعون کی بیٹی کی خادمہ کے خاندان کو بھی فرعون نے بڑی سخت سزا دی، تانبے سے بنے ہوئے گھوڑے کے مجسمہ میں آگ

جلا کر پورے خاندان کو اس میں جھونک دیا اور جلا ڈالا، آلِ فرعون کے ایک مومن کا ذکر "سورۂ مومن" میں موجود ہے بلکہ سورت کا نام مومن اسی مومن کے نام پر ہے پہلے وہ شخص اپنے ایمان کو ظاہر نہیں کرتا تھا مگر کسی موقع پر اس نے اپنے ایمان کا اظہار کیا تو سخت آزمائش میں مبتلا ہو گیا، بہر حال ذریت سے مراد یہی تھوڑے سے لوگ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے، مگر فرعون اللہ پاک کی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود پیغمبروں پر ایمان نہ لایا اور مسلسل بنی اسرائیل پر ظلم و زیادتی کرتا رہا، فرمایا: بلا شبہ فرعون ملک میں بڑا تکبر کرنے والا اور حد سے تجاوز کرنے والا تھا۔

مؤمن کا سہارا

وَ قَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا

اور کہا موسیٰ نے اے قوم میری! اگر ہو تم ایمان لائے پر اللہ پس اوپر اس کے بھروسہ کرو تم

اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا

اگر ہو تم فرمانبردار (۸۴) پس کہا انہوں نے پر اللہ ہی بھروسہ کیا ہم نے اے رب ہمارے! نہ

تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ

بنا ہم کو تختۂ مشق واسطے قوم ظالم کے (۸۵) اور چھڑا ہم کو ساتھ رحمت اپنی کے سے

الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾

قوم کافر (۸۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور موسیٰ نے کہا اے میری قوم! اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم فرمانبردار ہو۔ (۸۴) تب بولے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا، اے ہمارے رب! ہمیں کافر قوم کے لیے تختۂ مشق نہ بنا، اور مہربانی فرما کر ہمیں ان کافر لوگوں سے چھڑا دے۔ (۸۶)

تفسیر

فرعون اور اس کے مددگاروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نصیحت نہ مانی اور اپنے طرفداروں کو سمجھانے سے بنی اسرائیل پر اور زیادہ سختیاں شروع کر دیں، تاکہ ایسا نہ ہو کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی قیادت میں سر اٹھائیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو تسلی دیتے ہوئے اور سمجھاتے ہوئے کہا کہ تمہارا اگر اللہ تعالیٰ پر ایمان ہے تو اسی پر بھروسہ کرو، توکل اس بات کی علامت ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے کے لیے تیار ہو، اور ان عارضی مشکلوں کی وجہ سے اس سے پھر و نہیں اس پر اس مظلوم قوم نے اقرار کیا کہ ہم بالکل اللہ پر بھروسہ کرتے ہیں اور اپنا معاملہ اسی پر چھوڑتے ہیں اور اسی سے دعا کرتے ہیں کہ اے رب اس سرکش فرعون اور اس کی مغرور قوم کو اس کا موقعہ نہ دے کہ وہ ہم پر اپنی طاقت آزمائیں اور اپنے ظلم وستم کا ہمیں نشانہ بنائے رکھیں۔

اے رب! یہ لوگ کافر ہیں اور آپ کو نہیں مانتے اگر ان کو ستانے کا موقعہ ملا تو یہ ہمارے ستانے میں کوئی کسر نہ چھوڑیں گے، اے رب! ہم آپ سے التجا کرتے ہیں کہ ہمیں ان کے ظلم سے بچا لیجئے اور ان سے ہمارا پیچھا چھڑائیے۔

فرعون جیسے ظالم ہمیشہ کمزوروں پر ظلم وستم کرتے رہتے ہیں اور دین میں اختلاف رکھنے والے تو خاص طور پر ان کے ظلم کا نشانہ بنتے ہیں قریش نے بھی غریب مسلمانوں کے ساتھ یہی رویہ اپنایا ایمان والوں اور خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت تکلیفیں پہنچاتے تھے، حتیٰ کہ جب ابو جہل کفر کی موت مرا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی حضور میں سجدہ کیا اور فرمایا، آج اس امت کا فرعون ہلاک ہو گیا ہے تو بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کی کہ: اے اللہ! ہمیں ظالم قوم کا تختہ مشق نہ بنا اور اپنی خاص رحمت سے ہمیں کافر قوم سے نجات دے۔

نجات کی تدبیر

وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَ اَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا

اور | وحی بھیجی ہم نے | طرف | موسیٰ کی | اور بھائی اس کے کی | کہ | مقرر کرلو | واسطے قوم اپنی کے | مصر میں | گھر

وَّ اجْعَلُوْا بُیُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۸۷﴾

اور بناؤ گھروں اپنے کو قبلہ رخ اور قائم کرو نماز اور خوشخبری دیجیے ایمان والوں کو (۸۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کو حکم بھیجا کہ اپنی قوم کے واسطے مصر میں گھر مقرر کرو اور اپنے گھر قبلہ رو بناؤ اور نماز قائم کرو اور ایمان والوں کو خوشخبری دو۔(۸۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی طرف وحی بھیجی کہ اب تم سب سمٹ کر اپنے گھر ایک جگہ بناؤ مصر کے ایک ہی حصہ میں آباد ہونے لگو گھروں ہی کو عبادت کی جگہ مقرر کر لو اور اکٹھے ہو کر نمازیں ادا کرو، تا کہ تم میں اتحاد و اتفاق کا احساس مضبوط ہو۔

مصیبت میں لوگ ایک دوسرے کو پوچھنا بھول جاتے ہیں اور ہر ایک اپنی ہی فکر میں پڑ جاتا ہے آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایمان والوں کے لیے جمع ہو جانا آسان ہے، ایمان، اتفاق اور اتحاد پیدا کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اگر ایمان ہو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے اس کے حکموں پر عمل کرنے کی طرف ہر ایک کو متوجہ ہو جانا چاہئے ایمان کی طرف دھیان کرتے ہی پہلی بات بے کسی اور بے بسی کے احساس کا دور ہونا ہے اس کے بعد دوسری چیز مل جل کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا ہے اس سے جو اجتماعی طاقت حاصل ہوتی ہے وہ کسی سے نہیں ہوتی۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ فرعونی قوم تو کسی کا زبانی ایمان لانا بھی برداشت نہیں کرتے تھے اور اس کی گنجائش ہی کہاں کہ ایمان والے اپنے عبادت خانے تعمیر کر کے ان کے اندر نمازیں ادا کریں۔

اس لیے اللہ پاک نے فرمایا کہ: اپنے گھروں میں ہی نماز کی جگہ بنائیں جن کا رخ قبلہ کی طرف ہو اور پھر وہاں چھپ کر نمازیں ادا کریں تا کہ فرعونیوں کو تمہارے ایمان کا پتہ نہ چل سکے۔

احکام و مسائل

”صحیح مسلم“ کی ایک حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھ خصوصیات میں سے ایک یہ بھی بیان فرمائی ہے

کہ میرے لیے ساری زمین کو مسجد بنادیا گیا ہے کہ نماز ہر جگہ ادا ہو جاتی ہے یہ دوسری بات ہے کہ فرض نمازوں کا مسجدوں میں ہی ادا کرنا جماعت کے ساتھ سنت مؤکدہ قرار دیا گیا ہے اور نفلی نمازوں کا گھروں میں ادا کرنا افضل ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اسی پر تھا کہ مسجد میں صرف فرض نمازیں پڑھتے تھے سنتیں اور نفل گھر میں جا کر ادا فرماتے تھے، بنی اسرائیل اپنے مذہب کے مطابق اس کے پابند تھے کہ نماز صرف اپنے عبادت خانے میں ادا کریں، فرعون جو ان کو طرح طرح کی اذیتیں دیتا اور ان پر ظلم ڈھاتا تھا اس نے یہ دیکھ کر ان کے تمام عبادت خانوں کو مسمار کر دیا تا کہ یہ اپنے مذہب کے مطابق نماز نہ پڑھ سکیں اس پر حق تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے دونوں پیغمبروں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو وہ حکم دیا جس کا اس آیت میں ذکر ہے۔

سرکشی کا سبب

وَ قَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ مَلَاَهٗ زِيْنَةً

اور کہا موسیٰ نے اے رب ہمارے! بلاشبہ آپ نے دیئے فرعون اور سرداروں اس کے کو ٹھاٹھ باٹھ

وَّ اَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ

اور مال میں زندگی دنیا کی اے رب ہمارے! تا کہ گمراہ کریں وہ سے راہ آپ کی

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور موسیٰ نے کہا، اے ہمارے رب! آپ نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو ٹھاٹھ باٹھ اور مال دیئے دنیا کی زندگی میں، اے ہمارے رب! (نتیجہ یہ ہوگا) کہ وہ آپ کے راستے سے بہکائیں گے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ، اے ہمارے رب! فرعون اور اس کے لوگ اپنے رویہ کو بدلتے نہیں معلوم ہوتے ان کو وہ چیزیں حاصل ہیں جن سے انسان کا مزاج بگڑ جاتا ہے یہ تندرست ہیں، کھانا پینا، سواریاں، سجے سجائے پختہ گھر، مال و دولت ان کے پاس سب کچھ ہے جب تک یہ سارا سامان عیش و راحت

انہیں حاصل ہے یہ کسی کی نہ سنیں گے اور جو جی میں آئے گا وہ کریں گے آپ نے ان کو یہ سب کچھ دیا، لیکن وہ ان کی گمراہی اور دوسروں پر زیادتی کرنے کا ذریعہ بن گیا یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی اس کے ذریعہ گمراہ کرتے ہیں۔

زینت کا معنی رونق ہوتا ہے اور اس سے مراد جسمانی صحت، شکل سے خوبصورت، لباس خوبصورت گھر اور زندگی کی دوسری چیزیں ہیں، مال میں سونے چاندی کے ڈھیر ہر قسم کے مویشی اور جانور، بہترین سواریاں اناج کے ذخیرے وغیرہ شامل ہیں خاص طور پر سونے، چاندی اور جواہرات کی کانیں جو مصر سے لے کر حبشہ تک پھیلی ہوئی تھی، سب فرعون کے قبضہ میں تھیں اور سلطنت کی آمدنی اس کے علاوہ تھی، اسی چیز کے پیش نظر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اے اللہ! آپ نے ہر قسم کے مال و دولت اور زندگی کی تمام راحتیں اور رونقیں فرعون اور اس کے لوگوں کو عطا کر رکھی ہیں۔

جس کا اثر یہ ہے کہ وہ لوگوں کو آپ کے راستہ سے گمراہ کرتے ہیں کیونکہ عام لوگ ان کے ظاہری ساز و سامان اور عیش و راحت کو دیکھ کر اس شک میں پڑ جاتے ہیں کہ اگر یہ گمراہی پر ہوتے تو ان کو اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں کیوں ملتیں، کیونکہ عام لوگوں کی نظریں اس حقیقت تک نہیں پہنچتیں کہ دنیا کی فراوانی بغیر نیک عمل کے کسی انسان کے حق پر ہونے کی علامت نہیں ہو سکتی۔

بددعا

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا

اے رب ہمارے! تباہی ڈال پر مالوں ان کے اور سخت گرہ لگا پر دلوں ان کے پس نہ ایمان لائیں وہ

حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾ قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا

یہاں تک کہ دیکھیں عذاب دکھ دینے والا (۸۸) فرمایا تحقیق قبول کر لی گئی دعا تم دونوں کی

فَاسْتَقِيْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

پس ثابت قدم رہو اور نہ پیچھا کرو راستہ ان لوگوں کا جو نہیں جانتے (۸۹)

بامحاورہ ترجمہ: اے ہمارے رب! ان کے مالوں کی صورت مٹا دیجئے اور ان کے دل سخت کر دیجئے کہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔ (۸۸) فرمایا: تمہاری دعا قبول ہوئی، سو! تم دونوں ثابت قدم رہو اور ان لوگوں کی راہ پر مت چلو جو ناواقف ہیں۔ (۸۹)

تفسیر

فرعون کا ظلم وتشدد بنی اسرائیل پر بڑھتا گیا آخر موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے دعا کی کہ اے اللہ یہ تو اپنے مال و مرتبہ میں مست ہیں ان کا مال مٹا دیجئے اور ان کے دل سخت کر دیجئے یہ سچے دل سے ایمان لانے والے نہیں ہیں، ارشاد ہوا کہ: آپ کی دعا ہم نے قبول کی اگر اس کا اثر ظاہر ہونے میں کچھ دیر لگے تو آپ کو گھبرانا نہ چاہئے، ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے جب وقت آئے گا یہ لوگ تباہ ہو جائیں گے، آپ کی ثابت قدمی میں دیر کی وجہ سے کمی نہ آنی چاہئے آپ ان جاہلوں اور بے وقوفوں کے راستے سے دور رہیں اور لوگوں کو سیدھے راستہ پر آنے کی دعوت دیتے رہیں دنیا میں بڑی بڑی قوتیں کام کر رہی ہیں گویا یہ جہان ان قوتوں کی کشتیوں کا اکھاڑا ہے اسلام سکھاتا ہے کہ ان سب قوتوں پر اللہ تعالیٰ کی قوت غالب ہے وہ ان قوتوں کو کام کرنے دیتا ہے اور ان کا اثر اور نتیجہ ظاہر ہونے دیتا ہے لیکن کسی مصلحت کی بناء پر ان کا اثر کبھی روک بھی دیتا ہے کبھی اس میں اور زور دے دیتا ہے نافرمان انسان اس کی زد میں آکر ہلاک ہو جاتے ہیں۔

فرعون اور اس کے ساتھیوں کی تباہی کا جب وقت آیا تو اس کی صورت یہ ہوئی کہ بنی اسرائیل کو سمندر کا پانی خشک کر کے پار اتار دیا اور فرعون جب سمندر کو خشک دیکھ کر اس میں داخل ہوا تو سمندر کا پانی چڑھ آیا اور اسے ڈبو دیا گیا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی قوم کی اصلاح سے نا امید ہونے کے بعد ان کے مال و دولت سے دوسروں کی گمراہی کا خطرہ محسوس کر کے بددعا کی کہ اے میرے رب ان کے مالوں کی صورت بدل دیجئے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ فرعون کی قوم کے تمام سونے، چاندی، ہیرے، موتی اور سکے اور باغوں کھیتوں کی سب پیداوار پتھروں کی شکل میں تبدیل ہو گئے۔

تفسیر کے اماموں نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے ان کے تمام پھلوں، ترکاریوں اور غلہ کو پتھر بنا دیا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیئے جانے والے ان نو معجزات میں سے ہے جس کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہے۔ "وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ" (کہ ہم نے موسیٰ کو نو واضح معجزات عطا فرمائے)۔

یہاں دعا کی قبولیت کی اطلاع ان دونوں پیغمبروں کو دیدی گئی مگر تھوڑا سا امتحان ان کا بھی لیا گیا کہ دعا کی قبولیت کا اثر امام بغوی کے قول کے مطابق چالیس سال بعد ظاہر ہوا اسی لیے اس آیت میں دعا کی قبولیت کے ذکر کے ساتھ ان دونوں حضرات کو یہ بھی ہدایت کردی گئی کہ دعوت و تبلیغ کے کام میں لگے رہیں اور ہرگز ان لوگوں کی پیروی نہ کریں جو سمجھ نہیں رکھتے۔

آیت میں تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی اس کے جواب میں اللہ پاک نے فرمایا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی حالانکہ بظاہر یوں ہونا چاہئے تھا کہ: اے موسیٰ! آپ کی دعا قبول کر لی گئی تو دوسرا دعا کرنے والا کون تھا جس کو ساتھ ملا کر یوں کہا گیا کہ تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔

قرآن کے مفسر ابو العالیہ، عکرمہ اور بعض دوسرے فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام دعا کر رہے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے جاتے تھے، گویا دعا کرنے والے کے ساتھ آمین کہنے والا دعا کرنے والا شمار کیا جاتا ہے؛ اس لیے اللہ پاک نے فرمایا کہ: تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔

فرعونی جب کوئی معجزہ دیکھتے تو ایمان کا اظہار بھی کر دیتے جب کوئی تکلیف پہنچتی تو موسیٰ علیہ السلام سے دعا کی درخواست کرتے اور ایمان لانے کا وعدہ کرتے مگر جب وہ تکلیف دور ہو جاتی تو پھر اپنی پرانی عادت پر آ جاتے اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ: اے اللہ! ان لوگوں سے سچے ایمان کی امید باقی نہیں رہی، لہٰذا ان کے دلوں کو

اور بھی سخت کر دیجیے، تاکہ عذاب آنے سے پہلے یہ جھوٹے ایمان کا اظہار بھی نہ کر سکیں اور بالآخر دردناک عذاب میں پکڑ لیے جائیں۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):.... چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو علم ہو گیا تھا کہ فرعونی کسی صورت میں ایمان لانے والے نہیں سوائے چند افراد کے جن کا ذکر ہو چکا ہے تو انہوں نے ان کے حق میں بددعا فرمائی معلوم ہوا کہ ایک خاص حد تک پہنچ کر کافروں کے حق میں بددعا کرنا درست ہے۔

مسئلہ (۲):.... اس آیت سے معلوم ہوا کہ مال و دولت، صحت، تندرستی، آرام و راحت کا سامان اللہ تعالیٰ کی بخشش ہیں، وہ اپنے فضل و کرم سے جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے، لیکن اس سے سب لوگوں کی آزمائش مطلوب ہے، دیکھنا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ان نعمتوں سے وہی کام لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرمائے ہیں یا ان پر اترا کر سرکشی اختیار کرتے ہیں اور خود حاکم بن کر بیٹھ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو ستانا شروع کر دیتے ہیں جو لوگ خوش حال ہیں اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو دیکھ کر چاہیے کہ اس کی قدر کریں اس کے پیغمبر پر ایمان لائے اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بنیں۔

مسئلہ (۳):.... امام ابوبکر جصاص اور بعض دوسرے حضرات نے اسی بات سے استدلال کیا ہے کہ "سورۂ فاتحہ" پڑھے بغیر صرف آمین کہنے والا بھی ایسا ہی ہے جیسے اس نے خود "سورۂ فاتحہ" پڑھی۔

فرعون کی تباہی

وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَ جُنُوْدُهٗ

اور پار کر دیا ہم نے | بنی اسرائیل کو | سمندر سے | پس پیچھا کیا ان کا | فرعون نے | اور لشکر اس کے نے

بَغْيًا وَّ عَدْوًا ؕ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ
ظلم اور زیادتی سے یہاں تک کہ جب آلیا اس کو غرق ہونے لگا نے کہنے لگا ایمان لایا میں کہ

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَ اَنَا مِنَ
نہیں معبود کوئی سوائے اس ذات کے ایمان لائی پر جس بنی اسرائیل اور میں میں سے ہوں

الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ
فرمانبرداروں (۹۰) کیا اس وقت حالانکہ تحقیق نافرمانی کی تو نے پہلے اور رہا تو میں سے

الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ
فسادیوں (۹۱) سو آج ہم بچائے دیتے ہیں تجھ کو ساتھ بدن تیرے کے تا کہ ہو تو واسطے ان کے جو بعد آئیں تیرے

اٰیَةً ؕ وَ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع ۹ ۱۰ ۱۴
نشانی اور تحقیق بہت سے میں سے لوگوں سے نشانیوں ہماری البتہ غافل ہیں (۹۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پار کر دیا پھر ان کا فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم اور زیادتی کرنے کیلیے پیچھا کیا یہاں تک کہ جب (فرعون) ڈوبنے لگا تو بولا میں نے یقین کر لیا کہ کوئی معبود نہیں مگر وہ جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے (ہو گیا) ہوں۔(۹۰) (اللہ کی طرف سے کہا گیا کہ) اب ایمان لاتا ہے حالانکہ اس سے پہلے تو نافرمانی کرتا رہا اور گمراہوں میں رہا۔(۹۱) سو! آج ہم تیرے بدن کو بچائے دیتے ہیں تا کہ تو اپنے بعد کے لوگوں کے لیے عبرت کی نشانی ہو اور بے شک بہت سے لوگ ہماری نشانیوں پر توجہ نہیں کرتے۔(۹۲)

تفسیر

ایک رات موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات شہر سے نکل جاؤ، بنی اسرائیل چلے

جار ہے تھے، کہ راستہ میں سمندر آ گیا اتنے میں خبر ملی کہ فرعون اپنے لشکر کے ساتھ پیچھے پیچھے آ رہا ہے بڑی تشویش ہوئی کہ بری طرح گھرے، کہ آگے سمندر ہے اور پیچھے فرعون کی فوجیں ہیں، آخر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ سمندر پر لاٹھی ماریں، لاٹھی مارتے ہی پانی پھٹ گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سمیت سمندر میں اتر گئے اور پار پہنچ گئے فرعون جب پہنچا اور پانی میں راستے بنے ہوئے پائے تو وہ بھی لشکر سمیت سمندر میں اتر گیا، جب فرعون اور اس کی فوجیں سمندر میں اتر گئیں تو پانی جو حضرت موسیٰ کے لیے راستے بنا کر پہاڑوں کی طرح کھڑا تھا، فرعون اور اس کی فوجوں پر چھا گیا اور وہ سارے غرق ہو گئے، فرعون جب ڈوبنے لگا تو چلایا کہ میں بنی اسرائیل کے خدا پر ایمان لایا اور اب میں اسی کی تابعداری کروں گا، سرکشوں اور نافرمانوں کا یہی حال ہوتا ہے کہ جب تک اپنے مال و دولت کے اندر مست ہوتے ہیں کسی کی نہیں سنتے لیکن جب تباہ ہونے لگتے ہیں تو پھر ایمان لاتے ہیں کہ شاید اسی کی بدولت اس وقت رہائی ہو جائے لیکن ایسے وقت ایمان لانا کام نہیں دیتا۔

سرکش انسان کسی کے سمجھانے بجھانے سے نہیں مانتا یہاں ایک فرعون کا حال بیان ہو رہا ہے، لیکن آج بھی دنیا میں ہر جگہ یہی دیکھنے میں آ رہا ہے فرعونی ذہنیت رکھنے والے دنیا پر اپنا قبضہ جمانے کی کوشش کر رہے ہیں اور جو ان کے راستے میں رکاوٹ بنتا ہے اس کے ساتھ لڑائی اور دشمنی ٹھن جاتی ہے ایسے آدمی کو ہوش اس وقت آتا ہے جب کوئی اور زبردست اس کو دبا لے اور یہ بے بس ہو جائے جب جان نکلنے لگتی ہے تو کہتا ہے کہ اب میں مانتا ہوں مجھے چھوڑ دو لیکن اس کے پچھلے کرتوت اس قابل نہیں ہوتے کہ اس پر ذرا بھی رحم کیا جائے۔

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے فرعون کی پکڑ کی اور جب دم نکلنے لگا تو بولا میں مانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے زبردست ہیں بنی اسرائیل ٹھیک تھے اور میں غلطی پر تھا، اس وقت اس سے کہا گیا کہ اگر تو اپنے اقتدار کے زمانے میں ذرا بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتا اور اس کے پیغمبر کی بات مانتا تو تجھ پر رحم کیا جاتا، لیکن تو نے تو نافرمانی پر کمر باندھی اور ظلم و فساد کے سوا دنیا میں کچھ نہ کیا، اب تجھ پر رحم کرنا دوسروں کو تنگی میں پھنسانا ہے لیکن چونکہ تو نے منہ سے اطاعت کا ارادہ ظاہر کیا ہے اس لیے ڈوبنے کے بعد تیرے بدن کو پانی سے گلنے سڑنے سے نجات دی جائے گی

اور کنارے پر پھینک دیا جائے گا تا کہ لوگ تجھے بے بس پڑا دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ اللہ تعالیٰ کے آگے کسی کا بس نہیں چلتا؛ اس لیے اسی کی فرمانبرداری کرنی چاہیے دنیا میں تیرے بدن کو سالم رکھنا ہماری قدرت کی ایک نشانی ہوگی۔

اس واقعہ سے مکہ اور عرب کے دوسرے مشرکوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ دیکھو! فرعون تم سے کتنا بڑا طاقتور تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا بڑا خوش حال تھا ملک کے تمام وسائل اس کے قبضہ میں تھے مگر توحید و پیغمبری کا انکار کر کے اس کا حشر بہت برا ہوا اگر تم نے بھی یہی راستہ اختیار کیا تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ نہیں سکو گے۔

بعض کمزور دل لوگ فرعون کے سمندر میں غرق ہونے کے بعد بھی فکر مند تھے کہ پتہ نہیں کہ وہ غرق ہوا ہے یا نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تسلی کے لیے اور پیچھے آنے والے لوگوں کی عبرت کے لیے فرعون کی لاش کو پانی سے باہر ایک ٹیلے پر پھینک دیا جب کہ باقی سب لشکری سمندر کی تہہ میں غرق ہو گئے اور ان میں سے کسی ایک کی لاش بھی برآمد نہ ہوئی۔

احکام و مسائل

آٰلْـٰٔنَ وَ قَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ كُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ: یعنی: کیا تو اب ایمان لاتا ہے جب کہ ایمان و اسلام کا وقت گذر چکا ہے۔

مسئلہ (۱):..... اس سے ثابت ہوا کہ عین موت کے وقت کا ایمان لانا شرعاً معتبر نہیں اس کی مزید تشریح اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ بندہ کی توبہ قبول فرماتے رہتے ہیں جب تک موت کا غرغرہ نہ لگ جائے۔ (ترمذی)

مسئلہ (۲):..... موت کے غرغرہ سے مراد وہ وقت ہے جب روح نکالتے وقت فرشتے سامنے آجاتے ہیں اس وقت دنیا کی زندگی ختم ہو کر آخرت کے احکام شروع ہو جاتے ہیں؛ اس لیے اس وقت کا کوئی عمل قابل قبول نہیں۔

اس وقت جو ایمان لاتا ہے اس کو بھی مومن نہیں کہا جائے گا اور اس کے ساتھ کفن دفن میں مسلمانوں کا سا معاملہ نہ کیا جائے گا جیسا کہ فرعون کے اس واقعہ سے ثابت ہے کہ بالا جماع فرعون کی موت کفر پر قرار دی گئی ہے قرآنی عبارتوں سے بھی یہی واضح ہے۔

مسئلہ (۳):.... اسی طرح اگر خدانخواستہ ایسی ہی روح نکلنے کی حالت میں کسی شخص کی زبان سے کفر کا کلمہ نکل جائے تو اس کو کافر بھی نہیں کہا جائے گا، بلکہ اس کے جنازہ کی نماز پڑھ کر مسلمانوں کی طرح دفن کیا جائے گا اور اس کے کفر کے کلمے کی تاویل کی جائے گی جیسا کہ بعض اولیاء اللہ کی حالات سے اس کی تائید ہوتی ہے کہ جو کلمہ ان کی زبان سے نکل رہا تھا لوگ اس کو کلمۂ کفر سمجھ کر پریشان تھے، بعد میں ہوش آیا اور اپنا مطلب بتلایا تو سب کو اطمینان ہو گیا کہ وہ عین ایمان کا کلمہ تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ: جس وقت روح نکل رہی ہو اور نزع کا عالم ہو وہ وقت دنیا کی زندگی میں شمار نہیں، اس وقت کا کوئی عمل بھی شرعاً معتبر نہیں، اس سے پہلے پہلے ہر عمل معتبر ہے مگر دیکھنے والوں کو اس میں بڑی احتیاط لازم ہے کیونکہ اس کا صحیح اندازہ کرنے میں غلطی ہو سکتی ہے کہ یہ وقت روح کے نکلنے کا ہے یا اس سے پہلے کا۔

فرعون کی لاش کو عبرت بنانے کا پس منظر

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو فرعون کے ہلاک ہونے کی خبر دی تو وہ لوگ فرعون سے کچھ اس قدر مرعوب و مغلوب تھے کہ اس کا انکار کرنے لگے اور کہنے لگے کہ فرعون ہلاک نہیں ہوا، تب سمندر کی ایک موج کے ذریعے فرعون کی مردہ لاش کو ساحل پر ڈال دیا گیا جس کو سب نے دیکھا اور اس کے ہلاک ہونے کا یقین کیا، اور اس کی یہ لاش سب کے لیے عبرت کا نمونہ بن گئی پھر معلوم نہیں کہ اس لاش کا کیا انجام ہوا، جس ٹیلہ پر فرعون کی لاش پائی گئی تھی آج تک وہ جگہ جبل فرعون کے نام سے مشہور ہے۔

کچھ عرصہ ہوا اخباروں میں یہ خبر چھپی تھی کہ فرعون کی لاش صحیح سالم برآمد ہوئی ہے اور عام لوگوں نے اس کو

دیکھا ہے آج وہ "قاہرہ" کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔

آخر آیت میں ارشاد فرمایا کہ: بہت سے لوگ ہماری آیتوں اور نشانیوں سے غافل ہیں ان میں غور وفکر نہیں کرتے اور عبرت حاصل نہیں کرتے ورنہ دنیا کے ہر ذرّہ ذرّہ میں ایسی نشانیاں موجود ہیں جن کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پہچانا جاسکتا ہے۔

بنی اسرائیل کا امتحان

وَ لَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ

اور البتہ تحقیق ٹھکانہ دیا ہم نے بنی اسرائیل کو ٹھکانا اچھا اور رزق دیا ہم نے ان کو میں سے

الطَّیِّبٰتِ ۚ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰی جَآءَهُمُ الْعِلْمُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

پاکیزہ چیزوں پس نہ اختلاف کیا انہوں نے یہاں تک کہ آ گیا پاس ان کے علم تحقیق رب آپ کا

یَقْضِیْ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

فیصلہ کرے گا درمیان ان کے دن قیامت کے میں اس چیز کہ تھے وہ بیچ اس کے اختلاف کرتے (۹۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے بنی اسرائیل کو پسندیدہ جگہ دی اور کھانے کو پاکیزہ اور صاف ستھری چیزیں دیں، سو! اُن میں پھوٹ نہیں پڑی یہاں تک کہ انہیں علم پہنچا، بے شک آپ کا رب ان میں قیامت کے دن فیصلہ فرمائیں گے جس بات میں وہ اختلاف کرتے تھے۔ (۹۳)

تفسیر

فرعون کے لشکر سمیت غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل پر راستہ کھل گیا کہ وہ جہاں چاہیں رہیں اور وہاں کی اچھی اچھی چیزیں کھائیں ان کو "تورات" دی گئی جس میں وہ سب باتیں ان کو بتادی گئیں جن پر وہ خود بھی چلیں

اور دنیا کو بھی چلائیں یہ لوگ آزاد ہوتے ہی خودسر ہو گئے "تورات" کو پیٹھ کے پیچھے ڈال دیا اور اپنے پیغمبروں کی بات سننی چھوڑ دی، فرعون کے ہلاک ہوتے ہی ان کے لیے سب دروازے کھل گئے تھے، ان کو حکم ہوا کہ فلسطین کو آباد کرو اور وہاں بیٹھ کر دین اور علم کی روشنی دنیا میں پھیلاؤ، شام پر عمالقہ کا قبضہ تھا بنی اسرائیل ان سے ڈر گئے اور انہوں نے جہاد سے انکار کر دیا اور یہ لوگ پورے چالیس سال تک جنگل "وادی تیہ" میں بھٹکتے رہے اسی دوران پہلے حضرت ہارون علیہ السلام اور پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوگئی اور جہاد سے انکار کرنے والے مرکھپ گئے پھر ان کی اولاد نے حضرت یوشع کی قیادت میں بابرکت زمین ملک شام فتح کیا اور وہاں ان کے بڑے بڑے بادشاہ ہوئے لیکن بنی اسرائیل نے پھر وہی سرکشی شروع کر دی جو ان کے پہلوں نے کی تھی "تورات" کی باتوں کو بدل بدل کر فرقے بن گئے اور آپس میں اختلاف شروع ہو گئے۔

علم آنے کے بعد اختلاف کا مطلب

"تورات" میں جو نشانیاں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ لوگ پڑھتے تھے اس کا تقاضہ یہ تھا کہ آپ کے تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے یہی لوگ ایمان لاتے، مگر یہ عجیب بات ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے پہلے تو یہ سب لوگ آخری پیغمبر پر اعتقاد رکھتے تھے اور ان کی نشانیوں اور ان کے ظہور کا وقت قریب ہونے کی خبریں لوگوں کو بتایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ آخری پیغمبر آئیں گے تو ہم ان کا استقبال کریں گے اور ان پر ایمان لائیں گے اور ان کی مدد کریں گے، اسی غرض سے سارے یہودی مدینہ میں آکر آباد ہو گئے تھے اور ساتھ ساتھ اپنے دشمنوں پر فتح پانے کے لیے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دعائیں مانگا کرتے تھے، جیسا کہ "سورۂ بقرہ" (آیت نمبر: ۸۹) میں گذرا ہے۔

اس کے بعد جب آخری پیغمبر اپنی پوری علامتوں کے ساتھ اور تورات کی بتلائی ہوئی نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے تو یہ پیغمبر سے اختلاف کرنے لگے کچھ لوگ ایمان لائے باقیوں نے انکار کر دیا اس آیت میں پیغمبر

صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کو لفظ "جَآءَهُمُ الْعِلْمُ" سے تعبیر کیا ہے یہاں علم سے مراد یقین بھی ہوسکتا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ یہ لوگ سب نشانیاں یقینی طور پر اپنی آنکھوں سے دیکھ کر اس پر ایمان لانے کے بجائے اختلاف کرنے لگے کہ یہ وہ پیغمبر نہیں جس کی ہماری کتاب تورات میں پیشن گوئیاں ہیں۔

اور بعض مفسرین کرام نے فرمایا کہ: اس جگہ علم سے مراد معلوم ہے، یعنی: جب وہ ہستی سامنے آگئی جو "تورات" کی پیشن گوئیوں کے ذریعہ پہلے سے معلوم تھی تو اب لگے اختلاف کرنے اور لوگوں کو بہکانے۔

آخر آیت میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے روز ان کے اختلاف کا فیصلہ فرمادیں گے حق و باطل نکھر جائیگا ماننے والے جنت میں اور نہ ماننے والے دوزخ میں بھیجے جائیں گے۔

قرآن مجید کی تصدیق

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ فَسْـَٔلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ

پس اگر　ہیں آپ　میں　شک　اس سے جو　اتارا ہم نے　طرف آپ کی　پس پوچھ لیں　سے ان　پڑھتے ہیں

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ

جو کتاب کو　پہلے آپ کے　تحقیق　آئے پاس آپ کے　حق　طرف سے رب آپ کے کی　پس مت　ہوں ہرگز آپ

مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ

میں سے　شک کرنے والوں (۹۴)　اور　مت　ہوں ہرگز آپ　میں سے　ان لوگوں　جھٹلایا جنہوں نے　نشانیوں

اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ

اللہ کی کو　پس ہوجائیں گے آپ　میں سے　نقصان اٹھانے والوں (۹۵)　تحقیق　وہ لوگ کہ　ثابت ہوچکی　اوپر ان کے

كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى

بات　رب آپ کے کی　نہ　ایمان لائیں گے وہ (۹۶)　خواہ　آجائے پاس ان کے　ہر　نشانی　یہاں تک کہ

يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿٩٧﴾

دیکھ لیں وہ عذاب دکھ دینے والا (۹۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پس اگر آپ اس چیز سے شک میں ہے جو ہم نے آپ کی طرف اتاری پس آپ ان سے پوچھیں جو آپ سے پہلے کتاب پڑھتے ہیں، بے شک آپ کے رب کی طرف سے حق بات آئی ہے، سو! آپ ہرگز شک کرنے والے مت ہوں۔ (۹۴) اور مت ہوں ان میں سے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی باتوں کو جھٹلایا پھر آپ بھی خرابی میں پڑنے والے ہو جائیں گے۔ (۹۵) وہ لوگ جن پر آپ کے رب کی بات ثابت ہو چکی ہے وہ ایمان نہ لائیں گے۔ (۹۶) اگرچہ ان کو ساری نشانیاں پہنچیں جب تک کہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔ (۹۷)

تفسیر

انسان کو چاہئے کہ اپنا یقین پختہ کرے اور اپنے دل کے شک اور شبہے دور کرے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ جاننے والوں سے پوچھے اور پوچھنے کی کوشش اس وقت تک جاری رکھے جب تک اسے پختہ یقین نہ ہو جائے کہ ہاں یہ طریقہ جسے میں سیکھنا چاہتا ہوں بالکل درست ہے، آیت میں یہ سکھانا مقصود ہے کہ جس کام کی پوری تحقیق منظور ہو اس کے ماہر اور جاننے والوں سے پوچھے، دین کے بارے میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی کتابوں اور پیغمبروں کا حال پہلی کتابوں میں پڑھ چکے ہیں ان میں سے ایمان دار لوگ اتنی بات بتا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی دنیا میں پیغمبر بھیجے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی جو شخص اتنی بڑی بات کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دے اور پیغمبر اور قرآن کریم جاننے والوں سے پوچھ پوچھ کر دل میں یقین پیدا کرنے کی کوشش نہ کرے وہ انسانیت کے فرض سے غافل ہے علم حاصل کرنا اور اس سے قرآن کریم پر یقین پیدا کرنا، انسان کا فرض ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو بے کار سمجھتے ہیں ان کا دنیا اور آخرت دونوں میں نقصان ہوگا، علم کبھی غلط بھی سکھایا جاتا ہے، اور اس پر لوگ یقین کر بیٹھتے ہیں لیکن اصل علم وہی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر یقین حاصل ہو۔

اس آیت میں بظاہر خطاب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے مگر یہ ظاہر ہے کہ آپ کو وحی میں شک ہونے کا احتمال نہیں، اس لیے اس خطاب کے ذریعہ مقصود امت کو سنانا ہے خود آپ مقصود نہیں، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ خطاب عام انسان کو ہو کہ اے انسان اگر تجھ کو اس اللہ تعالیٰ کی وحی میں کوئی شک ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطہ سے تیری طرف بھیجی گئی تو تو ان لوگوں سے معلوم کر جو تجھ سے پہلے اللہ تعالیٰ کی کتاب تورات اور انجیل پڑھتے تھے، وہ تجھے بتلائیں گے، کہ پچھلے تمام پیغمبر علیہم السلام اور ان کی کتابیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوشخبری دیتی آئی ہیں جس سے تیرے وسوسے دور ہو جائیں گے۔

فرعون اور اس کی قوم کی سرکشی کا انجام بیان کرنے کے بعد دو نصیحتیں کی گئی ہیں اس سے پہلی آیت میں کہا گیا ہے کہ اگر انسان کو کسی بات کے سچ اور جھوٹ ہونے میں تمیز مشکل ہو جائے تو اس کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی کھلی اور صاف نشانیوں پر غور کرے اور جاننے والوں سے پوچھے، اس کے بعد کی آیت میں ہے کہ بعض بد بخت ایسے بھی ہیں کہ وہ اپنی اکڑفوں کے سامنے کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتے اور اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی بات ہی نہیں سنتے جو لوگ اپنے ہی طریقے اور رویہ کو درست سمجھے بیٹھے ہیں اگرچہ ان سے زیادہ سمجھدار اور جاننے والے اس کو غلط ہی بتا رہے ہوں وہ اپنی شامت اعمال سے مجبور ہیں ان کے سیدھے ہونے کی امید نہیں ان کے سر پر کوئی ایسی ہی آفت آپڑے کہ جس سے چھٹکارا ناممکن ہو تو شاید حق بات کے سننے کو تیار ہو جائیں ان بدقسمتوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا وہ فیصلہ ہے جس میں کہہ دیا گیا کہ دنیا میں بعض لوگ باوجود سمجھانے کے ایمان نہ لائیں گے دنیا میں ہر قسم کی طبیعت اور مختلف مزاج والے لوگوں کا موجود رہنا دنیا کی بناوٹ میں داخل ہے کیونکہ اچھے اور برے کا یونہی امتحان ہوسکتا ہے، ہاں! البتہ سمجھداروں اور حق تلاش کرنے والوں کے ہی راستے کو اپنانا چاہئے جیسا کہ قرآن مجید میں بتایا جا رہا ہے کہ اپنی بات پر بے جا مت اڑو اور سچی بات معلوم کرنے کی کوشش کرو۔

احکام و مسائل

"تفسیر مظہری" میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس شخص کو دین کے معاملہ میں کوئی شبہ پیش آجائے

تو اس پر لازم ہے کہ وہ ماہر عالموں سے سوال کر کے اپنے شبہات دور کرے۔

ایمان کا فائدہ

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ ؕ
پھر کیوں نہ ہوئی بستی کوئی ایمان لاتی پھر نفع دیتا اس کو ایمان ان کا مگر قوم یونس کی نے

لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
جب ایمان لائے وہ دور کر دیا ہم نے سے ان عذاب رسوائی کا میں زندگی دنیا کی

وَ مَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾
اور فائدہ پہنچایا ہم نے ان کو تک ایک مدت (۹۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر کیوں نہ ہوئی کوئی بستی کہ ایمان لاتی پھر ایمان لانا اس کے کام آتا سوا یونس کی قوم، جب وہ ایمان لائی ہم نے ان پر سے دنیا کی زندگی میں ذلت کا عذاب اٹھا لیا اور ان کو ایک وقت تک فائدہ پہنچایا، یعنی: مرنے تک۔ (۹۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: دنیا میں پھنس کر انسان اس قدر غافل ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان ہی نہیں کرتا اسی غفلت کی وجہ سے بہت سی قومیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے تباہ و برباد ہوئیں، اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے تو کس وقت؟ جب ان کے سر پر واقعی عذاب ہی آ پڑا، یونس علیہ السلام کی قوم کی البتہ ایک ایسی مثال ہے جو عذاب کی بالکل ابتدائی نشانیاں دیکھ کر سمجھ گئے کہ عذاب آنے والا ہے پھر فوراً یونس علیہ السلام کو ڈھونڈا، لیکن وہ نہ ملے آخر وہ سب بیوی، بچوں بلکہ پالتو جانوروں تک کو لے کر جنگل میں نکل گئے اور اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں روتے چلاتے اپنی کوتاہی

کا اقرار کیا اور توبہ کی اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، ان کے سچے دل سے رونے دھونے اور توبہ کرنے سے ان پر سے وہ عذاب ٹل گیا اور وہ تباہی اور بربادی کی ذلت سے بچ گئے اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار بندے بن کر اس کی نعمتوں سے مالا مال ہوئے اور دنیا کی زندگی کامیابی سے بسر کی حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ "سورۃ صٰفّٰت" میں آئے گا یہاں صرف اتنا بتانا مقصود ہے کہ اور سب قوموں پر اتنے گہرے غفلت کے پردے پڑ گئے کہ جب تک عذاب سر پر ہی نہ آ پڑا، ایمان نہ لائے صرف یونس علیہ السلام کی قوم ایسی تھی جس نے عذاب کی علامات ہی دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے توبہ کی اور سچے دل سے ایمان لے آئے جس کی وجہ سے عذاب سے بچ گئے، حضرت یونس علیہ السلام تنگ آ کر قوم سے کہہ بیٹھے تھے کہ تمہارے اوپر تین دن کے بعد عذاب آئے گا اور ان سے یہ کہہ کر خود باہر چلے گئے تھے یہ سب کچھ ان کے بعد ہوا۔

احکام و مسائل

یونس علیہ السلام کی قوم کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ دنیا کا عذاب سامنے آجانے پر بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا بلکہ توبہ قبول ہو سکتی ہے، البتہ آخرت کا عذاب سامنے آجانے کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی اور آخرت کے عذاب کا سامنے آنا یا قیامت کے دن ہوگا یا موت کے وقت، خواہ وہ طبعی موت ہو یا کسی دنیوی مصیبت میں مبتلا ہو کر ہو، جیسے: فرعون کو پیش آیا۔

اس لیے یونس علیہ السلام کی قوم کی توبہ قبول ہو جانا اللہ تعالیٰ کے عام قانون کے خلاف نہیں بلکہ اس کے مطابق ہے کیونکہ انہوں نے اگرچہ عذاب آتا ہوا دیکھ کر توبہ کی مگر عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے کی، بخلاف فرعون اور دوسرے لوگوں کے جنہوں نے عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد اور موت کے غرغرہ کے وقت توبہ کی اور ایمان کا اقرار کیا اس لیے ان کا ایمان معتبر نہ ہوا اور توبہ قبول نہ ہوئی۔

ایمان میں زبردستی نہیں

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اَفَاَنْتَ
اور اگر چاہتا رب آپ کا ضرور ایمان لاتا جو میں ہے زمین سب کے سب کیا پس آپ

تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۹۹﴾ وَ مَا كَانَ لِنَفْسٍ
مجبور کریں گے لوگوں کو یہاں تک کہ ہو جائیں وہ ایمان والے (۹۹) اور نہیں ہے واسطے جاندار کسی کے

اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ یَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِیْنَ
کہ ایمان لائے مگر ساتھ حکم اللہ کے اور مقرر کر دیتا ہے گندہ پن اوپر ان کے جو

لَا یَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
نہیں عقل سے کام لیتے (۱۰۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اگر آپ کا رب چاہتا تو بے شک جتنے لوگ زمین میں ہے سارے کے سارے ایمان لے آتے اب آپ کیا لوگوں پر زبردستی کریں گے کہ ایمان والے ہو جائیں۔ (۹۹) اور کسی سے نہیں ہو سکتا کہ ایمان لائے مگر اللہ کے حکم سے اور وہ (کفر کی) ناپاکی انہی پر ڈالتا ہے جو سوچتے نہیں۔ (۱۰۰)

تفسیر

انسان کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے موقعہ دیا جاتا ہے کہ اپنی صحیح سمجھ سے کام لے کر اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اس کو مجبور نہیں کیا جاتا کہ ایمان لانا ہی پڑے گا؛ اس لیے یہ خیال چھوڑ دینا چاہئے کہ کسی کو زبردستی ایمان والا بنایا جا سکے گا، اس دنیا کو بنایا ہی اس طرح گیا ہے کہ اس میں مومن، کافر، منافق، مشرک، ملحد وغیرہ بھی قسم کے لوگ ہوں گے اور ایمان وہی لائیں گے، جنہوں نے اپنی فطری صلاحیت کو برے کام کر کے ضائع نہ کیا ہوگا اور

اپنی عقل سے صحیح کام لیں گے اور دنیا کے حالات دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو پہچانیں گے، یہ توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادے سے ہی انسان ہدایت حاصل کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادہ ہی غالب ہے، لہٰذا اس کے حکم کے بغیر ایمان اور ہدایت حاصل نہیں ہوسکتی لیکن یہ بات یاد رکھو کہ ! اللہ تعالیٰ کفر کی نجاست اور گندگی انہی پر ڈالتا ہے جو عقل کو صحیح طور پر استعمال نہیں کرتے، کفر، شرک اور گناہوں میں ملوث رہنے والوں پر گندگی پڑتی ہے۔

یہاں پر "رِجْسُ" سے مراد عقیدے کی گندگی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ" (الحج)، بت پرستی کی نجاست سے بچو، "سورۂ مدثر" میں ہے، ہر قسم کی گندگی سے دور رہیں، خاص طور پر عقیدے کی گندگی تو بہت بری ہے۔

جو لوگ اپنی عقل کو صحیح استعمال کر کے ایمان نہیں لاتے گندگی انہی پر پڑتی ہے وہ ہمیشہ ضد اور ہٹ دھرمی میں پڑے رہتے ہیں، یہود و نصاریٰ اور مشرکوں کو دیکھ لیں بظاہر بڑے عقلمند سمجھے جاتے ہیں مگر عقل کے غلط استعمال کی وجہ سے ان پر کفر اور شرک کی گندگی پڑی ہوئی ہے۔

جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان کو ایمان کی

نشانیاں کوئی فائدہ نہیں دیتیں

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ

آپ کہہ دیجئے دیکھو کیا کچھ ہے میں آسمانوں اور زمین اور نہیں فائدہ دیتیں نشانیاں

وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠١﴾ فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ

اور ڈرانے والے کو اس قوم نہیں ایمان لاتے جو (۱۰۱) پس کیا انتظار کرتے ہیں وہ مگر مثل

اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ
دنوں ان لوگوں کے گذرے جو پہلے ان سے کہہ دیجئے آپ پس انتظار کرو بے شک میں ہوں ساتھ تمہارے

مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ رُسُلَنَا وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كَذٰلِكَ ۚ
میں سے انتظار کرنے والوں (۱۰۲) پھر بچالیتے ہیں ہم پیغمبروں اپنے کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اسی طرح

حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ ع ۱۱ ۱۵
ذمہ ہے اوپر ہمارے نجات دیں گے ہم ایمان والوں کو (۱۰۳)

بامحاورہ ترجمہ: ۔آپ کہہ دیجئے کہ، دیکھوتو! کیا کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، اور (عبرت کی) نشانیاں اور ڈرانے والے (پیغمبر) ان لوگوں کے کام نہیں آتے جو نہیں مانتے۔(۱۰۱) سو اب کچھ نہیں جس کا انتظار کریں مگر اسی طرح کے دنوں کا جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں آپ کہہ دیں کہ اچھا راہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھتا ہوں۔(۱۰۲) پھر ہم اپنے پیغمبروں کو اور ان کو جو ایمان لائے بچالیتے ہیں اسی طرح ذمہ ہے ہمارا بچادیں گے ہم ایمان والوں کو۔(۱۰۳)

تفسیر

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ: دیکھ لو! جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے، دیکھو! اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی کتنی نشانیاں پھیلا رکھی ہیں انہی نشانیوں کو دیکھ کر لوگ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کو جانتے ہیں اور آسمان پر پھیلے ہوئے سیارے، ستارے، سورج، چاند، فضائیں اور ہوائیں، بادل، بارشیں، پہاڑ، سمندر، پھول اور پھل سارے قدرت کی نشانیاں ہیں اگر انسان تھوڑا سا غور کرے تو اللہ تعالیٰ کی مکمل قدرت سمجھ میں آجاتی ہے "سورۂ یوسف" میں فرمایا گیا ہے: کتنے لوگ ہیں جو نشانیوں پر گزر جاتے ہیں مگر ان کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔

فرمایا: دیکھو! آسمان وزمین میں کیا کچھ ہے مگر عبرت کی یہ نشانیاں اور ڈرانے والے اللہ تعالیٰ کے پاک پیغمبر ان لوگوں کو کچھ فائدہ نہیں دیتے جو ایمان ہی نہیں لاتے، جو لوگ ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہتے ہیں ان کے لیے نہ کوئی معجزہ کارگر ہوتا ہے اور نہ کوئی دوسری نشانی، ڈرانے والے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی ہو سکتے ہیں جو کفر وشرک کرنے پر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں، اور سمجھانے کی بڑی کوشش کرتے ہیں یا ڈرانے والے سے مراد اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں بھی ہو سکتی ہیں، مثلاً: گرج چمک، بادل و بارش، زلزلے وسیلاب اور سمندری طوفان وغیرہ جو انسان کو اللہ پاک کی طرف بلاتی ہیں مگر ان کے دل میں کوئی بات نہیں بیٹھتی ان کے ذہنوں میں صرف ضد بھری ہوئی ہے، لہٰذا ان پر کوئی چیز اثر نہیں کرتی، ان نشانیوں سے وہ لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو اعتدال پسند ہوں اور جن میں سمجھنے کا جذبہ موجود ہو۔

ارشاد ہے کہ: اب ایمان لانے میں ہچکچاہٹ کا مطلب سوا اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ایسے دنوں کے انتظار میں ہیں جو نوح کی قوم، لوط کی قوم، عاد اور ثمود پر گزرے ان قوموں کو اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا تو کیا یہ بھی کسی عذاب کے انتظار میں ہیں۔ اگر یہی بات ہے تو آپ ان سے کہہ دیں کہ ہدایت کے راستے صاف ظاہر ہو گئے، کوئی بات لگی لپٹی چھپی ڈھکی نہیں رہی، اب بھی اگر تم ایمان نہیں لاتے تو انتظار کرو برے دنوں کا اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں تاکہ حق و باطل میں فرق ہو جائے، اس کے بعد یہ بھی کہہ دیں کہ جب اللہ پاک کسی پر برے دن لاتے ہیں تو اپنے پیغمبروں کو اور جو ایمان لا چکے ہوتے ہیں، ان کو بچا لیتے ہیں جیسا کہ پہلی قوموں کے واقعات سے ظاہر ہے۔

قرآن مجید میں پہلے لوگوں کے قصے تفریح کے لیے یا تاریخی معلومات جمع کرنے کے لیے بیان نہیں کئے گئے ہیں ان کے بیان کرنے سے غرض صرف یہ ہے کہ انسان ان سے اپنے لیے مفید نتیجے نکالے اور جو غلطیاں انہوں نے کیں خود ان سے بچے، قرآن مجید انسانوں کو دنیا میں اس طرح رہنا سکھاتا ہے کہ اس کو سکھ اور چین نصیب ہو صرف دنیا کی زندگی ہی میں نہیں بلکہ آئندہ کی زندگی میں بھی جو مرنے کے بعد شروع ہوگی، ایسی زندگی کے اصول بیان کرتے وقت اگر ان کے کسی خاص پہلو کی تشریح مطلوب ہوتی ہے تو اس کے لیے پہلی قوموں میں

سے کسی کا رویہ جو اس خاص پہلو کی بابت رہا تھا بیان کیا جاتا ہے۔

مثلاً: اسی سورت کو لیجیے اس میں انسان کو یہ سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کو ماننا اس پر ایمان لانا اس کی کتاب، یعنی: قرآن مجید کی ہدایتوں پر چلنا اور ان کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول وفعل سے سمجھنا انسان کی دونوں زندگیوں کی کامیابی کے لیے ضروری ہے اگر ان کو نہ مانا جائے بلکہ اپنی مرضی کے مطابق اپنے لیے زندگی کا طریقہ گھڑا جائے تو انجام برا ہوگا۔

اس بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لیے اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا حال بیان کیا گیا ہے اس کے بعد عام طور پر بتایا گیا ہے کہ بعد کی قوموں نے بھی حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح اپنے پیغمبر کا کہنا نہ مانا اور اپنی نافرمانی کی وجہ سے عذاب میں گرفتار ہوئیں۔

سمجھانا یہ ہے کہ پیغمبر اور کتاب کی بات عذاب آنے سے پہلے ماننی چاہئے کیونکہ اس سے اپنی زندگی سنوارنا مقصود ہے جب زندگی ہی ختم ہوگئی تو ایمان لانا بے کار ہے اور اس کا کوئی نتیجہ نہیں اس نکتہ کو سمجھانے کے لیے فرعون کے ایمان اور یونس علیہ السلام کی قوم کے ایمان کا فرق بیان کیا گیا کہ اس میں سے فرعون نے عذاب میں مبتلا ہونے کے بعد ایمان کا اقرار کیا؛ اس لیے اس کا ایمان لانا قبول نہ ہوا اور یونس علیہ السلام کی قوم عذاب میں مبتلا ہونے سے پہلے ایمان لے آئی اس لیے ان کا ایمان لانا قبول ہوا اور عذاب ٹل گیا۔

احکام ومسائل

پچھلے رکوع کے بیان پر اگر غور کیا جائے تو اس سے ہمیں زندگی کے چند بہت ضروری اصول سمجھ میں آتے ہیں۔

(۱)....دنیا میں سارے آدمی ایمان نہیں لائیں گے صرف وہ لوگ جن کے دل میں سچائی اور حق کی تلاش ہے اس مسئلہ کی طرف دل سے متوجہ ہوں گے، جو لوگ سرسری باتوں پر دل لگا کر دنیا کے فائدے سمیٹنے میں مشغول ہو جاتے ہیں، ان کو لاکھ سمجھاؤ، اللہ تعالیٰ کی کتاب کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناؤ، ان پر ذرا اثر نہیں ہوگا، اس لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے زندگی کا قانون ایسا بنایا ہے کہ حق کے ڈھونڈنے والوں کے لیے مکمل ہدایتیں

قرآن مجید میں جمع کردی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی اس کتاب کو سمجھانے والے عالم بھی دنیا میں ہمیشہ باقی رہے ہیں حق کے تلاش کرنے والے جماعت در جماعت ان کے پاس آتے رہے ہیں تاکہ اس کتاب کو ان سے سمجھیں اور اپنے شبہات دور کریں۔

(۲)۔۔۔۔ کوئی شخص کسی دوسرے کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کرسکتا ہر شخص کو اختیار دیا گیا ہے کہ اپنی قابلیت اور استعداد کے مطابق اپنے لیے راستہ تلاش کرے اور اس کے مطابق عمل کرے، لوگوں میں مختلف دین اور مختلف نظریات رکھنے والے لوگ قیامت تک موجود رہیں گے اس لیے صرف یہی کافی ہے کہ ہر شخص اپنے شبہات اپنے عالم سے پوچھ پوچھ کر حل کرے، اب اس عالم کا فرض ہے کہ حق بات کے بتانے میں کوئی اپنا دنیاوی فائدہ سامنے نہ رکھے جو لوگ حق کی تلاش میں اس کے پاس آئیں انہیں کسی لالچ کے بغیر حق بات اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے بتائے اور صرف اس لیے کہ قرآن کریم کا حکم یہ ہے کہ پوچھنے والے پوچھیں اور سمجھانے والے سمجھائیں اپنا فرض ادا کرے۔

(۳)۔۔۔۔ ایسا ماحول قائم رکھنے کے لیے کہ حق تلاش کرنے والے آزادی کے ساتھ اپنی کوشش جاری رکھ سکیں اور عقیدوں میں خواہ مخواہ نہ الجھیں بلکہ ٹھنڈے دل سے ان کی بابت سمجھیں اور سمجھائیں، ضروری ہے کہ دنیا میں امن وامان قائم ہو، کوئی کسی پر کسی قسم کی زیادتی نہ کرسکے اور زندگی کی ضرورتیں سب کو ضرورت کے مطابق مل سکیں دین میں داخل کرنے کے لیے کسی پر زبردستی جائز نہیں ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر عقیدے کے لوگ موجود رہیں گے اس لیے لازم ہے کہ امن وامان اور عدل وانصاف کی حکومت ہو۔

امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حق سے مراد رحمت ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی خاص رحمت اور شفقت سے ایمان والوں کو محفوظ رکھتا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے، اس نے اپنی رحمت سے کچھ چیزیں اپنے ذمہ لے لی ہیں، "سورۂ انعام" میں ارشاد مبارک ہے کہ: اس نے اپنی مہربانی سے اپنے اوپر اپنی رحمت کو لکھ رکھا ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھے آپ نے فرمایا کہ: معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا پیغمبر ہی بہتر جانتے ہیں، فرمایا: اللہ تعالیٰ کا حق بندوں پر یہ ہے کہ بندے صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، پھر فرمایا: معاذ! کیا تم جانتے ہو کہ بندوں کا حق اللہ تعالیٰ پر کیا ہے؟ عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا پیغمبر ہی بہتر جانتے ہیں، فرمایا: جب بندے اپنے حقوق پورا کریں تو پھر ان کا حق اللہ تعالیٰ پر یہ ہے کہ وہ ان کو عذاب نہ دے لیکن یہ حق بھی اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ اس کی مہربانی کا حق ہے اس نے اپنی مہربانی کے ساتھ یہ بات اپنے ذمے لے رکھی ہے تو اس حق کے واسطہ سے آدمی دُعا بھی کر سکتا ہے۔

ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ

کہہ دیجئے آپ اے لوگو اگر ہو تم میں شک سے دین میرے تو نہیں کرتا میں عبادت

الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ

ان کی جن کی تم عبادت کرتے ہو سوا اللہ کے اور لیکن عبادت کرتا ہوں میں اللہ کی جو

يَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ وَ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَ اَنْ

وفات دیتے ہیں تم کو اور حکم ہے مجھے کہ ہوں میں میں سے ایمان والوں (۱۰۴) اور یہ کہ

اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾

سیدھا کریں چہرہ اپنا واسطے دین کے سب سے منہ موڑ کر اور نہ ہوں ہرگز میں سے شرک کرنے والوں (۱۰۵)

وَ لَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَ لَا يَضُرُّكَ ۚ فَاِنْ

اور نہ پکارو سوا اللہ کے ایسے کو جو نہ نفع پہنچائے آپ کو اور نہ ضرر دے آپ کو پس اگر

فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

کریں آپ تو بلاشک آپ اس وقت ہوں گے میں سے ظالموں (۱۰۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ کہہ دیجئے اے لوگو! اگر تم میرے دین سے شک میں ہو تو میں عبادت نہیں کرتا جن کی تم اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ اور لیکن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں جو تمہیں وفات دیتا ہے اور مجھے حکم ہے کہ میں ایمان والوں میں رہوں۔ (۱۰۴) اور (مجھے یہ بھی حکم ملا ہے) کہ آپ یکسو ہو کر اپنا رخ (اس) دین (حق) کے لیے سیدھا رکھیں اور یہ کہ شرک کرنے والوں میں مت ہوں۔ (۱۰۵) اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہ پکاریں جو نہ تو آپ کو فائدہ دے سکتا ہے اور نہ نقصان پہنچا سکتا ہے، پھر اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ بھی اس وقت ظالموں (یعنی: شرک کرنے والوں) میں سے ہو جائیں گے۔ (۱۰۶)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان سے کہہ دیں! لو میں تمہیں اپنے دین کا خلاصہ بتائے دیتا ہوں کان کھول کر سنو اور اچھی طرح سمجھ لو کہ تم لوگوں نے جو اپنے معبود اپنی مرضی سے بنا کر رکھے ہیں میں ان میں سے کسی کو نہیں مانتا میرا معبود صرف اللہ تعالیٰ ہے میں اس کو چھوڑ کر کسی اور کو معبود نہیں بناتا صرف اسی کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک بھی نہیں کرتا، کیونکہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ اکیلا معبود بننے کے لیے کافی نہیں وہ مکمل معبود جب ہوگا جب اس کے ساتھ اوروں کو ملایا جائے گا یہ دونوں باتیں میرے دین کے خلاف ہیں پہلی بات کفر ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ کا انکار کر دینا اور اس کو چھوڑ کر اور چیزوں کو معبود بنانا دوسری چیز شرک ہے۔ یعنی: اللہ تعالیٰ کو معبود ماننا لیکن اس کے ساتھ اوروں کو بھی ملانا۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی وفات کو اپنے ایک ہونے کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے موت ایک ایسی یقینی بات ہے کہ جس پر تمام انسانوں کا اتفاق ہے پوری مخلوق میں کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جسے موت سے

انکار یا اختلاف ہو۔

مطلب یہ ہے کہ موت ایک یقینی بات ہے جو آکر رہے گی اس سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے اور اپنے پیغمبر سے کہلوایا ہے کہ میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا ہوں جو تم سب کو وفات دیتا ہے بعض کافروں نے تین خدا ہونے کو مانا، ایک پیدا کرنے والا، دوسرا تھامنے والا اور تیسرا موت دینے والا، یہ سب شرکیہ عقیدے ہیں کیونکہ وہی خالق ہے وہی مالک ہے، وہی حیات دیتا ہے اور وہی موت دیگا، لہٰذا صرف عبادت کے لائق وہی ذات ہے جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت ہے اور چونکہ زندگی اور موت یقینی معاملہ ہے؛ اس لیے اسے بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔

"حنیف" اس شخص کو کہتے ہیں جو سب سے رشتہ توڑ کر اللہ تعالیٰ سے جوڑنے والا ہو، یعنی: مطلب یہ ہے کہ آپ سب باطل خداؤں سے منہ موڑ کر ایک اللہ کے ہو جائیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو "حنیف" بننے کا حکم دیا تھا اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہی حکم دیا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے حنیف بن جاؤ، یعنی: آپ سب باطل خداؤں سے منہ موڑ کر صرف ایک اللہ کے ہو جائیں اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ بنیں۔

آخر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے تمام انسانوں کو سمجھایا جارہا ہے، کہ شرک کرنا ظلم ہے اور شرک کرنے والا ظالم ہے جس کو قیامت کے دن سخت سزا دی جائے گی۔ (اللہ تعالیٰ بچائے)

حقیقت کا اظہار

وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۚ وَ اِنْ

اور | اگر | آپ کو پہنچائے | اللہ پاک | ضرر کوئی | تو نہیں | ہٹانے والا | اس کا | مگر | وہی | اور | اگر

يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ

ارادہ کرے | بھلائی کا | تو نہیں | کوئی رد کرنے والا | فضل اس کے کو

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی دکھ پہنچائے تو اس کو دور کرنے والا اس کے سوا کوئی نہیں

اور اگر آپ کو کچھ بھلائی پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔

تفسیر

قرآن مجید کی اس آیت سے اور اس جیسی اور بہت سی آیتوں سے یہی سمجھانا مقصود ہے کہ نفع نقصان سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کامیابی یا ناکامی اسی کے حکم سے ہے بیماری اور شفا سب اسی کے ہاتھ میں ہے؛ اس لیے اسلام کی پیروی کرنے والوں کو اس بات پر یقین کرنا چاہئے اور عبادت اور دعا کے ذریعے اس یقین کو ہر گھڑی پختہ کرنا چاہئے کہ بغیر خدا کے حکم کے کسی کو کوئی فائدہ پہنچانے والا نہیں اور نہ کوئی نقصان یا دکھ بیماری دینے والا ہے۔

پوری قدرت والا

يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۷﴾

پہنچائے اس کو جسے چاہے میں سے بندوں اپنے اور وہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے (۱۰۷)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ

آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو تحقیق آ گئی پاس تمہارے ٹھیک بات طرف سے رب تمہارے کے پس جو

اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ

راہ پر آئے تو قطعاً وہ راہ پر آتا ہے واسطے جان اپنی کے اور جو بہکا تو یقیناً وہ بہکے گا

عَلَيْهَا ۚ وَ مَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿۱۰۸﴾ؕ

(اس کا وبال) اس کی جان پر ہوگا اور نہیں میں پر تم زور والا (۱۰۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (وہ اللہ) اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اپنا فضل پہنچائے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۰۷) آپ کہہ دیں کہ اے لوگو! تمہارے پاس رب تعالیٰ کی طرف سے حق پہنچ چکا اب جو کوئی راہ

پر آئے تو وہ راہ پاتا ہے اپنے بھلے کو، یعنی: اسی کو اس کا فائدہ ہوگا۔ اور جو کوئی بہکا پھرے سو وہ اپنے برے کو بہکا پھرے گا اور میں تم پر اختیار رکھنے والا نہیں ہوں۔ (۱۰۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب تم سمجھ چکے کہ نفع اور ضرر کا مالک سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں تو یہ بھی سمجھ لو کہ نفع یا نقصان کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے کہیں اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص کو نقصان یا دکھ پہنچانا چاہئے اور کہیں مصلحت اس میں ہوتی ہے کہ ایک شخص کو فائدہ اور آرام پہنچنا چاہئے، اس کا فیصلہ اس کے ارادہ اور مرضی پر موقوف ہے کسی اور کا اس میں دخل نہیں۔

انسان کو چاہئے کہ اپنے قصور اور خطائیں جو کمزوری اور نادانی سے ہوتی رہتی ہیں اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگتا رہے کیونکہ بعض وقت اس کی کوتاہیاں مصیبتوں کا باعث ہوجاتی ہیں، اس کی ہدایتوں پر عمل کرنے سے انسان اس کی رحمت کا حق دار ہوجاتا ہے اس لیے ان آیتوں کا خاتمہ "اَلْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ" پر کیا ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا مہربان ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس حق کے آنے کا ذکر ہے تفسیر روح المعانی میں ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حق سے مراد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن مجید اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد جو کوئی ان کی تعلیمات کی روشنی میں ہدایت کی راہ پالے گا، سو! اس میں اس کا اپنا ہی بھلا ہوگا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری پیغمبر ہیں اور آخری کتاب لے کر انسانوں کو سمجھانے کے لیے آئے، اللہ پاک فرماتے ہیں کہ: اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ دوسرے پیغمبروں کی طرح میرا کام بھی صرف سمجھانا ہی ہے میری ذمہ داری نہیں کہ تم سے زبردستی حق بات منواؤں اور جو غلط راستہ اختیار کرے اسے پکڑ کر سیدھے

راستہ پر ڈال دوں، لہٰذا جو مانے گا وہ فائدہ اٹھائے گا اور اپنے حق میں بھلائی کرے گا، اور جو کوئی نہ مانے نقصان پائے گا، اس کو دردناک عذاب ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے پیغمبر بھیجے، کتابیں بھیجیں، اور ان کو سمجھنے کے لیے عقل بھی دی، تاکہ انسان اپنے حقیقی معبود کو پہچان کر اس کی بندگی کرے۔

پیغمبر کا کام

وَ اتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ وَ اصْبِرْ حَتّٰی یَحْكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَ هُوَ

اور پیروی کریں اس کی جو وحی کی جائے طرف آپ کی اور صبر کریں یہاں تک کہ فیصلہ کر دیں اللہ تعالیٰ اور وہ

ع ۱۱ ٦ ١٦ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾

بہترین فیصلہ کرنے والا ہے (۱۰۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو آپ کی طرف حکم پہنچے آپ اس کے مطابق چلیں اور صبر کریں جب تک اللہ تعالیٰ فیصلہ کر دیں اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۱۰۹)

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے احکامات کھول کھول کر سناتے لیکن مشرک لوگ اس پر عمل نہ کرتے، اور اللہ تعالیٰ کے ایک سچا خدا ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیغمبر ہونے کو نہ مانتے تھے جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دلی طور پر صدمہ ہوتا تھا اس آیت میں اللہ پاک کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ اس غم میں اپنے آپ کو نہ گھلائیں کہ یہ لوگ سمجھتے کیوں نہیں آپ کا کام صرف اتنا ہے کہ جو وحی آپ پر بھیجی جائے اس کی پیروی کریں اور اس میں جو حکم دیا جائے اسے بجالائیں، آپ اپنا کام

کیئے جائیں اور قرآن مجید لوگوں کو سمجھائیں، جو آپ کی مانے وہ کامیاب ہے اور جو آپ کی نہ مانے بلکہ آپ کی مخالفت کرے اور آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو تکلیفیں دینا شروع کردے تو آپ اس پر صبر کریں اور اپنے ساتھیوں کو بھی صبر کی ہدایت کریں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کریں کیونکہ وہی بہترین فیصلہ فرمانے والے ہیں۔

سورۂ ہود

اس مبارک سورت کا نام "سورۂ ہود" ہے حضرت ہود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بڑے پیغمبر تھے جو حضرت نوح علیہ السلام کے بعد عاد کی قوم کی طرف بھیجے گئے، اس سورت میں آپ کی تبلیغ کے حالات بیان ہوئے ہیں، اس لحاظ سے اس سورت کا نام آپ کے نام پر "سورۂ ہود" رکھا گیا ہے۔

پچھلی سورت "سورۂ یونس" کی طرح یہ بھی مکی سورت ہے، "سورۂ یونس" اور "سورۂ ہود" ہجرت سے پہلے مکی زندگی کی آخری سورتیں ہیں اور ان کے اترنے کا زمانہ قریب قریب ہی ہے اس سورت میں دس رکوع ہیں۔

یہ سورت ان سورتوں میں سے ہے جن میں پچھلی قوموں پر پڑنے والے مختلف قسم کے عذابوں کا اور پھر قیامت کے ہولناک واقعات اور جزاء وسزا کا ذکر خاص انداز میں آیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک میں کچھ بال سفید ہوگئے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے غم کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ اے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر! آپ بوڑھے ہوگئے ہیں، تو آپ نے فرمایا کہ: ہاں! مجھے "سورۂ ہود" نے بوڑھا کردیا، اور بعض روایتوں میں "سورۂ ہود" کے ساتھ "سورۂ واقعہ" اور "مرسلات" اور "عم یتساءلون" اور "سورۂ تکویر" کا بھی ذکر ہے، جیسا کہ امام حاکم شہید اور امام ترمذی نے اس حدیث کو اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے۔

اس سورت کا مرکزی مضمون توحید کی طرف دعوت دینا ہے اس کے علاوہ وحی اور قرآن پاک کی سچائی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری اور قیامت جیسے بنیادی مسئلے بیان کئے گئے ہیں اور پھر بعض چھوٹے چھوٹے مسئلے بھی

آ گئے ہیں، دین کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رغبت بھی دلائی گئی ہے اور اس کا طریقہ بھی بتلایا گیا ہے، اور دین کو دوسروں تک پہنچانے کے سلسلے میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو جو ناخوشگوار واقعات پیش آئے اور جو مصیبتیں برداشت کرنی پڑیں، ان پر اللہ تعالیٰ نے صبر کی ترغیب بھی دی ہے، جس طرح "سورۂ اعراف" میں بعض پیغمبروں کی تاریخ بیان کرکے دین کی طرف بلانے کا ذکر کیا گیا تھا، اسی طرح اس سورت میں بھی بعض پیغمبر علیہم السلام کا ذکر کرکے ان کی قوموں کے برے انجام سے عبرت دلائی گئی ہے پچھلی سورت "سورۂ یونس" میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ بڑے بڑے پیغمبر حضرت نوح، حضرت موسیٰ، حضرت ہارون اور حضرت یونس علیہم السلام اور ان کی قوم کا ذکر تھا مگر اس سورت میں دوسرے بہت سے پیغمبروں کا ذکر بھی آ رہا ہے۔

"سورۂ یونس" میں مختصر طور پر نوح علیہ السلام کا ذکر کیا گیا تھا مگر اس سورت میں تفصیل کے ساتھ واقعات آئیں گے، اسی طرح حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کا نصیحت اور عبرت پر مشتمل اہم حصہ بیان ہوگا حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہوگا اور پھر خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کا طریقہ اور اس راستے میں پیش آنے والی مشکلوں کا ذکر بھی آئے گا۔

آیاتها — ۱۲۳ | سُوْرَۃُ ھُوْدٍ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها — ۱۰

سورۃ ہود مکی ہے، اس میں ایک سو تیئیس آیتیں اور دس رکوع ہیں۔

فرمانبرداروں کے لیے اجر

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۫ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ

الٓرٰ۔ یہ کتاب ہے مضبوط کی گئی ہیں آیتیں اس کی کو پھر تفصیل کی گئی ہیں سے پاس ایک حکمت والے

خَبِيْرٍ ﴿۱﴾ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ
خبردار کے (۱) یہ کہ نہ عبادت کرو مگر اللہ کی تحقیق میں ہوں واسطے تمہارے طرف سے اس کی ڈرانے والا اور

بَشِيْرٌ ﴿۲﴾ وَّ اَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ
بشارت دینے والا (۲) اور یہ کہ بخشش طلب کرو رب اپنے سے پھر رجوع کرو طرف اس کی کہ خوشحال کرے گا تم کو

مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ
خوشحال کرنا اچھا تک ایک وقت مقرر اور دے ہر زیادہ کام کرنے والے کو فضل اپنا

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں پھر ان کی تفصیل کی گئی ہیں ایک حکمت والے خبردار کے پاس سے۔(۱) کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہ کرو، میں تم کو اس کی طرف سے ڈر اور خوشخبری سناتا ہوں۔(۲) اور یہ کہ اپنے رب سے گناہ بخشواؤ، پھر اس کی طرف رجوع کرو کہ تم کو اچھا فائدہ پہنچائے ایک مقرر وقت تک اور تا کہ دے ہر فضل والے کو اپنا فضل۔

تفسیر

سورت کی ابتداء "الٓر" سے ہوتی ہے یہ حروف حروف مقطعات میں سے ہے اس کا مطلب اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے، "تفسیر جلالین" کے مصنف فرماتے ہیں کہ "الله أعلم بمراده بذلک" اس کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں ہمارے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ ان حروف سے اللہ تعالیٰ کی جو مراد ہے وہ برحق ہے اور ہمارا اس پر ایمان ہے ہمیں اس کا علم حاصل ہو یہ کوئی ضروری نہیں، سب کچھ جاننے والی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے، لہٰذا سلف صالحین نے "حروف مقطعات" کے بارے میں زیادہ بحث نہیں کی، امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے استاد اور تابعین میں سے ہیں آپ نے پانچ سو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فیض حاصل کیا ہے، کوفے میں رہتے تھے آپ بہت بڑے محدث تھے کسی نے آپ سے "حروف مقطعات" کے متعلق معلوم کیا تو فرمایا:

"سرّ الله فلا تطلبوا" یہ اللہ تعالیٰ کے راز ہیں ان کے پیچھے مت پڑو، سلامتی اسی میں ہے کہ اس معاملے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: جس چیز کو تم جانتے ہو اس کو کہو اور جس کو نہیں جانتے اس کو اللہ تعالیٰ کے حوالہ کر دو تم خواہ مخواہ اس میں دخل اندازی نہ کرو، ورنہ گمراہ ہونے کا خطرہ ہے۔

ثُمَّ فُصِّلَتْ: اس جگہ آیتوں کی تفصیل سے یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت، اخلاق وغیرہ مضامین کی آیتوں کو جدا جدا کر کے واضح بیان فرمایا گیا ہے، اور یہ معنیٰ بھی ہوسکتے ہیں کہ قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا جدا جدا کر کے اتارا گیا تاکہ اس کا یاد کرنا بھی آسان ہو اور ان پر آہستہ آہستہ عمل کرنا بھی آسان ہو جائے۔

مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ: یعنی: یہ سب آیتیں ایک ایسی ہستی کی طرف سے آئی ہیں جو حکمتوں والے اور ہر چیز کی خبر رکھنے والے ہیں اس کے ہر فعل میں اتنی حکمتیں چھپی ہوتی ہیں کہ انسان ان سب کو جان بھی نہیں سکتا اور اللہ پاک دنیا کے اندر موجود اور آنے والے ہر ذرے سے پوری طرح باخبر ہیں ان سب کے اگلے پچھلے حالات کو جانتے ہیں ان سب پر نظر کر کے حکم اتارتے ہیں انسانوں کی طرح نہیں کہ وہ کتنے ہی عقلمند، ہوشیار، تجربہ کار ہوں مگر ان کی عقل محدود ہوتی ہے اور ان کا تجربہ صرف اپنے گرد و پیش کے حالات کو دیکھ کر ہوتا ہے جو بسا اوقات آنے والے زمانہ اور حالات میں ناکام وغلط بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔

اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ: بیشک میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لیے دوزخ سے ڈرانے والا اور جنت کی خوشخبری سنانے والا ہوں، میں تمہیں برے کاموں کی وجہ سے ڈرا رہا ہوں کہ ان کا انجام بہت برا ہوگا، تمہیں ان کاموں کی سزا بھگتنا پڑے گی اور خوشخبری اس لحاظ سے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کو ایک جانے گا اور مانے گا اور پیغمبر کو برحق جانے گا، نیک کام انجام دے گا اس کو خوشخبری دیتا ہوں کہ اسے کامیابی نصیب ہوگی اور

اسے جنت میں بلند درجے عطا ہوں گے، اور یہ کہ اپنے پروردگار سے بخشش مانگا کرو، ہر شخص سے کوئی نہ کوئی غلطی ہوتی رہتی ہے جس کا علاج یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ معافی مانگتے رہو اور ہر طرح اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، مفسرین فرماتے ہیں کہ: پہلے کفر شرک، بدعات اور گناہوں سے معافی طلب کرنی چاہئے اور اس کے بعد فرمانبرداری کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہونا چاہئے اسی کا نام توبہ ہے، بہر حال فرمایا کہ: اگر استغفار کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی خطا بخش دی جائے گی بلکہ ان کو اچھی زندگی عطا کی جائے گی اور ظاہر یہ ہے کہ یہ زندگی عام ہے دنیا کی زندگی اور آخرت کی ہمیشہ والی زندگی دونوں کو شامل ہے۔

یہاں آیت میں "مَتَاعًا حَسَنًا" کی تفسیر بھی اکثر مفسرین نے یہ کی ہے کہ استغفار و توبہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ تم کو رزق کی فراوانی اور عیش کی سہولتیں عطا فرمائے گا اور آفتوں اور عذابوں سے تمہاری حفاظت کریگا اور چونکہ دنیا کی زندگی کا ایک روز ختم ہو جانا لازمی ہے اور اس کی عیش و راحت قدرت کے قانون کے تحت ہمیشہ کے لیے نہیں ہو سکتی ہے اس لیے "اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى" فرما کر ہدایت کر دی کہ دنیا میں پاکیزہ زندگی اور عیش کی سہولتیں ایک خاص وقت، یعنی: موت تک حاصل رہیں گی آخر موت ان سب چیزوں کا خاتمہ کر دے گی۔

مگر اس موت کے فوراً بعد ہی دوسرے جہان کی زندگی شروع ہو جائے گی اس میں بھی توبہ واستغفار کرنے والوں کے لیے ہمیشہ کی راحتیں ہوں گی، دوسری خوشخبری توبہ واستغفار کرنے والوں کو یہ دی گئی کہ "وَّ يُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ" یعنی: ہر فضل والے کو اپنا فضل عطا فرمائیں گے پہلے فضل سے مراد انسان کا نیک عمل اور دوسرے فضل سے اللہ تعالیٰ کا فضل یعنی جنت ہے مطلب یہ ہے کہ ہر فضیلت کے کام کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنا فضل، یعنی: جنت عطا فرمائیں گے۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فضیلت والا آدمی وہ ہے جس کی نیکیاں برائیوں پر غالب ہوں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ: فضیلت والا وہ آدمی ہے جس کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ دوسروں کے کام پورے کراتا ہے، ظاہر ہے کہ ایسا شخص وہی ہوگا جو مؤمن ہوگا اور اس کے ہاتھوں سے خدا کی مخلوق کا بھلا ہو رہا ہوگا

انسانوں میں پیغمبر علیہم السلام سب کے سب اس فہرست میں آتے ہیں اور ان کے بعد ان کو صحیح طریقے سے ماننے والے اور شریعت پر عمل کرنے والے لوگ فضیلت والے ہیں یہ لوگ دنیا کے پیشوا تھے اور ان کے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت کا فائدہ پہنچایا۔

نافرمانوں کے لیے عذاب

وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ عَذَابَ یَوْمٍ کَبِیْرٍ ۝۳ اِلَی
اور اگر پھر جاؤ تم تو تحقیق میں ڈرتا ہوں پر تم عذاب دن بڑے کے (۳) طرف

اللّٰهِ مَرْجِعُکُمْ ۚ وَ هُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝۴ اَلَآ اِنَّهُمْ
اللہ کی لوٹنا ہے تمہارا اور وہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے (۴) سنو! تحقیق یہ لوگ

یَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِیَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ؕ اَلَا حِیْنَ یَسْتَغْشُوْنَ
دوہرے کرتے ہیں سینوں اپنے کو تا کہ چھپائیں سے اس سنو! جب ڈھانپ رہے ہوتے ہیں

ثِیَابَهُمْ ۙ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ ۚ اِنَّهٗ عَلِیْمٌۢ
کپڑوں اپنے کو جانتا ہے وہ جو چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تحقیق وہ جاننے والا ہے

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۵
بھید دلوں کے کو (۵)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور اگر تم پھر جاؤ گے تو میں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ (۳) تم کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۴) سنو! وہ اپنے سینے دوہرے کرتے ہیں، تا کہ اس سے چھپائیں، سنو! جس وقت وہ اپنے کپڑے اوڑھتے ہیں وہ جانتا ہے جو چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں وہ تو دلوں کی بات جاننے والا ہے۔ (۵)

تفسیر

اس کے بعد فرمایا: اگر تم منہ موڑو گے توحید کا انکار کرو گے توبہ نہیں کرو گے اور بخشش نہیں مانگو گے تو سن لو! کہ میں خوف کھاتا ہوں تم پر بڑے دن کے عذاب سے، بڑے دن سے مراد قیامت ہے اور مجھے ڈر ہے کہ کہیں تم اس دن کے عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤ، ایسے ہی لوگوں کے متعلق "سورۂ مطففین" میں ہے، "اَلَا یَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِیَوْمٍ عَظِیْمٍ ۝ یَّوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ " کیا یہ خیال نہیں کرتے کہ مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائیں جائیں گے ایک ایسے بڑے دن میں جس دن تمام لوگ "رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ " کے سامنے کھڑے ہوں گے، فرمایا: تم دنیا میں جو کچھ بھی کرو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو یا اس کی نافرمانی کرو، ہر حالت میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ کر جانا ہے ہر شخص کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہو کر اپنے عملوں کا جواب دینا ہے۔

قیامت کے دن نیک لوگوں کو انعام اور مجرموں کو سزا دی جائے گی اور سزا یا انعام دینے کے لیے ضروری ہے کہ وہ حاضر ہو اور سزا یا انعام دینے والا سزا دینے پر پوری قدرت رکھتا ہو اور ان کی ساری کاروائیاں اس کے علم میں ہوں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اس دن سب کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اس کے علم میں سب کچھ ہے وہ ہر کھلی اور چھپی چیز کو برابر جانتا ہے یہاں تک کہ دلوں کی تہہ میں جو خیالات، ارادے اور نیتیں چھپی ہوتی ہیں ان کو بھی اچھی طرح جانتا ہے اس دن کوئی بھی مجرم اپنے جرم کو نہیں چھپا سکے گا، بلکہ ہر ایک کو اس کے کئے ہوئے کفر اور شرک کی کبھی ختم نہ ہونے والی سزا مل کر رہے گی۔

اللہ سب کو روزی دینے والا ہے

الجزء ۱۲

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ

اور نہیں | کوئی | چلنے والا | میں | زمین | مگر | پر ہے | اللہ | رزق اس کا | اور | جانتا ہے وہ

مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝۶

ٹھکانا اس کا اور قیام گاہ اس کی سب کچھ میں ہے کتاب کھلی (۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو کوئی بھی زمین پر چلنے والا ہے اس کی روزی اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور وہ اس کے مستقل اور عارضی ٹھکانے کو جانتا ہے سب کچھ کھلی کتاب (لوح محفوظ) میں موجود ہے۔(۶)

تفسیر

وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا: اس آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں ہر جاندار کے رزق کا ذمہ دار ہے اور اس کی زندگی کے ہر واقعہ کو اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کا آخری ٹھکانا کہاں ہوگا، زندگی کی عارضی منزلوں اور ٹھکانوں میں جس چیز کی بھی اسے ضرورت پڑتی ہے وہ اس کا سامان پہلے ہی سے کر دیتا ہے اور آخر کار جہاں اس کا ٹھکانا ہوگا وہاں کی تمام ضرورتیں بھی اس نے پہلے ہی سے مہیا کر رکھی ہیں ظاہر ہے کہ رزق وہی مہیا کر سکتا ہے جسے محتاج کی حالت اور اس کی موجودہ ضرورت کا علم اور اس ضرورت کو پورا کرنے کی پوری قدرت ہو وہ جانتا ہے کہ زندگی کے جس مرحلے میں وہ ہے اس میں اس کی کیا کیا ضرورتیں ہیں اللہ کو ہر چیز کا صرف علم ہی نہیں بلکہ اس نے ہر بات کو پہلے ہی سے لوح محفوظ میں لکھ بھی دیا ہے اس سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کے علم کا اندازہ ہو سکتا ہے جیسے دنیا میں وہ ہر جاندار کی حالت سے واقف ہے اور اس کی یہاں کی ساری ضرورتیں پوری کرتا ہے اسی طرح قیامت کے دن وہ اس کے عملوں کا حساب کر کے ہر ایک کو اس کے آخری ٹھکانے پر پہنچا دے گا اور وہاں اس کے مناسب اس کے لیے ساری چیزیں مہیا کر دے گا جو ثواب کا حقدار ہے اسے بے حد نعمتیں عطا کرے گا اور جو نافرمانی اور کفر کے اندر دنیا کی زندگی گزار کر گیا ہے وہاں اسے دکھ درد کے سوا کچھ نہ ملے گا۔

احکام ومسائل

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ زمین پر چلنے پھرنے والے جانداروں کا ذکر تو آ گیا ہے مگر ہوا میں اڑنے والے پرندوں اور پانی میں تیرنے والے جانوروں کو بھی اللہ تعالیٰ ہی روزی پہنچاتا ہے ان کا ذکر کیوں نہیں آیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ زمین پر چلنے والے جانداروں کا مشاہدہ سب لوگ کرتے ہیں جبکہ ہوا میں اڑنے والے پرندوں اور دریا اور سمندر کے جانوروں کا مشاہدہ بہت کم لوگ کرتے ہیں اس لیے جس کا مشاہدہ زیادہ لوگ کرتے ہیں اس کو قرآن کریم نے لفظ "دابۃ" (یعنی: زمین پر چلنے والے) سے ذکر کیا ہے، وگرنہ بلاشبہ ہوا میں اڑنے والے پرندوں اور پانی میں رہنے والی ساری مخلوق کو روزی دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

رزق ملنے کا ایک واقعہ

امام قرطبیؒ نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حضرت ابو موسیٰؓ اور ابو مالکؓ وغیرہ کے قبیلہ "اشعریین" کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے کہ یہ لوگ ہجرت کرکے مدینہ طیبہ پہنچے تو زندگی گزارنے کی جو بھی ضروری چیزیں اور کھانے پینے کا سامان ان کے پاس تھا وہ ختم ہو گیا، انہوں نے اپنا ایک آدمی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس مقصد کے لیے بھیجا کہ ان کے کھانے وغیرہ کا کچھ انتظام فرمادیں، یہ شخص جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر پہنچا تو اندر سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے تلاوت فرمانے کی آواز آئی کہ آپ یہ آیت پڑھ رہے ہیں "وَ مَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا" اس شخص کو یہ آیت سن کر خیال آیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے سب جانداروں کا رزق اپنے ذمہ لے لیا ہے تو پھر ہم اشعری بھی تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوسرے جانوروں سے گئے گزرے نہیں، وہ ضرور ہمیں بھی رزق دیں گے، یہ خیال کرکے وہیں سے واپس ہو گیا، اس نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا کچھ حال نہیں

بتلایا، واپس جا کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ خوش ہو جاؤ، تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کی مدد آرہی ہے اس کے اشعری ساتھیوں نے اس کا یہ مطلب سمجھا کہ ان کے قاصد نے مشورے کے مطابق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی ضرورت کا ذکر کیا ہے اور آپ نے انتظام کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے وہ یہ سمجھ کر مطمئن بیٹھ گئے، وہ ابھی بیٹھے ہی تھے کہ دیکھا کہ دو آدمی گوشت اور روٹیوں سے بھرا ہوا ایک بڑی پرات اٹھائے لا رہے ہیں، لانے والوں نے یہ کھانا اشعریین کو دیدیا، انہوں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا پھر بھی بچ رہا تو ان لوگوں نے یہ مناسب سمجھا کہ باقی کھانا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیں تا کہ اس کو آپ اپنی ضرورت میں خرچ فرما دیں، اپنے دو آدمیوں کو یہ کھانا دے کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیج دیا، اس کے بعد یہ سب حضرات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! آپ کا بھیجا ہوا کھانا بہت زیادہ اور بہت مزیدار تھا، آپ نے فرمایا کہ: میں نے تو کوئی کھانا نہیں بھیجا۔

تب انہوں نے پورا واقعہ عرض کیا کہ ہم نے اپنے فلاں آدمی کو آپ کے پاس بھیجا تھا، اس نے یہ جواب دیا، جس سے ہم نے سمجھا کہ آپ نے کھانا بھیجا ہے، یہ سن کر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ میں نے نہیں بلکہ اس ذات نے بھیجا ہے جو ہر جاندار کو رزق دیتا ہے۔

بعض روایتوں میں ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام آگ کی تلاش میں طور پہاڑ پر پہنچے اور وہاں آگ کے بجائے اللہ تعالیٰ کے نور کی روشنیاں سامنے آئیں اور ان کو پیغمبری عطا ہو کر فرعون اور اس کی قوم کی ہدایت کے لئے مصر جانے کا حکم ملا تو خیال آیا کہ میں اپنی اہلیہ کو جنگل میں تنہا چھوڑ کر آیا ہوں اس کے کھانے پینے کا کون بندوبست کرے گا، اس پر حق تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ سامنے پڑی ہوئی پتھر کی چٹان پر لکڑی ماریں، انہوں نے ایسا کیا تو یہ چٹان پھٹ کر اس کے اندر سے ایک دوسرا پتھر نکلا، حکم ہوا اس پر بھی لکڑی ماریں، ایسا کیا تو وہ پتھر پھٹا اور اندر سے تیسرا پتھر نکلا، اس پر بھی لکڑی مارنے کا حکم ہوا تو وہ بھی ٹوٹ کر اندر سے ایک جانور نکلا جس کے منہ میں ہرا پتہ تھا۔

حق تعالیٰ کی مکمل قدرت کا یقین تو موسیٰ علیہ السلام کو پہلے ہی سے تھا مگر آنکھوں سے دیکھنے کا اثر کچھ اور ہی ہوتا

ہے، یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام وہیں سے سیدھے مصر کو روانہ ہو گئے، اہلیہ محترمہ کو یہ بتلانے بھی نہ گئے کہ مجھے مصر جانے کا حکم ہوا ہے وہاں جا رہا ہوں۔

"ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ اے لوگو! دیکھو! صبح کے وقت پرندے خالی پیٹ اپنے گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور پیٹ بھر کر واپس لوٹ آتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر نکلتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں روزی پہنچاتا ہے اگر تم بھی اللہ تعالیٰ پر ایسا ہی بھروسہ کرو تو وہ تمہیں بھی ایسا ہی رزق پہنچائے گا اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تمام جانداروں کی روزی اپنے ذمہ لے رکھی ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "اَلَا وَاِنَّ نَفْسًا لَّنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا" کوئی جاندار اپنی روزی پورے کئے بغیر نہیں مرتا جب تک اللہ تعالیٰ نے اس کو زندہ رکھنا ہوتا ہے اسے رزق ملتا رہتا ہے جو روزی کسی جاندار کی تقدیر میں لکھی ہے وہ اسے کھائے بغیر نہیں مر سکتا اور اللہ تعالیٰ اس کی زندگی میں روزی کے ایسے ایسے سامان پیدا کرتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتے، لہٰذا انسان و حیوان اپنی روزی کی جگہ پر لازماً پہنچ جاتا ہے۔

علماء کے لئے ایک علمی نکتہ

اس آیت میں سب جانداروں کے رزق کی ذمہ داری حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے کر ایسے الفاظ سے اس کو بیان کیا ہے جیسے کوئی فریضہ کسی کے ذمہ ہو ارشاد فرمایا: "عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا" یعنی: اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اس کا رزق یہ ظاہر ہے کہ یہ ذمہ داری حق تعالیٰ پر ڈالنے والی کوئی اور طاقت نہیں سوا اس کے کہ اسی نے اپنے فضل سے یہ وعدہ فرما لیا، مگر وعدہ ایک سچی مہربان ذات کا ہے، جس میں خلاف ورزی کا کوئی امکان نہیں، اسی یقین کو ظاہر کرنے کے لیے اس جگہ لفظ "علیٰ" لایا گیا ہے جو فرضوں کے بیان کے لیے استعمال ہوتا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نہ کسی حکم کے پابند ہیں نہ اس کے ذمہ کوئی چیز فرض یا واجب ہے۔

يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا: (وہ اس کا مستقل اور عارضی ٹھکانہ جانتا ہے)

"مُسْتَقَرّ" اور "مُسْتَوْدَع"

"مُسْتَقَرّ" اور "مُسْتَوْدَع" کے بارے میں مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ "مُسْتَقَرّ" اس جگہ کو کہتے ہیں جسے انسان اپنے ارادے سے اختیار کرتا ہے جیسے عام رہائش گاہ مکان وغیرہ اور "مُسْتَوْدَع" وہ جگہ ہوتی ہے جہاں انسان بغیر اختیار کے پڑا رہے، مثلاً انسان زمین پر خود اپنا گھر بناتا ہے، یہ اس کا "مُسْتَقَرّ" ہے۔

(۲)...."مُسْتَقَرّ" اور "مُسْتَوْدَع" کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ انسان اپنے باپ کی پشت اور ماں کے رحم میں بلا اختیار پڑا رہتا ہے، یہ اس کے لیے "مُسْتَوْدَع" ہے ماں کے پیٹ سے جب اس دنیا میں آتا ہے تو یہ اس کے لئے "مُسْتَقَرّ" ہے، پھر جب مر کر قبر میں چلا جاتا ہے تو یہ اس کے لئے "مُسْتَوْدَع" ہے کسی بھی انسان کے لئے قبر "مُسْتَوْدَع" ہوتی ہے جہاں اسے بلا اختیار داخل کر دیا جاتا ہے یہ غلط بات ہے کہ قبر انسان کی آخری آرام گاہ نہیں بلکہ یہ تو حشر تک کے لیے "مُسْتَوْدَع" یعنی: عارضی ٹھکانا ہے جب حساب کتاب ہوگا تو ہر شخص اپنے عملوں کے مطابق جنت یا دوزخ میں جائے گا اور یہ جگہ اس کے لئے "مُسْتَقَرّ" مستقل ٹھکانا ہوگا۔

(۳)...."تفسیر کشاف" میں ہے کہ "مُسْتَقَرّ" اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں کوئی شخص مستقل طور پر رہنے لگے، اور "مُسْتَوْدَع" اس جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں کوئی شخص عارضی طور پر کسی ضرورت کے لئے ٹھہرے۔

كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ: یہ سب کچھ کھلی کتاب، یعنی: لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے جس میں تمام کائنات کی روزی، عمر، عمل وغیرہ کی پوری تفصیل لکھی ہوئی ہیں جو موقع و ضرورت کے مطابق فرشتوں کے حوالے کر دی جاتی ہیں۔

"بخاری" اور "مسلم" میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لمبی حدیث میں فرمایا: جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ماں کے پیٹ میں حمل کو ایک سو بیس دن پورے ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ

ایک فرشتہ کو حکم فرماتے ہیں جو اس کے متعلق چار چیزیں لکھ لیتا ہے، **اول:** اس کا عمل جو کچھ وہ کرے گا، **دوسرے:** اس کی عمر کے سال لکھ لئے جاتے ہیں، **تیسرے:** اس کو کہاں مرنا اور کہاں دفن ہونا ہے، چوتھے: اس کا رزق کتنا اور کس کس طریقے سے پہنچنا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتہ جب ان چیزوں کو لکھ لیتا ہے تو اس کے بعد فرشتہ حمل میں روح پھونکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

وَ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّ كَانَ

اور وہی ہے جس نے بنایا آسمان اور زمین میں چھ دن اور تھا

عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ

عرش اس کا پر پانی تاکہ آزمائے تمہیں کون تم میں سے اچھا ہے کام میں اور اگر

قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ

کہے تو بے شک تم اٹھائے جاؤ گے بعد موت کے تو البتہ ضرور کہیں گے وہ لوگ

كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

کفر کیا جنہوں نے نہیں یہ مگر جادو کھلا (۷)

بامحاورہ ترجمہ:- اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں بنائے اور اس کا تخت پانی پر تھا تاکہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھا کام کرتا ہے اگر آپ (ان کافروں سے) کہیں کہ تم مرنے کے بعد (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھائے جاؤ گے تو ضرور یہ کافر کہہ اٹھیں گے کہ یہ بات تو کھلا جادو ہے۔ (۷)

تفسیر

قرآن کریم کی اس آیت نے بتایا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے ہیں اس سے انسان کا

امتحان مقصود ہے کہ دیکھیں وہ اس کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے یا نہیں اور اس کی مرضی کے مطابق نیک کام کرتا ہے یا نہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہے کہ کہہ دیں کہ اصل چیز تمہارے عمل ہیں ان کے حساب اور ان کی جزا اور سزا کے لئے تمہیں موت کے بعد اٹھایا جائے گا، لیکن ان لوگوں کا عجب حال ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سن کر کہتے ہیں کہ اس کی بات میں جادو کا اثر ہے۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ: مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو کائنات کے پیدا فرمانے کے لیے چھ دن کا عرصہ ضروری نہیں تھا کیونکہ وہ تو مکمل قدرت والی ذات ہے جو لمحہ بھر میں کسی بھی چیز کو پیدا کرنے پر قدرت رکھتا ہے مگر اس طرح کرنے میں اپنے بندوں کی تربیت مقصود ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ سوچ سمجھ کر آہستہ آہستہ کرنا رحمان کی صفت ہے جب کہ بے سوچے سمجھے جلد بازی شیطان کی فطرت ہے، مقصد یہ ہے کہ ہر کام کو اچھے طریقہ سے انجام دینا چاہئے اور جلد بازی اچھی چیز نہیں ہے۔

"تفسیر جلالین" میں ہے کہ چھ دن سے موجودہ دنیا کے چھ دن جتنا وقت مراد ہے حقیقت میں چھ دن مراد نہیں ہے، اس لئے کہ اس وقت تو دن رات سورج و چاند کا وجود نہیں تھا۔

وَّ كَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ: اللہ پاک نے زمین و آسمان کو چھ دن میں پیدا فرمایا، ان چیزوں کے پیدا کرنے سے پہلے اللہ پاک کا عرش پانی پر تھا، اس سے یہ مراد نہیں کہ جس طرح کشتی پانی پر تیرتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا عرش پانی کے اوپر تھا بلکہ مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش اور پانی کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تھی کہ عرش تو بلندی پر تھا اور پانی نیچے تھا اور دونوں کے بیچ میں کوئی چیز نہیں تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے پانی پیدا کیا گیا ہے اور آسمان و زمین کو چھ دن میں پیدا کرنے کی تفصیل "سورہ حم سجدہ" کی آیت (۱۰، ۱۱) میں اس طرح آئی ہے کہ دو دن میں زمین بنائی گئی دو دن میں زمین کے پہاڑ، دریا، درخت اور جاندار کی غذا اور زندہ رہنے کا سامان بنایا گیا، دو دن میں سات آسمان بنائے گئے۔

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا: اس آیت میں زمین وآسمان کے پیدا کرنے کا مقصد بیان کیا گیا ہے، کہ یہ سب چیزیں اس لئے پیدا کی گئیں ہیں کہ ہم تمہارا امتحان لیں کہ کون تم میں سے اچھا عمل کرنے والا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آسمان وزمین کا پیدا کرنا خود کوئی مقصد نہ تھا بلکہ ان کو عمل کرنے والے انسانوں کے لئے بنایا گیا ہے تاکہ وہ ان چیزوں سے اپنے روزی روزگار کا فائدہ بھی حاصل کریں اور ان میں غور کرکے اپنے مالک اور رب کو بھی پہچانیں۔

حاصل یہ ہوا کہ آسمان وزمین کی پیدائش سے اصل مقصود انسان ہے اور ان میں سے بھی وہ مراد ہیں جو مسلمان ہیں اور ان میں بھی وہ جو سب سے اچھا عمل کرنے والا ہے۔

یہاں یہ بات بھی غور کرنے کے قابل ہے کہ حق تعالیٰ نے اس جگہ یہ فرمایا کہ کون اچھا عمل کرنے والا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرنے والا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال نماز، روزہ، تلاوت وذکر کی کثرت سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی نظر اچھے اور خوبصورت عمل پر ہوتی ہے، اسی خوبصورت عمل کو ایک حدیث میں ''احسان'' کہا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ عمل خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو اور کوئی دنیاوی غرض اس میں نہ ہو اور اس عمل کی صورت بھی وہ اختیار کی جائے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ ہے، جس کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے بتلایا اور امت کے لئے اس کی پیروی کو لازم قرار دیا، خلاصہ یہ ہے کہ تھوڑا عمل جو پورے اخلاص کے ساتھ سنت کے مطابق ہو وہ اس زیادہ عمل سے بہتر ہے جس میں یہ چیزیں نہ ہوں یا کم ہوں۔

آخر آیت میں قیامت اور آخرت کا حال بیان ہوا کہ یہ لوگ جو بات ان کی سمجھ میں نہ آئے اس کو جادو کہہ کر ٹال دینا چاہتے ہیں۔

جزا سزا یقینی ہے

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا

اور البتہ اگر مؤخر کردیں ہم سے ان عذاب کو تک مدت گنی ہوئی ضرور کہنے لگیں کیا چیز

يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ

روک رہی ہے اسے آگاہ رہو جس دن آجائے گا ان پر نہ ٹالا جائے گا سے ان اور گھیرے گی

ع ٨

بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۟۸

ان کو وہ چیز کہ تھے وہ جس کی ہنسی اڑاتے (۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور اگر ہم ان سے عذاب کو ایک خاص مدت تک ٹالے رکھیں تو (یہ کافر) کہنے لگیں کس چیز نے روک لیا ہے اسے سنو جس دن وہ عذاب ان پر آجائے گا تو ان سے پھیرا نہ جائے گا اور جس عذاب کا یہ لوگ مذاق اڑاتے ہیں وہی ان کو گھیر لے گی۔ (۸)

تفسیر

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ: اس آیت میں ارشاد ہے کہ ہم عذاب لانے میں جلدی نہیں کرتے بلکہ اس میں دیر کرتے ہیں تو یہ لوگ پیغمبر کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم ہمیں جس عذاب سے ڈرار ہے ہو، وہ آ کیوں نہیں جاتا؟ وہ رکا ہوا کیوں ہے؟ مکہ کے مشرک بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی کہتے تھے، چنانچہ اللہ پاک نے ان کو ایک خاص وقت تک ڈھیل دی اس کے بعد بدر کے میدان میں ان پر اپنا عذاب اتارا۔

اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ: اس آیت میں اللہ پاک نے مشرکوں کے مذاق اڑانے کا جواب دیا ہے کہ سنو جس دن وہ عذاب آجائے گا تو پھر ہٹایا نہیں جائے گا، فرعون کے پاس آیا تو پھر اسے غرق کر کے چھوڑا،" عاد وثمود" کی قوم کے پاس آیا تو انہیں تباہ و برباد کر کے رکھ دیا، لوط علیہ السلام کی قوم اور دوسری قوموں کو ہلاک کیا، اسی طرح ان کے پاس بھی عذاب آجائے گا تو پھر یہ بچ نہیں سکیں گے اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے ہیں وہ ان کو گھیر لے گا۔

امتحان کا طریقہ

وَ لَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ
اور البتہ اگر چکھادیں ہم انسان کو طرف سے اپنی رحمت پھر چھین لیں ہم اسے سے اس تو بے شک

لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ⑨
وہ البتہ مایوس ناشکرا ہے (۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم انسان کو اپنی رحمت کا مزہ چکھادیں، پھر اس کو اس سے چھین لیں تو وہ ناامید اور مایوس ہوجاتا ہے۔ (۹)

تفسیر

اس آیت میں اور اس کے بعد آنے والی آیت میں انسان کی فطری کمزوری کا نقشہ کھینچا گیا ہے جس کا اس نے ازالہ نہ کیا تو امتحان میں ناکامی کا خوف ہے، خلاصہ یہ ہے کہ انسان اچھی حالت میں تو مگن رہتا ہے لیکن جہاں ذرا سی تکلیف پہنچی تو فوراً گھبرا اٹھتا ہے، مایوسی چھاجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں بُرے بُرے خیالات گزرنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ اس کا انکار ہی کر بیٹھتا ہے یہی امتحان میں ناکامی ہے۔

اکثر دیکھا جاتا ہے کہ آدمی خوش حالی میں تو اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اور شکر ادا کرتا ہے، کہ اس نے مجھے مال و دولت دی اور خوش رہتا ہے لیکن جہاں ذرا سا نقصان ہوا تو فوراً چلانا شروع کردیتا ہے، بس جی اب کیا دھرا، جو ہونا تھا ہو چکا، پھر نہ وہ نماز ہے نہ وہ شکر گزاری ہے نہ وہ عبادت کا ذوق وشوق ہے بلکہ ناشکری کی باتیں منہ سے نکلنے لگتی ہیں، یہ سب اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ان باتوں کا صحیح تصور نہیں رکھتا، جو اس سے پہلے بیان ہوئیں، وہ جہان کے پیدا کرنے کی صحیح غرض نہیں سمجھتا، یہاں کی حالت ادلتی بدلتی رہتی ہے۔

عام طور پر انسان راحت اور تکلیف دونوں حالتوں میں ناکامی کا منہ دیکھتا ہے، وہ نہ تو تکلیف میں صبر کرتا ہے اور نہ راحت میں شکر ادا کرتا ہے، البتہ بہت تھوڑے ایمان والے لوگ ایسے ہیں جو اس امتحان میں پورے اترتے ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے،" جب کسی مومن کو تکلیف پہنچتی ہے تو وہ بھی اس کے لئے بہتری کا ذریعہ ہوتی ہے"، مؤمن تکلیف کے وقت اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے، اس کے سامنے گڑگڑاتا ہے، تو یہی تکلیف اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے، لہٰذا تکلیف کی حالت بھی اس کے لئے رحمت کا ذریعہ ہوتی ہے گویا مؤمن آدمی کو تکلیف اور راحت دونوں حالتوں میں کامیابی ہوتی ہے۔

انسان کو سمجھنا چاہئے کہ اس رد و بدل سے اس کے صبر و استقلال اور ایمان کا امتحان کرنا مقصد ہے خوشحالی اور دولت مندی صرف اس لئے ہے کہ دیکھیں انسان ان سے کیا کام لیتا ہے مفلسی اور تنگی میں یہ دیکھنا ہے کہ اس حالت میں بھی وہ ایمان پر قائم رہتا ہے یا نہیں دنیا کی حالتیں سب عارضی ہیں۔

شکر اور صبر کا مقام

وَ لَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ

اور البتہ اگر چکھادیں ہم اس کو نعمت بعد سختی کے جو پہنچی اسے تو کہنے لگ جاتا ہے جاتی رہیں

السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌۙ۝۱۰ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَمِلُوا

مصیبتیں سے مجھ بے شک وہ البتہ خوش بڑائی کرنے والا ہے (۱۰) مگر وہ لوگ صبر کیا جنہوں نے اور کام کئے

الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ۝۱۱

اچھے یہی ہیں کہ واسطے جن کے ہے بخشش ہے اور اجر بڑا (۱۱)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور اگر ہم اس کو تکلیف پہنچنے کے بعد آرام چکھا دیں تو ضرور کہنے لگتا ہے کہ مجھ سے برائیاں دور ہو گئیں بلاشبہ وہ اترانے والا شیخی خورا ہے۔ (۱۰) مگر جو لوگ صبر کرنے والے ہیں اور نیکیاں کرتے

ہیں ان کے واسطے بخشش ہے اور بڑا ثواب ہے۔(۱۱)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب مصیبت دور ہوتی ہے اور خوشحالی آتی ہے تو اس وقت انسان آپے سے باہر ہو جاتا ہے اور کہتا ہے راحت اور آرام کی گھڑیاں آئیں، پریشانیوں سے پیچھا چھٹا اور کیوں نہ ہو میں نے محنت کی، دولت کمائی، مشقتیں برداشت کیں، یہ میرا حق ہے اور مجھے مل گیا، ایک طرف تو ذرا سی تکلیف سے بے حد گھبرا جانا، راحت اور خوشی کو اپنی محنت اور ہوشیاری کا نتیجہ سمجھنا، انسان کی معمولی باتیں ہیں لیکن ان سب سے اس کی نادانی ٹپکتی ہے اور چھچھورا پن ظاہر ہوتا ہے، صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں باتیں انسان کے شایانِ شان نہیں بلکہ اس کے درجے سے بہت گری ہوئی ہیں انسان کو چاہئے کہ ہر حالت میں صبر اور تحمل سے کام لے، بدحالی اور خوش حالی دونوں صورتوں میں کام وہی کرے جو اس کے مرتبے اور شان کے لائق ہیں اور جن کو عقل منداچھے کام کہتے ہیں ایسے لوگوں کی خطائیں اور لغزشیں معاف کردی جائیں گی اور ان کو دنیا میں دلی سکون اور آخرت میں بہت بڑا اجر نصیب ہوگا۔

یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ انسان فطری طور پر غیر مستقل مزاج، جلدی پسند، اور اگلی اور پچھلی باتوں کو بھلا دینے والا ہے، ارشاد ہے کہ اگر ہم انسان کو کوئی نعمت چکھاتے ہیں اور پھر اس سے واپس لے لیتے ہیں تو وہ بڑا ہمت ہار، ناامید اور ناشکرا بن جاتا ہے اور اس کو کسی تکلیف کے بعد جو اس کو پیش آئی ہو کسی نعمت کا مزہ چکھادیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرا سب دکھ درد رخصت ہوا، یعنی: یوں نہیں کہتا کہ سب دکھ درد اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت سے دور ہوا بلکہ وہ اترانے اور شیخی بگھارنے لگتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ انسان فطری طور پر عجلت پسند اور موجودہ حالت کو سب کچھ سمجھنے والا ہوتا ہے، اگلی پچھلی حالتوں میں غور نہیں کرتا اور نہ اس کو یاد رکھتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آرام وسکون کے بعد جب تکلیف آجائے تو رحمت

سے ناامید ہوکر ناشکری کرنے لگتا ہے، یہ خیال نہیں کرتا کہ جس پاک ذات نے پہلے نعمت دی تھی وہ پھر بھی دے سکتا ہے، اسی طرح اگر اس کو تکلیف ومصیبت کے بعد کوئی نعمت مل جائے تو بجائے اس کے کہ پچھلی حالت میں غور کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا، اس کا شکر ادا کرتا، اور زیادہ اکڑنے اور اترانے لگتا ہے، اور پچھلی حالت کو بھول کر یوں سمجھنے لگتا ہے کہ یہ نعمت تو میرا حق ہے مجھے ملنا ہی چاہئے تھا، اور میں ہمیشہ اسی طرح رہوں گا، غافل انسان یہ خیال نہیں کرتا کہ جس طرح پہلی حالت باقی نہیں رہی، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ نعمت اور آرام وسکون کی حالت بھی باقی نہ رہے۔

انسان کے اندر موجود ان ہی خرابیوں کو درست کرنے کے لئے اللہ پاک کی کتابیں اور پیغمبر آتے رہے ہیں، جو انسان کو ماضی کے عبرتناک واقعات یاد دلا کر مستقبل کی فکر سامنے کردیتے ہیں اور یہ سبق سکھاتے ہیں کہ دنیا کے اندر بدلتے ہوئے حالات اور تبدیلیوں میں غور کرو کہ کونسی طاقت ان کے پیچھے کام کررہی ہے۔

کامل انسان وہی ہے جو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی طاقت کو آنکھوں سے دیکھے اور دنیا کی ختم ہوجانے والی خوشی اور غم کے پیچھے نہ پڑا رہے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ كَبِيْرٌ: اس آیت میں ان لوگوں کا اجر بتایا گیا ہے جو اوپر ذکر کئے گئے لوگوں سے مختلف ہوں گے یعنی جو نیک کام یعنی فرائض، واجبات، سنت، صلہ رحمی، انصاف وغیرہ اچھے کام کرنے والے ہیں کہ اللہ پاک ایسے لوگوں کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے اور ان کو ان کے نیک عمل کا بہت اچھا بدلہ عطا فرمائیں گے۔

کافروں کی فرمائشیں

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَ ضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ

بس شاید کہ آپ　چھوڑنے والے ہو　کچھ حصہ　اس کا جو　وحی کی جاتی　طرف آپ کی　اور　تنگ ہونے والا ہے　ساتھ اس کے　سینہ آپ کا

اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ

اس پر کہ کہتے ہیں کیوں نہ اتارا گیا اوپر اس کے خزانہ یا آیا ساتھ اس کے کوئی فرشتہ بات یہ ہے کہ

اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾

آپ تو ڈرانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا پر ہر چیز اختیار ہے (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سو! کیا کہیں آپ چھوڑ بیٹھیں گے کچھ چیز اس میں سے جو آپ کی طرف وحی کی جاتی ہے اور دل تنگ ہو جائے گا آپ کا جی اس بات پر کہ وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اتارا گیا اس پر خزانہ یا کیوں نہ آیا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ (حالانکہ) آپ تو (اللہ تعالیٰ کی طرف سے) محض ڈرانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ (۱۲)

تفسیر

یہ آیت ایک خاص واقعہ میں اتری ہے، واقعہ یہ تھا کہ مکہ کے مشرکوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مختلف قسم کی فرمائشیں پیش کیں، ایک یہ کہ اس قرآن میں ہمارے بتوں کو برا کہا گیا ہے اس لئے ہم اس پر ایمان نہیں لاسکتے؛ اس لئے یا تو آپ کوئی دوسرا قرآن لے کر آئیں یا اسی میں ردو بدل کر کے بتوں کی برائی والا مضمون نکال دیں۔

دوسرے یہ کہ ہم آپ کے پیغمبر ہونے پر جب یقین کریں گے کہ یا تو آپ پر کوئی خزانہ اتارا جائے جس سے سب کو بخشش کریں، یا پھر کوئی فرشتہ آسمان سے آجائے وہ آپ کے ساتھ یہ تصدیق کرتا پھرے کہ بے شک یہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی اس فضول اور بے ہودہ فرمائشوں پر دل تنگ ہوا، اس وقت یہ آیت اتری۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور ان کے ماننے والوں کو تسلی دی ہے، فرمایا کافروں کے ایسے

بیہودہ اعتراضات کی وجہ سے اپنا دل تنگ نہ کریں ناانصاف لوگ ایسی باتیں ہمیشہ کیا کرتے ہیں، ان کا کیا ہے؟ وہ تو پیغمبر کو انسانوں سے اوپر کوئی دوسری مخلوق سمجھتے ہیں، اور اسی لئے عام لوگوں میں اس کے میل جول، کام کاج، اور دوسرے معاشرتی معمولات کو پیغمبر ہونے کے خلاف سمجھتے ہیں "سورہ فرقان" میں ہے کہ مکہ کے کافر کہتے تھے کہ یہ کیسا پیغمبر ہے جو ہماری طرح کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے وغیرہ وغیرہ؛ اس لئے آپ ان کے اعتراضات کی طرف توجہ نہ دیں بلکہ اپنا کام جاری رکھیں۔

قرآن پاک میں یہ مضمون کئی جگہوں پر موجود ہے جب بھی نافرمانوں، کافروں اور مشرکوں کی ہٹ دھرمی اور ضد یا ناانصافی کی وجہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر صدمہ گزرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی جانب سے تسلی دی جاتی ہے، اور ساتھ ساتھ آپ کو اپنا فریضہ جاری رکھنے کی ہدایت کی جاتی ہے۔

فرمایا: آپ تو ڈر سنانے والے ہیں، آپ کا فرض یہ ہے کہ مشرکوں کی تمام تر رکاوٹوں کے باوجود لوگوں کو ان کے مشرکانہ عقیدوں اور مشرکانہ کاموں کے انجام سے ڈراتے رہیں انہیں صاف صاف بتادیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کو نہیں مانیں گے، شرک پر اڑے رہیں گے، اور برے کام کرتے رہیں گے تو وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں جلتے رہیں گے، اسی لئے فرمایا کہ آپ ان کو خطرناک انجام سے آگاہ کرنے والے ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ: اور ہر چیز پر مکمل اختیار رکھنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی شان ہے، خزانوں کا مالک بھی وہی ہے، اور فرشتوں کا مالک بھی، معجزات کا پیش کرنا آپ کا کام نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مصلحت میں جب اس کا ظاہر کرنا ضروری ہوتا ہے تو وہ ایسا کردیتا ہے، ہر چیز کا نگران خود اللہ تعالیٰ ہے وہ خود ان سے حساب لے لیگا اور پھر ان کو ان کے کافرانہ عقیدوں اور مشرکانہ کاموں کی سزا بھی دے گا۔

پیغمبر ہونے کی نشانی

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ وَّ

کیا کہتے ہیں کہ گھڑ لایا ہے اس کو کہہ دیں لے آؤ تم دس سورتیں اس جیسی گھڑ کر اور

ادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾

بلا لو جسے بلا سکو تم سوا اللہ تعالیٰ کے اگر ہو تم سچے (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا کہتے ہیں؟ کہ آپ قرآن بنا لائے ہیں؟ آپ ان سے کہیں کہ اگر واقعی تم سچے ہو تو تم بھی اس جیسی دس سورتیں گھڑ کر لے آؤ اور اللہ تعالیٰ کے سوا (مدد کے لئے) جس کو بھی بلا سکو بلا لو۔ (۱۳)

تفسیر

اس آیت میں ہے کہ یہ مکہ کے مشرک کیا کہتے ہیں؟ کہ آپ پر قرآن وحی کے ذریعہ نہیں آیا بلکہ آپ نے خود ہی گھڑ لیا ہے آپ ان سے کہیں کہ آخر تم بھی تو عرب ہو اور فصاحت و بلاغت کے دعویدار ہو، تم سارا تو کیا صرف دس سورتیں ہی ایسی بنا لاؤ اور اگر اکیلے تم سے نہ بن سکیں تو سارے قابل لوگوں کو اکٹھا کر لو بلکہ جنہیں تم نے اللہ کے سوا اپنا کوئی معبود بنا رکھا ہے ان کی مدد بھی حاصل کر لو، اگر تم سچ مچ یہ سمجھتے ہو کہ یہ خود محمد نے گھڑا ہے تو پھر دیر کا ہے کی ہے تم بھی کوشش کرو اور سب کام چھوڑ کر اسی میں لگ جاؤ، اگر انسان ایسا کلام بنا سکتا ہے تو تم بھی بنا لو گے ورنہ پھر یہ غلط اعتراض ہے جس سے کچھ حاصل نہیں قرآن مجید میں کئی جگہ انکار کرنے والوں کا یہ شبہ اور اس کا جواب مختلف انداز سے دیا گیا ہے شروع میں کہا گیا کہ اگر تم اس قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں مانتے تو اس جیسا خود بنا کر دکھاؤ، اس کے بعد کہا گیا اچھا سارا نہیں تو دس سورتیں ہی بنا لاؤ جیسا کہ اس سورت میں ہے پھر "سورۂ یونس" اور "سورۂ بقرہ" میں کہا گیا کہ ایک ہی سورت اس جیسی بنا لاؤ اس کا جواب ان کے پاس کچھ نہ تھا۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس بنیاد پر قرآن پاک کی مثال لانے کو چیلنج کیا ہے؟ جس سے عرب کے لوگ عاجز رہے، اس کے جواب میں مفسرین کرام کے اقوال مختلف ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک کی مثال لانے میں فصاحت و بلاغت، علم اور معرفت کی باتیں، مصلحت، حکمت، دلیلوں اور حقیقتوں کے اعتبار سے معجز، یعنی: سب کو اس معاملے میں پچھاڑنے والا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام کمالات کے پیش نظر چیلنج کیا ہے کہ اس کی مثال لاکر دکھاؤ۔

پھر مانتے کیوں نہیں؟

فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰہِ وَ اَنْ

پس نہ پورا کریں کہنا تمہارا تو جان لو کہ اتارا گیا ہے ساتھ علم اللہ تعالیٰ کے اور یہ کہ

لَّآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾

نہیں معبود کوئی مگر وہی پس کیا تم حکم ماننے والے ہو (۱۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر اگر وہ تمہارا چیلنج قبول نہ کریں تو جان لیں کہ قرآن تو اللہ تعالیٰ کی وحی سے اترا ہے اور یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں پھر کیا اب تم حکم مانتے ہو؟ (۱۴)

تفسیر

اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ قرآن کریم نے ان مشرکوں سے جو چیلنج کیا ہے اگر یہ لوگ اس کا جواب نہ دے سکیں تو یقین کے ساتھ جان لینا چاہئے کہ بے شک یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے یہ اس کے حکم سے اترا ہے اور کسی انسان کا کلام نہیں ہے نہ تو یہ پیغمبر کا کلام ہے نہ کسی فرشتہ یا جن کا، بلکہ یقیناً یہ اللہ تعالیٰ کے علم سے اترا ہے مخلوق میں سے کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا، قرآن کریم کے اترنے کے زمانے

میں عربی زبان انتہائی بلندیوں پر تھی، عرب لوگ شعروشاعری، خطابت، کلام اور محاورے میں فصیح وبلیغ اور اپنی مثال آپ تھے، مگر کوئی بھی قرآن کریم کا چیلنج قبول نہ کرسکا، حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی حضرت اُنیس رضی اللہ عنہ بڑے پائے کے شاعر تھے، کہنے لگے میں نے بڑے بڑے شاعروں کا کلام سنا ہے، کاہنوں اور ساحروں کی بات سنی ہے مگر اللہ تعالیٰ کا کلام ان سب سے بلند ہے کوئی کلام بھی اس کا ہم پلہ نہیں۔

فرمایا: ایک بات یہ جان لو کہ! قرآن پاک اللہ تعالیٰ کے علم سے اتارا گیا اور دوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں، اس کے علاوہ کوئی دوسری ذات نہیں جو ایسا کلام اتار سکے، وہی مشکل کشا اور حاجت روا ہے، وہ حاکم، مختار کل اور قادر ہے، وہی سب کچھ جانتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی ایک اللہ کو مان کر اس کی مکمل پیروی کرو۔

جب ہر طرح سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ قرآن کریم اللہ پاک کا کلام ہے اسی لئے اخیر میں فرمایا کہ کیا تم فرمانبردار بنوگے یا اسی غفلت میں رہوگے؟

زندگی کا قانون

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ

جو | ہو | ارادہ کرتا | زندگی | دنیا کی کا | اور | ٹھاٹھ باٹھ اس کے | پورا پورا دیں گے ہم | ان کو

اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اعمال ان کے | میں اس | اور | وہ | میں اس | نہ | گھاٹا دیا جائے (۱۵) | یہی | وہ لوگ ہیں

لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَ حَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا

نہیں | واسطے ان کے | میں | آخرت | مگر | آگ | اور | اکارت گیا | جو | کیا تھا انہوں نے | میں اس

وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

اور | جھوٹا ہوا | جو کچھ | کہ تھے وہ | عمل کرتے وہ (۱۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہے گا ہم دنیا ہی میں ان کو ان کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیدیں گے اور اس بدلہ چکانے میں ان کے ساتھ کچھ کمی نہیں کی جائے گی ، یہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا اور جو کچھ انہوں نے یہاں کیا تھا وہ برباد ہوا جو کمایا تھا وہ سارا برباد ہو گیا۔ (۱۶)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جو شخص صرف دنیا کی زندگی اور اس کی رونق کا ارادہ کرتا رہا تو ہم اس کے عملوں کا بدلہ دنیا ہی میں پورا دیدیتے ہیں ان کے لئے دنیا میں کچھ کمی نہیں ہوتی یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں دوزخ کے سوا اور کچھ نہیں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ یاد رکھو! بعض کافر اور مشرک جو بھی اچھا کام کرتے ہیں رفاہ عامہ کے کام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں، سرائیں، سڑکیں اور ہسپتال بناتے ہیں، غریبوں کی مدد کرتے ہیں، مظلوم کی دل جوئی کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ ان کے ان اچھے کاموں کا بدلہ دنیا میں ہی عطا کر دیتا ہے، رزق میں کشادگی ملتی ہے، عزت، شہرت، حکومت اور طاقت آتی ہے، مگر جب وہ آخرت میں جائیں گے تو ایمان سے خالی ہونے کی وجہ سے وہاں ان کے لئے کچھ نہیں ہوگا، جو کوئی دنیا کی زندگی اور اس کی رونق چاہے گا ہم اسے یہیں دیدیں گے، اور اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک موقع پر چٹائی پر آرام فرما رہے تھے، اور آپ کے جسم پر چٹائی کے نشان پڑ گئے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حالت دیکھی تو عرض کیا، اے اللہ کے پیغمبر! قیصر و کسریٰ کو بڑے آرام و سہولت کے سامان حاصل ہیں مگر آپ اللہ تعالیٰ کے برحق پیغمبر ہو کر اتنی تکلیفیں برداشت کرتے ہیں، آپ اپنے لئے اور امت کی خوشحالی کے لیے دعا فرمائیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر اٹھ کر بیٹھ گئے، اور فرمایا: اے خطاب کے بیٹے! کیا تو اسی خیال میں ہے؟ یہ تو ایسے لوگ ہیں جنہیں ان کی اچھائیوں کا بدلہ اسی دنیا میں دے دیا گیا ہے کیا تمہیں یہ بات پسند نہیں

کہ ان کو دنیا میں ملے اور ہمیں آخرت میں اچھا بدلہ ملے؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حقیقت معلوم ہوگئی۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: وہ ایسے لوگوں کو، یعنی: ہر کافر و مشرک کو ان کے اچھے عملوں کا بدلہ اسی دنیا میں دیدیتا ہے اور ایمان والوں کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں کھانے پینے کے لئے بھی دیتا ہے مگر جب وہ آخرت میں پہنچیں گے تو انہیں پورا پورا بدلہ ملے گا، اور ایک ایک عمل کے بدلے میں بہت بڑا ثواب ملے گا، گویا اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا میں بھی دیتا ہے کسی کو کم اور کسی کو زیادہ مگر کافروں کی نیکیوں کا سارا بدلہ انہیں اسی دنیا میں مل جاتا ہے اور وہ آخرت سے محروم رہتے ہیں، کیونکہ آخرت کا دارومدار ایمان پر ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ: اس آیت میں فرمایا گیا کہ جو لوگ کفر و شرک کرتے ہیں اور دنیا کی زندگی کو آخرت کی راحت پر ترجیح دیتے ہیں ان کو ان کے نیک کاموں کا بدلہ دنیا میں ہی دیدیا جاتا ہے اور آخرت میں ان کے لئے دوزخ کی آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا، اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا وہ ضائع ہو گیا، یعنی: دنیا کے تمام اچھے کام آخرت کے اعتبار سے ضائع ہو گئے، آخرت میں ان کو کچھ بدلہ نہ ملے گا

"سورۂ بنی اسرائیل" میں ہے کہ جس نے آخرت میں اجر و ثواب ملنے کا ارادہ کیا اور پھر اس کے لئے کوشش اور محنت بھی کی اور اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر پر ایمان بھی رکھتا ہے تو پھر ان کی محنت کی قدر کی جائے گی ان کو ان کے عملوں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور جو شخص ایمان سے خالی ہے وہ کتنا بڑا نیکی کا کام کرے، اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا، کافر و مشرک کے پاس چونکہ ایمان نہیں ہے، اس لئے ان کے تمام اچھے کام بھی ضائع ہو گئے اور آخرت میں انہیں دوزخ کی آگ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

کافر و مشرک کو دنیا میں نعمت کیوں ملتی ہیں؟

اسلام کے مخالفوں کو جب اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا جاتا تھا تو اپنے نیک کاموں کا حوالہ دیتے تھے کہ بھئی ہم تو خیرات و صدقات اور دوسرے نیک کام کرتے رہتے ہیں ہم پر عذاب کیسا؟ اور آج تو بہت سے ناسمجھ مسلمان بھی اس شبہ میں نظر آتے ہیں کہ جو کافر ظاہری عملوں و اخلاق کو درست رکھتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی

خدمت اور خیرات وصدقات کرتے ہیں اور رفاہی کام کرتے ہیں مثلاً سڑکیں، پل، شفاخانے، پانی کی سبیلیں بناتے اور چلاتے ہیں، ان کو مسلمانوں سے اچھا جانتے ہیں اس آیت میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔

کہ کسی بھی اچھے کام کا اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور نجات کا ذریعہ ہونے کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کیا گیا ہو اور اللہ تعالیٰ کے لئے کرنا وہی معتبر ہے جو اس کے پیغمبر کے بتلائے ہوئے طریقہ پر کیا گیا ہو، جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر پر ایمان ہی نہیں رکھتا اس کے تمام عمل واخلاق ایک بے روح ڈھانچہ ہے جس کی شکل وصورت تو اچھی بھلی ہے مگر روح نہ ہونے کی وجہ سے آخرت میں اس کا کوئی وزن اور اثر نہیں ہوگا، البتہ دنیا میں چونکہ اس سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور ظاہری صورت کے اعتبار سے وہ نیک عمل ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال عدل وانصاف کی بناء پر اس عمل کو بھی بالکل ضائع نہیں قرار دیا بلکہ اس کے کرنے والے کے پیش نظر جو مقصد تھا کہ دنیا میں اس کی عزت ہو لوگ اس کو سخی، کریم، بڑا آدمی سمجھیں، دنیا کی دولت تندرستی اور راحت نصیب ہو، اللہ تعالیٰ اس کو یہ سب کچھ دنیا میں ہی دیدیتے ہیں آخرت کا تصور اور وہاں کی نجات اس کے پیش نظر ہی نہ تھی اور نہ اس کا بے روح عمل وہاں کی نعمتوں کی قیمت بن سکتا تھا اس لئے ان عملوں کا وہاں کچھ عوض نہ ہوگا اور کفر وشرک کی سزا میں دوزخ کی آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔

دین فطرت

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ

کیا پس وہ شخص جو ہے پر راستے طرف سے رب اپنے کی اور تلاوت کرتا ہے اس کو ایک گواہ سے طرف اس کی اور سے

قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ

پہلے اس کتاب موسیٰ کی جو امام اور رحمت ہے یہی لوگ مانتے ہیں قرآن کو اور جو

يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ

انکار کرے اس کا سے ہے فرقوں پس آگ ٹھکانا ہے اس کا پس مت ہوں آپ میں شک

مِّنْهُ ۚ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾

سے اس تحقیق وہ حق ہے طرف سے رب آپ کے کی اور لیکن اکثر لوگ نہیں ایمان لاتے (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ: تو کیا وہ شخص جو اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل پر قائم ہو، اس کے بعد (اس کی تائید وتصدیق میں) ایک گواہ بھی اس کے رب کی طرف سے آ گیا ہو اور اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب بھی بطور گواہ اور رحمت کی موجود ہے (تو کیا ایسا شخص ان لوگوں کی طرح ہو سکتا ہے جو حق کا انکار کرتے ہیں) ایسے لوگ تو اس پر ایمان ہی لائیں گے اور سب گروہوں میں جو بھی کوئی اس (قرآن) کا انکار کرے گا تو دوزخ ہی (اس کا ٹھکانہ اور) اس کے وعدے کی جگہ ہو گی پس اس کتاب کے بارے میں کسی شک میں نہ پڑیں بے شک یہ آپ کے رب کی جانب سے قطعی طور پر حق ہے لیکن اکثر لوگ مانتے نہیں۔ (۱۷)

تفسیر

اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مخلص مسلمانوں کا حال ان لوگوں کے مقابلہ میں پیش کیا گیا جن کا مقصد رف دنیا ہے تا کہ دنیا دیکھ لے کہ یہ دو گروہ برابر نہیں ہو سکتے، پھر ان کا یہ حال بیان کر کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قیامت تک کے لئے پیغمبر ہونا اور جو شخص آپ پر ایمان نہ لائے خواہ عمل کچھ بھی کرے اس کا گمراہ اور دوزخی ہونا بیان فرمایا ہے۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ: ارشاد ہے کہ دنیا پر لٹو ہو جانے والوں کا حال تم نے سنا اب اس شخص کی طرف بھی دیکھو جو اپنے رب کی دی ہوئی اندرونی روشنی سے زندگی کا صاف راستہ دیکھ لیتا ہے پھر اسے قرآن حکیم جیسی عظیم الشان کتاب مل جاتی ہے پھر وہ دیکھتا ہے کہ اور آسمانی کتابیں بھی (جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی "تورات" رہنمائی اور انسانی ہمدردی میں نمایاں ہے) یہی کہتی ہیں، ان سب باتوں سے اسے یقین ہو جاتا ہے کہ قرآن حکیم ہی ایک ایسی کتاب ہے جو انسان کو اس کی فطرت کے مطابق چلانا چاہتی ہے، وہ اس پر ایمان لاتا ہے

اوراس کی ہدایتوں کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے شامل حال ہوتی ہے یہی لوگ ہیں جو اس کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں، اس کتاب کو پیشوا اور مقتدا مانتے ہیں اور پھر فطرت کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کو تسلیم کرتے ہیں۔

اس کے برخلاف جو کوئی کفر کرے گا اور قرآن کریم کا انکار کرے گا، تو اس کے وعدے کی جگہ دوزخ ہوگی، ایسے شخص کے لئے دوزخ کا وعدہ کیا گیا ہے، اور وہ وہیں پہنچے گا حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص میرے بارے میں سن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لے آئے ہیں اور آپ نے ہدایت کی طرف بلایا ہے خواہ وہ کسی بھی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اگر وہ مجھ پر ایمان نہ لایا تو فرمایا کہ وہ دوزخ میں داخل ہوگا، وہ کتنی بھی عبادت کرتا ہو، صدقہ خیرات کرتا ہو، رفاہ عامہ کے کام کرتا ہو، مگر ایمان کے بغیر اس کی کوئی نیکی کام نہیں آئے گی اور ایسا شخص دوزخ میں پہنچے گا۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عبد اللہ بن عباس رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور قرآن کریم کے مفسر ہیں، وہ فرماتے ہیں، کہ میں جب بھی کوئی حدیث سنتا ہوں تو اس کے موافق مضمون قرآن میں پاتا ہوں، ظاہر ہے کہ تمام صحیح حدیثوں کا مصداق قرآن میں موجود ہونا چاہئے فرمایا کہ جب میں نے اوپر والی حدیث سنی کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر تمام یہودیوں اور نصرانیوں کو دوزخ میں جانا ہوگا تو میں نے اس کے موافق مضمون قرآن میں تلاش کیا آخر کار اس حدیث کے مطابق مجھے یہی آیت نظر آئی ''وَ مَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ'' گویا ایمان سے محروم شخص کا تعلق کسی مذہب یا دنیا کے کسی خطے سے ہو اسے نجات حاصل نہیں ہوسکتی۔

فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ: (آپ کو اس بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہونا چاہئے) یہ خطاب تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو کسی شبہ کا احتمال نہیں ہوسکتا البتہ یہ بات عام لوگوں کو سمجھائی جارہی ہے کہ ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کی بات میں کوئی تردد نہیں ہونا چاہئے کہ قرآن کریم اللہ پاک کا سچا کلام ہے، اس کا انکار کرنے والا لازماً دوزخ میں جائے گا فرمایا یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے مگر اکثر لوگ ایمان قبول نہیں کرتے

آج کی دنیا میں بھی یہی صورت حال ہے۔

"صحیح مسلم" میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: قسم ہے! اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ جو یہودی یا نصرانی میری دعوت کو سنے اور اس کے باوجود میری لائی ہوئی تعلیمات پر ایمان نہ لائے تو وہ دوزخیوں میں سے ہوگا۔

اس سے ان لوگوں کی غلط فہمی دور ہو جانی چاہئے جو بہت سے یہودی و نصرانی یا دوسرے مذہب کے پیروؤں کے بعض ظاہری عملوں کی بناء پر ان کو حق پر کہتے ہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پاک پر ایمان کے بغیر صرف ظاہری عملوں کو نجات کے لئے کافی سمجھتے ہیں، یہ قرآن مجید کی اس آیت اور حدیث کی اس صحیح روایت سے کھلم کھلا ٹکراؤ ہے۔

احکام ومسائل

وَ يَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ: مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لفظ "شَاهِدٌ" سے قرآن کریم مراد ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے اور خدا تعالیٰ کے ایک ہونے اور اچھی فطرت کی گواہی دیتا ہے بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ "شَاهِدٌ" سے مراد پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ایک معبود برحق ہونے کی گواہی دیتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ پیغمبر کا مبارک وجود اور آپ کا چہرۂ انور "شَاهِدٌ" یعنی گواہ ہے کہ اس کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے ایک برحق معبود ہونا سمجھ میں آجاتا ہے، چنانچہ حضرت عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ کی نورانیت اور رونق کو پہلی نظر میں دیکھ کر ہی کہہ دیا تھا کہ یہ (پرنور) چہرہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں ہوسکتا، غرضیکہ پیغمبر کی ذات، اس کی آواز، اس کے معجزات اور آپ کی زندگی ساری کے ساری اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کی گواہ ہیں۔

بعض فرماتے ہیں "شَاهِدٌ" سے مراد دین کا وہ مزا اور نور ہے جو مؤمن اپنے اندر پاتا ہے مؤمن اس حق

دین پر ہوتا ہے جو قرآن وسنت میں موجود ہے، وہ اس پر یقین رکھتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے یہ اللہ کی جانب سے مزید تائید ہے کہ مؤمن اپنے اندر قرآن پاک کی مٹھاس محسوس کرتا ہے اور یہی اس کے لئے بطور گواہ ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ ''شَاهِدٌ'' سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں جو اللہ تعالیٰ کا کلام پیغمبر تک لانے پر متعین ہیں اور اسی مناسبت سے ''یَتْلُوْهُ'' کا ترجمہ تلاوت کرتے ہیں کے ہیں، یعنی جبرائیل علیہ السلام یہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر کے پاس لاکر تلاوت کرتے ہیں، چنانچہ آیت میں موجود لفظ ''بَيِّنَةٍ'' کا اصل مصداق قرآن پاک ہے اور اس کو لانے والے جبرائیل علیہ السلام اس کے گواہ ہیں۔

ظالم کون؟

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ؕ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ
اور کون زیادہ ظالم ہے سے اس جو باندھے گا پر اللہ تعالیٰ کے جھوٹ وہ لوگ پیش کئے جائیں گے

عَلٰى رَبِّهِمْ وَ يَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى
پر رب اپنے اور کہیں گے گواہ یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ بولا پر

رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ
رب اپنے آگاہ ہو لعنت ہے اللہ کی پر ظلم کرنے والوں (۱۸) وہ جو روکتے ہیں سے

سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾
راستے اللہ کے اور تلاش کرتے ہیں اس میں ٹیڑھا پن اور وہی آخرت کا بالخصوص انکار کرنے والے ہیں (۱۹)

اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِى الْاَرْضِ وَ مَا كَانَ لَهُمْ
وہ لوگ نہیں ہیں تھکانے والے میں زمین اور نہیں ہے واسطے ان کے

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ؕ مَا كَانُوْا
سوا اللہ تعالیٰ کے کوئی حمایتی دوگنا کردیا جائے گا واسطے ان کے عذاب نہیں تھے وہ

وقف لازم

يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَ مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ۝۲۰

طاقت رکھتے سننے کی اور نہ تھے وہ دیکھتے (۲۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے وہ لوگ اپنے رب کے روبرو آئیں گے اور گواہی دینے والے کہیں گے یہی ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ کہا تھا، سنو! اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے بے انصاف لوگوں پر۔(۱۸) جو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہیں اور اس میں ٹیڑھ پن تلاش کرتے ہیں اور آخرت کا انکار کرنے والے یہی لوگ ہیں۔(۱۹) یہ لوگ زمین میں بھاگ کر ہمیں تھکانے والے نہیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں ان کے لئے دہرا عذاب ہے نہ وہ سننے کی طاقت رکھتے تھے اور نہ وہ دیکھ پاتے تھے۔(۲۰)

تفسیر

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والوں سے زیادہ کوئی ظالم نہیں ہوسکتا یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے، ایک دن آنے والا ہے جب سب کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا پڑے گا، اور گواہی دینے والے کہیں گے یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا اور گواہی دینے والے فرشتے ہوں گے جو انسانوں کے عمل لکھتے ہیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ: سن لو کہ! ظلم کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہے، لعنت کا معنیٰ خدا کی رحمت سے دوری ہے، لہٰذا جھوٹ باندھنے والے افراد اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونگے۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا: ارشاد ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو (معاذ اللہ) جھوٹا کہہ کر بہت سی بیہودہ باتوں میں پھنس گئے ہیں یہ خود تو ڈوبے ہی تھے اوروں کو لے ڈبونے کی بھی کوشش کررہے ہیں، یہ لوگ قرآن مجید کو نہ مان کر اس سیدھے راستے سے بھٹکے جو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسان کے لئے مقرر کیا ہے پھر اپنی بات کی ضد پڑ گئی تو دوسروں کو بھی اس پر چلنے سے روکنے لگے، اللہ تعالیٰ کے صحیح

راستے پر اعتراض کرتے ہیں، خدا کے سچے دین میں شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں تاکہ لوگ اس سے بدظن ہوجائیں، یہ لوگ سیدھے راستے کو چھوڑ کر ٹیڑھی گلیوں میں گھس جاتے ہیں اور دوسروں کو بھی لالچ دھوکا، دھمکی دے کر اور خوشامد کر کے انہی میں گھسیٹنا چاہتے ہیں، ان پر دنیا نے کچھ ایسا جادو کر دیا ہے کہ آخرت کی طرف ان کا دھیان ہی نہیں جاتا، اگر کوئی اس کی طرف توجہ دلاتا ہے تو اس کو مکار، فریبی، شہرت چاہنے والا، جانے کیا کیا کہتے ہیں۔

وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ: یہ لوگ آخرت کا بھی انکار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ قیامت نہیں آئے گی اور نہ ہم سے ہمارے کئے ہوئے کاموں کا حساب کتاب ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: کافر، مشرک اور منکر جو کچھ بھی کریں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ارادے کو زمین میں عاجز نہیں کر سکتے اور نہ اس کے کسی ارادے کو ناکام بنا سکتے ہیں ایک دوسرے کے خلاف تو یہ سازش کر کے ایک دوسری کی ٹانگ کھینچتے رہتے ہیں کبھی کامیاب ہوجاتے ہیں اور کبھی ناکام ہوتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی کوئی غلط کوشش کامیاب نہیں ہوسکے گی۔

وَ مَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۘ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ: اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ اچھا یہ جاتے کہاں ہیں؟ زمین کا کوئی حصہ انہیں پناہ نہ دے سکے گا، یہ ہمیں بھاگ بھاگ کر اور چھپ چھپا کر تھکا نہیں سکتے، نہ عاجز کر سکتے ہیں، یہ جہاں جا کے چھپیں گے، ہم انہیں کھینچ لائیں گے، ان کا کوئی یار ومددگار، ساتھی ہمارے ہاتھ سے انہیں نہیں بچا سکتا، ان کو دگنا تگنا عذاب دیا جائے گا اس لئے کہ ایک تو انہوں نے کفر، شرک اور دوسرے بڑے بڑے گناہ خود کئے اور دوسرا اس لئے کہ انہوں نے دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَ مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ: ان میں اتنی طاقت نہیں تھی کہ وہ سچی بات کو سنتے اور یہ اس کو دیکھتے بھی نہیں، مطلب یہ ہے کہ انہوں نے عقیدوں اور عمل کے اعتبار سے اپنے آپ کو ایسا بنا لیا تھا کہ وہ نہ حقیقت کو سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے۔

عملوں کا پھل

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ ضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا
یہ وہ ہیں جنہوں نے برباد کیا جانوں اپنی کو اور گم ہوگیا سے ان جو تھے

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾
تراشتے وہ (۲۱) نہیں ہے شک کہ وہ میں آخرت وہی ہیں سب سے زیادہ خسارے والے (۲۲)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ
تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور کئے نیک کام اور عاجزی کی سامنے رب اپنے کے

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾
وہی لوگ والے ہیں جنت کے وہ میں اس ہمیشہ رہیں گے (۲۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہی ہیں جو اپنی جان کھو بیٹھے اور گم ہوگیا ان سے جو جھوٹ باندھا تھا۔ (۲۱) اس میں شک نہیں کہ یہی لوگ آخرت میں سب سے زیادہ نقصان میں ہیں۔ (۲۲) البتہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کئے اور عاجزی کی اپنے رب کے سامنے، وہ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہا کریں گے۔ (۲۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ یہ لوگ دنیا کی ظاہری ٹیپ ٹاپ دیکھ کر اس پر فدا ہو رہے ہیں، خوب اپنی خواہشیں پوری کیں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کی جان مصیبت میں پھنس جائے گی، لازمی بات ہے کہ آخرت میں سب سے زیادہ خسارے میں یہی لوگ رہیں گے، دنیا کے عارضی سامان پر لات مار کر جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائیں گے، اس کے کہنے کے مطابق نیک کام کریں گے، اور اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان کر اس کے سامنے عاجزی کے ساتھ جھکیں گے

ان لوگوں کو آخرت میں رہنے کے لئے جنت ملے گی اور ہمیشہ وہیں رہا کریں گے، یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے دوزخ کی آگ سے اپنی جان بچالی۔

اَنَّھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ ھُمُ الْاَخْسَرُوْنَ: یہ لوگ آخرت میں بہت بڑا نقصان اٹھانے والے ہوں گے، ظاہر ہے کہ جو لوگ بھی گمراہ ہوئے، دوسروں کو بھی گمراہ کیا، ان کے لئے اس سے بڑھ کر کیا خسارہ ہوگا کہ وہ دہری سزا کے حقدار ہوں گے۔

قرآن کریم میں عام طور پر جہاں منکروں کا اوران کے انجام کا ذکر ہوا ہے اس کے ساتھ ایمان والوں اور ان کے انعامات کا ذکر بھی ہے، اس جگہ پر بھی جھوٹ باندھنے والوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کا ذکر کیا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ: وہ لوگ جو ایمان لائے سب سے پہلے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کو مانا، پھر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور اللہ تعالیٰ کی وحی پر ایمان لائے، فرشتوں پر یقین کیا، تقدیر پر اور اچھے برے کاموں پر، جزا اور سزا کو مانا، ان سب باتوں کی دل سے تصدیق کی اور اس کے ساتھ ساتھ نیک عمل بھی انجام دیئے۔

بنیادی طور پر عبادتیں نماز، روزہ، حج اور زکوۃ ہیں، صحیح حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص کا عقیدہ صحیح ہوگا اور وہ یہ چار عبادتیں ادا کرے گا وہ ضرور جنت تک پہنچے گا، اس کے علاوہ انسانی ہمدردی، غریب پروری، صدقہ خیرات وغیرہ سب نیک عمل ہیں، فرمایا جو یہ انجام دیں گے اور جنہوں نے غرور اور تکبر کے بجائے خدا کے سامنے عاجزی کا اظہار کیا، اس کے ایک ہونے کو مانا، اس کے پیغمبر اور قرآن کریم پر ایمان لائے اور پھر اس کے سامنے خشوع وخضوع کیا، یہی لوگ جنت والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

دونوں کی مثال

مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَ الْاَصَمِّ وَ الْبَصِيْرِ وَ السَّمِيْعِ ؕ هَلْ

مثال | ان دونوں فریقوں کی | جیسے اندھا | اور | بہرہ | اور | دیکھنے والا | اور | سننے والا | کیا

يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ ع۱۶

برابر ہیں دونوں گروہ | حالت میں | کیا پس نہیں | غور کرتے تم (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ان دونوں فریقوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک تو اندھا اور بہرہ ہے اور دوسرا دیکھنے والا اور سننے والا ہے، کیا دونوں گروہ کا حال برابر ہے؟ پھر کیا تم غور نہیں کرتے۔(۲۴)

تفسیر

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں اللہ تعالیٰ کے ایک برحق معبود ہونے کا اعلان کیا اور لوگوں سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اسلام کو دین مقرر کیا ہے اس پر چلو، اپنے گھڑے ہوئے معبود کو چھوڑ و، پرانی غلط رسموں کو ترک کرو، اور اسلام کے بتائے ہوئے طریقے پر سب اکٹھے ہو جاؤ، یہ ایک سیدھا سادہ پیغام تھا اگر مان لیتے تو یقیناً بغیر خون خرابے کے ان کی زندگی سنور جاتی، لیکن انہوں نے نہ مانا، نتیجہ یہ ہوا کہ دو فریق پیدا ہو گئے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ جو آپ کی بات مانے اس کی دل جوئی کریں اور جو ماننے کے لئے تیار نہ ہو اس کو سمجھائیں۔

اس آیت میں اللہ پاک نے نیک اور برے آدمی کے حال کو ایک مثال سے سمجھایا ہے، کہ ان دونوں گروہوں کی مثال ایسی ہے جیسے اندھا اور بہرہ اور دیکھنے والا اور سننے والا، ایک گروہ وہ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، ان کی مثال اندھے اور بہرہ جیسی ہے، جو نہ حق کو دیکھتے ہیں اور نہ اسے سنتے ہیں، دوسرا گروہ ایمان، نیکی اور عاجزی والا ہے، جس کی مثال دیکھنے والے اور سننے والے کی ہے، کیا یہ دونوں گروہ برابر ہیں، ظاہر ہے کہ اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتے اور اسی طرح بہرہ اور سننے والا برابر نہیں ہو سکتا ہے، کافر لوگ اندھوں اور

بہروں کی طرح ہیں، جو نہ حق بات کو دیکھتے ہیں اور نہ سنتے ہیں اس کے برخلاف مؤمن آدمی حقیقت کو دیکھتا بھی ہے اور اسے سنتا بھی ہے، اللہ تعالیٰ نے "سورۃ حج" میں فرمایا ہے کہ ان بدخصلت لوگوں کی ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ ان کے دلوں کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں اور وہ دل کی روشنی سے محروم ہوتے ہیں، وہ حقیقت کو پا ہی نہیں سکتے، اگر دل کی آنکھوں سے دیکھتے تو پیغمبر کی ذات کو پہچان لیتے، حق کو پالیتے، مگر ان کے دل کی آنکھیں اندھی ہیں اس لئے وہ حق کو دیکھ نہیں سکتے، ان کے دل کے کان بہرے ہیں جو اچھی بات کو نہیں سن سکتے، ہاں جس کے دل میں ایمان کا نور اور توحید کا نور ہے ایسا شخص برحق دین کو فورا پہچان لیتا ہے، اور پھر اپنی ہمت کے مطابق اس پر عمل پیرا ہوتا ہے، فرمایا کیا ان دونوں کی مثالیں برابر ہوسکتی ہیں؟ ہرگز نہیں۔

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ: کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ کیا حق کی طرف تمہارا میلان نہیں ہوتا؟

نوح علیہ السلام کا پیغام

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾

اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح کو طرف قوم اس کی بے شک میں تمہیں ڈرانے والا ہوں کھلم کھلا (۲۵)

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾

کہ نہ عبادت کرو مگر اللہ تعالیٰ کی تحقیق میں ڈرتا ہوں پر تم عذاب سے ایک دن دکھ دینے والے کے (۲۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اور ہم نے نوح علیہ السلام کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ میں تم کو ڈر کی بات کھول کر سناتا ہوں ۔ (۲۵) کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی پوجا نہ کرو میں تم پر دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں ۔ (۲۶)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے نوح علیہ السلام کی قوم کی طرف نوح کو پیغمبر بنا کر بھیجا تا کہ وہ ہمارا پیغام انہیں سنا دے،

کہا کہ میں تمہیں صاف صاف لفظوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈر سنانے آیا ہوں، کیونکہ تم غلط راستے پر چل رہے ہو اور اس کا انجام تمہارے لئے اچھا نہ ہوگا، سنو! بتوں کی پوجا مت کرو، اور اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو، اس کو اپنا معبود مانو اور اس کے سوا کسی کے آگے نہ جھکو، نہ اس کے سوا کسی کی حمد وثنا کرو، اور اسی کا ہی شکر ادا کیا کرو، ان بتوں نے تمہیں کچھ نہیں دیا اور نہ ان لوگوں نے کچھ دیا جن کی شکل پر تم نے یہ بت بنا کر رکھے ہیں تمہارے پاس جو کچھ ہے سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے؛ اس لئے اسی کی عبادت کرو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تمہیں خبردار کرتا ہوں کہ ایک ہولناک دن آنے والا ہے جس میں تمہارے سارے کاموں کا حساب لیا جائے گا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منہ موڑ کر ان بتوں کی عبادت اور پوجا کرنے کے بدلے تمہیں عذاب میں ڈالا جائے گا۔

جن لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام سمجھا رہے ہیں انہیں چاہئے تھا کہ عقل سے کام لیتے اور سوچتے کہ واقعی یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں لیکن ان کی عقل ٹیڑھی تھی سیدھی نہ ہوئی۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی تاریخ کا ایک حصہ بیان ہوا ہے ہر پیغمبر کی تعلیم میں یہ بات ذکر کی گئی کہ انہوں نے اپنی اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، گویا ایک معبود برحق کا پیغام دینے کے لئے اس مبارک سورت میں اللہ تعالیٰ نے کئی پیغمبروں کا ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے تبلیغ کے فریضہ کو کس طرح ادا کیا، توحید کے عقیدہ کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا اور پھر لوگوں نے اپنے پیغمبروں کو کیا جواب دیا اور ان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ یہاں پر پیغمبروں کی تاریخ کا اہم ترین حصہ آ گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے اللہ تعالیٰ کے تین پیغمبر گزرے ہیں، حضرت آدم علیہ السلام اس زمین پر پہلے انسان اور پہلے پیغمبر تھے، آپ کے بعد آپ کے بیٹے شیث علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہوئے اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں کئی نسلوں کے بعد اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت ادریس علیہ السلام پیدا ہوئے، لیکن حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے شیث علیہ السلام کے دین میں صرف توحید وغیرہ کی تعلیم تھی اس کے علاوہ پاکی، نماز، روزہ وغیرہ عبادتیں بھی تھیں مگر تفصیلی شرعی

احکام نہیں تھے، بلکہ زیادہ تر دنیا کی آبادی کے مسئلے تھے، پھر جب حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی کے ذریعہ دنیا کی آبادی کی ضرورتوں کی بہت سی چیزیں سکھائیں، چنانچہ کپڑے سینے کی سوئی اور دوسرے اوزار حضرت ادریس علیہ السلام نے ایجاد کئے اللہ تعالیٰ نے ان پر کئی صحیفے اتارے، ظاہر ہے کہ ان میں بنیادی عقیدوں کی تعلیم تو ضرور ہوگی، جن میں توحید، طہارت، نماز، روزہ وغیرہ شامل ہیں، اس کے علاوہ کھیتی باڑی میں استعمال ہونے والے آلات، برتن بنانے اور کپڑے بننے کا ہنر بھی شامل ہیں البتہ تفصیلی شرعی احکام نوح علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہوئے۔

اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ: اس آیت میں حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ اور اللہ تعالیٰ کے پیغام پہنچانے کو بیان کیا جارہا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ: اے میری قوم! میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں کھول کھول کر ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا گیا ہوں، یعنی: میں تمہیں تمہارے برے انجام سے خبردار کر رہا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو چھوڑ دو اور اس کے برحق معبود ہونے کو مان لو اور یہ کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو۔

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو تین باتیں کہلوائی ہیں، ان میں بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگو اور اس کے سامنے توبہ کرو، غرضیکہ اسی عقیدہ توحید کی تبلیغ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے سارے پیغمبر بھیجے اس فریضہ کو پیغمبروں نے کس طرح انجام دیا، اس کی تفصیلات پڑھنے سے پیغمبروں کی بلند ہمتی اور ان کی تکلیفیں برداشت کرنے کا حال معلوم ہوتا ہے تمام پیغمبروں نے اپنی اپنی قوموں کو توحید کی دعوت دی، کفر و شرک کی خرابی کو بیان کیا اور لوگوں کو ان کے برے انجام سے آگاہ کیا۔

توحید کی دعوت دیتے وقت حضرت نوح علیہ السلام نے قوم کو یہ بھی بتایا میں تم پر دردناک دن کے عذاب سے ڈرتا ہوں، میں اس دن کی مشکلات سے تمہیں ڈراتا ہوں جس دن بڑا دکھ اور درد ہوگا، یہ نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا پہلا حصہ ہے اور اس کے بعد قوم کا جواب آرہا ہے، آپ کی تبلیغ کا باقی حصہ آگے آئیگا۔

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایمان کی طرف بلایا تو قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کو پیغمبر ماننے سے انکار کر دیا اور کچھ شبہات اور اعتراضات کئے، حضرت نوح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کے جوابات دیئے جس میں کئی فائدے کی باتیں بھی آ گئی ہیں۔

قوم کا جواب

فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا

پس کہا سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا کے قوم اس کی نہیں دیکھتے ہیں ہم تجھے مگر ایک آدمی اپنے جیسا

وَ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ

اور نہیں دیکھتے ہیں ہم تجھے کہ تابعداری کی ہو تیری مگر انہوں نے جو خاص طور پر نیچ لوگ ہیں ہمارے سطحی رائے والے

وَ مَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾

اور نہیں دیکھتے ہم لئے تمہارے اوپر اپنے کوئی فضیلت مگر ہم تو گمان کرتے ہیں تم کو جھوٹا (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (اس کے جواب میں) آپ کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تو تم کو اپنے ہی جیسا ایک بشر (اور انسان) دیکھتے ہیں اور ہمیں تمہاری پیروی کرنے والے بھی بس وہی لوگ نظر آ رہے ہیں جو کہ ہم میں سب سے گھٹیا ہیں وہ بھی محض سرسری نظر سے اور ہمیں اپنی نظر میں تمہارے لئے کوئی بڑائی نظر نہیں آتی بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔ (۲۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ نوح علیہ السلام کی بات کو اس کی قوم نے کوئی وقعت نہ دی کہا تو یہ کہا کہ تو بھی ہمارے جیسا انسان ہے، ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، لباس پہنتا ہے، بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، بیوی بچے رکھتا ہے۔

اور ہم اپنے جیسے انسان کو پیغمبر نہیں مان سکتے "سورۂ قمر" میں ثمود کی قوم کے واقعہ میں آتا ہے کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ کیا ہم اپنے میں سے ایک انسان کے پیچھے لگ جائیں؟ اگر ایسا کریں گے تو ہم گمراہی اور دیوانگی میں پڑ جائیں گے، صالح میں ہم سے زیادہ کونسی خوبی ہے جس کی بناء پر اسے اللہ تعالیٰ کا پیغمبر مان لیں۔

پھر جن لوگوں نے اب تک تجھے مانا ہے وہ بھی نیچ ذات کے ہیں کوئی بڑی حیثیت والے لوگ نہیں، پھر تم لوگوں کی جماعت نے کوئی نمایاں کام بھی کر کے نہیں دکھایا جس سے ہم تم کو اپنے سے بڑا سمجھیں صاف بات یہ ہے کہ ہم تو تم کو جھوٹا سمجھتے ہیں تم نے ایک نیا طریقہ اس لئے گھڑا ہے کہ کچھ نام اور شہرت حاصل کر و لیکن ہُوا ہَوا ایا کچھ نہیں۔

معلوم ہوتا ہے کہ ذات پات کا فرق انہی لوگوں سے چلا اور بت پرستی بھی انہی سے نکلی، کیونکہ انہوں نے ایک طبقہ کو بڑا مانا اور ان کے بعد ان کی مورتیاں بنالیں جن کی آہستہ آہستہ پوجا ہونے لگی۔

انسان ہونا اور غریب ہونا یہ دونوں باتیں ہمیشہ پیغمبر کو ماننے میں رکاوٹ رہی ہیں اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مختلف طریقوں سے دیا ہے، کہیں فرمایا، کوئی سمجھ داری کی بات کرو، اگر زمین میں فرشتے ہوتے تو ہم فرشتوں کو پیغمبر بنا کر بھیج دیتے، جب زمین میں انسان آباد ہیں تو پھر ان کے پاس پیغمبر بھی انسانوں میں سے ہی آئے گا، ظاہر ہے کہ کسی حکم پر عمل درآمد کے لئے کسی نمونے کی ضرورت ہوتی ہے اور ایک انسان کے لئے انسان ہی نمونہ ہوسکتا ہے اگر انسان کی راہنمائی کے لئے کسی جن یا فرشتے کو پیغمبر بنا کر بھیجا جائے تو وہ کیسے پیروی کر سکیں گے، جنات انسان کی نسبت بڑی طاقتور مخلوق ہے، اسی طرح فرشتے بھی ان سے بھی زیادہ طاقتور مخلوق ہیں، انہیں کھانے پینے کی ضرورت نہیں اور وہ مشکل کام بھی کر سکتے ہیں مگر ہم ان کی پیروی کیسے کر سکتے ہیں؟ پیروی تو جبھی ہوگی، جب اپنے جیسا آدمی کوئی کام کر کے دکھائے۔

جب مدینہ کے گرد خندق کھودی جا رہی تھی، تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا بھی دکھایا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: بھوک مجھے بھی لگ رہی

ہے اور میں نے اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے ہیں گویا انسان پیغمبر نے دوسرے انسانوں کے لئے نمونہ پیش کر دیا، فرشتے تو ایسا نمونہ پیش نہیں کر سکتے، چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو صبر آ گیا اور انہوں نے بھوک کی دوبارہ شکایت نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر انسان ہوتے ہوئے بھی بڑے فضل والے ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں بڑا کمال عطا کیا ہوا ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ باقی انسانوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں ان کے دل ایمان کے نور سے روشن ہوتے ہیں، ان کا ہر کام، ہر بات، ان کا اٹھنا اور بیٹھنا اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع ہوتا ہے، مگر ہوتے انسان ہی ہیں، کھانا کھاتے ہیں، لباس پہنتے ہیں، شادی کرتے ہیں، بیمار ہوتے ہیں، دشمنوں سے جہاد کرتے ہیں، کبھی ان کو ہلاک کرتے ہیں، کبھی خود شہید بھی ہو جاتے ہیں۔

ان کافروں کی بے عقلی یہ تھی کہ وہ مال و دولت، مرتبہ و منصب اور خاندان کے اونچا ہونے کو ہی کمال کی بنیاد سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کمال اور کامیابی کا معیار ایمان اور نیکی ہے، مغرور لوگوں کی ہمیشہ سے یہ خصلت رہی ہے کہ وہ حق والوں کو حقیر جان کر ان کی مخالفت کرتے ہیں، ان کا مذاق اڑاتے ہیں، جب پاس سے گزرتے ہیں تو کہتے ہیں دیکھو! یہ جنت کے وارث اور حوروں کے خاوند جا رہے ہیں، جن کے پاس رہنے کے لئے جھونپڑی نہیں، کھانے کے لئے خوراک نہیں اور پہننے کے لئے لباس سے محروم ہیں، مگر حقیقت میں یہی وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ درست اور اخلاق اچھے ہیں، جن کا عمل صحیح ہے، اور جو ایمان، نیکی اور تقوی کی دولت سے مالا مال ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں کمال حاصل ہے۔

الغرض! کامیابی کا مدار مال و دولت اور خاندان کا اونچا ہونا نہیں، اگر کامیابی کا معیار یہ چیزیں ہوتیں تو مکے میں امیہ بن خلف، مغیرہ اور ابو جہل جیسے سردار موجود تھے، طائف میں حبیب، مسعود اور عبد لیل مالدار اور حیثیت والے لوگ تھے مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دوزخ کے ایندھن بنے، دولت تو فرعون کے پاس بھی بہت زیادہ تھی، مگر وہ بھی دوزخ میں گیا، لہٰذا کسی حق والے کو مال و دولت ہونے کی وجہ سے حقیر نہیں جاننا چاہئے۔

نوح علیہ السلام کی قوم نے نوح علیہ السلام سے کہا کہ ہم تمہیں کس طرح سے پیغمبر مان لیں تم تو کسی طرح بھی ہم سے بہتر نہیں نہ مال و دولت کے اعتبار سے، نہ نوکر چاکر اور باغات اور جائیداد کے اعتبار سے، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم ہمارے سامنے جھوٹ بولتے ہو۔

پیغمبروں پر پہلے پہل ایمان لانے والے

اللہ تعالیٰ کی عادت مبارکہ یہ ہے کہ پیغمبروں پر ایمان لانے والے عموماً غریب لوگ ہوتے ہیں، جیسا کہ پچھلی آسمانی کتابوں میں بھی موجود ہیں، اسی وجہ سے جب روم کے بادشاہ ہرقل کے پاس پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلام کی دعوت والا خط پہنچا اور اس کو یہ فکر ہوئی کہ معاملہ کی تحقیق کرے چونکہ اس نے تورات اور انجیل میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں علیہم السلام کی علامتیں پڑھی ہوئی تھیں اس لئے اس وقت عرب کے جو لوگ تجارت کی غرض سے ملک شام آئے ہوئے تھے، ان کو جمع کر کے ان علامتوں کے متعلق چند سوالات کئے۔

ان سوالوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ ان کے ماننے والے قوم کے کمزور اور غریب لوگ ہیں یا وہ جو قوم کے بڑے کہلاتے ہیں؟ ان لوگوں نے بتلایا کہ کمزور اور غریب لوگ ہیں! اس پر ہرقل نے اقرار کیا کہ یہ علامت تو سچے پیغمبر ہونے کی ہے کیونکہ شروع شروع میں پیغمبر علیہم السلام کو ماننے والے یہی لوگ ہوتے ہیں۔

کوئی زبردستی نہیں

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ

کہا اے قوم میری! ذرا دیکھو تو اگر ہوں میں پر صاف راستے طرف سے رب اپنے کی اور دی اس نے مجھے

رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَ اَنْتُمْ

رحمت سے جانب اپنی پھر وہ پوشیدہ کر دی گئی پر تم تو کیا ہم اس تم پر زبردستی چپکا دیں حالانکہ تم

لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ

اس سے نفرت کرتے ہو (۲۸) اور اے قوم میری! نہیں مانگتا میں تم سے پر اس کچھ مال نہیں اجر میرا

اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَ مَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا

مگر ذمہ اللہ کے اور نہیں میں ہانکنے والا ان کو جو ایمان لائے تحقیق وہ ملنے والے ہیں

رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ يٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ

رب اپنے سے اور لیکن میں دیکھتا ہوں تم کو ایک قوم جہالت میں مبتلا (۲۹) اور اے قوم میری! کون بچائے گا مجھے

مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَ لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ

سے اللہ اگر میں ہانک دوں ان کو کیا پس نہیں دھیان کرتے تم (۳۰) اور نہیں کہتا میں سے تم

عِنْدِيْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَ لَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَ لَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ

پاس میرے خزانے ہیں اللہ کے اور نہ جانتا ہوں میں غیب کی بات اور نہ یہ کہتا ہوں کہ بے شک میں فرشتہ ہوں

وَّ لَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ

اور نہ کہوں گا ان لوگوں کو جنہیں حقیر سمجھتی ہیں آنکھیں تمہاری ہرگز نہ دے گا ان کو اللہ بھلائی

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

اللہ زیادہ واقف ہے اس سے جو میں ہے دلوں ان کے بیشک میں اس وقت البتہ میں سے ظالموں ہوں گا (۳۱)

بامحاورہ ترجمہ: کہا کہ اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کے صاف راستہ پر ہوں اور اس نے مجھ پر اپنے پاس سے رحمت بھیجی، پھر اس کو تمہاری آنکھوں سے اوجھل رکھا تو کیا ہم تم کو اس پر مجبور کر سکتے ہیں حالانکہ تم اس سے نفرت کرتے ہو۔ (۲۸) اے میری قوم! میں تم سے اس پر کچھ مال نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے اور میں ایمان والوں کو اپنے پاس ہانکنے اور بھگانے والا نہیں ان کو اپنے رب سے ملنا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تم لوگ جاہل ہو۔ (۲۹) اور اے میری قوم! مجھ کو اللہ تعالیٰ سے کون چھڑائے گا اگر میں انہیں (اپنے

پاس سے) ہانک دوں کیا تم سوچتے سمجھتے نہیں ۔ (۳۰) اور میں تم کو نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کی خبر رکھتا ہوں اور نہ میں اپنے آپ کو فرشتہ کہتا ہوں اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں اللہ ان کو بھلائی نہ دے گا، اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو کچھ ان کے جی میں ہے (اگر میں ایسا کروں) تب تو میں ناانصافوں میں سے ہوں گا ۔ (۳۱)

تفسیر

قوم کے اعتراض کے جواب میں حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! بھلا بتاؤ تو سہی اگر میں اپنے پروردگار کی طرف سے واضح ہدایت پر ہوں، اور اس نے مجھے اپنی طرف سے رحمت عطا کی ہے، یہاں پر خصوصی رحمت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے پیغمبر ہونے کا بڑا مرتبہ عطا فرمایا ہے اور یہ خدا کا سب سے بڑا انعام ہے، یہ اونچی صفت اور بہت بڑی فضیلت ہے جسے اللہ تعالیٰ عطا کر دے۔

فرمایا: اگر تم میرے اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کئے ہوئے واضح راستے اور مجھ پر ہونے والی اللہ تعالیٰ کی خصوصی رحمت کو نہ پہچان سکو تو کیا ہم اسے تم پر لازم کر دیں اگر چہ تم اسے ناپسند ہی کرو، یعنی تم تو خدا کی ہدایت اور اس کی رحمت کو پسند ہی نہیں کرتے تو ہم کیسے یہ چیزیں زبردستی تم سے چمٹا دیں، فرمایا ایسا نہیں ہوسکتا، کیونکہ ہدایت اور خدا کی خاص مہربانی کسی کے سینے میں زبردستی نہیں ڈالی جاسکتی، اللہ تعالیٰ کے ہاں زبردستی نہیں، اس نے انسان کو ساری صلاحتیں اور ایمان قبول کرنے نہ کرنے کو اسی پر چھوڑ دیا ہے اگر اپنی مرضی سے اس کو قبول کرلو گے تو کامیابی پاجاؤ گے، اور اگر قبول نہیں کرو گے تو ذلت اٹھانی پڑے گی اللہ تعالیٰ کسی سے زبردستی کوئی چیز نہیں منوانا چاہتا، ماننا یا نہ ماننا خود انسان کی اپنی مرضی پر ہے اور اسی کے مطابق وہ جزا یا سزا کا حقدار ہوگا۔

اس آیت میں بتلایا گیا کہ پیغمبر کا آدمی ہونا تو پیغمبر ہونے کے خلاف نہیں بلکہ غور کرو تو یہی ضروری ہے کہ انسانوں کا پیغمبر آدمی ہونا چاہیے تاکہ انسانوں کو اس سے دین سیکھنا آسان ہو، انسان اور فرشتہ کے مزاج میں

زمین آسمان کا فرق ہے اگر فرشتہ کو پیغمبر بنا کر بھیج دیا جاتا تو انسانوں کو اس سے دین سیکھنا بہت مشکل ہو جاتا اور عمل ناممکن ہو جاتا، کیونکہ فرشتہ کو تو نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس، نہ نیند آتی ہے نہ تھکان ہوتا ہے، نہ اس کو انسانی ضروریات پیش آتی ہیں وہ انسانوں کی کمزوریوں اور ضرورتوں کا احساس کیسے کرتا اور بغیر اس احساس کے انسان عمل میں اس کی پیروی کیسے کر سکتے، یہ مضمون قرآن مجید کی دوسری آیتوں میں کئی جگہ آچکا ہے یہاں یہ بتلایا گیا کہ اگر عقل سے کام لو تو یہ بات سمجھنا نہایت آسان ہے کہ پیغمبر کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ آدمی نہ ہو، ہاں یہ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی واضح دلیل اس کے ساتھ ہو جس کو دیکھ کر لوگوں کو یہ ماننا آسان ہو جائے کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے بھیجا ہوا ہے، وہ واضح دلیل عام لوگوں کے لیے پیغمبر علیہم السلام کے معجزے کہلاتے ہیں اسی لئے نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ: میں اپنے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل اور رحمت لے کر آیا ہوں تم اس کو دیکھتے اور غور کرتے تو انکار نہ کرتے، مگر تمہارے انکار اور ضد نے تمہاری نگاہوں کو اس سے اندھا کر دیا اور تم انکار کر بیٹھے اور اپنی ضد پر جم گئے۔

مگر خدا تعالیٰ کی یہ رحمت جو پیغمبر کے ذریعہ آتی ہے ایسی چیز نہیں کہ زبردستی لوگوں کے سر ڈال دی جائے، جب تک وہ خود اس کی طرف رغبت نہ کریں۔

دوسری بات جو تم کہتے ہو کہ میرے پاس مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے غریب اور نیچ طبقہ کے لوگ آتے ہیں اور ان کے ساتھ مل بیٹھنے میں تم اپنی ہتک سمجھتے ہو، ذرا تم یہ تو سوچو کہ جب میں مال نہیں مانگتا محض اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلاتا ہوں تو میں کسی شخص کو جو میرے پاس ایمان لانے کی غرض سے آئے کیسے نکال سکتا ہوں اور اس کو اپنے پاس سے کیسے بھگا سکتا ہوں، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، وہ ان کا رب ہے ایک دن ان لوگوں کو اپنے رب سے ملاقات کرنا ہے تم مجھ سے ان کو نکال دینے کا مطالبہ کرتے ہو اس سے صاف تمہاری بے عقلی اور جہالت ظاہر ہوتی ہے تم لوگ ان کے گھٹیا اور کم درجہ ہونے کا فیصلہ ان کی ظاہری حالت کی بنا پر کرتے ہو لیکن حقیقت یہ ہے کہ آدمی، مال و دولت اور ظاہری ٹیپ ٹاپ کی وجہ سے شریف اور معزز نہیں ہوتا، اس کی عزت

اور شرافت اس کی دینداری اور اچھی خصلتوں پر ہے مال اور پیسہ تو دین دشمن لوگوں کو بد مزاج، ضدی اور کمینی عادتوں والا بنا دیتا ہے غریب لوگ اچھی بات کو جلدی قبول کر لیتے ہیں۔

نوح علیہ السلام کی قوم اور مکہ کے مشرکوں کا ایک جیسا نظریہ

نوح علیہ السلام کی قوم کا کہنا تھا کہ نوح علیہ السلام کے پیچھے لگنے والے لوگ غریب ہیں، جن کی نہ کوئی رائے اور نہ عقل ہے، کہتے تھے کہ ان کی موجودگی میں ہم تمہاری مجلس میں نہیں بیٹھ سکتے مکہ کے سرداروں کا بھی یہی نظریہ تھا، وہ بھی کہتے تھے کہ اگر ہمارے ساتھ بات کرنا ہے تو ان کمین لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیں کیونکہ ان کے برابر بیٹھنے سے ہماری ہتک ہوتی ہے، جس طرح حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے سردار کہتے تھے کہ غریب لوگوں کی موجودگی میں ہم نوح کی بات نہیں سن سکتے، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مکہ کے سرداروں کا مطالبہ مان کر غریب مسلمانوں کو اپنے پاس سے بھگانے سے منع فرما دیا جس کا ذکر قرآن کریم کی آیت ''وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ ''یعنی: آپ اپنے پاس سے ان لوگوں کو نہ بھگائیں جو دن رات اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں۔

وَ لٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ: میں تو تمہیں جاہل لوگ خیال کر رہا ہوں، تم نادان ہو جو اس قسم کے بے ہودہ مطالبات پیش کرتے ہو، ایمان والوں کو حقیر سمجھنا جہالت کی علامت ہے، ہاتھ سے کام کرنا اور کسی پیشے سے جڑا ہوا ہونا تو قابلِ قدر بات ہے، عربی کا محاورہ بھی ہے کہ ''الكاسب حبيب الله ''یعنی کمائی کرنے والا تو اللہ تعالیٰ کا پیارا ہے اس کو حقیر سمجھنا بڑی ناسمجھی کی بات ہے۔

نوح علیہ السلام کی قوم کا غریب اور مسکین مسلمانوں کو حقیر اور گھٹیا سمجھنا ان کی جہالت تھی حقیقت میں گھٹیا تو وہ ہے جو پیدا کرنے والے اور پالنے والے مالک کو نہ پہچانے، اس کے حکموں سے منہ موڑ کر اوروں کو خدا بنا لے۔

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ: ''تمام انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور انسان ہونے میں سب ایک برابر ہیں مجھے کوئی حق نہیں کہ میں صرف ان لوگوں کو پاس آنے دوں جو مال و دولت کی وجہ سے اپنے آپ کو بڑے

مرتبے والے سمجھتے ہیں، اور غریبوں کو اپنے پاس سے دور کردوں، اگر میں ایسا کروں تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کی سزا دے گا کیونکہ یہ اس کی نافرمانی ہے پھر مجھے اس کے غضب سے کون بچائے گا"۔

یہ آیت صاف کہہ رہی ہے کہ ذات پات، مال داری، مفلسی، نسل، قوم کوئی چیز نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں وہ شخص جو تخت پر بادشاہ بنا بیٹھا ہے اور وہ شخص جو خون پسینہ ایک کر کے اپنا اور اپنے کنبہ کا پیٹ پالتا ہے دونوں انسان ہونے میں بالکل برابر ہیں بلکہ اگر یہ غریب اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اور اس کی بندگی کرتا ہے تو وہ اس بادشاہ سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کہیں بہتر ہے، جو اللہ کا نافرمان ہے۔

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ: کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے اگر میں تمہارے غلط مطالبات مان لوں تو خدا کی پکڑ میں آجاؤں گا پھر کون ہے جو میری مدد کر سکے؟

نوح علیہ السلام کی قوم نوح علیہ السلام کے متعلق یہ بھی اعتراض کرتی تھی کہ تم تو ہمارے جیسے انسان ہو تمہیں ہم پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام سے کہلوایا کہ میں تمہیں یہ بھی نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں میں تو اس کا بندہ ہوں اور اس کا راستہ دکھانے والا ہوں میں نے تو اقتدار، حکومت یا مال وخزانے کا دعویٰ نہیں کیا، خزانوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور میں نے غیب جاننے کا دعویٰ بھی نہیں کیا، غیب بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے مخلوق میں سے کوئی بھی غیب دان نہیں ہے وہ ہمیں وحی کے ذریعے جو حکم بھیجتا ہے، وہ ہمیں معلوم ہو جاتا ہے، اور یہ بات کہ کل کو کس کے ساتھ کیا معاملہ پیش آئے گا اور کس کا کیا انجام ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے کون آدمی ہدایت قبول کرے گا اور کون اس سے محروم رہے گا میں نے تو برتری کا دعویٰ نہیں کیا اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں، جو کھانے پینے، پہننے اور بیوی بچوں سے بے نیاز ہوتے ہیں، بلکہ میں بھی تمہاری طرح کا ہی ایک انسان ہوں، جسے یہ سب ضروریات پیش آتی رہتی ہیں، لیکن میں تمہاری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہوں اور میں یہ بھی نہیں کہتا کہ جو لوگ تمہاری نظروں میں حقیر ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو کوئی خیر عطا نہیں فرمائے گا بلکہ ان کی بہتری تو اللہ کے اختیار میں ہے، وہ جب چاہے اور

جس قدر چاہے عطا کرے، اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کی دولت سے نوازا ہے تو وہ بہتری بھی عطا کرے گا انہیں کامیابی حاصل ہوگی۔

میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ اللہ کے خزانے میرے ہاتھ میں ہیں، اس میں نوح علیہ السلام کی قوم کے اس خیال کی تردید ہے کہ جب اللہ کی طرف سے پیغمبر ہوکر آئے ہیں تو ان کے ہاتھ میں خزانے ہونے چاہئیں جن سے لوگوں کو دیتے رہیں، نوح نے بتلادیا کہ پیغمبروں کا یہ کام نہیں ہوتا کہ وہ لوگوں کو دنیا کی چیزوں میں الجھائیں، اس لئے خزانوں سے ان کا کیا کام؟

ان جاہلوں کا یہ بھی خیال تھا کہ جو شخص خدا تعالیٰ کا پیغمبر ہو اس کو عالم الغیب بھی ہونا چاہئے، یہاں آیت کے جملہ نے واضح کردیا کہ پیغمبر ہونے کو یہ لازم نہیں کہ وہ عالم الغیب بھی ہو، اور یہ کیسے ہوسکتا ہے، جبکہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے جس میں کوئی پیغمبر یا فرشتہ شریک نہیں ہوسکتا، ہاں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتے ہیں جتنا چاہتے ہیں غیب کے بھیدوں پر مطلع فرماتے ہیں مگر اس کی وجہ سے ان کو عالم الغیب کہنا درست نہیں ہوتا کیونکہ ان کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ جس غیب کو چاہیں معلوم کرلیں۔

اس کے بعد فرمایا کہ اگر میں اس خیال سے غریبوں کو اپنی مجلس سے نکال دوں کہ اس طرح امیر لوگ ایمان لے آئیں تو ایسا کرنے میں میں تو ظالموں میں سے ہوجاؤں گا نہ تو کسی کو دین قبول کرنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے اور نہ ایمان والوں کو دور کیا جاسکتا ہے، دین کی قبولیت اپنی چاہت اور ارادے سے ہوتی ہے، اس میں امیر اور غریب میں کوئی فرق نہیں، جو قبول کرے گا وہ کامیابی حاصل کرے گا، خواہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہو، وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ آدمی ہوگا، امیری اور غریبی تو اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق آتی ہے، خدا تعالیٰ نافرمانوں کو بھی بڑی دولت عطا کردیتا ہے اور کبھی مخلص بندے تکلیفیں بھی برداشت کرتے ہیں مگر ایمان کی بات ہی سب کے لئے بہتر ہے۔

ہٹ دھرمی

قَالُوۡا یٰنُوۡحُ قَدۡ جٰدَلۡتَنَا فَاَكۡثَرۡتَ جِدَالَنَا فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ

کہاانہوں نے اے نوح! تحقیق جھگڑا کیا تو نے ہم سے پس بہت بڑھادیا جھگڑے کو ہمارے ساتھ پس اب لے آ تو وہ جس سے ڈراتا ہے تو ہمیں

اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ اِنَّمَا يَاۡتِيۡكُمۡ بِهِ اللّٰهُ اِنۡ

اگر ہے تو میں سے سچوں (۳۲) کہا ضرور لائے گا تم پر اس کو اللہ اگر

شَآءَ وَمَاۤ اَنۡتُمۡ بِمُعۡجِزِيۡنَ ﴿۳۳﴾

چاہے گا اور نہیں تم عاجز کردینے والے (۳۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بولے اے نوح! تو نے ہم سے جھگڑا کیا اور بہت جھگڑا کر چکا، اب لے آ وہ چیز جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے اگر واقعی تو سچا ہے۔ (۳۲) کہا کہ اس کو تو اللہ ہی لائے گا اگر چاہے گا اور تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں۔ (۳۳)

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر طوفان آنے سے پہلے آپ نے نوسو پچاس برس تک قوم کو تبلیغ فرمائی، صبح وشام تنہائی میں اور اجتماعات میں قوم کو ہر طرح سمجھانے کی کوشش کی مگر قوم نے یہ جواب دیا، کہ اے نوح! آپ نے ہم سے جھگڑا کیا ہے یعنی بحث وتکرار کی ہے، اب ہم ایسی باتوں کو مزید سننے کے لئے تیار نہیں ہیں، انہوں نے تبلیغ کو بحث وتکرار کہا اور کہنے لگے کہ یہ بحث اب بند ہونی چاہئے اور آخری بات کرو اور ہمارے پاس عذاب لے آؤ جس سے تم ہمیں ڈراتے رہتے ہو، اگر آپ اپنے دعوے میں سچے ہیں کہ عذاب آنے والا ہے تو وہ عذاب ہم پر لے ہی آؤ، ہم تمہاری خالی دھمکیوں سے نہیں ڈرتے۔

ذرا ان کی الٹی چال دیکھیں کہ نوح علیہ السلام یا اللہ کا کوئی پیغمبر کسی کے ساتھ جھگڑا تو کرتا نہیں وہ تو انسانیت کے

فائدے کی بات کرتا ہے مگر وہ اسے جھگڑا اور فساد بتار ہے ہیں نوح علیہ السلام نے تو ہمیشہ ان کے ساتھ خیر خواہی کی بات کہی ہے مگر قوم نے نہ مانا ان کی طبیعتیں ایسی بدل چکی تھیں اور دل ایسے ویران ہو چکے تھے کہ خدا کے عذاب کا خود مطالبہ کرتے تھے، ایسی بات تو ان کی الٹی عقل ہونے کی علامت ہے مکہ کے مشرکوں نے بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی قسم کا مطالبہ کیا تھا، قرآن مجید میں ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم پر آسمان سے ٹکڑا گرا دے، ہم پر پتھر کیوں نہیں برستے یا اگر تو سچا ہے تو ہم پر فلاں عذاب کیوں نہیں آتا، غرضیکہ ضد اور ہٹ دھرمی تمام مشرکوں کی پرانی عادت ہے۔

قوم کے عذاب کے مطالبے پر نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ: اس عذاب کو اللہ تعالیٰ ہی تم پر لائے گا اگر وہ چاہے گا، یہ چیز میرے اختیار میں نہیں ہے اور تم خدا تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے یاد رکھو خدا تعالیٰ مکمل قدرت کا مالک ہے تم اس سے بھاگ کر کہیں نہیں جا سکتے، جب اس کا عذاب آئے گا تو وہ ٹالا نہیں جائے گا جب بھی کسی پیغمبر کی قوم نے اس قسم کا مطالبہ پیش کیا تو ہر پیغمبر نے یہی کہا کہ یہ چیز ہمارے اختیار میں نہیں ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی کو اس دنیا میں عذاب دینا چاہے گا تو وہ حکمت کے مطابق بھیج دیگا اس کا دار و مدار اس کی مرضی اور ارادے پر ہے ہمارا کام تو اس کے پیغام کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے۔

میری خیر خواہی

وَ لَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ

اور نہ نفع دے گی تم کو میری نصیحت اگر میں چاہوں کہ نصیحت کروں تمہیں اگر ہے

اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ؕ هُوَ رَبُّكُمْ ۫ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ گمراہ کرے تم کو وہی رب تمہارا ہے اور طرف اسی کی لوٹ کر جاؤ گے تم (۳۴)

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَ اَنَا

کیا کہتے ہیں وہ کہ گھڑ لایا ہے اس کو کہہ دیں کہ اگر میں گھڑ لایا ہوں ہے پر مجھ گناہ میرا اور میں

بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾

بری ہوں سے اس جو گناہ کرتے ہو تم (۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تمہارے لئے میری خیر خواہی فائدہ مند نہ ہوگی اگر میں چاہوں کہ تمہاری خیر خواہی کروں، اگر اللہ تعالیٰ ان کو گمراہ کرنا چاہے وہی تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ (۳۴) کیا کہتے ہیں کہ قرآن کو بنالایا ہے کہ آپ (ان سے) کہہ دیں کہ! اگر (اسے) میں بنالایا ہوں تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور میں بری ہوں اس سے جو تم گناہ کرتے ہو۔ (۳۵)

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام نے پہلے تو یہ فرمایا کہ: عذاب کالانا نہ لانا تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ چاہے گا تو بھیج دیگا، لیکن جب آئے گا تو تمہاری پوری پوری شامت آجائے گی، دنیا کا کوئی کونہ تمہیں پناہ نہ دے سکے گا تمہاری اس ڈھٹائی اور گستاخی سے معلوم ہوگیا کہ تم سیدھے راستے پر آنے والے نہیں، یہ علامتیں صاف بتارہی ہیں کہ تم سیدھے راستے کی طرف آنا ہی نہیں چاہتے پھر میرا سمجھانا بجھانا بےکار ہے، اللہ تعالیٰ کے ارادہ کے آگے کسی کی نہیں چلتی، وہ تمہارا پروردگار ہے اور تم سب کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قرآن پاک میں یہ بات جگہ جگہ سمجھائی گئی ہے کہ جو لوگ ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور سرکشی سے کام لیتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو گمراہی سے نہیں بچاتا، ہدایت اور گمراہی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ بلاوجہ کسی کو گمراہ نہیں کرتا بلکہ اس کے اسباب انسان خود پیدا کرتا ہے۔

جب کوئی شخص ضد اور تکبر میں حد سے بڑھ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو سخت کردیتا ہے اور پھر کسی پیغمبر، مرشد اور مبلغ کی تبلیغ اس پر کچھ اثر نہیں کرتی اور ایسا شخص گمراہی میں مزید آگے بڑھ جاتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری صلاحیت ہی ختم ہوچکی ہے تو پھر ہماری خواہش اور کوشش کوئی فائدہ نہیں دے سکتی۔

وَ اَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ: مفسرین کرام اس آیت کے دو مطلب بیان کرتے ہیں، بعض فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق بھی نوح علیہ السلام کے ساتھ ہی ہے کہ نوح علیہ السلام کی قوم نے ان کے متعلق کہا تھا کہ ہم تو تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوح! آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم ایسا ہی سمجھتے ہو تو اس جرم کا ذمہ دار میں ہی ہوں اور حق بات کو جھٹلا کر جو جرم تم کر رہے ہو اس کے ذمہ دار تم ہو گے میرا اس سے کوئی واسطہ نہیں۔

بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مکہ اور عرب کے مشرکوں کا شکوہ کیا ہے کہ قرآن مجید اترتے وقت جو مشرک موجود تھے وہ بھی یہی کہتے تھے جو نوح علیہ السلام کی قوم کہتی تھی کہ یہ قرآن مجید محمد نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے یہ خدا کا کلام نہیں ہے، یہ مضمون اسی سورت میں، اس سے پچھلی "سورۂ یونس" اور "سورۂ بقرہ" میں بھی گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مشرکوں سے کہا ہے کہ اگر تم اس قرآن پاک کو اپنا بنایا ہوا سمجھتے ہو تو پھر تم بھی تو آخر انسان اور اہل زبان ہو، اس جیسی کوئی ایک سورت ہی بنا کر لے آؤ، مگر قرآن مجید نے خود ہی واضح کر دیا کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکیں گے، سارے انسان اور جن مل کر بھی قرآن پاک کی مثال لانا چاہیں تو کامیاب نہیں ہو سکتے، فرمایا اگر تم ایسا نہ کر سکو "فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ" تو دوزخ کی اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جو مجرموں کے لئے تیار کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا عذاب

وَ اُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ

اور وحی کی گئی طرف نوح کی کہ ہرگز ایمان نہ لائے گا نہیں سے قوم آپ کی مگر وہی جو تحقیق ایمان لا چکا

فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ۚۖ وَ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا

پس نہ غمگین رہیں اس پر جو ہیں وہ کر رہے (۳۶) اور بنا کشتی سامنے ہمارے

وَ وَحْيِنَا وَ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾

اور حکم ہمارے سے اور نہ بات کرمجھ سے بارے میں ان کے ظلم کیا جنہوں نے وہ بے شک ڈبوئے ہوئے ہیں (۳۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور نوح کی طرف حکم بھیجا گیا کہ آپ کی قوم میں سے کوئی بھی ایمان نہ لائے گا سوا اس کے جو ایمان لاچکا، سو! آپ ان کاموں پر جو وہ کرتے ہیں غمگین نہ ہوں۔ (۳۶) اور ہمارے حکم اور ہماری نگرانی میں کشتی بناؤ اور ظالموں کے حق میں مجھ سے بات نہ کرو یہ بے شک غرق ہوں گے۔ (۳۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: نوح علیہ السلام کی طرف وحی کی گئی آپ کی قوم میں سے جنہیں ایمان لانا تھا لا چکے، اب اور کوئی ایمان نہ لائے گا، ان کے اعمال انہیں عذاب کا سزاوار ٹھہرا چکے ہیں اس لئے ان کی غلط کاریوں اور بدعملیوں پر غمگین ہونا بے کار ہے عنقریب پانی کا زبردست طوفان آنے والا ہے، یہ سب لوگ اس میں ڈوب کر مرجائیں گے اپنے اور اپنے ماننے والوں کے بچاؤ کی فکر کریں اور ایک بڑی کشتی بنانا شروع کریں اس کام کی حفاظت اور نگرانی ہم کریں گے، آپ کو کشتی بنانے کا طریقہ وحی کے ذریعہ بتاتے رہیں گے ان گمراہ لوگوں کا خیال چھوڑ دیں طوفان کا آنا بالکل اٹل ہے اور ان سب کا اس میں ڈوب مرنا یقینی ہے، اب ہمارے سامنے ان ظالموں میں سے کسی کی سفارش نہیں کیجئے اب وہ اس قابل نہیں کہ ان کو معاف کر دیا جائے جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ظاہر ہونے کا وقت قریب ہوتا ہے تو پیغمبروں سے کہہ دیا جاتا ہے کہ عذاب سے محفوظ رہنے کا سامان کریں، بستی سے دور نکل جائیں، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کو یہاں ہدایت کر دی گئی کہ وہ ایک بڑی کشتی بنانی شروع کر دیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دل میں خود بخود الہام ہوتا رہے گا کہ کشتی کیسی اور کس طرح بنائی جائے۔

جب بھی نوح علیہ السلام اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتے تو وہ آپ کو مارنا پیٹنا شروع کر دیتے اور آپ کو سخت اذیت پہنچاتے مثلاً: آپ کسی مجلس میں وعظ کر رہے ہیں تو اتنے میں ایک شخص اٹھ کر آپ کا گلا دبا دیتا ہے اور آپ بے ہوش ہو جاتے ہیں اس قسم کے واقعات امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ اور مظہری رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن

عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کئے ہیں، بعض اوقات آپ کو ادھ موا کر کے کسی ٹاٹ میں لپیٹ کر کہیں پھینک دیتے اور سمجھتے کہ اب آپ کی جان نہیں بچ سکے گی مگر دوسرے دن وہ پھر نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا پیغام سناتے ہوئے پاتے۔

ایک دفعہ لاٹھی کے سہارے چلنے والے ایک بوڑھے آدمی نے اپنے جوان بیٹے سے کہا کہ اس بوڑھے دیوانے (نوح) کی باتوں میں نہ آنا، بیٹے نے وہی لاٹھی باپ کے ہاتھ سے لے کر آپ کے سر پر اس زور سے ماری کہ آپ لہولہان ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے، بڑی بڑی تکلیفیں برداشت کرنے کے بعد جب نوح علیہ السلام ہوش میں آتے تو یہی دعا کرتے، اے میرے رب! میری اس قوم کو معاف فرما دیں کہ یہ نا سمجھ ہیں۔

نوح علیہ السلام کی قوم جب ظلم و زیادتی کرنے میں حد سے بڑھ گئی اور ان کے دلوں میں ان کے گناہوں کی وجہ سے گمراہی کی مہر لگ چکی اور ان کا ایمان نہ لانا یقینی طور پر ثابت ہو چکا تو اللہ پاک نے ان کو سزا دینے کا فیصلہ فرمایا، نوح علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ یہ بتا دیا گیا کہ آپ کی قوم میں سے جو ایمان لا چکے، سو لا چکے، ان کے بعد کوئی ایمان لانے والا نہیں، اس کے بعد آپ کو تسلی دیتے ہوئے اللہ پاک نے فرمایا کہ یہ لوگ جو کچھ بھی کر رہے ہیں آپ اس پر غمگین نہ ہوں، اب ان ظالموں کو ان کے کئے کی سزا ملے گی۔

حضرت نوح علیہ السلام کو جب وحی کے ذریعہ معلوم ہو چکا کہ اب کوئی ایمان لانے والا نہیں تو آپ نے دعا فرمائی کہ: اے اللہ! میری مدد فرمایئے میں مغلوب ہو چکا ہوں اور اس زمین میں چلنے پھرنے والے کسی کافر کو زندہ نہ چھوڑیں کیونکہ اگر آپ نے ان کو چھوڑ دیا تو پھر وہی دوسروں کو گمراہ کرنے والے ہوں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے ذریعہ آپ کشتی تیار کریں یہ کشتی اتنی بڑی تھی کہ اس میں سارے مسلمان مرد و عورت اور دوسرے حیوانات اس میں سوار ہو گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام کو جب کشتی بنانے کا حکم ہوا تو اس وقت وہ نہ تو کشتی کو جانتے تھے اور نہ اس کے بنانے کو؛ اس لئے فرمایا گیا کہ ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق آپ کشتی بنائیں۔

حدیثوں میں آتا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کی تمام

ضروری چیزیں اور اس کا طریقہ بتلایا، انہوں نے سال، یعنی: ساگوان کی لکڑی سے یہ کشتی تیار کی۔

بعض تاریخی کتابوں میں اس کی پیمائش یہ بتائی گئی ہے کہ تین سو گز لمبا، پچاس گز چوڑا، تیس گز اونچا تین منزلہ جہاز تھا اور روشن دان بھی آج کل کے روشن دانوں کی طرح دائیں بائیں کھلتے تھے، اس طرح یہ جہاز سازی اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ سب سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام کے ہاتھوں شروع ہوئی، پھر اس صنعت میں ترقی ہوتی رہی۔

تمام ضروری صنعتوں کی ابتداء وحی کے ذریعے ہوئی

حافظ شمس الدین ذہبی کی کتاب ''الطب النبوی'' میں بعض بزرگوں سے نقل کیا گیا ہے کہ انسان کے لئے جتنی صنعتوں کی ضرورت ہے ان سب کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی وحی سے کسی نہ کسی پیغمبر کے ہاتھوں ہوئی ہے، پھر ضرورت کے مطابق اس میں اضافے اور سہولتیں مختلف زمانوں میں ہوتی رہیں، جیسا کہ اس کا کچھ مضمون اسی سورت کی آیت نمبر ۲۶ کے ضمن میں گزر چکا ہے۔

سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کی طرف جو وحی آئی ہے اس کا زیادہ تر حصہ زمین کی آبادکاری اور مختلف صنعتوں اور پیشوں سے متعلق ہے، بوجھ اٹھانے کے لئے پہیوں کے ذریعہ چلنے والی گاڑی کی ایجاد بھی اسی سلسلہ کی ایجادات میں سے ہے۔

اس دنیا میں لوگوں نے طرح طرح کی گاڑیاں بنالی لیکن ہر قسم کی گاڑیوں کا دارومدار پہیے پر ہی رہا، وہ بیل گاڑی اور گدھا گاڑی سے لے کر ریلوں اور بہترین قسم کی موٹر گاڑیوں تک سب میں اسی طرح ہیں؛ اس لئے سب سے بڑا موجد گاڑیوں کا وہ شخص ہے جس نے پہیہ ایجاد کیا کہ دنیا بھر کی ساری مشینری کی روح پہیہ ہی ہے اور معلوم ہو چکا کہ یہ ایجاد سب سے پہلے پیغمبر حضرت آدم علیہ السلام کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ ظاہر ہوا، اسی طرح دیگر اہم ضرورت کی چیزوں کا ایجاد بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے ہاتھوں ظاہر ہوا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ضرورت کی چیزوں کی صنعت کاری اتنی اہمیت رکھتی ہے کہ وحی کے ذریعہ

پیغمبروں کو سکھائی گئی ہے۔

کام کا آغاز

وَ يَصْنَعُ الْفُلْكَ وَ كُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا

اور بنانے لگا کشتی اور جب بھی گزرتے پر اس سردار سے قوم اس کی ہنسی کرتے

مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا

سے ان کہتا اگر تم ہنسی کرتے ہو سے ہم تو ہم بھی ہنسیں گے سے تم جیسے تم

تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ

ہنسی کرتے ہو، (۳۸) پس عنقریب جان لوگے تم کون ہے کہ لاتا ہے عذاب جو اس کو رسوا کرے

وَ يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾

اور اترتا ہے پر اس عذاب جم جانے والا (۳۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور (نوح علیہ السلام ہمارے حکم کے مطابق) کشتی بنانے لگے، اور (کشتی بنانے کے دوران) جب نوح علیہ السلام کے پاس سے اس کی قوم کے سرداروں میں سے کوئی گزرتا تو آپ پر طنز کرتے، (اس پر نوح علیہ السلام) کہتے کہ اگر تم ہمارے ساتھ طنز کر رہے ہو تو ہم بھی تمہارے ساتھ طنز کریں گے، جیسا کہ تم ہمارے ساتھ طنز کر رہے ہو۔(۳۸) اب تم جلدی جان لوگے کہ کس پر ایسا عذاب آتا ہے جو اس کو ذلیل و رسوا کر دے اور کس پر جم جانے والا عذاب اترتا ہے۔(۳۹)

تفسیر

نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی وحی کے مطابق کشتی بنانے لگے، وحی کے ذریعہ انہیں معلوم ہوتا رہا کہ اس کی شکل

وصورت کیسی ہے اور لمبائی چوڑائی کتنی ہونی چاہئے، کتنے درجے الگ الگ مقرر ہونے چاہئیں، آپ صبح سے شام تک اسی میں مصروف رہتے تھے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم یہی تھا، قوم کے بڑے بڑے لوگ ادھر سے گذرتے اور حضرت نوح علیہ السلام کو تختے جوڑتے ہوئے دیکھتے تو طنز کرتے ہوئے کہتے کہ اچھا اب وہ سب وعظ ونصیحت چھوڑ کر آخر اب یہ کیا بنا رہے ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام کہتے کہ طنز کیا کرتے ہو تمہارے سر پر موت کھڑی نظر آ رہی ہے ہم بھی تمہاری بے خبری اور نادانی پر طنز کریں گے، جتنا طنز کرنا ہے کرلو، سو! تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ مصیبت میں ہم مبتلا ہوتے ہیں یا تم؟

مکہ کے مشرکوں کے متعلق بھی آتا ہے کہ جب قوم کے سردار کسی غریب ایماندار کے پاس سے گزرتے تو ایک دوسرے کو آنکھ مارتے اور کہتے دیکھو یہ جنت کے وارث جا رہے ہیں، جن کے پاس نہ پہننے کو کپڑا ہے، نہ رہنے کو مکان اور نہ روزی کمانے کے لئے کوئی کاروبار، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ایک دن آئے گا جب ایمان والے کافروں کی ہنسی اڑائیں گے، تو فرمایا کہ: اگر تم ہمارے ساتھ ٹھٹا کرتے ہو تو دیکھ لینا عنقریب رسوا کرنے اور ہمیشہ رہنے والا عذاب کس پر آتا ہے، یہاں رسوا کرنے سے مراد دنیا کا عذاب اور ہمیشہ رہنے والے عذاب سے مراد آخرت کا عذاب ہے۔

آخری ہدایتیں

حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ
یہاں تک کہ جب آیا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے کہا ہم نے سوار کرلے میں اس کا

كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ
ہر ایک جوڑے دو عدد اور اپنے گھر والے کو سوا اس کے کہ پہلے ہو چکا پر اس حکم اور

مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَآ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝۴۰

جو ایمان لایا ہو اور نہیں ایمان لائے تھے ساتھ اس کے مگر تھوڑے (۴۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم پہنچا اور تنور نے جوش مارا ہم نے کہا سوار کرلیں ہر قسم (کے جانور) کا جوڑا دو عدد (یعنی: نر و مادہ) اور اپنے گھر کے لوگ مگر جس پر پہلے حکم ہو چکا ہے (ان کو نہ لیں) اور سب ایمان والوں کو کشتی میں سوار کرلیں اور نوح کے ساتھ ایمان نہ لائے تھے مگر تھوڑے سے لوگ۔ (۴۰)

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر جب اللہ تعالیٰ کا حکم، یعنی: عذاب آ گیا تو بادل آ گئے بارش شروع ہوئی، آسمان سے پانی برسنے کے ساتھ ہی زمین سے بھی پانی ابلنے لگا، تنور میں سے بھی پانی جوش مارنے لگا، ارشاد ہے کہ ہم نے نوح کو حکم دیا کہ اس پانی سے جس کو بچانا ہے اسے کشتی میں سوار کرلیں اور ہر جانور میں سے نر و مادہ کا ایک ایک جوڑا لے لیں، اور اپنے گھر والوں کو بھی کشتی میں سوار کرلیں، البتہ جن کے ڈوبنے کا فیصلہ پہلے ہو چکا ہے ان کو چھوڑ دیں، حضرت نوح علیہ السلام نے وحی کے مطابق سب کو کشتی میں بٹھالیا جن جانوروں کو بچانا تھا ان کا ایک ایک جوڑا لے لیا، ان کے گھر والے بھی سب کشتی میں بیٹھ گئے صرف ایک بیٹا یام جو کنعان کے نام سے مشہور ہے اس کی والدہ واعلہ یہ نہ بیٹھے اور ڈوبنے والوں کے ساتھ ڈوب گئے۔

اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ: اب ہم اس قوم پر عذاب کے طور پر پانی کا طوفان بھیجنے والے ہیں؛ اس لئے آپ ایک کشتی بنائیں جس میں آپ کے گھر والے اور جتنے مسلمان ہیں اپنی ضروریات کے ساتھ آسکیں تاکہ طوفان کے وقت یہ سب اس میں سوار ہو کر نجات پاسکیں، حضرت نوح علیہ السلام نے حکم کے مطابق کشتی بنائی، پھر جب طوفان شروع ہونے کی علامتیں سامنے آئیں اور زمین سے پانی ابلنے لگا تو نوح علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ خود اپنے گھر والوں اور مسلمانوں کے ساتھ اس کشتی میں سوار ہو جائیں اور انسانوں کی ضروریات جن جانوروں کے ساتھ متعلق ہیں، جیسے: گائے، بیل، بکری، گھوڑا، گدھا وغیرہ، ان کا بھی ایک ایک جوڑا کشتی میں سوار کرلیں، حضرت نوح علیہ السلام

نے حکم کے مطابق سب کو سوار کرلیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں دنیا بھر کے جانور جمع نہیں کئے گئے تھے بلکہ صرف وہ جانور جو نر و مادہ کے جوڑے سے پیدا ہوتے ہیں اور پانی میں زندہ نہیں رہ سکتے، اس لئے تمام دریائی جانور اس سے نکل گئے، اور خشکی کے جانوروں میں بھی بغیر نر و مادہ کے پیدا ہونے والے حشرات الارض سب نکل گئے صرف پالتو جانور گائے، بیل، بھینس، بکری وغیرہ رہ گئے۔

اس سے یہ شبہ دور ہو گیا جو سطحی نظر میں پیدا ہو سکتا ہے کہ کشتی میں اتنی وسعت کیسے ہو گئی کہ دنیا بھر کے جانور سما گئے، کشتی والوں کی صحیح تعداد قرآن و حدیث میں متعین نہیں کی گئی، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ تعداد کل اسی آدمیوں کی تھی، جن میں حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے، سام، حام، یافث اور ان کی تین بیبیاں تھیں، چوتھا بیٹا کفار کے ساتھ رہ کر طوفان میں غرق ہوا۔

آخر میں فرمایا کہ: نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے اور کشتی میں سوار ہونے والے مسلمانوں کی تعداد بہت کم تھی۔

احکام ومسائل

عربی، فارسی، اردو اور پنجابی وغیرہ میں تنور اس بھٹی کو کہتے ہیں جس میں آگ جلا کر روٹیاں پکائی جاتی ہیں، بعض مفسرین کرام اس سے عام روٹی پکانے والا تنور ہی مراد لیتے ہیں جب کہ بعض فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے گھر میں ایک تنور تھا اللہ تعالیٰ نے اسی تنور کو عذاب کی علامت قرار دیا تھا کہ جب اس تنور سے پانی ابلنے لگے تو سمجھ لینا کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب آ گیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ تنور سے مراد زمین کی سطح ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جب زمین کی سطح سے پانی پھوٹنے لگے تو سمجھ لینا کہ اب طوفان آ گیا ہے، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اکثر مفسرین نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے، بہر حال تنور سے مراد خاص تنور ہو، کوئی خاص چشمہ ہو یا زمین کی سطح ہو مراد یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عذاب آنے کی جو بھی نشانی مقرر کی تھی، اس سے پانی ابلنے لگا، اور اسی وقت کے لئے

نوح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا حکم تھا کہ جب یہ نشانی ظاہر ہو جائے تو فوراً کشتی میں سوار ہو جانا۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسان تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک ہوئے مگر جانور، چرند، پرند وغیرہ کس نافرمانی میں ہلاک کر دیئے گئے، اس کے جواب میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: جانوروں کی ہلاکت کسی نافرمانی کی سزا کے طور پر نہیں تھی بلکہ ان کا مقصد حیات باقی نہ رہنے کی وجہ سے طبعی موت تھی عذاب کے طور پر نہیں تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تقریباً ساڑھے نو سو سال کے لمبے عرصے تک تبلیغ کے باوجود ان کی قوم کے بہت تھوڑے سے لوگ ایمان لائے تھے جن میں آپ کے تین بیٹے حام، سام اور یافث اور ان کی بیویاں شامل تھیں، ان کے علاوہ نوح علیہ السلام کی ایک بیوی بھی تھی جو ایمان لا چکی تھی، بعض فرماتے ہیں کہ کشتی میں سوار تمام افراد میں سے آئندہ انسانی نسل صرف نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں سے ہی چلی، اور کسی انسان کی اولاد آگے نہیں چلی؛ اسی لئے حضرت نوح علیہ السلام کو "آدمِ ثانی" بھی کہا جاتا ہے۔

اصلی سہارا

وَ قَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّيْ

اور کہا سوار ہو جاؤ میں اس ساتھ نام اللہ تعالیٰ کے چلنا اس کا اور ٹھہرنا اس کا تحقیق رب میرا

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۴۱﴾

البتہ بخشنے والا مہربان ہے (۴۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بولا سوار ہو جاؤ اس میں اللہ کے نام سے ہے اس کا چلنا اور ٹھہرنا، تحقیق میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ (۴۱)

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکمل کر لیا اور جن آدمیوں کو سوار کیا تھا، ان سے مخاطب

قرآن حفص بفتح الیم والقاء الراء

ہو کر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر سوار ہو جاؤ، اسی کے حکم سے یہ پانی پر تیرے گی اور پھر ٹھہر جائے گی، ڈوبنے سے بچانے والا تو اللہ تعالیٰ ہے لیکن اسی نے ہمارے لئے اس کشتی کو بچاؤ کا ذریعہ ٹھہرا دیا ہے وہی سب خطاؤں کا بخشنے والا اور قصوروں کا معاف کرنے والا ہے، حضرت نوح علیہ السلام کا یہ طریقہ ہم سب کے لئے ایک نمونہ ہے کہ اپنی سب کوششیں کرلو اور اس کے بعد ان کی رحمت اور فضل کی امید ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی سے پہلے اس دنیا میں کشتی کا وجود نہیں تھا یہی وجہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کے لئے تمام ضروری سامان اور بنانے کا طریقہ اللہ پاک کی طرف سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعہ سے بتایا گیا اور یہ ایسی کشتی تھی جس میں نہ موجودہ زمانے کی طرح کوئی مشینری تھی جو کشتی یا جہاز کو مختلف جہتوں کی طرف لے جاتی ہے اور نہ ہی کوئی بادبان اور نہ کوئی چپو یا بانس تھا بلکہ خود بخود وہ کشتی اللہ پاک کے حکم سے رخ موڑتی اور چلتی تھی اور جہاں رکنا ہوتا خود بخود رکتی تھی جس کی وجہ سے فرمایا گیا کہ اس کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ پاک کے حکم سے ہے۔

احکام ومسائل

اس امت کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: کشتی یا جہاز میں سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھیں تو اللہ تعالیٰ غرق ہونے سے امن دے گا "بِسْمِ اللّٰهِ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ۭ اِنَّ رَبِّيْ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ "، اگر زائد حصہ یاد نہ ہو تو قرآن پاک کی آیت والا حصہ ہی کافی ہے دوسری سورت میں خشکی کی سواری پر بیٹھ کر پڑھنے کی دعا بھی موجود ہے " سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَ مَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ "کسی بھی سواری پر بیٹھیں موٹر گاڑی، اونٹ، گھوڑا وغیرہ یہ دعا پڑھنا مستحب ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے تابع بنایا حالانکہ ہم ان کو تابع کرنے کے اہل نہ تھے۔

کشتی چلی

وَ هِيَ تَجْرِيْ بِهِمْ فِيْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ وَ نَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ وَ
اور وہ چلی ساتھ ان کے بیچ لہروں کے پہاڑ کی طرح اور آواز دی نوح نے بیٹے اپنے کو اور
كَانَ فِيْ مَعْزِلٍ يّٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَ لَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۲﴾
تھا وہ میں ایک کنارے اے پیارے بیٹے! سوار ہوجا ساتھ ہمارے اور مت ہو ساتھ کافروں کے (۴۲)
قَالَ سَاٰوِيْۤ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ لَا عَاصِمَ
کہا ٹھکانہ لوں گا میں طرف کسی پہاڑ کے بچالے گا جو مجھے سے پانی کہا نہیں بچانے والا
الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَ حَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ
آج سے قہر اللہ کے مگر جس پر رحم کرے وہی اور آگئی بیچ ان دونوں کے لہر
فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾
پس ہوگیا میں سے ڈوبنے والوں (۴۳)

بامحاورہ ترجمہ: اور کشتی ان کو پہاڑوں جیسی لہروں میں لئے جارہی تھی اور نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ کنارے میں تھا کہ اے میرے بیٹے! ساتھ سوار ہوجاؤ اور کافروں کے ساتھ مت رہ۔ (۴۲) اس نے کہا کہ میں کسی پہاڑ پر جا چڑھوں گا جو مجھے پانی سے بچالے گا (اس پر نوح علیہ السلام نے) کہا کہ آج اللہ کے فیصلے سے بچانے والا کوئی نہیں مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے، اور (اسی دوران) دونوں کے درمیان موج حائل ہوگئی، پھر وہ ڈبوئے جانے والوں میں سے ہوگیا۔ (۴۳)

تفسیر

جب نوح علیہ السلام کے سب گھر والے کشتی میں سوار ہوگئے مگر ایک لڑکا جس کا نام کنعان بتلایا جاتا ہے سوار

ہونے سے رہ گیا جب حضرت نوح علیہ السلام نے اسے دیکھا کہ ادھر ادھر بچتا پھر رہا ہے مگر کشتی میں نہیں بیٹھتا تو باپ کی شفقت سے رہا نہ گیا آپ نے اس کو پکارا کہ ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا کافروں کے ساتھ نہ رہو، ڈوب کر ہلاک ہو جاؤ گے، یہ لڑکا کافر دشمنوں کے ساتھ ساز باز رکھتا تھا، اس نے جواب دیا کہ میں کسی اونچے پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا مگر قوم کا ساتھ نہ چھوڑوں گا، حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ: اللہ کے حکم کے آگے پہاڑ میں کیا طاقت ہے جو کسی کو بچا سکے ایسی حالت میں وہی رحم کرے تو جان بچے، یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ پانی کی موج کا ایک زوردار تھپیڑا لگا اور حضرت نوح علیہ السلام کا یہ بیٹا اوروں کی طرح پانی میں ڈوب گیا یہ عقل بگڑ جانے کی انتہائی صورت ہے ظاہری چیزوں پر اس قدر اعتماد کہ جس نے اس کو بنایا ہے اس کی قدرت کا بھول کر بھی خیال نہ آئے انسان کی انتہائی بدبختی ہے۔

تفسیری روایتوں میں آتا ہے کہ زمین پر پانی کا یہ طوفان اتنا زیادہ تھا کہ پہاڑوں کی چوٹیاں تک ڈوب گئیں۔

احکام و مسائل

علماء کے لئے ایک علمی نکتہ

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ: جس پر رحم کیا جائے وہ ''معصوم'' کہلاتا ہے مگر یہاں پر ''عاصم'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو کہ فاعل کا صیغہ ہے، اس کے متعلق مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: یہاں پر ''عاصم'' کا معنی معصوم ہی ہے، اور اس قسم کی مثالیں قرآن پاک میں دوسری جگہ میں موجود ہیں، مثلاً: ''سورۃ الطارق'' میں ہے ''خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ'' اللہ تعالیٰ نے انسان کو ٹپکائے ہوئے پانی سے پیدا کیا، یہاں ''دَافِقٍ'' ''مَدْفُوْقٌ'' کے معنی میں استعمال ہوا ہے، اسی طرح ''فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ اَيْ فِيْ عِيْشَةٍ مَّرْضِيَّةٍ'' یعنی: ''راضیۃ'' ''مرضیۃ'' کے معنی میں ہے، عربی زبان میں کہتے ہیں: ''سِرٌّ كَاتِمٌ'' پوشیدہ راز، یہاں بھی دراصل ''کَاتِمٌ'' ''

مکتوم " کا معنی دیتا ہے اسی طرح اس آیت میں " عَاصِمَ " بمعنی " مَعْصُوْمٌ " ہے اور اگر اسے فاعل کے معنوں میں لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ آج کے دن اللہ کے حکم سے کوئی نہیں بچانے والا، مگر وہی جو رحم کرنے والا، یعنی: خود خدا ہے، یعنی: فرماتے ہیں: "لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ" کا معنی یہ ہے کہ آج کے دن بچانے والا کوئی ٹھکانا نہیں ہے، مجرموں کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے کوئی ٹھکانا، کوئی مکان نہیں بچا سکتا، مگر وہی ٹھکانا کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے رحم کیا ہے اور یہ ٹھکانا کشتی ہے کہ بچنے والے اس کشتی کے ٹھکانے پر ہی بچ سکیں گے اور باقی سب کے سب ڈبو دیے جائیں گے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ پاک نے حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا جو حکم فرمایا تھا وہ تو ایمان والوں کے لئے تھا آپ نے اپنے بیٹے کو کشتی میں بیٹھنے کے لئے کیسے بلا لیا حالانکہ وہ تو نافرمان اور کافر تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقت میں تو حضرت نوح علیہ السلام کا وہ بیٹا کافر ہی تھا مگر حضرت نوح علیہ السلام کو اس کے کافر ہونے کا یقینی طور پر علم نہ تھا اور اگر علم تھا تو کفر سے توبہ کرکے ایمان لانے کی دعوت کے طور پر اس کو کشتی میں سوار ہونے اور کافروں کا ساتھ چھوڑنے کی نصیحت فرمائی، مگر اس نے اس وقت بھی طوفان کو سرسری سمجھا اور بالآخر اس طوفان میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔

طوفان کا خاتمہ

وَ قِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَ يٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَ غِيْضَ

اور کہہ دیا گیا اے زمین نگل جا پانی اپنا اور اے آسمان تھم جا اور اترتا چلا گیا

الْمَآءُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَ قِيْلَ بُعْدًا

پانی اور ہو چکا کام اور جا لگی اوپر جودی کے اور کہہ دیا گیا دوری ہے

لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾

واسطے ان لوگوں کے جو ظالم ہیں (۴۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور حکم آیا اے زمین! نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان! تھم جا اور پانی سکھا دیا گیا اور کام ہو چکا اور کشتی جودی پہاڑ پر جا کے ٹھہری اور حکم ہوا لعنت ہو ظالم قوم پر۔ (۴۴)

تفسیر

جب سارے نافرمان ڈوب گئے تو زمین کو حکم ملا کہ اپنا پانی باہر پھینکنا بند کر، چشموں کا جو پانی زمین پر نکل آیا تھا، اس کے متعلق زمین کو حکم ہوا کہ اس سارے پانی کو اپنے اندر جذب کر لے، ساتھ آسمان سے کہا گیا کہ بارش روک دے اور پانی جو زمین پر موجود تھا آہستہ آہستہ خشک کر دیا گیا۔

وَ اسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ: جب طوفان کا قصہ ختم ہو گیا تو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی "جودی" پہاڑ پر ٹھہر گئی، "جودی" پہاڑ آج بھی اس نام سے موجود ہے اس کا محل وقوع حضرت نوح علیہ السلام کے اصلی وطن عراق، موصل کے شمال میں جزیرہ ابن عمر کے قریب آرمینیہ کی سرحد پر ہے، یہ ایک کوہستانی سلسلہ ہے جس کے ایک حصہ کا نام "جودی" ہے، اسی کے ایک حصہ کو "اراراط" کہا جاتا ہے۔

وَ قِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ: اور کہا گیا کہ ہلاکت ہے ظالم قوم کے لئے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کا انکار کیا، حضرت نوح علیہ السلام کے پیغمبر ہونے کو نہیں مانا، قیامت کا انکار کیا اللہ کے پیغمبر کو بے حد تکلیفیں دیں حقیقت میں انہوں نے بڑا ظلم کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہلاکت اور تباہی کا حکم صادر فرمادیا، اور فرمایا گیا کہ ظالم قوم کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہو اور لعنت ہو۔

اس واقعہ سے یہ سمجھانا مقصود ہے کہ دنیا میں بدکار قوموں کی بدکاری جب حد سے بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب انہیں تباہ کر دیتا ہے، خواہ وہ کوئی صورت اختیار کرے، مثلاً: قحط، یا وبا، یا سیلاب، یا جنگ؛ اس لئے اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا اور اپنے عملوں کی اصلاح کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونا

وَ نَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَ اِنَّ

اور پکارا نوح نے رب اپنے کو پس کہا اے رب میرے! تحقیق بیٹا میرا سے ہے گھرانے میرے اور تحقیق

وَعْدَكَ الْحَقُّ وَ اَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ﴿۴۵﴾

وعدہ آپ کا حق ہے اور آپ سب سے بڑے حاکم ہیں حاکموں میں سے (۴۵)

بامحاورہ ترجمہ: اور نوح نے اپنے رب کو پکارا کہا اے میرے رب! میرا بیٹا میرے گھر والوں میں سے ہے، بے شک آپ کا وعدہ سچا ہے اور آپ تو سب سے بڑے بادشاہ ہیں۔ (۴۵)

تفسیر

نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کا جواب سن کر سخت حیران ہوئے اور اس کے جواب سے آپ کو مایوسی ہوئی، مگر اس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور دم مارنے کی ہمت کہاں؟ جب طوفان تھم گیا اور کشتی پہاڑ پر لگی تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ اے اللہ! میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے تھا اور آپ نے میرے اہل کے بچانے کا وعدہ فرمایا تھا اور اے اللہ! آپ ہی سب بادشاہوں کے بادشاہ ہیں، آپ ہی سب حکمتوں کو جاننے والے ہیں، اتنا کہہ کر ادب سے خاموش ہو گئے۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):..... اس سے ایک مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ دعا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ دعا کرنے والا پہلے یہ معلوم کرلے کہ جس کام کی دعا کر رہا ہے وہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر کام واضح نہ ہو تو دعا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

مسئلہ (۲):..... "تفسیر روح المعانی" میں قاضی بیضاوی کے حوالے سے نقل کیا گیا ہے کہ جب اس

آیت سے مشکوک آدمی کے لئے دعا کرنے کی ممانعت معلوم ہوئی تو جس معاملہ کا ناجائز اور حرام ہونا معلوم ہو اس کے لئے دعا کا ناجائز ہونا ثابت ہو گیا۔

مسئلہ (۳):.... اس سے معلوم ہوا کہ آج کل کے پیروں بزرگوں میں جو یہ عام رواج ہو گیا ہے کہ جو شخص کسی دعا کے لئے آیا اس کے واسطے ہاتھ اٹھا دیئے اور دعا کر دی، حالانکہ اکثر ان کو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس مقدمہ کے لئے یہ دعا کرا رہا ہے اس میں یہ خود ناحق پر ہے یا ظالم ہے، یا کسی ایسے مقصد کے لئے دعا کرا رہا ہے جو اس کے لئے جائز نہیں، کوئی ایسی ملازمت اور منصب ہے جس میں یہ حرام میں مبتلا ہو گا یا کسی کی حق تلفی کر کے اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکے گا۔

ایسی دعائیں حالت معلوم ہونے کی صورت میں تو حرام اور ناجائز ہیں، اگر حالت واضح نہ ہو یا مشکوک ہو تو حال کی حقیقت اور معاملہ کے جائز ہونے کا علم حاصل کئے بغیر دعا کرنا بھی مناسب نہیں۔

حال کی حقیقت

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۖ

فرمایا اے نوح! تحقیق وہ نہیں میں سے گھر والے آپ کے بیشک وہ ایسا کام کرنیوالا ہے جو نہیں ہے ٹھیک

فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۭ اِنِّىْٓ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ

پس نہ پوچھیں مجھ سے ایسی بات نہیں تجھ کو اس کا علم تحقیق میں نصیحت کرتا ہوں تجھ کو کہ کہیں نہ ہو جائے تو

مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۴۶

میں سے نادانوں (۴۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ فرمایا: اے نوح! (آپ کا) یہ (بیٹا) آپ کے گھر والوں میں سے نہیں اس کے کام خراب ہیں، سو! مجھ سے اس چیز کا سوال نہ کریں جس کا آپ کو علم نہیں جو میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ آپ جاہلوں

میں سے نہ ہوں۔ (۴۶)

تفسیر

اس آیت میں نوح علیہ السلام کو فرمایا گیا ہے آپ جس بیٹے کے حق میں مجھ سے سوال کرر ہے ہیں وہ بیٹا آپ کے اہل میں داخل نہیں ہے کیونکہ اہل وہ ہوسکتا ہے جو اس کی عادتوں اور خصلتوں میں اس کا مشابہ ہو، نیک آدمی کا اہل وہ ہے جو خود نیک ہو، یہ لڑکا تو بری عادتوں والا بدکار تھا، دنیا کے اندر ایک جگہ یا ایک مکان میں رہنا اہل ہونے کے لئے کافی نہیں، گو ظاہری برتاؤ اس کے ساتھ وہی ہو جو اہل کے ساتھ ہوتا ہے آخرت میں اہل وہ ہے جو اپنے بڑوں کے ساتھ ایمان اور نیک کاموں میں شریک ہو، ورنہ مرنے کے بعد مؤمن اور کافر میں کوئی تعلق اور رشتہ باقی نہیں رہے گا، صرف متقی اور پرہیز گار ایک دوسرے کے ساتھی اور رشتہ دار ہوں گے۔

آگے ارشاد ہے کہ یہ باتیں نصیحت کی تجھے اس غرض کے لئے سنائی جارہی ہیں کہ آپ کا شمار جاہلوں میں نہ ہو جائے آپ کا یہ لڑکا آپ کے گھر والوں میں داخل نہیں ہے آپ کو یہ معلوم نہیں کہ یہ درست نہ ہوں گے، لیکن ہمیں معلوم ہے کہ یہ سیدھے راستے پر نہیں آسکتا اس لئے ان کی سفارش نہ کریں۔

احکام ومسائل

اس سے ایک مسئلہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایمان اور نیک عمل کے بغیر خالی پیغمبر کے ساتھ رشتہ داری کوئی فائدہ نہیں دیتی، جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا کہ: اے فاطمہ! اپنے آپ کو ایمان اور نیک کاموں کے ذریعے سے دوزخ کی آگ سے بچالو؛ اس لئے کہ قیامت کے دن میں تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکوں گا، البتہ یہ کہ میری تم سے رشتہ داری ہے میں دنیا میں (حسن سلوک اور نیک برتاؤ کے ذریعہ) اس کو تازہ رکھوں گا۔

حضرت نوح علیہ السلام کا اپنے بیٹے کے حق میں دعا کرنے کو جمہور مفسرین نے آپ کی لغزش قرار دیا ہے، یہ کوئی گناہ کی بات نہ تھی، مگر چونکہ آپ اللہ کے مقرب بندے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس معمولی لغزش کا بھی سختی سے نوٹس لیا اور آپ کو ایسا سوال کرنے سے روک دیا۔

امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے دو واسطوں سے شاگرد تھے، وہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے ایمان کے بارے میں علم ہی نہیں تھا، وہ آپ ہی کے گھر میں منافقوں کی طرح رہتا تھا اور کافروں کے ساتھ ملا ہوا تھا، بیوی کا بھی یہی حال تھا، یہ دونوں درپردہ کافروں کے ساتھ تھے، مگر نوح علیہ السلام کو علم نہیں تھا کہ یہ لوگ حقیقت میں ایمان سے خالی ہیں یہ بات دل کو لگتی ہے کیونکہ نبی عالم الغیب نہیں ہوتا کہ اسے معلوم ہو کہ فلاں فلاں آدمی منافق ہیں خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: مدینہ اور اس کے اردگرد میں کتنے منافق ایسے ہیں جن کو آپ نہیں جانتے بلکہ ہم انہیں جانتے ہیں وہ لوگ آپ کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں، آپ کی مجلس میں آتے ہیں اور بعض اوقات جہاد میں بھی شریک ہوتے ہیں، مگر جب تک وحی کے ذریعے اطلاع نہ دی جائے ان کا پتہ نہیں چلتا، اسی طرح ہوسکتا ہے کہ نوح علیہ السلام کو بھی بیٹے کے کفر اور نفاق کا علم نہ ہو، مگر اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں سختی اس لئے کی کہ آپ کا بیٹا آپ کی دعوت کے باوجود آپ کے ساتھ کشتی میں سوار نہ ہوا اور پیغمبر کی سمجھ بھی غیر معمولی ہوتی ہے تو آپ کو بیٹے کے کفر کا اندازہ ہو جانا چاہئے تھا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس لئے دعا نہیں کرنی چاہئے تھی، کیونکہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف تھی۔

نوح علیہ السلام کو سخت الفاظ میں تنبیہ کی وجہ

امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کی توجیہ یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کو علم نہیں تھا کہ ان کا بیٹا کافر ہے آپ سوال کر بیٹھے تو اللہ تعالیٰ نے سخت ڈانٹ پلائی، آپ کے بلند مرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اتنی سی لغزش بھی معاف نہ فرمائی خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا صحابی سے ذرا سی لاپرواہی برتی تھی تو "سورۂ عبس" کی آیتیں اتر

گئیں تو کہنا یہ ہے کہ یہ کوئی گناہ نہیں تھا بلکہ ذرا سی بے توجہی کی تو فوراً پکڑ آ گئی۔

شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر نوح علیہ السلام کو بیٹے کے کفر کا علم تھا تو پھر سوال کرنے کا مطلب یہ ہے کہ نوح علیہ السلام اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کی حکمت کو سمجھنا چاہتے تھے کہ اے پروردگار! آپ کا وعدہ تو یہ تھا کہ تیرے اہل کو بچالوں گا مگر میرا بیٹا ڈوب رہا ہے، مجھے خبر دیں کہ اس کی حکمت کیا ہے؟ آپ کے سوال کرنے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ اس کو کیوں غرق کیا؟ یا اس کو ضرور ہی بچالیا جائے تاہم شاہ عبد القادر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر حال کی حقیقت ہی معلوم کرنا مطلوب تھا تو بڑے آدمیوں کو پہلے مالک کی مرضی معلوم کرنی چاہئے کہ وہ ایسے سوال سے ناراض تو نہیں ہوگا، مگر نوح علیہ السلام نے براہِ راست بیٹے کے متعلق سوال کر دیا جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند تھا؛ اس لئے تنبیہ فرمائی۔

کنعان کے غرق ہونے کا ایک سبب

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اے نوح! کنعان آپ کے اہل میں داخل نہیں؛ اس لئے کہ اس کے کام برے ہیں اس سے اس غلط خیال کی جڑ کٹ جاتی ہے جس میں اہل کتاب پھنسے ہوئے تھے اور آج تک بھی وہ اور بہت سے اور لوگ اس میں پھنسے ہوئے ہیں، اہل کتاب بہت سی اور باتیں بھول چکے تھے پھر بھی آخرت کو مانتے تھے، جنت دوزخ کو مانتے تھے، عذاب ثواب کا انکار نہ کرتے تھے، لیکن ان کو اپنے متعلق پیغمبر کی نسل سے ہونے پر ناز تھا؛ اسی لئے یہودی مسلمانوں سے کہتے کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں ہم اگر گناہ بھی کریں تو کوئی حرج نہیں، ہمارے باپ دادا ہمیں بخشوالیں گے، دوزخ کا عذاب اگر ہوا بھی تو کچھ دن کے لئے ہوگا جن کے باپ دادا اس قدر مرتبے والے ہوں جیسے ہمارے تھے وہ بھلا اپنی اولاد کو دوزخ میں جلتا ہوا کیوں چھوڑنے لگے، وہ اللہ کے قریبی پسندیدہ لوگ تھے ان کی اولاد بھلا دوزخ کی آگ میں کیسے جلتی رہے گی، نصاریٰ کہتے تھے کہ ہماری سفارش کرنے والے خود اللہ کے بیٹے یسوع مسیح ہیں انہوں نے ہمارے لئے جان قربان کر دی، اب ہم چاہیں کچھ کریں وہ ہمیں ضرور بخشوالیں گے۔

قرآن پاک نے ان دونوں خیالوں کو صاف لفظوں میں واضح طور پر غلط قرار دیا ہے، تاکہ مسلمان اس

غلطی میں نہ پھنسیں کہ کسی بڑے بزرگ کی اولاد ہونا انسان کی نجات کے لئے کافی ہے یہاں حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں یہی بات سمجھائی گئی ہے۔

"سورۃ الجاثیۃ" میں واضح طور پر ہے کہ سوا ان لوگوں کے جو دنیا میں گناہوں سے بچتے اور نیک عمل کرتے ہیں آخرت میں کوئی کسی کا رشتہ دار نہ ہوگا، بلکہ ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے، وہاں نہ خاندانی رشتہ داری کام آئے گی، نہ ذات پات کی کچھ اہمیت ہوگی۔

"سورۂ لقمان" میں صاف ارشاد ہے کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور گناہ چھوڑ دو اور اس دن کی مصیبتوں سے بچنے کی تدبیر کرلو جس دن نہ باپ بیٹے کے کچھ کام آئے گا اور نہ بیٹا باپ کو بچا سکے گا۔

نوح علیہ السلام سمجھ گئے

قَالَ رَبِّ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِيْ بِهٖ عِلْمٌ ؕ

کہا اے رب میرے! تحقیق میں پناہ مانگتا ہوں ساتھ آپ کے کہ سوال کروں آپ سے ایسی شئ کا کہ نہیں مجھے اس کا علم

وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَ تَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۴۷﴾

اور اگر نہ بخشیں آپ مجھے اور رحم نہ کریں مجھ پر آپ تو ہوجاؤں گا میں میں سے خسارہ پانے والوں (۴۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (نوح علیہ السلام) نے (کہا) اے میرے رب! میں آپ کی پناہ لیتا ہوں اس سے کہ آپ سے اس چیز کا سوال کروں جس کی مجھے خبر نہیں اور اگر آپ مجھے نہ بخشیں اور رحم نہ کریں تو میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوں گا۔ (۴۷)

تفسیر

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خود ادب اور قاعدے سکھاتے ہیں اور ہر وقت ان کی خاص نگرانی اور خاص حفاظت

فرماتے ہیں تاکہ وہ کسی دینی اور اخلاقی معاملے میں سیدھے راستے سے ذرا بھی الگ نہ ہوں اور دوسروں کے لئے نمونہ بنیں، اس تعلیم کا بعض دفعہ قرآن مجید میں ذکر کر دیا جاتا ہے تاکہ ہمیشہ کے لئے سمجھ دار لوگ اس سے ادب اور قاعدے سیکھتے رہیں اور یہ بھی اچھی طرح سمجھ جائیں کہ پیغمبر لوگوں کو وہی باتیں بتاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ ان کو سکھاتے ہیں؛ اس لئے ان کے فرمانے پر عمل کرنا ضروری ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل ضروری ہے پچھلی آیت میں یہ بات سمجھائی گئی کہ ہر بات اس قابل نہیں ہوتی کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے یا اس کے ہونے کی دعا مانگی جائے، اللہ تعالیٰ سے سوال کرنے اور دعا کرنے کا طریقہ وہی ہے جو خود اس نے سکھایا ہے۔

اس آیت میں جو کچھ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا وہ بالکل اس ہدایت کے مطابق ہے عرض کرتے ہیں اے میرے پروردگار! مجھے اس بات سے بچایئے کہ میں آپ سے ایسا سوال کر بیٹھوں جو آپ کی مرضی کے خلاف ہو، یا ایسی دعا مانگوں جو آپ نے مجھے نہیں بتائی ہے اگر آپ نے میری خطا معاف نہ فرمائی اور مجھ پر رحم نہ فرمایا تو میں نقصان اٹھانے والا ہو جاؤں گا۔

نوح علیہ السلام کو تسلی

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَ عَلٰٓى اُمَمٍ

کہا گیا اے نوح! اتر جایئے ساتھ سلامتی کے سے طرف ہماری اور برکتوں کے پر آپ اور اوپر ان مخلوقات کے

مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾

جو ساتھ آپ کے ہیں اور مخلوقات ہیں کہ فائدہ پہنچائیں گے ہم ان کو پھر پہنچے گا انہیں ہم سے عذاب دکھ دینے والا (۴۸)

بامحاورہ ترجمہ: حکم ہوا اے نوح! ہماری طرف سے سلامتی اور برکتوں کے ساتھ اتر جائیں اور ان گروہوں پر جو آپ کے ساتھ ہیں، آپ کے بعد کچھ گروہ ایسے ہیں کہ ہم ان کو فائدہ دیں گے پھر ان کو ہماری

طرف سے عذاب پہنچے گا۔ (۴۸)

تفسیر

یعنی کشتی سے ''جودی'' پر پھر ''جودی'' سے زمین پر اترے برکتیں اور سلامتی آئندہ تم پر اور ان قوموں پر رہے گی، جو تمہارے ساتھیوں سے پیدا ہونے والی ہیں، فی الحال جو زمین طوفان سے بالکل اجڑ گئی ہے اللہ تعالیٰ دوبارہ آباد کردے گا اور اس کی رونق و برکت پھر لوٹ آئے گی ''سلامت'' کے لفظ سے گویا حق تعالیٰ نے تسلی فرمادی کہ پھر ساری نوع انسانی پر قیامت سے پہلے ایسی عام ہلاکت نہ آئیگی مگر بعضے گروہ ہلاک ہوں گے۔

یہاں سے وہ سیدھا راستہ جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے دنیا کی زندگی بسر کرنے کے لیے مقرر فرمایا ہے سمجھ میں آتا ہے، یعنی: اللہ تعالیٰ کی اور اس کے پیغمبر کی پیروی اور سرکشی اور فساد سے بچ کر چلنا۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے چند ساتھیوں کو امتوں سے تعبیر فرمایا ہے اور قرآن پاک میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ کشتی میں سوار ہونے والے نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں، حام، سام اور یافث کے علاوہ کسی شخص کی نسل آگے نہیں چلی، "سورہ صٰفّٰت" میں ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام اور آپ کی اولاد کو سخت مصیبت سے نجات دی اور ہم نے ان کی اولاد کو ہی باقی رکھا، باقی لوگ طوفان کے بعد اپنی زندگیاں گزار کر اس دنیا سے چلے گئے مگر کسی کی اولاد آگے نہیں چلی، غرضیکہ اس وقت نہ تو امتیں موجود تھیں اور نہ عام لوگوں کی نسلیں ہی آگے چلیں تو اس جگہ پر امتوں سے مراد وہی لوگ ہیں جو آگے چل کر نوح علیہ السلام کے تینوں بیٹوں سے دنیا کے مشرق و مغرب میں پھیل گئیں۔

سلامتی حاصل ہونے کا مطلب

آیت میں فرمایا گیا ہے کہ: ہماری طرف سے سلامتی کے ساتھ اتر جائیں، سلامتی دو طرح کی ہیں ایک جسمانی سلامتی اور ایک روحانی سلامتی، جسمانی سلامتی کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو تندرستی نصیب ہو، اچھی اولاد

نصیب ہو، آرام وآسائش کی سہولتیں میسر ہوں، اور روحانی سلامتی یہ ہے کہ کسی کو اچھا اخلاق حاصل ہو، نیک عمل انجام دینے کی توفیق نصیب ہو اور اچھے طریقے سے عبادت کرنے کا شوق پیدا ہو، یہاں پر جسمانی وروحانی دونوں قسم کی سلامتی مراد ہے قرآن پاک میں یہ بھی موجود ہیں کہ ہم ہر شخص کو آزمائیں گے اس آزمائش کے دوران میں اگر جسمانی سلامتی کسی وقت نہ بھی حاصل ہو تو روحانی سلامتی بہر حال نصیب ہوتی ہے۔

بہر حال! اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: آپ پر اور آپ کے ساتھ امتوں پر سلامتی ہوگی اس میں سے روحانی سلامتی تو ہمیشہ قائم رہے گی مگر جسمانی سلامتی اسی دنیا میں بعض کو نصیب ہو جاتی ہے تاہم یہ دیر پا نہیں ہوتی اور کسی وقت بھی چھن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکت حاصل ہونے کا مطلب

اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کے لئے سلامتی کے علاوہ برکت کا ذکر کیا ہے، امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ "مفردات القرآن" میں فرماتے ہیں کہ: برکت ایسی بہتری اور زیادتی کو کہتے ہیں کہ جس میں پاک وصاف ہونے کا مفہوم پایا جاتا ہے، برکت دینا صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے کسی کی عمر میں برکت ہوتی ہے، کسی کے مال میں، کسی کی اولاد میں، کسی کی عبادت میں اور کسی کے اوقات میں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ بعض لوگ تھوڑے وقت میں بہت زیادہ کام کر جاتے ہیں یہ اوقات میں برکت ہوتی ہے، بعض اوقات اللہ تعالیٰ تھوڑی سی چیز میں برکت عطا کرتا ہے تو وہی چیز بہت زیادہ لوگوں کی پیٹ پروری اور سیرابی کا باعث بن جاتی ہے، بعض اوقات بڑی سے بڑی چیز میں بھی بے برکتی ہوتی ہے جس سے نہ پیٹ پروری ہوتی ہے اور نہ سیرابی۔

نوح علیہ السلام کا قصّہ

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ

یہ ہیں کچھ خبریں غیب کی کہ وحی کرتے ہم اسے طرف آپ کی نہ تھے آپ جانتے ان کو آپ

وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۚ فَاصْبِرْ ۚ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾

ع ۴ الوقف علی فاصبر احسن والتی ۱۲ معانقہ عند المتاخرین ۱۲

اور نہ قوم آپ کی پہلے اس سے پس صبر کریں تحقیق انجام واسطے متقیوں کے ہے(۴۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ آیتیں غیب کی خبروں میں سے ہیں جنہیں ہم آپ کی طرف وحی بھیجتے ہیں اس سے پہلے نہ آپ ان خبروں کو جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، سو! آپ صبر کریں یقیناً (اللہ تعالیٰ سے) ڈرنے والوں کا انجام اچھا ہوگا۔(۴۹)

تفسیر

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا قصہ سنانے کے بعد اس آیت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا ہے کہ یہ صدیوں پہلے کے حالات جو ہم آپ کو سناتے ہیں ان کو انسان بھول بھال گئے اور اس لئے یہ غیب میں داخل ہو گئے، اب ان کا علم سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ نہ بتائے کسی کو معلوم نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ ہی نے پہلے بھی وحی کے ذریعے اپنے پیغمبروں کو بتایا تا کہ وہ اپنی قوموں کو سنائیں اور لوگ ان سے عبرت حاصل کریں، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اب یہ پرانے قصے ہم نے آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجے ہیں اور آپ کے پیغمبر ہونے کی دلیل ہے۔

جس ذات نے نہ اسکول پڑھا، نہ کسی انسان سے سبق لیا، نہ تعلیم یافتہ ماحول پایا، نہ تاریخ پڑھی، بلکہ پڑھا لکھا نہ ہونے کے باوجود ہزاروں سال پرانے واقعات بغیر کسی کمی وزیادتی کے بیان کرنا آپ کے پیغمبر ہونے کا ثبوت ہے اسلئے کہ یہ بغیر وحی کے ممکن نہیں۔

نوح علیہ السلام کے طوفان کی تفصیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کے ذریعہ معلوم کر کے امت کو سنائیں تو یہ واقعہ خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق پیغمبر ہونے کی ایک گواہی بن گئے، اس پر متنبہ کرنے کے لئے ان آیتوں میں ارشاد فرمایا کہ: نوح کے اور ان کے طوفان کے واقعات یہ غیب کی خبریں ہیں جن کو نہ آپ پہلے سے جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم، نہ عرب والے اس سے واقف تھے آپ نے ان کو بتلایا ہے کیونکہ اگر آپ کی قوم کے لوگ لکھے

پڑھے اور دنیا کی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے ہوتے تو یہ خیال بھی ہوسکتا تھا کہ آپ نے ان لوگوں سے سن کر یہ واقعات بیان کردیئے ہیں، لیکن جبکہ پوری قوم بھی ان واقعات سے بے خبر تھی اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم حاصل کرنے کے لئے کبھی کسی دوسرے ملک میں تشریف نہیں لے گئے تو اس خبر کا راستہ صرف وحی متعین ہوگیا جو آپ کے لئے برحق پیغمبر ہونے کی کھلی دلیل ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے تقریباً ایک ہزار سال تک مختلف تکلیفیں برداشت کیں، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی جارہی ہے، کہ نوح علیہ السلام کی طرح آپ بھی صبر کا دامن تھامے رکھیں، صبر بھی اللہ ہی کی توفیق سے حاصل ہوتا ہے، آپ تکلیفیں برداشت کرکے بھی اپنے پیغمبرانہ کام کو جاری رکھیں، اللہ تعالیٰ کا ذکر، شکر، صبر، اللہ کی شعائر کی تعظیم اور نماز اصولی چیزیں ہیں جن کو ماننا ہماری امت کے لئے بھی ضروری ہیں، لہٰذا تکلیف کے وقت برداشت کرو اور ناشکری کا کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالو۔

اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لئے فرمایا کہ: آپ کے پیغمبر ہونے پر روز روشن کی طرح دلیلیں ہوتے ہوئے بھی اگر کچھ لوگ آپ کو پیغمبر نہیں مانتے اور آپ سے جھگڑا کرتے ہیں تو آپ کو اپنے پہلے پیغمبر نوح کے صبر اور حوصلہ کو یاد کرنا چاہئے کہ انہوں نے ایک ہزار سال کی لمبی ساری زندگی اذیتوں میں گزار دی، تو جس طرح انہوں نے صبر کیا آپ بھی ایسا ہی صبر کریں کیونکہ یہ بات طے ہے، بالآخر کامیابی نیک لوگوں کو ہی ملے گی۔

اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ان پرانے قصوں کے سنانے میں تفریح یا دل کا بہلاوا مقصود نہیں ہے بلکہ ان غلطیوں سے بچانا مقصود ہے جس میں پہلے لوگ پھنسے اور باوجود سمجھانے کے نہ سمجھے اور بالآخر عذاب میں مبتلا ہوئے۔

ھود علیہ السلام

وَ اِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور طرف عاد کی بھائی ان کے ہود کو بھیجا کہا اے قوم میری! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں واسطے تمہارے

مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ یٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ
کوئی معبود سوااس کے نہیں تم مگر غلط باتیں گھڑنے والے (۵۰) اے قوم میری! نہیں مانگتا میں تم سے

عَلَیْهِ اَجْرًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾
پراس اجرت کوئی نہیں جر میرا مگر اوپر اس کے پیدا کیا جس نے مجھے کیا پس نہیں سوچتے تم (۵۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا، بولا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو سوا اس کے کوئی تمہارا معبود نہیں تم سب جھوٹ کہتے ہو۔(۵۰) اے میری قوم! میں تم سے اس پر کوئی اجرت نہیں مانگتا میرا اجر اسی پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا پھر کیا تم سمجھتے نہیں۔(۵۱)

تفسیر

واقعات تو اس میں سات پیغمبروں کے ہیں مگر سورت کا نام حضرت ہود علیہ السلام کے نام پر رکھا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں حضرت ہود علیہ السلام کے قصہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔

قرآن مجید انسان کو یہ سمجھانا چاہتا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کے بتائے بغیر انسان سیدھے راستے پر کبھی نہیں چلا، پہلے لوگوں کی حالتیں اس بات کے واضح کرنے کے لئے سنائی جارہی ہے کہ پیغمبروں کی ہدایت کو ٹھکرادینے والوں کا انجام کیا ہوا۔

نوح علیہ السلام کے طوفان کے بعد آہستہ آہستہ دنیا پھر بس گئی اور لوگ جگہ جگہ بستیاں بنا کر آباد ہو گئے، حضرموت اور نجران کے درمیان احقاف میں عاد کی قوم ابھری، یہ عاد کی اولاد میں سے تھے، عاد حضرت نوح علیہ السلام کا پوتا تھا یہ لوگ بڑے طاقتور اور اونچے قد والے تھے، انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کی تعلیم کو بھلادیا اور بتوں کی پوجا کرنے لگے حضرت ہود علیہ السلام اسی قوم کے ایک فرد تھے اس لحاظ سے ان کے بھائی ہوئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا پیغمبر مقرر کر کے ان کو سمجھانے کے لئے بھیجا اور انہوں نے ان سے کہا کہ دیکھو یہ بت تمہارے اپنے بنائے ہوئے ہیں، تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ یہ تمہیں کچھ دے سکتے ہیں، تم سے کچھ چھین سکتے ہیں، ان غلط معبودوں کو

چھوڑ دو اور صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، انسان کے لئے ایک سیدھا راستہ ہے باقی سب غلط ہیں، دیکھو! میں جو تمہیں سمجھا رہا ہوں اس میں میری کوئی غرض چھپی ہوئی نہیں ہے، میں تم سے کچھ نہیں مانگتا، جس نے مجھے پیدا کیا وہی مجھے سب کچھ دے گا اس بات کو سوچو اور میرا کہنا مان لو اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

اپنی توحید کو بیان کرنے، اپنے آخری پیغمبر کو تسلی دینے اور صبر کا قانون سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں پہلے کے بعض پیغمبروں کا ذکر فرمایا ہے، اس سورت کا نام حضرت ہود علیہ السلام کے نام پر "سورۂ ہود" ہے، اس میں آپ کی دعوت کے جواب میں آپ کی قوم کی نافرمانی اور کفر وشرک کا ذکر ہے اور پھر ان کا حشر بھی بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس قوم کو عبرت ناک سزا دی، پہلے نوح علیہ السلام اور آپ کی قوم کا ذکر تھا، اب ہود علیہ السلام اور ان کی نصیحت کا کچھ حصہ ان آیتوں میں بیان کیا جا رہا ہے، پھر آگے قوم کا جواب آئے گا اور آخر میں ان پر ہونے والے عذاب کا ذکر ہے۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمۡ هُوۡدًا: ارشاد ہوتا ہے کہ ہم نے ان کے بھائی ہود کو عاد کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا۔

عاد کی قوم پرانی قوموں میں سے ایک قوم ہے جس کا ذکر قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں ملتا ہے یہ قوم سام بن نوح کی اولاد میں سے ہے، اور ہود علیہ السلام بھی اسی قوم کے فرد تھے، عاد کی قوم کے لوگ جسمانی طور پر بڑے مضبوط تھے اور طاقت اور بہادری میں پوری دنیا میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے تھے، "سورۂ حم السجدہ" میں ہے کہ وہ لوگ خود کہتے تھے کہ ہم سے زیادہ طاقتور کون ہے؟ مگر اتنی طاقتور اور بہادر قوم افسوس کہ اپنی عقل وفکر کو کھو بیٹھی تھی اور اپنے ہاتھوں سے تراشی ہوئی پتھروں کی مورتیوں کو اپنا معبود بنا بیٹھی تھی۔

عاد کی قوم کے لوگ بڑے تکبر کرنے والے تھے "سورۂ شعراء" میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم اور اس کے بعد آنے والی قوموں میں پائی جانے والی کفر وشرک کی بیماری عاد کی قوم میں بھی پائی جاتی تھی، بہر حال ہود علیہ السلام کا تعلق بھی اسی قوم سے تھا، آپ کا شجرہ نسب ہود بن عبداللہ بن رباح اور پھر آخر میں سام بن نوح سے جا ملتا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی تباہی کے بعد دنیا میں جس قوم کو ترقی حاصل ہوئی وہ ہود کی قوم تھی، یہ قوم جنوبی عرب میں یمن اور اس کے اطراف، حضر موت، عمان اور خلیج فارس کے بہت بڑے حصے پر آباد تھی، اور دوسری طرف مصر تک ان کو اقتدار حاصل تھا تاہم ان کا دار الحکومت یمن تھا۔

عاد کی قوم کا مسکن عرب کے ربع خالی میں "وادیٔ دہنا" ہے، جزیرہ نمائے عرب کے جنوبی حصے میں ہزاروں میل کا خطہ بے آباد ریگستان ہے جب وہاں پر ہوائیں چلتی ہیں تو ریت کے طوفان اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، وہاں پر ریت کے بڑے بڑے ٹیلے ہیں، پہاڑوں جتنے بڑے ٹیلے دیکھتے ہی دیکھتے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہو جاتے ہیں، اور پھر ان کی زد میں آنے والے قافلے بمع اونٹ اور ساز وسامان سرخ وسفید ریت کے پہاڑوں میں دب کر رہ جاتے ہیں، عاد کی قوم یہیں آباد تھی۔

"تفسیر حقانی" والے لکھتے ہیں کہ عاد کی قوم کے لوگ عمارتوں کی تعمیر میں بڑا کمال رکھتے تھے ان کا بنایا ہوا ایک ایک مکان سات سات منزلہ ہوتا تھا اور ہر منزل کے درمیان چالیس گز کی مسافت ہوتی، اس قسم کی بعض عمارتوں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک موجود تھیں، بہر حال یہی وہ عاد کی قوم تھی جس کی طرف اللہ تعالیٰ نے ہود علیہ السلام کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا۔

حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم عربی بولنے والے تھے اور پرانے عرب کہلاتے ہیں اور حضرت ہود اور عاد کی قوم کی نسل بھی ایک ہی تھی اس لئے یہاں پر حضرت ہود کو اپنی عاد کی قوم کا دین کے اعتبار سے نہیں بلکہ نسلی اور وطنی اعتبار سے بھائی کہا گیا۔

آپ انہی لوگوں میں سے تھے اگر چہ آپ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور باقی ساری قوم کافر تھی، اس دینی تفاوت کے باوجود وہ نسلی اعتبار سے بھائی تھے، ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، "سورۂ اعراف" کی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مختلف کاموں کے لئے مختلف معبود بنا رکھے تھے، اور اسی بناء پر ان کو پکارتے تھے۔

توحید کا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کی ابتدائی آیت میں ہی بیان کر دیا کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا حاصل بھی یہی تھا اور ہود علیہ السلام نے بھی قوم کو یہی سبق دیا کہ جو تم نے معبود بنا رکھے ہے وہ تو محض اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور بہتان ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا اپنی حاجتوں میں دوسروں کو پکارنا ہی شرک اور بہتان ہے، پیچھے گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ان چیزوں سے پاک ہے جن کو یہ خدا کا شریک بناتے ہیں اور پھر مختلف طریقوں سے ان کی عبادت بھی کرتے ہیں، اور جس طرح اللہ پاک کی عبادت کرتے ہیں اسی طرح دوسروں کی بھی عبادت کرتے ہیں۔

ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اے میری قوم! میں تو تم سے اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے پر کسی قسم کی اجرت کا مطالبہ بھی نہیں کرتا، میری اجرت تو اللہ پاک کے ذمہ ہے، کیا تم اتنی بھی عقل نہیں رکھتے۔

حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو جو دعوت دی اس کی چند بڑی بڑی باتیں یہ تھیں:

(۱)....اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔

(۲)....شرک کر کے تم اللہ پاک پر جھوٹ اور بہتان باندھ رہے ہو۔

(۳)....میں اس دعوت پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا۔

زندگی کا بہترین طریقہ

وَ يٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ

اور اے قوم میری! بخشش مانگو رب اپنے سے پھر رجوع کرو طرف اسی کی بھیجے گا وہ آسمان سے

عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ يَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَ لَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ۝۵۲

اوپر تمہارے خوب بارش اور بڑھائے گا تم کو زور پر زور اپنے اور نہ منہ پھیرو مجرم ہو کر (۵۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے میری قوم! اپنے رب سے (اپنے) گناہ بخشواؤ اور پھر اس کی طرف رجوع کرو

وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار بارش برسائے گا اور تمہاری (موجودہ) قوت پر (مزید) قوت بڑھائے گا، اور گناہگار ہوکر روگردانی نہ کرو۔ (۵۲)

تفسیر

عاد کا علاقہ خشک تھا لیکن زمین بڑی زرخیز تھی بارش زور کی ہوجاتی تو ہر چیز خوب پیدا ہوتی اور اگر بارش نہ ہوتی تو پھر پانی کا کوئی مستقل ذریعہ نہ تھا، حضرت ہود علیہ السلام انہیں یاد دلاتے ہیں کہ یہ جو قحط کی بلا تمہارے سر پر منڈلاتی رہتی ہے اس سے بچنا چاہتے ہو تو میں تمہیں بچنے کا طریقہ بتاتا ہوں۔

اس آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں زندگی آرام سے بسر کرنے کا کیا طریقہ بتایا؟ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے اپنے قصوروں اور خطاؤں کی معافی مانگتے رہو، ہر بات میں اور ہر مشکل میں اسی کی طرف توجہ کرو، وہ تمہارے لئے وقت پر خوب مینہ برسائے گا، جس سے تمہارے باغ اور کھیتیاں ہری بھری رہیں گی اور ان میں خوب پیداوار ہوگی، جس سے تمہاری ظاہری مادی قوت بڑھے گی، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور ہر بات میں اس کی طرف رجوع کرنے سے روحانی قوت کا اس پر اضافہ ہوگا اور مجموعی طور پر تمہاری قوت کئی گنا ہوجائے گی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے منہ موڑ لینے اور دوسری چیزوں کی طرف دھیان کرنے سے تم دونوں طرح سے کمزور ہوجاؤ گے۔

احکام ومسائل

عموماً لوگوں سے اکثر گناہ ہوتے رہتے ہیں مفسرین فرماتے ہیں کہ جب اس قوم نے نافرمانی کی تو تین سال تک بارش بند رہی اور اس عرصہ میں عورتیں بھی بانجھ ہوگئیں اور کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو توبہ واستغفار کی تلقین فرمائی، خود حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک مجلس میں سو سو مرتبہ اپنی زبان سے استغفار کے کلمات ادا فرماتے تھے، کہ اے اللہ جو غلطی ہوگئی اسے

معاف فرمادے۔

فائدہ: یہاں یہ بات معلوم ہوگئی کہ توبہ اور استغفار سے جہاں گناہوں کی معافی سے آخرت کا فائدہ ہے وہاں دنیا میں رزق کی فراوانی بھی ہوجاتی ہے۔

اُلٹی سمجھ

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّ مَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا
کہاانہوں نے اے ہود! نہیں آیا تو ہمارے پاس لے کر کوئی نشانی اور نہیں ہم چھوڑنے والے معبودوں اپنے کو

عَنْ قَوْلِكَ وَ مَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ
سے کہنے تیرے اور نہیں ہم پر تجھ ایمان لانے والے (۵۳) نہیں کچھ کہتے ہم مگر بتلا کر دیا تجھے

بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ
بعض معبودوں ہمارے نے کسی بیماری میں

بامحاورہ ترجمہ:۔(ہود علیہ السلام کی قوم نے آپ سے کہا کہ) اے ہود! تو ہمارے پاس (اپنے پیغمبر ہونے کی) کوئی نشانی سند لے کر نہیں آیا اور ہم تیرے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں۔(۵۳) اور ہم تجھے ماننے والے نہیں، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے معبودوں میں سے کسی نے تیرے پر پھٹکار ڈال دی ہے۔

تفسیر

تیرے پاس اپنی سچائی کی کوئی دلیل نہیں ہم تو تجھے دلیل کے بغیر سچا ماننے کے لئے تیار نہیں۔

ہود علیہ السلام کی قوم نے جس نشانی اور دلیل کی بات کی ہے اس سے مراد معجزہ ہے کہ آپ ہمارے پاس کوئی معجزہ لے کر نہیں آئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کے ہاتھ کوئی نہ کوئی معجزہ ظاہر فرمایا ہے، مگر مشرک لوگ اپنی

مرضی کا معجزہ حاصل کرنے پر اڑ جاتے ہیں، قرآن کریم میں مختلف جگہوں پر آیا ہے کہ اس پر ہماری مرضی کی کوئی نشانی، یعنی: معجزہ کیوں نہیں اترا، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں نے اس کے جواب میں ہمیشہ یہی کہا ہے کہ معجزہ ظاہر کرنا ہمارے اختیار میں نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ کی مرضی پر ہے۔

اور یہ کافر لوگ معجزوں کا مطالبہ اس لئے نہیں کرتے تھے کہ معجزہ آجانے کے بعد حقیقت کو مان کر ایمان لے آئیں گے، بلکہ معجزوں کا مطالبہ محض ضد اور مخالفت کی وجہ سے کرتے تھے، وگرنہ پیغمبر کا وجود، اس کی نصیحت، اس کا نورانی چہرہ اس کی آواز اور عمل سب معجزات ہیں۔

مکہ کے مشرکوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اچھا اگر آپ پیغمبر ہیں تو چاند کو ٹکڑے کر کے دکھائیں، جس پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارے سے چاند دو ٹکڑے ہو گیا، ایک ٹکڑا پہاڑ کی ایک طرف نظر آرہا تھا، اور دوسرا دوسری طرف، جب اپنے من مطابق معجزہ بھی سامنے آگیا تو یہ کافر کہنے لگے کہ یہ تو کھلا جادو ہے، بہر حال اس طرح کی واہیات باتیں ان کافروں کا مشترکہ شیوہ رہا ہے۔

دوسری بات قوم نے آپ کو یہ کہی کہ تمہارے کہنے پر ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑ سکتے اور نہ ہم تیرے پر ایمان لانے والے ہیں۔

مکہ کے مشرک بھی یہی کہتے تھے کہ کیا ہم اتنے سارے معبودوں کے بجائے صرف ایک معبود بنالیں؟ یہ تو عجیب بات معلوم ہوتی ہے، کیا ہم لات، منات، عزیٰ، ہبل، ود، سواع، نائلہ اور اساف سب کو چھوڑ کر صرف ایک خدا کی عبادت کریں، ہم اپنے باپ داداؤں کے تمام معبودوں کو کیسے چھوڑیں، قرآن پاک نے مشرکوں کی دو باتوں پر تعجب کا اظہار کیا ہے ایک قیامت برپا ہونے پر اور دوسرا توحید کے مسئلہ پر، ان میں شرک ایسا رچ بس گیا تھا کہ وہ اسے چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے، ہر قوم، خاندان اور قبیلے کا الگ الگ معبود تھا ہر گھر میں علیحدہ علیحدہ معبود تھے، ہر معبود کی الگ الگ شکل اور صورت اور اس کے ذمے مخصوص کام تھے ان کے خیال کے مطابق وہ انجام دیتا تھا، ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں بھی آتا ہے کہ ان کی قوم کے لوگوں نے کہا اپنے معبودوں پر جمے رہو، ان کو

چھوڑ و نہیں اس کی بجائے ابراہیم علیہ السلام کو ہلاک کر دو، تا کہ ہمارے معبودوں کی برائی بیان نہ ہو۔

ہمیں تو سوا اس کے اور کچھ نہیں بن پڑتا کہ ہمارے معبود تیرے منہ سے اپنی برائیاں سن سن کر تجھ سے ناراض ہو گئے اور ان میں سے کسی نے غضبناک ہو کر تجھ پر کچھ الٹا اثر کر دیا ہے جس کی وجہ سے (نعوذ باللہ تعالیٰ) تیرے ہوش وحواس میں خلل آ گیا اور تیرا دماغ ٹھیک نہیں رہا۔

جن لوگوں کی عقل پر بھاری بھاری پردے پڑ جاتے ہیں، وہ ایسی ہی باتیں کیا کرتے ہیں، ان کو یہ بھوت سوار ہو جاتا ہے کہ ہم جو کہتے اور کرتے ہیں بس وہی ٹھیک ہے اس کے خلاف اگر پیغمبر کوئی بات کہے تو اس کے دماغ میں خلل ہے حالانکہ خلل خود ان کے دماغ میں ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے دل ان کی خود غرضیوں اور بدعملیوں کی وجہ سے سخت ہو گئے ہیں اس لئے ان پر ٹھیک باتوں کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔

حضرت ہود علیہ السلام کا جواب

قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾

کہا میں گواہ کرتا ہوں اللہ کو اور گواہ رہو تم کہ میں بیزار ہوں اس سے جو شریک کرتے ہو تم (۵۴)

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ

سوا اس کے سو وار کرو مجھ پر سب پھر نہ مہلت دو مجھ کو (۵۵) تحقیق میں نے بھروسہ کیا

عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَ رَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ؕ

پر اللہ تعالیٰ رب میرا ہے اور رب تمہارا نہیں کوئی چلنے والا زمین پر مگر وہ تھامے ہوئے ہیں چوٹی اس کی

اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾

تحقیق رب میرا پر ہے راہ سیدھی (۵۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (ہود علیہ السلام نے) کہا میں اللہ تعالیٰ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان تمام

چیزوں سے بیزار ہوں جنہیں تم شریک کرتے ہو۔(۵۴) اس کے سوا سو تم مل کر میرے حق میں برائی کرو پھر مجھے مہلت بھی نہ دو۔(۵۵) میں نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا جو میرا اور تم سب کا رب ہے کوئی زمین پر پاؤں دھرنے والا نہیں مگر اس کے ہاتھ میں اس کی پیشانی ہے بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے۔(۵۶)

تفسیر

حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کی باتیں سن کر بھانپ گئے کہ یہ لوگ ماننے والے نہیں اور مقابلہ کریں گے، اس لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد کا حال بتا دینا مناسب سمجھا اور فرمایا کہ میرا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے میں تم سے کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں تمہارے تمام مشرکانہ کاموں سے بے تعلق ہوں، اب تم سب جمع ہو کر جتنے چاہو لگا تار داؤ پیچ کئے جاؤ، مجھے تمہارا کچھ بھی خوف نہیں، میرا اعتماد اور بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہے، وہی میرا رب ہے بلکہ وہی تمہارا بھی رب ہے تم سمجھو یا نہ سمجھو اور مجھ پر اور تم پر ہی کیا منحصر ہے اس کے قبضے میں ہر جاندار ہے اور ہر ایک پر اس کا پورا پورا قابو ہے اس نے اپنے بندوں کے لئے ایک سیدھا راستہ مقرر کر دیا ہے جو اس پر چلے گا وہ اس کو پالے گا اور اس کی رحمت اس کو ہر طرف سے گھیر لے گی، پھر اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ: فرمایا بے شک میرا پروردگار سیدھے راستے پر ہے یہاں اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سیدھا راستہ (صراط مستقیم) پر چلنے کا حکم تو خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دیا ہے اور ہم خود اپنی دعا میں کہتے ہیں کہ اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھا اور اللہ تعالیٰ بھی فرماتے ہیں قرآن کریم کا یہ راستہ ہی صراط مستقیم ہے جو مجھ تک پہنچنے والا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کے صراط مستقیم پر ہونے کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے اس آیت میں جو یہ فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پر ہے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی صراط مستقیم پر چلتا رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو پالے گا جیسا کہ کہا جاتا ہے بھائی فلاں کا گھر اس روڈ پر ہے، یعنی: اگر آپ اس روڈ پر چلتے رہیں گے تو فلاں کے گھر کو پالیں گے یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ اگر آپ صراط مستقیم پر

چلتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ کو پالیں گے۔

عذاب کا ڈراوا

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ وَ
پس اگر منہ موڑو تم البتہ تحقیق پہنچا دیا میں نے تم کو جو بھیجا گیا تھا مجھے دے کر طرف تمہاری اور

يَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ رَبِّيْ
جگہ لے آئے گا رب میرا قوم سوا تمہارے اور نہ بگاڑو گے تم اس کا کچھ تحقیق رب میرا

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾
پر ہر چیز کے نگہبان ہے(۵۷)

با محاورہ ترجمہ:۔ پھر اگر تم منہ پھیرو گے تو میں تم کو پہنچا چکا جو میرے ہاتھ تمہاری طرف بھیجا تھا اور میرا رب کسی اور قوم کو تمہاری جگہ لے آئے گا اور تم لوگ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکو گے، تحقیق میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے۔(۵۷)

تفسیر

حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ: اگر تم اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منہ پھیرے ہی رکھا تو پھر میرا کچھ قصور نہیں تم اپنی سزا بھگتو گے، مجھے جو پیغام دے کر اللہ تعالیٰ نے بھیجا تھا وہ میں نے تم کو سنا دیا، تمہارے کردار ٹھیک نہیں، خوف ہے کہ تم دنیا سے مٹا دیئے جاؤ گے، اور اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسرے لوگ لا بٹھائے گا، تم اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے ہو، اپنا ہی کچھ بگاڑ لو گے، وہ ساری چیزوں کا نگہبان ہے، ضرور ہماری حفاظت کا سامان کردے گا، اس کے فرمانبردار بندوں کا بال بیکا نہیں ہوتا اور نافرمان کچل دیئے جاتے ہیں، افسوس کہ تم قدرت رکھنے والے رب سے نہیں ڈرتے، رات دن تمہارے مشغلے ایسے ہوتے ہیں جنہیں وہ ناپسند

کرتا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تم پر شامت آنے والی ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام اور ایمان لانے والوں کا اچھا انجام

وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ

اور جب آیا حکم ہمارا بچا دیا ہم نے ہود کو اور ان کو جو ایمان لائے ساتھ اس کے ساتھ رحمت کے

مِّنَّا ۚ وَ نَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾

سے طرف اپنی اور نجات دی ہم نے ان کو سے ایک عذاب بھاری (۵۸)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہمارا (عذاب) کا حکم آ پہنچا تو ہم نے ہود کو اور جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائے تھے ان کو اپنی رحمت سے بچا لیا اور ان کو ایک بھاری عذاب سے بچا دیا۔ (۵۸)

تفسیر

دنیا میں اللہ تعالیٰ کے انتظام اور حکم کے مطابق طبعی حادثات ہوتے رہتے ہیں ان کے لئے اسباب اور اوقات مقرر ہیں، سمندر اور دریاؤں کے قریب کے علاقوں میں پانی کے طوفان سیلاب وغیرہ آتے رہتے ہیں، خشک علاقوں میں آندھیاں اور سخت ہوائیں چلتی رہتی ہیں، پہاڑی علاقوں میں زلزلے آتے رہتے ہیں، پیغمبروں کی موجودگی میں ان کے مخالفوں کے لئے انہی چیزوں میں سے کسی کو عذاب کا ذریعہ بنا دیا جاتا ہے، پیغمبروں کو اور ان کی بات ماننے والوں کو بچا دیا جاتا ہے، عاد کا علاقہ خشک تھا، صحرا قریب تھا، ان کے لئے ایک تیز آندھی کو عذاب کا ذریعہ بنا دیا، حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کو بچا لیا اور باقی لوگ آندھی کی سخت ہوا اور نا قابل برداشت جھکڑوں سے اڑ اڑ کر گرے اور تباہ و برباد ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ہود علیہ السلام اور ان کے اوپر جو ایمان لائے تھے سخت عذاب سے بچا لیا، ورنہ اپنی تدبیر کے بل اس کے عذاب سے کوئی نہیں بچ سکتا تھا۔

ہود کی قوم کا ذکر قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں آیا ہے، "سورۂ احقاف" میں آپ کا بیان ہے اور

"سورۂ اعراف" میں زیادہ تفصیل ہے، وہاں پر کفر اور شرک کی مختلف باتوں کا ذکر ہے ان لوگوں نے مختلف حاجتوں اور ضرورتوں کے لئے مختلف معبود بنا رکھے تھے ہود علیہ السلام کی تبلیغ کے جواب میں قوم نے آپ کو بیوقوف کہا۔

عاد کی قوم کی لگاتار نافرمانی اور سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر قحط سالی ہوگئی، یہاں تک کہ عورتیں بھی بانجھ ہوگئی تھیں، اس دور میں مکے کے اردگرد بھی عاد کی قوم آباد تھی، البتہ وادی دہنا اور مکے کے آس پاس رہنے والے سامی نسل کے ہی دو مختلف خاندان تھے مکہ کے پڑوس میں رہنے والے خاندان کا سردار معاویہ بن بکر تھا، جبکہ یمن والے خاندان کا سردار املیک بن اعوذ تھا، دونوں خاندانوں کی آپس میں رشتہ داریاں اور تعلقات تھے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ اس دور میں خانہ کعبہ کی عمارت تو سیلاب کی نظر ہو چکی تھی، البتہ اس جگہ پر ایک سرخ ٹیلہ تھا جسے بابرکت سمجھا جاتا تھا اور لوگ وہاں جا کر دعائیں کرتے تھے۔

یمن کے علاقے میں جب عرصے تک بارش نہ ہوئی تو پانی کی کمی ہوگئی اور قحط ہونے لگا، ان حالات میں عاد کی قوم نے فیصلہ کیا کہ اپنا ایک وفد مکہ بھیجا جائے، جو وہاں جا کر بارش کے لئے دعا کرے تو شاید اللہ تعالیٰ قحط کو دور کر دے اور خوشحالی لوٹ آئے، چنانچہ ستر آدمیوں کا ایک وفد کیل اور مرثد نامی دو سرداروں کی قیادت میں مکہ روانہ ہوا، وہ لوگ مکے کے قریب وہاں کے سردار معاویہ بن بکر کے ہاں جا کر اترے، میزبان نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی اور وہاں کے رواج کے مطابق ان کے کھانے پینے اور رہنے کے لئے خوب انتظام کیا یہاں تک کہ ان کی تفریح کے لئے گانے والی لونڈیوں کا بندوبست کیا، وہ لوگ مہینہ بھر دعوتیں اڑاتے رہے اور جس مقصد کے لئے آئے وہ بھول ہی گئے، میزبان خود بھی ان کے لمبی مدت تک ٹھہرنے کی وجہ سے تنگ آ چکا تھا مگر انہیں کہہ نہیں سکتا تھا، کیونکہ یہ عرب کے میزبانی کے اصول کے خلاف تھا، بالآخر مہمان سردار مرثد کو خیال آیا کہ ہم تو خوشحالی کی دعا کرنے آئے ہیں مگر یہاں عیش و آرام میں پڑ کر اسے بھی بھول گئے اس نے ساتھیوں کو مشورہ دیا کہ اب ہمیں یہاں سے رخصت ہو کر اصل مقصد کی طرف روانہ ہونا چاہئے، مرثد نے یہ بھی کہا کہ میرا دل یہ گواہی دیتا ہے کہ

جب تک تم اللہ کے پیغمبر ہود پر ایمان نہیں لاؤ گے، یہاں پر دعائیں کرنے سے بھی تمہیں کچھ فائدہ نہیں ہوگا، دوسرے ساتھیوں نے سمجھا کہ مرثد ہود پر ایمان لا چکا ہے، لہٰذا وہ اس سے ناراض ہو گئے اور کہنے لگے کہ اسے ہم دعا کی جگہ پر اپنے ساتھ نہیں لے جائیں گے۔

ادھر جب میزبان ان کی لمبی مدت تک ٹھہرے رہنے سے تنگ آ گیا تو اس نے ایک ترکیب سوچی اور گانے والی لونڈی کو کہا کہ جب گانے کی محفل ہونے لگے تو اس میں تم یہ شعر گانا۔

الا یاقیل ویحک قم فھینم لعل اللہ یصبحنا غماما

اے قیل اٹھو! اور کچھ مناجات اور التجا کرو شاید اللہ تعالیٰ ہمیں بارش سے سیراب کردے

فیسقی ارض عادان عادا قد امسوا لا یبینون الکلاما

شاید کہ اللہ تعالیٰ ارض عاد کو سیراب کردے کیونکہ عاد کے لوگ اس قدر کمزور ہو چکے ہیں کہ بات بھی نہیں کر سکتے

جب لونڈی کی زبان سے مہمانوں نے یہ شعر سنے تو پھر انہیں ہوش آیا کہ ہم نے تو یہاں بہت دیر کر دی ہے، ہمیں فوراً اپنے مقصد کی طرف روانہ ہونا چاہئے، چنانچہ بیت اللہ شریف کی جگہ پر واقع ٹیلے پر جا کر انہوں نے دعا کی اے پروردگار! ہم بڑی پریشانی میں مبتلا ہیں جس طرح تو پہلے عاد کی قوم کو سیراب کرتا تھا، اب بھی ان کے لئے پانی اتار دے۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ اس دعا کے بعد تین قسم کے بادل اٹھے یعنی سفید، سرخ اور سیاہ، غیب سے کیل سردار کے نام آواز آئی کہ ان بادلوں میں سے جونسا چاہو پسند کرلو، چونکہ عموماً کالی گھٹائیں زیادہ سے زیادہ بارش کا سبب بنتی ہیں، اس لئے کیل نے سیاہ بادلوں کو پسند کیا۔

"ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ آواز آئی اچھا انہی کو اختیار کرلو یہ عاد کی قوم میں سے کسی کو بھی باقی نہیں چھوڑیں گے، جب سیاہ بادل وادیوں میں نمودار ہوئے تو وہ لوگ بڑے خوش ہوئے کہ اب خوب

بارش ہوگی اور قحط دور ہوجائے گا،" سورۂ احقاف" میں ہے، کہ پھر جب انہوں نے دیکھا کہ بادل ان کے میدانوں کی طرف آرہے ہیں تو کہنے لگے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا، مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ بارش برسانے والے بادل نہیں بلکہ یہ تو وہ چیز ہے جس کے لئے تم جلدی کرتے تھے، اس میں آندھی ہے جس میں دردناک عذاب بھرا ہوا ہے یہ ایسی چیز ہے جو اپنے رب کے حکم سے ہر چیز کو ملیامیٹ کرکے رکھ دیگی، چنانچہ جب بادل آئے تو ان میں سے ایسی زہریلی ہوا نکلی جس نے پوری قوم کو تباہ کردیا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ ہوا مغرب کی جانب سے آئی تھی۔

پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان بھی ہے کہ عاد کی قوم کو مغرب کی طرف چلنے والی گرم ہوا سے ہلاک کی گئی، جب کہ اللہ تعالیٰ نے میری مدد مشرق سے چلنے والی ٹھنڈی ہوا کے ساتھ کی، احزاب کی جنگ کے موقع پر مشرق کی جانب سے ٹھنڈی ہوا چلی تھی جس کی وجہ سے مشرکوں کے خیمے اکھڑ گئے اور وہ لوگ محاصرہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔

بہرحال عاد کی قوم اپنی سرکشی پر ڈٹے رہے تو اللہ تعالیٰ نے ان پر تیز وتند ہوا کے طوفان کا عذاب بھیجا، جس نے مکانات اور درختوں کو جڑوں سے اکھاڑ دیا، آدمی اور جانور ہوا میں اڑ کر آسمانی فضاء تک جاتے اور وہاں سے اوندھے گرتے تھے آسمان کی طرف سے انسانوں کی چیخ وپکار سنائی دیتی تھی۔

انسانوں کو اچھال اچھال کر اور آپس میں ٹکرا ٹکرا کر ہلاک کیا گیا، گرم اور تیز ہوا لوگوں کی ناک میں داخل ہوکر دوسری طرف سے نکل جاتی تھی اور اعضاء کو ٹکڑے ٹکڑے کردیتی تھی، "سورۂ الحاقہ" میں ہے کہ یہ تیز وتند ہوا سات راتیں اور آٹھ دن تک مسلسل چلتی رہی اور پوری قوم کو تباہ وبرباد کرکے رکھ دیا، عاد کی قوم کے لمبے تڑنگے لوگ کھجوروں کے کھوکھلے درختوں کی طرح گرے پڑے تھے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: کیا ان میں کوئی بھی زندہ بچا؟

حضرت ہود علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے کہتے ہیں جن مکانوں میں اہل ایمان موجود تھے وہاں زہریلی ہوا نہیں پہنچتی تھی، اس طرح اللہ پاک نے حضرت ہود علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچالیا اور باقی پوری قوم کو ہلاک کردیا گیا۔

عبرت

وَ تِلْكَ عَادٌ ۟ۙ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَ عَصَوْا رُسُلَهٗ وَ

اور یہ عاد ہے انکار کیا جنہوں نے آیتوں رب اپنے کی کا اور نافرمانی کی پیغمبروں اس کے کی اور

اتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۝۵۹ وَ اُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا

پیروی کی حکم ہر سرکش ضدی کے کی (۵۹) اور ڈالی گئی ان پر میں اس دنیا

لَعْنَةً وَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا

پھٹکار اور دن قیامت کے سنو! تحقیق عاد نے نافرمانی کی رب اپنے کی سنو! پھٹکار ہے

لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ۝۶۰ ع ۵ ۱۱ ۵ وقف لازم

واسطے عاد کے قوم ہود کی (۶۰)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور یہ تھے عاد جو اپنے رب کی باتوں سے منکر ہوئے اور اس کے پیغمبروں کو نہ مانا اور ان کا حکم مانا جو سرکش مخالف تھے۔(۵۹) اور اس دنیا میں اور قیامت کے دن بھی ان پر لعنت پڑے گی سن لو عاد! اپنے رب سے منکر ہوئے، سن لو! پھٹکار ہے عاد پر جو ہود کی قوم تھی۔(۶۰)

تفسیر

حق تعالیٰ سے منہ پھیرنے والے کبھی کامیابی کو نہیں پہنچتے اگر دنیا میں رہ کر انسان نے اللہ تعالیٰ کو نہ پہچانا تو اس کا سب کیا کرایا بے کار ہوا، عاد کی قوم کو دیکھو وہ تمہارے سامنے ان کی بستیوں کے کھنڈر پڑے ہیں ان کو اپنی قوت پر ناز تھا اپنی عقل پر اتراتے تھے، سب کچھ کرتے تھے مگر اپنے رب اور اس ساری کائنات کے رب کا انکار کرتے تھے، پیغمبروں کے ارشادات کا کچھ خیال نہ کرتے تھے، ان کا کہنا نہ مانتے تھے، ہاں طاقتور، مغرور اور سرکش لوگوں کا ادب کرتے تھے، ان کے کہنے کو سر آنکھوں پر رکھتے تھے، آخر انجام کیا ہوا اللہ تعالیٰ نے ان کے

اوپر آندھی کا عذاب مسلط کر دیا، ساری شیخی کر کری ہوگئی، سب کچھ رکھا رہ گیا، گھاس کے تنکوں کی طرح اڑ اڑ کر گرے، زور زور کی پٹخیاں کھائیں، ہوا کے زور نے بدن تک کے ٹکڑے کر دیئے، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہوئے، اس کے غضب کا شکار ہوئے، چاہئے تھا کہ اپنے رب کو پہچان کر اس کے آگے جھکتے لیکن وہ اکڑ کر چلے، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جاؤ دنیا سے دفع ہو اور قیامت میں بھی جنت سے محروم رہو۔

یہاں پر حضرت ہود علیہ السلام کی قوم کا ذکر کر کے عام لوگوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ لوگو! سنو عاد کی قوم نے اپنے پروردگار کا انکار کیا اپنے وجود بخشنے والے نعمتیں عطا کرنے والے اور ہر آسائش مہیا کرنے والے رب کا انکار کیا، اس کی توحید اور اس کے پیغمبروں کو نہ مانا اور اس کا حکم نہ مانا، سنو! ہود علیہ السلام کی قوم عاد کی بربادی ہے یہاں پر "بُعْدًا" کا مفہوم اللہ کی رحمت سے دوری ہے، "لعنت" کا بھی یہی مفہوم ہے کہ لعنتی آدمی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے، "بُعْدًا" کا دوسرا معنی ہلاکت ہوتا ہے اور اس جگہ پر یہی موزوں ہے۔

احکام و مسائل

علماء کے لئے ایک نکتہ

یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ذکر تو صرف حضرت ہود علیہ السلام کا ہو رہا ہے جو کہ اللہ پاک کے پیغمبرں میں سے ایک بڑے پیغمبر ہیں، مگر "رُسُل" جمع کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، جس کا معنی ہے انہوں نے رسولوں کی نافرمانی کی، مفسرین کرام فرماتے ہیں ممکن ہے کہ اس وقت ہود علیہ السلام کے علاوہ بعض دوسرے پیغمبر بھی موجود ہوں، کیونکہ ایک ایک وقت میں کئی کئی پیغمبروں کا ذکر بھی تو ملتا ہے، جیسے بنی اسرائیل کے دور میں ہوتا رہا، یونس علیہ السلام کے زمانے میں بھی بیک وقت پانچ پیغمبر موجود تھے، جن میں سے آپ کو منتخب کر کے نینوی کی بستی کی طرف بھیجا گیا۔

بعض فرماتے ہیں کہ: جمع کا صیغہ "رسولوں" کے متعلق دوسری جگہوں پر بھی استعمال ہوا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایک پیغمبر کا انکار تمام پیغمبروں کے انکار کے مترادف ہے، کیونکہ دین اور پیغام تو سب کا ایک

ہی رہا ہے، سارے پیغمبر یہی کہتے رہے کہ لوگو صرف ایک اللہ کی بندگی کرو، کیونکہ اس کے سوا کوئی بھی تمہارا معبود نہیں ہے، تو گویا ایک پیغمبر کو جھٹلانا سب کے سب پیغمبروں کو جھٹلانے کی طرح ہے۔

فائدہ: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ عاد کی قوم پر ہوا کا طوفان مسلط ہوا تھا، مگر "سورۂ مؤمنون" میں ہے کہ ان کو ایک سخت آواز کے ذریعہ ہلاک کیا گیا، ہوسکتا ہے کہ ہود علیہ السلام کی قوم پر دونوں قسم کے عذاب اترے ہوں۔

حضرت صالح علیہ السلام

وَ اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

اور طرف ثمود کی بھائی ان کے صالح کو بھیجا کہا اے قوم میری! بندگی کرو اللہ کی نہیں واسطے تمہارے

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا

کوئی معبود سوا اس کے اسی نے پیدا کیا تمہیں سے زمین اور بسایا تم کو میں اس

فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ﴿٦١﴾

پس بخشش چاہو اس سے پھر رجوع کرو طرف اس کی تحقیق رب میرا نزدیک ہے قبول کرنے والا ہے (۶۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا (اس نے اپنی قوم سے) کہا کہ میری قوم! اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اسی نے تم کو زمین سے بنایا اور اس میں تم کو بسایا سو اس سے گناہ بخشواؤ اس کی طرف لوٹ کر آؤ تحقیق میرا رب قریب ہے قبول کرنے والا ہے۔ (۶۱)

تفسیر

ثمود کے بھائی بندوں میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا، انہوں نے ان سے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اسی نے تمہیں زمین سے پیدا کیا ہے پھر تمہیں چاہئے کہ اس سے بخشش مانگو اور ہر بات میں اسی کی طرف رجوع کرو، وہ میرا اور تمہارا رب ہے، سب سے قریب ہے اور سب کی

بات سنتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے۔

عاد کی قوم جزیرہ نمائے عرب کے جنوب میں ربع خالی کی" وادیٔ دہنا" میں آباد تھے، جب کہ ثمود کی قوم شمال میں تبوک سے لے کر" وادیٔ قریٰ" تک کے درمیان رہتے تھے۔

اس علاقے میں قوم کے ایک ہزار سات سو دیہات اور قصبات اور شہر آباد تھے، یہ بڑے ترقی یافتہ تھے، پتھر تراشی کے بڑے ماہر تھے، پہاڑوں کو کاٹ کاٹ کر بڑے عالیشان نقش ونگار والے مکان تعمیر کرتے تھے۔

ان کے بنائے ہوئے مکانات ہزاروں سال گزرنے کے بعد آج بھی موجود ہیں، ان پر بنے ہوئے نقش ونگاران لوگوں کی کاریگری کا منہ بولتا ثبوت ہیں، دنیا بھر کے سیاح ان تعمیرات کو دیکھنے کے لئے جاتے ہیں، ان عمارتوں کے کھنڈرات پر ثمودی، سامی یا آرامی زبان میں لکھے ہوئے کتبے بھی موجود ہیں۔

بہر حال یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ثمود کی قوم کا حال بیان فرمایا ہے کہ انہوں نے کس طرح اللہ تعالیٰ کے پیغمبر صالح علیہ السلام کی مخالفت کی، انکو جھٹلایا اور پھر آخر کار قوم کا کیا حشر ہوا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ ثمود کی قوم کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو پیغمبر بنا کر بھیجا، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا تعلق بھی سامی نسل سے ہے، آپ کا شجرہ صالح بن عبید اوپر جا کر سام بن نوح سے جاملتا ہے، بعض قوموں کی طرف پیغمبر باہر سے آکر تبلیغ کرتے رہے ہیں جیسے لوط علیہ السلام ہیں وہ عراق کے رہنے والے تھے جبکہ انہیں تبلیغ کے لئے" شرق اردن" کی طرف بھیجا گیا، حضرت یونس علیہ السلام بھی شام سے نینوی کی بستی میں آئے، تاہم ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام اپنی اپنی قوموں کی طرف ہی بھیجے گئے، صالح علیہ السلام اپنی قوم ثمود ہی کے ایک فرد تھے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی قوم کو تبلیغ کرنے کے لئے مقرر فرمایا تھا۔

صالح علیہ السلام نے بھی اپنی تبلیغ کی پہل اللہ تعالیٰ کے ایک برحق معبود ہونے کے پیغام کے ساتھ کی، جیسا کہ دوسرے پیغمبر کرتے رہے، فرمایا: اے میری قوم کے لوگو! صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، اس قوم نے بھی بہت سے معبود بنا رکھے تھے، ہر کام کا علیحدہ علیحدہ معبود تھا، ان کے سامنے سجدہ کیا جاتا

تھا، یہ دیکھ کر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں، بندگی بے انتہا بڑائی کو ماننے کا نام ہے اور جس کی بندگی کی جاتی ہے، اس کے بارے میں یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ہم جس کی عبادت کر رہے ہیں وہ ہماری حالتوں اور ضرورتوں کو اچھی طرح جانتا ہے ہماری مشکلات کو حل کرسکتا ہے اور دنیا کے سارے اسباب اس کے کنٹرول میں ہے وہ تمام فائدہ اور نقصان کا مالک ہے۔

ہر زمانے میں مشرک لوگوں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اختیار دے رکھا ہے کہ جس کی چاہو حاجت پوری کرو، مگر اس کا کوئی ثبوت پیش نہیں کرسکتے، اللہ تعالیٰ نے تو بڑی وضاحت کے ساتھ اس بات کو بیان فرمادیا ہے کہ آسمان سے لے کر زمین تک کے ذرے ذرے کی تدبیر تو خود اللہ تعالیٰ کرتا ہے ادنیٰ سے ادنیٰ مخلوق کی زندگی گزارنے کے اسباب اور رزق کی ذمہ داری اس نے اٹھا رکھی ہے ترقی اور پستی کے سارے اختیارات اس کے پاس ہیں، اس نے کسی کو کہاں اختیار دے رکھا ہے کہ جو چاہو کرو پھر و یہ تو مشرکوں کا جھوٹا خیال ہے، عبادت کے لائق وہی ذات ہوسکتی ہے جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی قدرت ہے اس کے بغیر کوئی ذات کوئی ہستی عبادت کے لائق نہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ پاک کے ایک ہونے کو ثابت کرتے ہوئے دلیلوں کے طور پر قوم کو بعض باتیں بتائیں اور فرمایا کہ: یہ وہی ذات ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا فرمایا، اس کا مطلب حدیث پاک میں یہ ہے سب انسان آدم علیہ السلام سے پیدا کئے گئے اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے۔

مزید فرمایا کہ: اس زمین سے پیدا کرنے کے بعد اسی میں تمہیں آباد کیا جب تک تمہاری زندگی ہے تمہارے تمام فائدے اور ضرورتوں کے سامان اسی زمین سے وابستہ ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے انسانی خوراک اور اس کی ضروریات کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ زمین ہی سے پیدا کرتا ہے۔

اب تمہارا فرض یہ ہے کہ اس پروردگار سے بخشش مانگتے رہو، اپنے گناہوں کی معافی مانگو، کیونکہ اللہ پاک گناہگاروں کے گناہ کو معاف کرنے والے ہیں، وہ قریب بھی نہیں اور دعاؤں کو سنتے بھی ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے جب قوم کو توحید کی دعوت دی اور ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی، مگر قوم نے

اپنی عادت کے مطابق ضد کی اور آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم تو آپ کو اس وقت مانیں گے جب آپ ہمارے سامنے اس پہاڑ کی چٹان میں سے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکال کر دکھائیں جو نکل کر ہمارے سامنے بچہ جنے۔

صالح علیہ السلام نے ان کو ڈرایا کہ تمہارا منہ مانگا معجزہ اگر اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا اور پھر بھی تم نے ایمان لانے میں کوئی کوتاہی کی تو اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق تم پر عذاب آجائے گا اور سب ہلاک و برباد ہو جاؤ گے، مگر وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے، اللہ تعالیٰ نے ان کا منہ مانگا معجزہ اپنی قدرت سے ظاہر فرما دیا، پہاڑ کی چٹان پھٹ کر ان کے مطالبے کے مطابق اس میں سے دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکلی جس نے ان کے سامنے بچہ جنا، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس اونٹنی کو کوئی تکلیف نہ پہنچائے، ورنہ تم پر عذاب آجائے گا، مگر انہوں نے اس بات کو بھی نہ مانا اور اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا، بالآخر خدا تعالیٰ نے ان کو پکڑ لیا، حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے مؤمن ساتھی عذاب سے بچا لئے گئے، باقی پوری قوم ایک سخت ہیبت ناک آواز کے ذریعے ہلاک کر دی گئی۔

ثمود کا جواب

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ

کہا انہوں نے اے صالح! تحقیق تو تو تھا میں سے ہم ہونہار پہلے اس سے کیا روکتا ہے تو ہمیں

اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ

کہ پوجیں ہم اسے جسے پوجا باپ دادوں ہمارے نے اور حقیقت میں ہم یقیناً میں شک ہیں اس سے کہ تو بلاتا ہم کو

اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿٦٢﴾

طرف اس کی تو ڈھلمل یقین کرنے والا ہے (٦٢)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (قوم نے حضرت صالح علیہ السلام سے) کہا اے صالح! تجھ سے تو اس سے پہلے ہمیں

امید تھی کیا تو ہمیں اس کی پوجا کرنے سے منع کرتا ہے جس کی پوجا ہمارے باپ دادا کرتے رہے اور ہم کو تو اس میں جس کی طرف تو بلاتا ہے شبہ ہے ایسا کہ دل نہیں مانتا۔ (۶۲)

تفسیر

انسان کی گمراہی کا سبب اصل میں ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ مجھے کوئی روکنے والا نہ ہو اور میں اپنی ہر خواہش کے حاصل کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دوں، اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر بھی ہمیشہ ایک ہی بات پیش کرتے ہیں، وہ یہ ہے کہ تمہارا اور اس ساری کائنات کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، اسی کے آگے جھکو اور اپنی خواہشوں کو اس کے حکم کے تابع کرو۔

صالح علیہ السلام کے سمجھانے پر قوم نے آپ کو جواب دیا کہ اے صالح! اس سے پہلے تم تو بڑی خوبیوں اور صلاحیتوں کے مالک تھے اور ہماری تم سے بڑی امیدیں اور توقعات وابستہ تھیں کہ تم بڑے ہو کر قوم کا نام روشن کرو گے مگر تم نے یہ کیا کیا کہ ایک نیا دین لے کر آ گئے اور اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ دیا۔

تو ہمیں جس چیز کی دعوت دیتا ہے ہم تو اس کے متعلق شک میں پڑے ہوئے ہیں ہمیں تمہاری بات سچی معلوم نہیں ہوتی، بھلا! یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سب کی ضرورتوں کو ایک ہی خدا پوری کرے اور ہم سب کو چھوڑ کر اسی ایک کو پکاریں۔

سیدھی بات

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَ اٰتٰىنِيْ

کہا　اے قوم میری!　کیا دیکھتے ہو تم　اگر　ہوں میں　پر　ٹھیک سمجھ　طرف سے　رب میرے　اور　دی اس نے مجھے

مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا

پاس اپنے　رحمت　پس کون　مدد کرے گا میری　پاس　اللہ تعالیٰ کے　اگر　نافرمانی کروں میں اس کی　پس نہیں

تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿٦٣﴾

بڑھاتے تم میرا سوا نقصان کے (۶۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (اس پر صالح نے) کہا اے میری قوم! اگر مجھ کو اپنے رب کی طرف سے سمجھ مل گئی اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت دی (پھر بھی) اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کروں تو مجھے اس کے عذاب سے کون بچائے گا؟ سو تم مجھے خسارہ بڑھانے کے سوا کچھ نہیں دے سکتے۔ (۶۳)

تفسیر

حضرت صالح علیہ السلام ثمود سے فرماتے ہیں اے میری قوم! میری بات سنو، میرے رب نے اپنی رحمت سے مجھے ٹھیک سمجھ دی اور مجھے صاف صاف باتیں سمجھادی اور میں ٹھیک راستہ پر ہوں۔

اتنی بڑی عنایت کے بعد اگر میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر بیٹھوں اور وہ مجھے اس کی سزا دے تو اس وقت مجھے بچانے والا کون ہوگا؟ تمہیں میرے کہنے میں شبہ ہے تو ہوا کرے، ہر ایک کی سمجھ الگ الگ ہے مگر مجھے میرے رب نے اپنی رحمت سے روشن عقل دی ہے اور اس پر غفلت یا جہالت کے پردے بھی پڑے ہوئے نہیں ہیں میں جان بوجھ کر اس کی نافرمانی کیسے کرسکتا ہوں، صاف ظاہر ہے کہ تمہاری بات ماننے میں میرے لئے سوا نقصان کے کچھ نہیں ہے، تم باپ دادا کے کئے ہوئے رسم ورواج کو نبھاتے ہو جس میں تمہارے لئے سوا نقصان کے کچھ نہیں۔

اگر میں تمہاری بات مانتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا چھوڑ دوں اور تمہاری شرکیہ رسموں کو غلط کہنے کے بجائے خود اپنالوں تو میں دنیا و آخرت میں نقصان اٹھانے والا ہوں گا۔

آخری امتحان

وَ يٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ

اور اے قوم میری! یہ ہے اونٹنی اللہ کی واسطے تمہارے بطور معجزہ پس چھوڑ دو اس اونٹنی کو کہ کھائے میں زمین

اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ﴿۶۴﴾ فَعَقَرُوْهَا

اللہ کی اور مت چھوؤاسے ساتھ برائی کے تب تو پکڑ یگا تم کو عذاب نزدیک (۶۴) پس ٹانگیں کاٹیں اس کی

فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ﴿۶۵﴾

پس کہا جی لو! میں گھروں اپنے تین دن یہ وعدہ ہے نہ جھٹلایا جانے والا (۶۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اے میری قوم! یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہاری (منہ مانگی) نشانی ہے، سو اس کو چھوڑ دو تا کہ کھاتی پھرے اللہ تعالیٰ کی زمین میں اور (کوئی) اس کو (مارنے کے) برے ارادے سے ہاتھ مت لگانا ورنہ تمہیں عذاب بہت جلد آ پکڑے گا۔ (۶۴) (اس تنبیہ کے باوجود) پھر انہوں نے اس کے پاؤں کاٹ ڈالے تو (صالح نے) کہا اپنے گھروں میں فائدہ اٹھالو تین دن یہ وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہوگا۔ (۶۵)

تفسیر

اکثر پیغمبروں کی امتوں نے ان سے من مرضی نشانی پیش کرنے پر ضد کی، اکثر جگہوں پر ایسا بھی ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر سے کہلوایا کہ نشانی پیش کرنا میرا کام نہیں ہے، بلکہ اس کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت پر ہے وہ جب چاہے کوئی نشانی ظاہر فرمادے، مگر بعض اوقات اللہ تعالیٰ لوگوں کے لئے منہ مانگی نشانی ظاہر فرمادیتے ہیں۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے یہ مطالبہ کیا کہ ہمارے سامنے پہاڑ میں سے بڑی جسامت والی دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکالو، جو ہمارے سامنے بچہ جنے اور اس میں فلاں فلاں خصوصیت ہو تو ہم ایمان لے آئیں گے، حضرت صالح علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، جسے اللہ پاک نے منظور فرمالیا، قوم کے میلے کا دن تھا، کھلے میدان میں مشرک اور کافر اور ایمان والے ہزاروں کی تعداد میں موجود تھے، ان سب کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے چٹان سے اونٹنی کو نکالا، پھر اس پر دردِ زِہ جیسی کیفیت طاری ہوئی اور سب کے سامنے اس نے بچہ جنا، پھر یہ بچہ بھی بڑا ہوگیا، اس اونٹنی

کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ایک دن چشمے سے تمہارے جانور پانی پئیں گے اور ایک دن یہ اونٹنی پانی پیئے گی اور دیکھو کہ! کہیں تنگ آ کر تم اس اونٹنی کو کوئی نقصان پہنچادو۔

"مسند احمد" میں روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اپنے منہ سے نشانیاں اور معجزے نہ مانگا کرو، دیکھو! ثمود کی قوم نے اپنے منہ سے معجزہ طلب کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کا مطالبہ پورا کردیا، پھر ان کے نہ ماننے کی وجہ سے عذاب سے ہلاک کردیئے گئے۔

یہ عجیب وغریب اونٹنی کھلی پھرتی تھی، اپنی مرضی سے کبھی اس درے میں جاتی تھی اور کبھی اس درے میں جاتی تھی پانی پینے کے لئے ایک چشمہ تھا جس سے پانی پینے کی باری مقرر کی ہوئی تھی، ایک دن قوم کے جانور پانی پیتے اور ایک دن اونٹی، یہ اونٹنی جس کثرت سے پانی پیتی تھی اس کثرت سے دودھ بھی دیتی تھی، اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر منع فرمایا تھا کہ اس اونٹی کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ بالکل نہ کرے، اس کو کوئی تکلیف نہ دے۔

مگر ثمود کی قوم نے نافرنی کی اور اونٹنی کے پاؤں کاٹ ڈالے اس مقصد کے لئے انہوں نے ایک آدمی مقرر کیا، جس نے اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اس منصوبے کو عملی جامہ پہنایا، یہ لوگ گھات لگا کر ایک درے میں بیٹھ گئے جب اونٹی پھرتی پھراتی وہاں سے گزری تو ان نافرمانوں نے تلوار چلا کر اس کے پاؤں کاٹ دیئے۔

اس کے بعد اللہ پاک کے پیغمبر نے فرمایا کہ: تین دن اپنے گھروں میں رہنے اور جینے کا فائدہ اٹھالو، تمہارا زندہ رہنا صرف تین دن ہے اس کے بعد تم عذاب سے ہلاک کردیئے جاؤ گے، اور اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے جس میں کسی قسم کا کوئی جھوٹ نہیں۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ان پر دو عذاب بھیجے گئے اوپر سے چیخ آئی اور نیچے سے زلزلہ نے آ پکڑا، فرشتے نے ایسی خوفناک چیخ ماری جس سے لوگوں کے دل اور کلیجہ پھٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گئے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ثمود کی قوم کے کافروں میں سے مشرق ومغرب میں کسی کو بھی اللہ پاک نے زندہ نہیں چھوڑا، کہتے ہیں عذاب کے وقت ابورغال نامی ایک شخص بیت اللہ شریف میں ہونے کی وجہ سے بچ گیا، مگر جب وہ حرم سے باہر نکلا

تو اس پر بھی وہی سزا آئی جو قوم کے دوسرے افراد پر آئی تھی، حنین کی جنگ کے وقت جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طائف کی طرف جا رہے تھے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے فرمایا کہ: اس جگہ پر ابورغال ہلاک ہوا تھا اور اس کی نشانی یہ ہے کہ اس کے پاس سونے کی چھڑی تھی جو کہ اسی جگہ پر اس کے ساتھ دفن ہے صحابہ نے وہ جگہ اکھاڑی تو وہاں سے سونے کی چھڑی نکل آئی۔

ایمان والوں کی نجات

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ

پھر جب آیا حکم ہمارا نجات دی ہم نے صالح کو اور ان کو جو ایمان لائے ساتھ اس کے ساتھ رحمت

مِّنَّا وَ مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾

ہماری کے اور سے رسوائی اس دن کی تحقیق پروردگار آپ کا وہی قوت والا زبردست (٦٦)

بامحاورہ ترجمہ: پھر جب ہمارا (عذاب کا) حکم آپہنچا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح اور ان کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے (عذاب سے) اور اس دن کی رسوائی سے بچالیا، بے شک آپ کا رب زور والا زبردست ہے۔ (٦٦)

تفسیر

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم جب اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں حد سے آگے نکل گئی تو آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عذاب کا حکم فرمایا اور حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے ایمان والے ساتھیوں کو اپنی رحمت سے بچالیا۔

صالح علیہ السلام کی قوم پر تین قسم کے جو عذاب آئے تھے اس میں سے ایمان والوں پر نہ چیخ کا کوئی اثر ہوا اور نہ زلزلے نے انہیں کچھ نقصان پہنچایا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کے ساتھ بالکل صحیح سلامت رہے اور اس عذاب سے بچا لئے گئے، اور اس دن کی رسوائی اور ذلالت سے بچا لئے گئے، جس دن اللہ تعالیٰ نے باقی قوم کو ہلاک کر دیا

تھا، اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو قیامت والے دن کی رسوائی سے محفوظ رکھے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: یہ سارا کچھ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو ایک سچا خدا ماننا اور پیغمبر کی پیروی کی، بے شک آپ کا پروردگار زبردست زور والا ہے، وہ جس طرح چاہے کسی قوم کو ہلاک کردے، اس کے راستے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی، اس نے کسی قوم کو ان کے برے کرتوتوں کی وجہ سے طوفان کے ذریعے ہلاک کیا، کسی کو تیز گرم ہوا بھیج کر تباہ کیا اور کسی کو چیخ اور زلزلہ بھیج کر ہلاک کردیا، وہ ہر چیز پر غالب ہے اور جو چاہے کرسکتا ہے۔

عذاب کی صورت

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾

اور آ پکڑا　ان کو جو　ظالم تھے　چنگھاڑ نے　پس صبح کو وہ　میں　گھروں اپنے　اوندھے پڑے رہ گئے (۶۷)

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۭ اَلَا

گویا　کبھی نہ　رہے تھے　میں ان　دیکھو! تحقیق　ثمود نے　کفر کیا　رب اپنے کا　سنو!

ع ۸ ۶
بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾

دوری ہو　واسطے ثمود کے (۶۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ان ظالموں کو ہولناک آواز نے پکڑ لیا، پھر صبح کو وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (۶۷) جیسے وہاں کبھی رہے ہی نہ تھے، سنو! ثمود نے اپنے رب کی نافرمانی کی، سنو! پھٹکار ہے ثمود پر۔ (۶۸)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کے وعدے اور وعید اٹل ہیں جو کچھ اس نے اپنی کتاب میں فرمادیا ہے اور جو کچھ اس کے

پیغمبروں نے کہہ دیا ہے وہ ہو کر رہا، لیکن اس کا ایک وقت مقرر ہے اس وقت کے آنے پر پھر دیر نہیں لگتی اور جو کچھ ہونا ہوتا ہے فوراً ہو جاتا ہے۔

ثمود کی قوم نے پہاڑ کی بڑی بڑی چٹانوں کو تراش کر اپنے مکان بنائے تھے، غالباً اس خیال سے کہ آندھیوں کے اثر سے محفوظ رہیں انہیں یہ تو معلوم تھا کہ پہاڑ آندھیوں سے نہیں اڑتے، لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ پہاڑوں کے غارت کرنے کا بھی ایک طریقہ ہے، رات کو جب وہ سور ہے تھے، زلزلے کے جھٹکے شروع ہوئے اور ساتھ ہی ایک ہولناک گھڑگھڑاہٹ اور سخت آواز پیدا ہوئی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اس زلزلے نے انہیں بستروں سے نیچے پھینک دیا اور کڑک کی آواز سے ان کے کلیجے پھٹ گئے صبح کو زمین پر اوندھے منہ مرے پڑے تھے، ہر جگہ سناٹے کا عالم تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا یہاں کوئی رہتا بھی نہ تھا یہ ثمود کی قوم تھی، جس نے اپنے رب کو نہ مانا بلکہ الٹا اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور ان کی نشانیوں کی توہین کی، جس کی وجہ سے ان پر چیخ اور زلزلے کی صورت میں سخت عذاب اتارا گیا، جس کی وجہ سے ان کی تمام بستیاں ویران ہوگئیں اور وہاں کوئی فرد نظر نہیں آتا تھا، یہ ظلم کا نتیجہ تھا کفر و شرک، اللہ پاک کی نشانیوں اور پیغمبر کی توہین اور قیامت کے انکار کا نتیجہ ان کی تباہی کی صورت میں نکلا، ان کے بڑے بڑے محل تھے جو ویران ہوگئے اور ان میں بسنے والا کوئی باقی نہ رہا، اللہ تعالیٰ نے تمام نافرمانوں کو ہلاک کر دیا۔

اس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے بعد میں آنے والوں کے لئے عبرت اور نصیحت کے لئے بیان فرمایا ہے، فرماتے ہیں کہ سنو! ان نافرمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے، وہ اللہ پاک کی رحمت سے دور ہوگئے، اور ہلاک کر دیئے گئے، یہ تو اس دنیا میں عذاب آیا اور آخرت کا مرحلہ ابھی آئیگا غرضیکہ تنبیہ کی جارہی ہے کہ جو کوئی بھی رب تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے گا، وہ بچ نہیں سکے گا، یہ نہ سمجھیں کہ یہ سزا صرف عاد کی قوم یا ثمود کی قوم کے لئے تھی بلکہ ہر نافرمان ایسی ہی سزا میں پکڑا جا سکتا ہے، اللہ پاک کا قانون کسی شخص یا قوم کو ایک وقت تک مہلت دیتا رہتا ہے مگر جب وہ مہلت پوری ہو جاتی ہے تو اس کی پکڑ آجاتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کی حاضری

وَ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ

اور البتہ تحقیق آئے فرشتے ہمارے پاس ابراہیم کے لے کر خوشخبری کہا انہوں نے سلامتی ہو کہا اس نے

سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا رَاٰۤ اَیْدِیَهُمْ

سلامتی ہو پس نہ دیر کی اس نے کہ آیا لے کر ایک بچھڑا تلا ہوا (۶۹) پھر جب دیکھا اس نے ہاتھوں ان کے کو

لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَ اَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ

نہیں بڑھتے طرف اس کی تو کھٹکے دل میں ان سے اور محسوس کیا سے ان خوف بولے وہ مت ڈریں

اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۰﴾ وَ امْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ

ہم تو بھیجے گئے ہیں طرف قوم لوط کی (۷۰) اور بیوی اس کی کھڑی تھی پس ہنس پڑی وہ

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَ مِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ قَالَتْ

پھر خوشخبری دی ہم نے اس کو اسحاق کی اور کے بعد اسحاق یعقوب کی (۷۱) کہا اس نے

یٰوَیْلَتٰۤی ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا

اے خرابی کیا جنوں گی میں حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ خاوند میرا بوڑھا ہے تحقیق یہ

لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْۤا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ

چیز ایک ہے عجیب (۷۲) کہا انہوں نے کیا تو تعجب کرتی ہے پر حکم اللہ تعالیٰ کے رحمت

اللّٰهِ وَ بَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ ؕ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ﴿۷۳﴾

اللہ کی اور برکتیں اس کی پر تم اے والو گھر! تحقیق وہ خوبیوں والا بزرگی والا ہے (۷۳)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) ابراہیم کے پاس خوشخبری لے کر آئے اور بولے

سلامتی ہو آپ پر (اس کے جواب میں ابراہیم) بولے تم پر بھی سلامتی ہو، پھر جلد ہی ان کی مہمانی کے لئے ایک تلا ہوا بچھڑا لے آیا۔ (۶۹) پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے پر نہیں آتے تو ان کو اجنبی سمجھا اور دل میں ان سے ایک قسم کا ڈر محسوس کیا، وہ بولے، آپ خوف محسوس نہ کریں کیونکہ ہم لوط کی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ (۷۰) اور اس کی عورت کھڑی تھی وہ ہنس پڑی، پھر ہم نے اس کو اسحاق کے پیدا ہونے کی اور اسحق کے بعد یعقوب کی خوش خبری دی۔ (۷۱) وہ (تعجب سے) بولی، اے کیا میں بچہ جنوں گی؟ حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہے یہ تو ایک عجیب بات ہے۔ (۷۲) وہ بولے کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کرتی ہے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکتیں ہیں تم پر، اے گھر والو! بلاشبہ اللہ تعالیٰ تعریف کے قابل بڑائی والے ہیں۔ (۷۳)

تفسیر

اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام سے لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام تک جو پیغمبر آئے ان کا بیان ہے ان سب پیغمبروں کی قوموں نے اپنے اپنے نبیوں کے ساتھ جو سلوک کیا اور اس سے جو انہیں نقصان پہنچا، اس کا قرآن مجید میں جا بجا ذکر کرنے سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا اور اس کے ساتھ ہی لوگوں کو ڈرانا ہے کہ نبیوں کو ستانے اور ان کا کہنا نہ ماننے کا نتیجہ سوا بربادی کے کچھ نہیں۔

ان آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چند فرشتوں کو ان کے پاس اولاد کی خوشخبری دینے کے لئے بھیجا، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام کی زوجۂ محترمہ حضرت سارہ سے کوئی اولاد نہ تھی اور ان کو اولاد کی تمنا تھی مگر دونوں کا بڑھاپا تھا، بظاہر کوئی امید نہ تھی اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ذریعہ خوشخبری بھیجی اور وہ بھی اس شان کی کہ بیٹا ہوگا اور ان کا نام بھی اسحاق تجویز فرمادیا اور پھر یہ بھی بتلادیا کہ وہ زندہ رہیں گے اور وہ بھی اولاد والے ہوں گے، ان کے لڑکے کا نام یعقوب ہوگا، اور دونوں اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہوں گے، یہ فرشتے چونکہ انسانی صورت میں آئے تھے، اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے ان کو عام مہمان سمجھ کر مہمان نوازی شروع کی، بھونا ہوا گوشت

لا کر سامنے رکھا، مگر وہ تو حقیقۃً فرشتے تھے، کھانے پینے سے پاک، اس لئے کھانا سامنے ہونے کے باوجود کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا، ابراہیم علیہ السلام کو یہ دیکھ کر اندیشہ ہوا کہ یہ مہمان نہیں معلوم ہوتے، ممکن ہے کہ یہ اجنبی کسی فساد کی نیت سے آئے ہوں؛ اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دور میں یہ رواج تھا کہ کسی مہمان کا کھانے سے انکار کرنا ایسے ہی شر وفساد کی علامت ہوتا تھا۔

فرشتوں نے ان کا یہ اندیشہ معلوم کر کے بات کھول دی اور بتلا دیا کہ آپ گھبرائیں نہیں، اس لئے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے فرشتے ہیں جو کہ لوط کی قوم پر عذاب اتارنے کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

"تفسیر روح المعانی" میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اہلیہ جو پاس کھڑی تھی، فرشتوں کی زبانی لوط علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کی خبر سن کر خوشی سے ہنسی، فرشتوں نے مزید کہا کہ ہم آپ کو اسحاق اور یعقوب علیہما السلام کی پیدائش کی خوشخبری بھی دینے آئے ہیں۔

بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ بڑھاپے میں اولاد کی خوشخبری سن کر حضرت سارہ ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ کیا میں بڑھیا ہو کر اولاد جنوں گی، حالانکہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں، فرشتوں نے جواب دیا کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کے حکم پر تعجب کرتی ہو، جس کی قدرت میں سب کچھ ہے خصوصاً پیغمبر کی زوجہ ہونے کی وجہ سے اس قسم کے حالات تم آنکھوں سے دیکھتی بھی رہتی ہو، کہ اس خاندان پر اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی رحمت وبرکت اترتی رہتی ہے پھر تعجب کی کیا بات ہے یہ اس واقعہ کا خلاصہ ہے آگے پوری تفصیل ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یہ تین فرشتے، جبرئیل، میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام تھے (قرطبی)، انہوں نے انسانی صورت میں آکر حضرت ابراہیم علیہم السلام کو سلام کیا، حضرت ابراہیم علیہم السلام نے سلام کا جواب دیا اور ان کو انسان سمجھ کر ان کی مہمان نوازی شروع کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے انسان ہیں جنہوں نے دنیا میں مہمان نوازی کی رسم جاری فرمائی (قرطبی)، ان کا معمول یہ تھا کہ کبھی تنہا کھانا نہ کھاتے، بلکہ ہر کھانے کے وقت کسی کو تلاش کرتے تھے کہ کوئی مہمان آجائے تو اس کے ساتھ کھائیں۔

احکام ومسائل

سنت سلام

یہاں فرشتوں کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو سلام کرنا پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جواب میں فرشتوں کو سلام کہنے سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے لئے سنت ہے کہ جب آپس میں ملیں تو سلام کریں، آنے والے مہمان کو اس میں پہل کرنا چاہیے اور دوسروں کو جواب دینا چاہیے۔

یہ رسم تو ہر قوم وملت میں پائی جاتی ہے کہ ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو خوش کرنے کے لئے کچھ کلمات بولتے ہیں مگر اسلام کی تعلیم اس معاملہ میں بھی بہترین ہے، کیونکہ سلام کا مسنون لفظ "السلام علیکم" اللہ کے نام پر مشتمل ہونے کی وجہ سے ذکر اللہ بھی ہے اور مخاطب کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی کی دعاء بھی اور اپنی طرف سے اس کی جان ومال عزت وآبرو کے لئے سلامتی کی ضمانت بھی۔

قرآن کریم میں اس جگہ فرشتوں کی طرف سے صرف سلامًا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے جواب میں سلامٌ ذکر کیا گیا ہے بظاہر یہاں پورے الفاظ سلام کے ذکر کرنے کی ضرورت نہ سمجھی، جیسے عرف ومحاورہ میں کہا جاتا ہے کہ فلاں نے فلاں کو سلام کیا، مراد یہ ہوتی ہے پورا کلمہ "السلام علیکم" کہا، اسی طرح یہاں لفظ سلام سے پورا کلمہ مسنونہ سلام کا مراد ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے لوگوں کو بتلایا ہے، یعنی: سلام میں "السلام علیکم" اور اس کے جواب میں "وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ" کہنا چاہیے۔

مہمان اور مہمان داری کے چند اصول

مہمان نوازی کے آداب میں سے یہ ہے کہ مہمان کے آتے ہی جو کچھ کھانے پینے کی چیز ہو اور جلدی سے مہیا ہو سکے وہ لا رکھے، پھر اگر میزبان حیثیت والا ہے تو مزید مہمانی کا انتظام بعد میں کرے۔

دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ مہمان کے لئے بہت زیادہ تکلفات کی فکر میں نہ پڑے، آسانی سے جو اچھی چیز مل جائے وہ مہمان کی خدمت میں پیش کردے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں گائے بیل رہتے تھے؛ اس لئے بچھڑا ذبح کرکے فوری طور پر اس کا گوشت تل کر سامنے لا رکھا۔

تیسرے یہ کہ آنے والوں کی مہمانی کرنا اسلام کے آداب اور اچھے اخلاق میں سے ہیں، پیغمبروں اور نیک لوگوں کی عادت ہے، مہمانی کے بارے میں بعض علماء کا کہنا یہ ہے کہ مہمانی کرنا واجب نہیں سنت اور مستحسن ہے، بعض نے فرمایا کہ: گاؤں والوں پر واجب ہے کہ جو شخص ان کے گاؤں میں ٹھہرے اس کی مہمانی کریں، کیونکہ وہاں کھانے کا کوئی دوسرا انتظام نہیں ہوسکتا اور شہر میں ہوٹل وغیرہ سے اس کا انتظام ہوسکتا ہے؛ اس لئے شہر والوں پر واجب نہیں، قرطبی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں یہ ساری باتیں نقل کی ہیں۔

مہمانوں کا کھانے کی طرف ہاتھ نہ بڑھانے سے حضرت ابراہیم کو جو اندیشہ ہوا اس سے معلوم ہوا کہ مہمان کے آداب میں سے ہے کہ مہمان کے سامنے جو چیز پیش کی جائے اس کو قبول کرے، کھانے کو دل نہ چاہے یا نقصان دہ سمجھیں تو معمولی سی شرکت دل رکھنے کے لئے کرلیں۔

اسی جملہ سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ میزبان کو چاہئے کہ صرف کھانا سامنے رکھ کر فارغ نہ ہوجائے، بلکہ اس پر نظر رکھے کہ مہمان کھا رہا ہے یا نہیں، جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کیا کہ فرشتوں کے کھانا نہ کھانے کو محسوس کیا، مگر یہ نظر رکھنا اس طرح ہو کہ مہمان کے کھانے کو تکتا نہ رہے سرسری نظر سے دیکھ لے کیونکہ مہمان کے لقموں کو دیکھنا مہمان نوازی کے آداب کے خلاف ہے اور مہمان کے لئے شرمندگی کا باعث بھی ہے۔

امام طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اس جگہ نقل کیا ہے کہ اول جب فرشتوں نے کھانے سے انکار کیا تو یہ کہا تھا کہ ہم مفت کا کھانا نہیں کھاتے اگر آپ قیمت لے لیں تو کھائیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں فرمایا کہ: ہاں! اس کھانے کی ایک قیمت ہے وہ ادا کردو، وہ قیمت یہ ہے کہ شروع میں اللہ تعالیٰ کا نام لو اور آخر میں اس کی حمد کرو، جبریل امین نے یہ سن کر اپنے ساتھیوں کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو خلیل بنایا ہے یہ اسی کے حق دار ہیں، اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ کھانے کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمد للہ کہنا سنت ہے۔

شفقت کی شان

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَ جَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا

پھر جب جاتا رہا سے ابراہیم خوف اور آگئی پاس اسی کے خوشخبری لگا جھگڑنے ہم سے

فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ﴿۷۵﴾ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ

بارے قوم کے لوط کی (۷۴) تحقیق ابراہیم ہے بڑا بردبار نرم دل رجوع کرنے والا (۷۵) اے ابراہیم!

اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ وَ اِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ

منہ موڑیئے سے اس بے شک تحقیق آچکا حکم رب آپکے کا اور بیشک پر ان آہی گیا

عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ﴿۷۶﴾

عذاب نہ ٹلایا جانے والا (۷۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ پھر جب حضرت ابراہیم کا ڈر جاتا رہا اور اسے خوشخبری ملی (پھر) ہم سے لوط کی قوم کے حق میں جھگڑنے لگے۔ (۷۴) البتہ ابراہیم بڑا حوصلہ والے، نرم دل، رجوع کرنے والے ہیں۔ (۷۵) اے ابراہیم! یہ خیال چھوڑیں بے شک آپ کے رب کا حکم آپہنچا اور ان پر وہ عذاب آنے والا ہے جو لوٹایا نہیں جاتا۔ (۷۶)

تفسیر

فرشتوں سے خوشخبری سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا سارا ڈر اور خوف جاتا رہا جب ادھر کی پریشانی دور ہوئی تو لوط کی قوم کا خیال آیا کہ اب وہ تباہ کر دیئے جائیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام فطرتاً رحم دل، قصور وار کو معاف کرنے والے، ہر کام میں اللہ تعالیٰ کا سہارا لینے والے تھے، فرشتوں سے ان کے بارے میں بحث کرنے لگے۔

یہاں پر جھگڑے سے مراد محض بات چیت ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کی اور اپنی گزارش پیش کی، آپ نے فرشتوں سے کہا کہ آپ لوط کی قوم کو ہلاک کرنے کے لئے آئے ہیں، مگر ان میں تو

مؤمن بھی موجود ہیں، فرمایا: کیا تم ایسی بستی کو ہلاک کرو گے، جس میں تین سو مؤمن بھی رہتے ہوں، فرشتوں نے کہا ہم ایسی بستی کو تباہ نہیں کریں گے، ابراہیم علیہ السلام نے دو سو مؤمنوں کا ذکر کیا، پھر تیس مؤمن، حتی کہ فرمایا: اگر ایک مؤمن ہو تو فرشتوں نے پھر بھی انکار کیا، ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ وہاں تو خود لوط علیہ السلام اور ان پر ایمان لانے والی ان کی بیٹیاں بھی ہیں ان کے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ اصل میں ابراہیم علیہ السلام کی خواہش تھی کہ کسی طرح عذاب ٹل جائے اور اس قوم کو اپنی اصلاح کے لیے کچھ مہلت مل جائے۔

اس گفتگو کو اللہ تعالیٰ نے "یُجَادِلُنَا" کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ خطا کار سے درگزر کرنے والے، دوسروں کی تکلیف اور دکھ سے غمزدہ ہونے والے اور ہر بات کو اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے والے تھے۔

"سورۂ ابراہیم" میں آپ کی دعا ہے کہ جس نے میری پیروی کی، وہ میرا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو اے اللہ! آپ بخشنے والے مہربان ہیں، دعا کے یہ الفاظ آپ کی نرم دلی اور شفقت کے ثبوت ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ معاملہ سفارش کی حد سے گزر چکا، اب ان کو اپنی بدکرداری سے باز نہ آنے کی وجہ سے ذرا بھی مہلت نہیں دی جا سکے گی۔

آپ کے رب کا فیصلہ ہو چکا، اب ان کے پاس ایسا عذاب آنے والا ہے، جس کو لوٹایا نہیں جائے گا، یہ لوگ سرکشی میں حد سے بڑھ چکے ہیں اور اب ان کے لئے عبرتناک سزا کا وقت آچکا ہے اب آپ ان کی سفارش نہ کریں اور انہیں عذاب کا مزا چکھنے دیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کا یہ جواب تھا۔

لوط کی قوم کا حال

وَ لَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ

اور جب آئے فرشتے ہمارے لوط کے پاس رنجیدہ ہوا ساتھ ان کے اور گھٹا سے ان دل میں اور

قَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ﴿٧٧﴾ وَ جَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ۭ وَ

کہا یہ دن بڑا سخت ہے(۷۷) اور آئی پاس اس کے قوم اس کی دوڑتی ہوئی طرف اس کی اور

مِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۭ

پہلے تھے وہ کرتے گندے کام

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے پاس پہنچے تو آپ ان کے آنے سے غمگین ہوئے اور (قوم کی بدکرداری کی وجہ سے) دل تنگ ہوئے (کہ کہیں وہ ان مہمانوں پر بری نظر سے ہاتھ نہ ڈالے، جوکہ خوبصورت نوجوان لڑکوں کی شکل میں آئے تھے) اور کہا کہ آج کا دن بڑا سخت ہے۔(۷۷) اور اس کے پاس اس کی قوم بے اختیار دوڑتی ہوئی آئی اور وہ پہلے سے ہی گندے کام کرتے تھے۔

تفسیر

اس سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی جانے والی خوش خبری کا ذکر ہوا اور پھر حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر تھا، اصل میں مضمون کا یہی حصہ ہے، جو پچھلے موضوع کے ساتھ مناسبت رکھتا ہے، بعض پیغمبروں اور ان کی قوموں کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے اور پھر ان کی نافرمانی کی وجہ سے ان قوموں پر جو عذاب آیا اس کا ذکر بھی ہو چکا ہے اب لوط علیہ السلام کے واقعہ میں آپ کی قوم پر عذاب کا حال بیان ہو رہا ہے۔

یہاں پر حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السلام کا ذکر اکٹھا آیا ہے، جو فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے لئے بیٹے کی خوشخبری لائے تھے، وہی حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر عذاب اتارنے کے لئے بھی متعین تھے، لوط علیہ السلام رشتے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، دونوں حضرات اکٹھے ہی بابل سے آئے تھے، راستے میں اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو پیغمبری بخشی اور ان کو بحر میت (بحر مردار) کے کنارے آباد سدوم، آمودہ، دوعامہ اور سوابہ وغیرہ بستیوں کے باشندوں کو تبلیغ کرنے پر متعین فرمایا، یہ نہایت سرسبز و شاداب علاقہ تھا، پانی کی فراوانی کھیتیاں اور باغات

بہت زیادہ تھے، لوط علیہ السلام نے اس قوم میں لمبا عرصہ گزارا، اسی قوم میں شادی کی اور پھر دو بچیاں بھی پیدا ہوئیں، ان لوگوں کی بدبختی تھی کہ آپ کی دو بچیوں کے سوا قوم میں کوئی فرد بھی آپ پر ایمان نہ لایا، یہاں تک کہ بیوی بھی محروم رہی، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح اس قوم کی عام بیماری بھی کفر اور شرک ہی تھی۔

مختلف قوموں میں مختلف اخلاقی بیماریاں بھی موجود رہی ہیں مثلاً: عاد کی قوم اور ثمود کی قوم میں غرور و تکبر تھا، جبکہ شعیب علیہ السلام کی قوم ناپ تول میں کمی کی مجرم تھی، اسی طرح لوط کی قوم کی اخلاقی بیماری لواطت تھی، یہ لوگ جنسی خواہش پوری کرنے کے لئے نوجوان لڑکوں کو استعمال کرتے تھے، حضرت لوط علیہ السلام نے ان کو فرمایا کہ تم حد سے گزر جانے والے لوگ ہو، یعنی: جنسی خواہش پوری کرنے کے لئے جو چیز اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر مقرر کی ہے تم اسے چھوڑ کر غیر فطری چیز کو اختیار کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ لواطت، یعنی: مردوں کے ساتھ بدفعلی کی بیماری سب سے پہلے اسی قوم میں آئی جسے شیطان نے جاری کیا، یہ زنا سے بھی بڑا جرم ہے کیونکہ یہ بدفطری ہے حضرت لوط علیہ السلام کے سمجھانے کے باوجود یہ لوگ نہ تو آپ پر ایمان لائے اور نہ ہی اس بری حرکت سے باز آئے بلکہ اس پر اصرار کرتے رہے بالآخر دوسرے نافرمانوں کی طرح اس قوم پر بھی خدا تعالیٰ کا قہر و غضب اترا اور ساری قوم ہلاک ہوگئی۔

حضرت لوط علیہ السلام کا جو واقعہ یہاں پر آیا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چند فرشتے جن میں حضرت جبرئیل امین علیہ السلام بھی شامل تھے اس قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے بھیجے، جو پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کہ یہاں فلسطین پہنچے جس کا واقعہ پیچھے گزر چکا ہے، اس کے بعد یہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کے پاس آئے جو کہ وہاں سے دس بارہ میل کے فاصلہ پر تھا۔

اللہ تعالیٰ جس قوم کو عذاب میں پکڑتے ہیں ان پر ان کے عمل کے مناسب ہی عذاب بھیجتے ہیں اس موقع پر بھی اللہ تعالیٰ کے یہ فرشتے حسین لڑکوں کی شکل میں بھیجے گئے، جب وہ حضرت لوط علیہ السلام کے گھر پہنچے تو ان کو انسانی صورت میں دیکھ کر انہوں نے بھی مہمان سمجھا اور اس وقت وہ سخت فکر و غم میں مبتلا ہو گئے کہ مہمانوں کی مہمانی نہ کی جائے تو پیغمبری کے شان کے خلاف ہے اور اگر ان کو مہمان بنایا جاتا ہے تو اپنی قوم کی خباثت معلوم ہے اس کا

خطرہ ہے کہ وہ مکان پر چڑھ آئیں اور ان مہمانوں کو تکلیف پہنچائیں اور یہ ان کا بچاؤ نہ کر سکیں اس لئے دل میں کہنے لگے کہ آج بڑی سخت مصیبت کا دن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کو بڑی عجیب عبرت کی جگہ بنائی ہے جس میں اس کی مکمل قدرت اور حکمت کے بیشمار نشانیاں موقوف ہوتی ہیں، آزر بت پرست کے گھر میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کو پیدا فرما دیا، حضرت لوط علیہ السلام جیسے مقبول اور بڑے پیغمبر کے گھر میں ان کی بیوی کافروں سے ملتی اور حضرت لوط علیہ السلام کی مخالفت کرتی تھی جب یہ محترم مہمان حسین لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ السلام کے گھر میں ٹھہر گئے تو ان کی بیوی نے ان کی قوم کے اوباش لوگوں کو خبر کر دی کہ آج ہمارے گھر میں اس طرح کے مہمان آئے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام کا اندیشہ سامنے آ گیا جس کا بیان دوسری آیت میں ہے کہ جیسے ہی ان کو نوجوان خوبصورت لڑکوں کے آنے کا پتہ چلا تو وہ دوڑے دوڑے آئے اور ان کا حال یہ تھا کہ وہ پہلے سے نازیبا حرکتیں کرنے کے عادی تھے۔

اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ یہ اپنے ناپاک کام کی نحوست سے اس قدر بے حیاء ہو چکے تھے کہ اعلانیہ حضرت لوط علیہ السلام کے مکان پر چڑھ دوڑے۔

مت ماری گئی

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا

کہا اے قوم میری یہ نہیں بیٹیاں میری وہ پاک ہیں واسطے تمہارے پس ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور نہ

تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝۷۸ قَالُوْا لَقَدْ

رسوا کرو مجھے میں مہمانوں میرے کیا نہیں میں تم سے ایک آدمی بھی نیک چلن (۷۸) کہا انہوں نے البتہ تحقیق

عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝۷۹

تو تو جانتا ہے نہیں لئے ہمارے میں بیٹیوں تمہاری کوئی کام اور تحقیق تو البتہ جانتا ہے کہ کیا چاہتے ہیں ہم (۷۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (لوط علیہ السلام نے اپنی قوم سے) کہا اے میری قوم! یہ میری بیٹیاں ہیں جو تمہارے لئے زیادہ پاکیزہ ہیں، پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوانہ کرو کیا تم میں کوئی بھی بھلے آدمی نہیں۔(۷۸) بولے تو تو جانتا ہے کہ ہمیں تیری بیٹیوں سے کوئی غرض نہیں اور جو ہم چاہتے ہیں تجھ کو معلوم ہے۔(۷۹)

تفسیر

حضرت لوط علیہ السلام انہیں سمجھا رہے ہیں کہ کچھ تو ہوش سے کام لو کیا بالکل پاگل ہو گئے ہو، قوم میں اتنی عورتیں موجود ہیں خواہش کے پورا کرنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اگر بیٹیوں سے لوط علیہ السلام کی اپنی بیٹیاں مراد ہیں تو قوم کو برائی اور بے حیائی سے بچانے کے لئے یہ پیشکش بھی درست تھی، کیونکہ آپ کی تو صرف دو ہی بیٹیاں تھیں اور وہ لوگ بہت زیادہ تعداد میں تھے تو اس پیش کش سے آپ کی مراد یہ تھی کہ اے بدنصیبو قوم کی بچیاں میری بچیاں ہیں کیونکہ ہر پیغمبر اپنی قوم کے لئے باپ کی طرح ہوتا ہے اور پوری امت اس کی روحانی اولاد ہوتی ہے۔

اس کے بعد لوط علیہ السلام نے ان کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے کے لئے فرمایا کہ: اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اس کی نافرمانی نہ کرو، مگر یہ ظالم پھر بھی باز نہ آئے اس کے بعد آپ نے عاجزانہ درخواست کی کہ مجھے میرے مہمانوں کے متعلق رسوانہ کرو اور فرمایا کیا تم میں کوئی ایک بھی شریف آدمی نہیں جو میری بات سنے۔

مگر وہاں شرافت اور انسانیت کا کوئی اثر کسی میں باقی نہ تھا سب نے جواب میں کہا کہ تو تو جانتا ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں اور تو یہ بھی جانتا ہے کہ عورتوں سے ہمیں کوئی دلچسپی نہیں اور تجھے تو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہم کیا چاہتے ہیں۔

ہم تو وہی کر کے رہیں گے جو ہمارا جی چاہتا ہے ہم تیری بات نہیں مانتے، ہم تو اپنی خواہش ضرور پوری کریں گے اس پر لوط علیہ السلام سخت پریشان ہو گئے۔

انتہائی پریشانی

قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾ قَالُوْا

کہنے لگے کاش کہ ہوتا واسطے میرے اوپر تمہارے کچھ زور یا ٹھکانا لیتا میں طرف سہارے مضبوط کے (۸۰) بولے

یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ

اے لوط! ہم ہیں بھیجے ہوئے طرف سے رب آپ کے کی ہرگز نہ پہنچیں گے وہ آپ تک پس روانہ ہو جائیں آپ ساتھ اپنے اہل کے

بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَ لَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ

میں کسی حصہ کے رات اور نہ مڑ کر دیکھے میں سے تم کوئی مگر عورت آپ کی

اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ

شان یہ ہے کہ پہنچنے والا ہے اسے جو پہنچا انہیں تحقیق وعدے کا وقت ان کا صبح ہے کیا نہیں

الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ﴿۸۱﴾

صبح نزدیک (۸۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (حضرت لوط علیہ السلام) فرمانے لگے کہ کاش! مجھ کو تمہارے مقابلہ میں زور ہوتا یا جا بیٹھتا میں کسی مضبوط پناہ میں۔ (۸۰) مہمان بولے اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں وہ آپ تک ہرگز نہ پہنچ سکیں گے، سو! آپ اپنے لوگوں کو لے کر رات کے کسی حصہ میں نکل جایئے اور آپ میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے مگر آپ کی بیوی (مڑ کر دیکھے گی) پس اس کو بھی وہی (عذاب) پہنچے گا جو انہیں پہنچے گا۔ (۸۱)

تفسیر

حضرت لوط علیہ السلام چونکہ اس قوم کے فرد نہیں تھے اس لئے نہ کوئی آپ کی برادری تھی اور نہ ہی کوئی ایمان والے موجود تھے جو آپ کی مدد کرتے، قوم کی جب یہ حالت دیکھی کہ کسی صورت بھی ماننے کے لئے تیار نہیں تو

حضرت لوط علیہ السلام کو بڑا صدمہ ہوا اور نہایت دکھ کے ساتھ فرمانے لگے کہ کاش میرا اپنا بڑا کوئی کنبہ قبیلہ ہوتا تو اس وقت اس کی پناہ لیتا۔

محدثین اور مفسرین فرماتے ہیں کہ اس وقت لوط علیہ السلام کے ذہن میں یہ بات تھی کہ اللہ نہ کرے اگر ان کے مہمانوں کی بے عزتی ہوئی تو وہ مہمان اس قوم کے بارے میں کیا سوچتے، چنانچہ یہ بات آپ نے مہمانوں کی دل جوئی کے لئے کہی تا کہ وہ سمجھ جائیں کہ ہمارا میزبان ہمارے بچاؤ کی کوشش کر رہا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک بھی ہے کہ: اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام پر رحم فرمائے، وہ تو بڑے مضبوط رکن کی طرف پناہ پکڑنے والے تھے، ظاہر ہے کہ آپ تو بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی پناہ میں تھے، مگر یہ کلمات سخت پریشانی کی حالت میں کہہ رہے تھے تاہم انہیں اللہ تعالیٰ کی ذات پر مکمل بھروسہ تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ اس واقعہ میں جب لوط علیہ السلام کی قوم ان کے گھر پر چڑھ آئی تو آپ نے اپنے گھر کا دروازہ بند کر دیا تھا اور یہ گفتگو اس شریر قوم سے پردے کے پیچھے سے ہو رہی تھی، فرشتے بھی مکان کے اندر تھے، ان لوگوں نے دیوار پھاند کر اندر گھسنے کا اور دروازہ توڑنے کا ارادہ کیا تو اس پر حضرت لوط علیہ السلام کی زبان پر یہ کلمات آئے، جب فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کی پریشانی دیکھی تو حقیقت کھول دی اور کہا کہ اے لوط! ہم آپ کے رب کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں یہ آپ تک ہرگز نہیں پہنچ سکیں گے، لہٰذا آپ پریشان نہ ہوں اور کہا کہ آپ دروازہ کھول دیں اب ہم ان کو عذاب کا مزہ چکھاتے ہیں، دروازہ کھولا تو جبریل امین علیہ السلام نے اپنے پر کا اشارہ ان کی آنکھوں کی طرف کیا جس سے سب اندھے ہو گئے اور بھاگنے لگے۔

"سورۂ قمر" میں ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی آنکھوں کو مٹا دیا اور فرمایا کہ: اب تم میرا عذاب چکھو، اس وقت فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت لوط علیہ السلام کو کہا کہ آپ اپنے اہل وعیال کو لے کر رات کے آخری حصہ میں نکل جایئے اور کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے سوائے آپ کی بیوی کے، کیونکہ اس پر تو وہی عذاب پڑنے والا ہے جو قوم پر پڑے گا۔

اس کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ بیوی کو ساتھ نہ لیں اور یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ بیوی ہونے کی حیثیت سے وہ آپ کے اہل میں داخل ہو کر ساتھ چلے گی، مگر وہ آپ کے اس حکم پر عمل نہ کرے گی جو آپ اپنے اہل وعیال کو دیں گے کہ کوئی مڑکر نہ دیکھے، بعض روایتوں میں ہے کہ یوں ہی ہوا کہ یہ بیوی بھی ساتھ چلی مگر جب قوم پر عذاب آنے کا دھماکہ سنا تو پیچھے مڑکر دیکھا اور قوم کی تباہی پر افسوس کرنے لگی اسی وقت ایک پتھر آیا جس سے اس کا بھی خاتمہ کر دیا۔

اس طرح آپ اور آپ کے گھر والے بچ گئے لیکن آپ کی بیوی کہ وہ آپ کے ساتھ نہ گئی یا پیچھے مڑکر دیکھ لیا اسی مصیبت کا شکار ہوگئی جس کا شکار ساری قوم ہوئی، فرشتوں نے کہا کہ ان کے تباہ ہونے کا وقت آج صبح مقرر ہے، حضرت لوط علیہ السلام نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ ذرا اور جلدی عذاب آجائے اس پر فرشتوں نے آپ کو تسلی دیتے ہوئے کہا کہ صبح تو زیادہ دور نہیں بلکہ ہونے ہی والی ہے۔

عذاب کی صورت

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً

پس جب　آیا　حکم ہمارا　کرڈالا ہم نے　اوپر اس کا　نیچا اس کا　اور برسائے ہم نے　پر ان　پتھر

مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ۭ وَ مَا هِيَ مِنَ

کے　کھنگروں کے　تہہ بر تہہ (۸۲)　نشان کئے ہوئے　پاس　رب آپ کے　اور نہیں　یہ　سے

النصف ع ۱۵　الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾

ان ظالموں　کچھ دور (۸۳)

بامحاورہ ترجمہ: جب (وعدے کے مطابق) ہمارا (عذاب کا) حکم آپہنچا تو ہم نے اس بستی کو الٹا کر دیا اور ان پر لگاتار کھنگروں کے پتھر برسائے۔ (۸۲) جو کہ آپ کے رب کی طرف سے نشان لگے ہوئے

تھے کہ کونسا پتھر کس کو لگنا ہے اور وہ بستی (مکہ کے) ان ظالموں سے کوئی دور نہیں ہے۔ (۸۳)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت لوط علیہ السلام اپنی بچیوں کو لے کر رات کے آخری حصے میں بستی سے نکل گئے اور پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا جب کافی دور چلے گئے تو صبح کا وقت بھی ہو گیا پھر کیا ہوا جب ہمارے عذاب کا حکم آ گیا تو ہم نے ان بستیوں کے اوپر والے حصے کو نیچے اور نیچے والے کو اوپر کر دیا، یعنی ساری بستیوں کو الٹ کر رکھ دیا، کیونکہ وہ لوگ کام ہی الٹے کرتے تھے، فرمایا: اس کے علاوہ ہم نے ان پر پتھروں کی بارش برسائی جو مٹی کے پکے ہوئے کھنگروں کی صورت میں تھے یہ پتھر تہہ در تہہ برستے رہے ہر پتھر پر اللہ تعالیٰ نے نشان لگا دیئے تھے یا نام لکھ دیئے تھے کہ یہ فلاں کے سر پر لگے گا یہ فلاں کی پیٹھ پر لگے گا اور یہ فلاں کا خاتمہ کر دیگا، چنانچہ صبح کے وقت سارا علاقہ تہہ و بالا ہو گیا، یہ علاقہ بحر مردار کے کنارے پر واقع ہے اور اس کے پانی میں اللہ تعالیٰ نے ایسی خرابی پیدا کر دی کہ ہزاروں سال گزرنے کے باوجود اب تک بھی ٹھیک نہیں ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے کفر شرک اور لواطت کی بیماریوں کی وجہ سے ان کو ایسی ہلاکت والی سزا میں مبتلا کیا کہ اتنی بڑی آبادی میں سوائے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بچیوں کے کوئی بھی فرد زندہ نہ بچا۔

روایتوں میں ہے کہ یہ چار بڑے بڑے شہر تھے جن میں یہ لوگ بستے تھے انہیں بستیوں کو قرآن کریم میں دوسری جگہ "مؤتفکات" (الٹی پھینکی ہوئی) کہا گیا ہے، جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو جبریل امین علیہ السلام نے اپنا پر ان سب شہروں کی زمین کے نیچے پہنچا کر سب کو اس طرح اوپر اٹھالیا کہ ہر چیز اپنی جگہ رہی پانی کے برتن سے پانی بھی نہیں گرا، آسمان کی طرف سے کتوں اور جانوروں اور انسانوں کی آوازیں آ رہی تھیں ان سب بستیوں کو آسمان کی طرف سیدھا اٹھانے کے بعد الٹا کر کے پھینک دیا، جو ان کے برے عمل کے حال کے بالکل مناسب تھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ بستیاں مکہ کے ان ظالموں سے کچھ دور نہیں؛ اس لئے کہ یہ لوگ تجارت کے لئے

ملک شام جاتے ہوئے ان بستیوں کو دیکھتے ہوئے گزرتے ہیں، ان سے پہلے قوموں میں سے عاد، ثمود، اور نوح علیہ السلام کی قوم پر بھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ آ گئی یہی بات مکے اور عرب کے مشرکوں کو بھی سمجھائی جارہی ہے اور بعد میں آنے والوں کو بھی بتائی جارہی ہے کہ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی سزا ظالموں سے دور نہیں ہے اگر پہلی قومیں اس قسم کے ظلم کی وجہ سے ہلاک ہوئیں تو ایسی سزا تم پر بھی آسکتی ہے عرب لوگ بحر مردار کے کنارے سے تجارتی سفر کے دوران گزرتے تھے، شام، فلسطین یا مصر کے لئے یہی راستہ تھا تو وہ لوگ ان اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کو خبردار کیا کہ دیکھو ان لوگوں نے نافرمانی کی تو دنیا سے مٹا دیئے گئے اگر تم بھی شرک، کفر یا ظلم و زیادتی پر اڑے رہو گے تو خدا کا عذاب دور نہیں ہے وہ کسی وقت بھی اتر سکتا ہے۔

مدین شہر والے

وَ اِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا

اور طرف مدین کے بھائی ان کے شعیب کو (بھیجا) کہا اے قوم میری! عبادت کرو اللہ تعالیٰ کی نہیں

لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ وَ لَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ اِنِّیْۤ

لئے تمہارے کوئی معبود سوا اس کے اور نہ کم کرو ناپ اور تول تحقیق میں

اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّ اِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۴﴾ وَ

دیکھتا ہوں تمہیں خوش حال اور تحقیق میں ڈرتا ہوں پر تم عذاب سے ایک دن گھیر لینے والے کے (۸۴) اور

یٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَ الْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ وَ لَا تَبْخَسُوا النَّاسَ

اے قوم میری! پورا کرو ناپ اور تول کو ساتھ انصاف کے اور نہ کم کر کے دو لوگوں کو

اَشْیَآءَهُمْ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۸۵﴾ بَقِیَّتُ اللّٰهِ

ان کی چیزیں اور نہ دنگا مچاؤ میں زمین فساد کرتے ہوئے (۸۵) دی ہوئی بچت اللہ تعالیٰ کی

خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَ مَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿٨٦﴾

بہتر ہے واسطے تمہارے اگر ہو تم ایمان والے اور نہیں میں پر تم پہرہ دار (۸۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا (انہوں نے اپنی قوم سے) کہا اے میری قوم! اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو، کیونکہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ناپ اور تول کو نہ گھٹاؤ میں تم کو خوش حال دیکھتا ہوں اور تم پر ایک گھیر لینے والے عذاب کے دن سے ڈرتا ہوں۔ (۸۴) اور اے میری قوم! ناپ اور تول کو انصاف سے پورا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دو اور زمین میں فساد مت مچاؤ۔ (۸۵) اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بچت تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم ایمان والے ہو اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں۔ (۸۶)

تفسیر

ان آیتوں میں حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے آپ کا ذکر اس سورت کے علاوہ "سورۂ اعراف" میں بھی بیان ہو چکا ہے "سورۃ الشعراء" اور بعض دوسری سورتوں میں بھی آپ کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے کہ: ہم نے شعیب علیہ السلام کو مدین کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا، مدین ایک شہر کا نام ہے جو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کے نام پر رکھا گیا ہے آپ کی بیویاں سارہ اور ہاجرہ تو مشہور ہیں تاہم آپ کی دوسری بیویاں بھی تھیں جن میں سے مدین اپنی ماں قطورا کے بطن سے تھے پھر اسی نام سے شہر اور قبیلہ بھی مشہور ہو گئے جیسا کہ اس زمانہ میں اکثر ایسا ہوتا تھا یہ شہر حجاز سے شمال مغرب اور فلسطین سے جنوب کی طرف خلیج عقبہ اور بحر احمر کے کنارے ایک مشہور شہر اور تجارتی منڈی تھا، یمن یا مکے سے شام یا مصر کو جانے والے قافلے یہیں سے گزرتے تھے کیونکہ یہ شہر ایک بڑے راستے پر واقع تھا۔

مدین کے شہر کے پاس درختوں کا ایک بن تھا جس کو "ایکہ" کہتے تھے ("اَصحابُ الایکہ" بن کے رہنے والے) اصل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو دو قوموں کی طرف بھیجا ان میں سے ایک "مدین والے"،

دوسرا "ایکہ والے" تھے، بعض یہ بھی کہتے ہیں کہ "ایکہ" اور "مدین" دونوں ایک ہی قبیلہ کے لوگ تھے تاہم زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ "مدین" اور "ایکہ والے" الگ الگ خاندان تھے اور اللہ تعالیٰ نے شعیب علیہ السلام کو ان دونوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا۔

یہ خطہ سرسبز وشاداب تھا لوگ خوشحال تھے یہی خوش حالی ان کی غفلت کا باعث ہوئی، وہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے اور لگے سرسبز میوہ دار اور فائدہ پہنچانے والے درختوں کو پوجنے ۔لالچی اس قدر ہو گئے تھے کہ دام پورے لے لیتے اور جنس کی ناپ تول میں کمی کر دیتے۔

حضرت شعیب علیہ السلام ان میں پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تاکہ ان کو اس خیانت سے روکیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف ان کا رُخ کریں، کیونکہ انسان کے اندر برائی کی جڑ اللہ تعالیٰ سے غفلت ہے جو لوگ اللہ تعالیٰ کو جس حد تک مانتے ہیں اسی حد تک وہ برائیوں سے بچے رہتے ہیں۔

چونکہ دین اور شریعت کی بنیاد ایمان اور توحید پر ہے اگر ایمان ہی خراب ہے اس میں کفر وشرک کی ملاوٹ ہے تو پھر اس کی کسی نیکی کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ اس کا نتیجہ الٹا ہی نکلے گا اسی لئے حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کیا انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، تمہارا پیدا کرنے والا اور پالنے والا صرف ایک اللہ تعالیٰ ہے اس کے سوا کوئی بھی تمہارا معبود نہیں اور اس کی بخشی ہوئی خوشحالی کا شکر اس کی فرمانبرداری کی صورت میں ادا کرنے کو کہا، ناپ اور تول میں کمی کو نہ چھوڑنے کی صورت میں مصیبت کے دن سے ڈرایا۔

شروع ہی سے ہر قوم میں کوئی نہ کوئی اخلاقی برائی بھی رہی ہے جس سے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر روکتے رہے، بعض قوموں میں غرور وتکبر کی بیماری تھی، بعض میں فضول خرچی کی اور بعض میں لواطت کی، شعیب علیہ السلام کی قوم چونکہ تجارت پیشہ لوگ تھے ان کی اخلاقی برائی ناپ تول میں کمی تھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر نے ان کو ایک طرف تو شرک اور کفر کی بیماری سے روکا اور توحید کا درس دیا تو دوسری طرف ان کو لین دین میں خیانت سے بھی منع فرمایا، آپ نے

واضح کیا کہ لین دین میں بندوں کے حقوق کا معاملہ ہوتا ہے جن کا پورا کرنا ضروری ہے، فرمایا: اے لوگو! ناپ اور تول میں کمی نہ کرو، یعنی: تجارتی لین دین میں ڈنڈی نہ مارا کرو، ایک موقع پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بازار میں تشریف لے گئے تو آپ نے تاجروں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے تاجروں کے گروہ! تمہیں دو چیزوں کا ذمہ دار بنایا گیا ہے جن کی وجہ سے پہلی کئی قومیں تباہ ہوئیں وہ دو چیزیں ناپ اور تول ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شعیب علیہ السلام کی قوم سے پہلے بھی کئی قومیں ناپ تول میں کمی کی بیماری میں مبتلا تھیں "سورۂ مطففین" میں بھی یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لئے ہلاکت وتباہی ہے "سورۃ الرحمن" میں ترازو قائم کرنے کا مقصد ہی یہ بیان فرمایا ہے کہ اس میں تجاوز نہ کرو، یعنی: ناپ تول میں کمی نہ کرو۔

خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی کو کوئی چیز تول کر دیتے تو فرماتے جب تولو تو کچھ زیادہ ہی دو، کمی نہ کرو، ناپ تول میں کمی کی بیماری آج کے معاشرے میں بھی موجود ہے لوگ گز اور میٹر کے چکر میں کم ناپتے ہیں، بھاؤ میٹر کے حساب سے کرتے ہیں، مگر ناپتے وقت گز استعمال کرتے ہیں جس سے گاہک کو نقصان ہوتا ہے اس کے علاوہ کپڑا ناپتے وقت کھینچ کر ناپتے ہیں گاہک جب کپڑا سینے کے لئے حساب کرتا ہے انیس انچ کے بجائے اٹھارہ انچ ہی نکلتا ہے اس طرح دھوکے کی کمائی قطعی حرام ہے۔

بہر حال حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو ناپ تول میں کمی کرنے سے منع کیا اور فرمایا کہ تم خوش حال قوم ہو کوئی فقر وفاقہ میں مبتلا نہیں ہو جس کی وجہ سے تم اس بلا میں مبتلا ہو، اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکر کا تقاضا یہی ہے کہ تم اس کی مخلوق پر ظلم نہ کرو اور پھر یہ بھی بتلا دیا کہ اگر تم نے میری بات نہ سنی اور اس سے باز نہ آئے تو مجھے خطرہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا عذاب تمہیں گھیر لے گا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ناپ تول میں کمی تو کرتی ہی تھی دوسرے معاملات میں بھی اوروں کو نقصان پہنچا کر اپنا بھلا کرنا ان کا شیوہ تھا، ڈکیتی، لوٹ مار تک سے نہ چوکتے تھے، کوئی اپنا سامان ان کو نہ دیتا تو اسے مار ڈالتے تھے، بھتہ خوری کرتے تھے، یہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ مفلس قلاش تھے اور دوسروں سے چھینے بغیر ان کا

پیٹ نہ بھر سکتا تھا بلکہ اس لئے کہ جو کچھ ان کے پاس ہے اس میں اور اضافہ ہو جائے پیسے کی پجاری بھی اور دولت جمع کرنے کے دلدادہ تھے۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں سمجھایا کہ کہ دوسروں کو دیتے وقت پورا تولو اور پیمانہ پورا بھر کر دو کمی مت کرو، اور زمین میں فساد برپا کرتے ہوئے مت چلو، شرک، کفر، بدعات، باطل رسمیں، یہ سب زمین میں فساد ہیں اور اللہ تعالیٰ کو یہ باتیں ہرگز پسند نہیں، فساد کے برخلاف اصلاح کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ایک مانا جائے اور اسی کی عبادت کی جائے، شریعت کی پابندی کی جائے، کھیل تماشے، حق تلفی، حرام کاری، جوابازی، رشوت خوری اور فضول رسموں سے بچا جائے، چوری، ڈاکہ، دنگا فساد، بدکاری، قتل وغیرہ زمین میں فساد کا ذریعہ بنتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان تو یہ ہے کہ وہ فتنہ وفساد کو پسند نہیں فرماتا اللہ تعالیٰ انصاف اور حق کو پسند کرتا ہے، اور یہ کہ ایمان داری سے جو نفع کما سکو وہ تمہارے لئے پاکیزہ ہے حلال ہے حلال کی کمائی پر گزارہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی بچت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے دیئے ہوئے مال میں تمام حقوق ادا کرنے کے بعد جو کچھ باقی بچ رہے اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے وہی بابرکت ہے اس کے علاوہ اگر حقوق ادا نہیں کرو گے یا مال کو ناجائز طریقے سے حاصل کرو گے تو وہ حرام ہوگا اور بالآخر سزا کا سبب ہوگا، اگرچہ ظاہری طور پر زیادہ مال میں زیادہ فائدہ نظر آئے گا، مگر حقیقت اس کے برخلاف ہے، ایسا مال حاصل کر کے یا مال کے حقوق ادا نہ کر کے انسان سخت نقصان اٹھاتا ہے، لہٰذا بہتر یہ ہے کہ صحیح اور جائز حق ہی اپنے پاس رکھو اور کسی دوسرے شخص کا مال ناجائز طریقے سے کھانے کی کوشش نہ کرو، لہٰذا میں تمہارے عمل کا ذمہ دار نہیں ہوں اس کا تم ہی نے جواب دینا ہوگا میں نے اپنا حق ادا کر دیا ہے۔

میں تمہیں صرف سمجھانے ہی کے لیے آیا ہوں میرا کام یہ نہیں کہ تمہارا نگران بن کر بیٹھوں اور تمہیں زبردستی برے کاموں سے روکوں۔

احکام ومسائل

یہاں یہ بات خاص طور پر ذکر کی گئی ہے کہ کفر اور شرک سب گناہوں کی جڑ ہے جو قوم اس میں مبتلا ہے اس کو پہلے ایمان ہی کی دعوت دی جاتی ہے ایمان سے پہلے دوسرے معاملات اور اعمال کی دعوت نہیں دیجاتی، دنیا میں ان کی نجات یا عذاب بھی اسی ایمان وکفر کی بنیاد پر ہوتا ہے پہلے کے تمام پیغمبر اور ان کی قوموں کے واقعات جو قرآن کریم میں ہیں اسی بات کی گواہی دیتے ہیں کہ صرف دو قومیں ایسی ہیں جن پر عذاب نازل ہونے میں کفر کے ساتھ ان کے برے عملوں کو بھی دخل رہا ہے ایک لوط علیہ السلام کی قوم، جس کا ذکر اس سے پہلے ہو چکا ہے کہ ان پر جو عذاب پوری بستی الٹ دینے کا واقع ہوا اس کا سبب ان کے گندے عمل کو بتلایا گیا ہے دوسری قوم شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جن کے عذاب کا سبب کفر وشرک کے علاوہ ناپ تول میں کمی کرنے کو بھی قرار دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں کام اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب گناہوں سے زیادہ ناپسندیدہ ہیں۔

قوم کا جواب

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ

کہنے لگے   اے شعیب!   کیا نماز تیری   حکم دیتی ہے تجھے   کہ   چھوڑ دیں ہم   تجھے جس کو   پوجتے تھے   باپ دادا ہمارے   یا

اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

یہ کہ   کریں   میں   مالوں اپنے   جو   چاہیں ہم   بیشک آپ   ایک تو ہی   سمجھدار   نیک چلن ہے (۸۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بولے اے شعیب! کیا تیری نماز تجھے اس بات کا حکم کرتی ہے کہ ہم (ان تمام) معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے باپ (دادا) پوجا کرتے آئے ہیں، یا ہم جو کچھ اپنے مالوں میں کرتے ہیں کرنا چھوڑ دیں واقعی تو ہی ایک سمجھدار اور نیک چلن ہے؟ (باقی سارے خراب ہیں)۔ (۸۷)

تفسیر

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے ان کی نصیحت سن کر وہی جواب دیا جو اس قسم کے سر پھرے لوگ دیا کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ ہاں بھئی ہم سارے برے ہیں بس تم ہی دنیا میں ایک نیک آدمی رہ گئے ہو، حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت سن کر انہوں نے کہا اے شعیب! آخر تیری لمبی لمبی نمازیں رنگ لائیں، تو بڑا ہمیں نصیحت کرنے والا آ گیا، تو کیا کہتا ہے کہ باپ دادا کی رسمیں چھوڑو، بتوں وتوں کی پوجا بے کار چیزیں ہیں، کیا خوب؟ گویا ہمارے باپ دادا باؤلے تھے، بس تو ہی ایک عقل مند شخص دنیا میں پیدا ہوا ہے، صاف صاف کہو کہ تجھے ہمارے سر پر بڑا بن کر بیٹھنے کا شوق ہے۔

ہمیں یہ کیا کہتے ہو کہ دیکھو مالی معاملات میں ایمان داری سے کام لو کیا خوب؟ گویا ہمیں اپنے مال پر اختیار ہی نہیں، ہر بات میں تمہاری نصیحت ہی سے ہمارا کام چل سکتا ہے بس بھئی بس اپنی نمازوں تک دھیان رکھو ہمارے کاموں میں دخل نہ دیا کرو۔

اللہ تعالیٰ کے سارے پیغمبر بڑے بردبار اور نیک ہوتے ہیں حضرت شعیب علیہ السلام نے ان کو نہایت دلسوزی اور خیر خواہی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ حق بات واضح ہونے کے بعد اس کو مان لی جاتی مگر الٹا انہوں نے آپ کی بردباری اور نیک چلن کا مذاق اڑایا اور کہا کہ تو کون ہوتا ہے ہمیں نصیحت کرنے والا اور ہمارے معاملات میں دخل دینے والا؟ ہم تمہاری بات بالکل بھی نہیں ماننے والے۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ بھی یوں سمجھتے تھے کہ دین و شریعت کا کام صرف عبادتوں میں محدود ہے معاملات میں اس کا کوئی دخل نہیں، ہر شخص اپنے مال میں جس طرح چاہے تصرف کرے، اس پر کوئی پابندی لگانا دین کا کام نہیں جیسے اس زمانہ میں بھی بہت سے بے سمجھ لوگ ایسا خیال کرتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام کا جواب

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَ رَزَقَنِیْ

کہا اے قوم میری! بھلا دیکھو تو اگر ہوں میں پر روشن راستہ طرف سے رب اپنے کی اور دیا اس نے مجھے

مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَ مَاۤ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ

سے طرف اپنے رزق اچھا اور نہیں چاہتا میں یہ کہ چھڑا کر چلا جاؤں طرف اسکی روکتا ہوں میں تمہیں

عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَ مَا تَوْفِیْقِیْۤ

سے جس اگر چاہتا ہوں میں مگر سنوارنا جو کر سکو تم اور نہیں کام بننا میرا

اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْهِ اُنِیْبُ ﴿۸۸﴾

مگر مدد اللہ کی کے پر اسی بھروسا کیا میں نے اور طرف اسی کی جھکتا ہوں میں (۸۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (قوم کے جواب میں شعیب علیہ السلام نے) کہا اے میری قوم! دیکھو تو اگر مجھے اپنے رب کی طرف سے سمجھ آ گئی اور اس نے مجھ کو اپنی طرف سے نیک روزی عطا کی اور میں یہ نہیں چاہتا کہ بعد کو خود وہ کام کروں جو تم سے چھڑاؤں، میں تو جہاں تک ہو سکے سنوارنا چاہتا ہوں، میرے کام کا بننا اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہے، میں نے اسی پر بھروسا کیا اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔ (۸۸)

تفسیر

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے آپ کی نصیحت اور توحید کی طرف دعوت دینے کا بڑا تلخ جواب دیا مگر اس کے باوجود آپ نے نہایت ہمدردی سے فرمائش کی اور فرمانے لگے کہ اے میری قوم! مجھے بتلاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے اپنی بات کے حق ہونے پر دلیل اور کافی شہادت رکھتا ہوں اور اللہ تعالیٰ نے بہترین رزق بھی عطا فرمایا ہو کہ ظاہری رزق جس پر معاش کا مدار ہے وہ بھی عطا فرمایا اور باطنی رزق سمجھداری اور عقلمندی اور اس پر

وحی اور پیغمبری جیسی عظیم نعمت بھی عطا فرمائی تو پھر کیا تمہاری رائے یہ ہے کہ ان سب چیزوں کے ہوتے ہوئے بھی میں تمہاری طرح گمراہی اور ظلم کو اختیار کرلوں اور حق بات تمہیں نہ پہنچاؤں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ: معلوم نہیں کہ تم تکبر میں اس قدر مبتلا کیوں ہو کہ اپنے سامنے کسی کو کچھ سمجھتے ہی نہیں، بھلا! بتاؤ تو سہی کہ اس کے مان لینے سے کیا خرابی لازم آتی ہے۔

شعیب علیہ السلام نے مزید کہا کہ: اے لوگو! میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہاری ان چیزوں میں مخالفت کروں جن سے میں خود تمہیں روکتا ہوں، میں جن باتوں کا تمہیں حکم دیتا ہوں، ان پر خود بھی عمل کرتا ہوں اور جن سے منع کرتا ہوں ان سے خود بھی بچتا ہوں، یہ نہیں ہوسکتا کہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر قوم کو تو ایک بات سے منع کرے اور خود اس میں ملوث ہو، اللہ تعالیٰ کے دین پر سب سے زیادہ عمل کرنے والے اس کے پیغمبر ہوتے ہیں، وہ خود اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کر کے امت کے لئے نمونہ بنتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کو یہی حکم دیا ہے کہ جو کچھ آپ کی طرف وحی کی گئی ہے اس کی مکمل پیروی کریں اور اللہ تعالیٰ کا ہر پیغمبر ایسا کر کے دکھاتا ہے پیغمبر کا ہر عمل اس کے قول کے مطابق ہوتا ہے، مگر معاشرے کی حالت یہ ہے کہ نچلی سطح سے لے کر حکومت کے ایوانوں تک قول و فعل کا تضاد پایا جاتا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ لوگ اپنا حق بھی پورا کریں، اللہ تعالیٰ کا حق بھی ادا کریں اور تمام انسانوں کے حقوق کو بھی پورا کریں، اگر ان تینوں قسم کے حقوق کی پاسداری کی جائے تو معاشرہ سنور جائے گا۔

میں تو سوا اس کے کچھ نہیں چاہتا کہ جہاں تک میرے بس میں ہے تمہاری حالت درست کردوں یہی میرا ارادہ ہے لیکن اس کا پورا ہونا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اسی کی توفیق نصیب ہو تو کام بنے میرا بھروسا تو اسی پر ہے اور میں ہر کام میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ حق کی طرف بلانے اور نصیحت و تبلیغ کرنے والے کے عمل کو اس کے وعظ اور نصیحت کے پر اثر ہونے میں بڑا دخل ہوتا ہے جس چیز پر نصیحت کرنے والے کا خود عمل نہ ہو اس کی بات کا دوسروں پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔

میری مخالفت کر کے ہلاکت میں نہ پڑو

وَ يٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ

اور اے قوم میری! نہ ڈالے سر تمہارے مجھ سے ضد کرنا یہ کہ پہنچے تم کو ایسی چیز کہ جو پہنچی

قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَ مَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ

قوم کو نوح کی یا قوم کو ہود کی یا قوم کو صالح کی اور نہیں قوم لوط کی تم سے

بِبَعِيْدٍ ﴿۸۹﴾ وَ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ

کچھ دور (۸۹) اور بخشش مانگو رب اپنے سے پھر رجوع کرو طرف اس کی تحقیق رب میرا

رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾

رحم کرنے والا محبت والا ہے (۹۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اے میری قوم! تمہارا میری مخالفت میں آ کر ضد کرنے سے تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہ پڑ جائے جیسا کہ نوح کی قوم، یا ہود کی قوم، یا صالح کی قوم پر پڑ چکا ہے اور لوط کی قوم تو تم سے کچھ دور نہیں۔ (۸۹) اور اپنے رب سے گناہ بخشواؤ اور اسی کی طرف رجوع کرو، البتہ میرا رب مہربان محبت والا ہے۔ (۹۰)

تفسیر

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم کو طرح طرح سے سمجھا رہے ہیں کہ دیکھو! میری ضد اور مخالفت میں کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اوپر بھی کوئی عذاب آ جائے، جیسا کہ تم سے پہلے بہت سی قوموں پر اسی وجہ سے عذاب آ چکا ہے۔

مطلب یہ ہے تم میری مخالفت کر کے کفر و شرک اور ظلم و زیادتی کرو گے تو تم بھی اسی سزا میں مبتلا ہو سکتے ہو، جس میں پچھلی قومیں مبتلا ہوئیں، نوح کی قوم نے اللہ تعالیٰ کو ایک نہیں مانا تو طوفان میں غرق کر دیئے گئے، ہود کی قوم نافرمانی کر کے تباہ و برباد ہوئی اور صالح کی قوم کو چیخ نے پکڑ لیا، جس سے ان کے دل اور جگر پھٹ گئے اور

ملیامیٹ ہو گئے اور لوط علیہ السلام کی قوم کے متعلق فرمایا کہ: ان کا معاملہ تو تم سے زیادہ دور نہیں ہے۔

یہ دور نہ ہونا دو اعتبار سے ہے زمانے کے لحاظ سے بھی، لوط علیہ السلام کی قوم اور شعیب علیہ السلام کی قوم کا زمانہ قریب قریب ہی ہے اور جگہ کے اعتبار سے بھی، دونوں علاقے آپس میں ملتے جلتے ہی ہیں، مدین اور شرق اردن میں کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔

تم ان کے حالات سے سبق حاصل کرو اپنے رب سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگو، سب کے سب اس کی طرف جھک جاؤ، اگر ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں معاف فرمائے گا اور تمہاری توبہ قبول کرے گا، کیونکہ میرا رب توبہ قبول کرنے والوں پر اپنی رحمت اتارنے والا ہے اور جو اس کی طرف جھکے اس کی طرف وہ خاص توجہ فرماتا ہے۔

غرور کی حد

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا

کہا انہوں نے اے شعیب! نہیں سمجھتے ہم بہت کچھ میں اس سے جو کہتا ہے تو اور تحقیق ہم البتہ دیکھتے ہیں تجھے بیچ اپنے

ضَعِيْفًا ۚ وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾

کمزور اور اگر نہ ہوتے کنبہ والے آپ کے پتھراؤ کرتے ہم تجھ پر اور نہیں تو نزدیک ہمارے عزت والا (۹۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بولے اے شعیب! ہم بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے نہیں سمجھتے اور ہم تو دیکھتے ہیں کہ تو ہم میں کمزور ہے اور اگر تیرے بھائی بندے نہ ہوتے تو تجھ کو تو ہم سنگسار کر ڈالتے اور ہماری نظر میں تیری کوئی عزت نہیں۔ (۹۱)

تفسیر

حضرت شعیب علیہ السلام کی نصیحت سن کر آپ کی قوم اور زیادہ غصہ میں آ گئی اور کہنے لگی کہ تیری بہت سی باتیں

ہماری عقل کو نہیں لگتی تو جو کچھ بھی ہے، ہم تجھے اچھی طرح جانتے ہیں، ہمارے مقابلے میں تو ہے کیا چیز؟ اگر تمہارا خاندان اور قبیلہ نہ ہوتا تو تجھے تو ہم پتھر مار مار کر ختم کر دیتے، ہمارے سامنے تیری کوئی حیثیت نہیں ہے۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم نے شعیب علیہ السلام کو یہ باتیں انتہائی تکبر اور سرکشی کی بنیاد پر کہی ورنہ شعیب علیہ السلام کی بات سمجھنے میں انہیں کوئی چیز رکاوٹ نہ تھی، آپ اسی قوم کے فرد تھے اور انہیں کی زبان بولتے تھے، وہ آپ کی ہر بات کو اچھی طرح سمجھتے تھے، مگر یہ لوگ پیغمبر سے طنز کر رہے تھے اور ان کا مذاق اڑا رہے تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننا، اور شرک سے بچنا، ناپ تول میں انصاف، ظلم سے پرہیز کون سی ایسی باتیں ہیں، جو عام آدمی کی سمجھ میں نہ آئے، حقیقت یہ ہے کہ آپ کی قوم تکبر اور سرکشی میں مکمل ڈوبی ہوئی تھی وہ کسی صورت آپ کی بات ماننے کے لئے تیار نہ تھی۔

اللہ تعالیٰ سے غفلت

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اتَّخَذْتُمُوْهُ

کہا اے قوم میری! کیا کنبہ میرا زیادہ زوردار ہے پر تم سے اللہ اور رکھ دیا تم نے اس کو

وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

پڑے اپنے پرے پیٹھ پیچھے تحقیق رب میرا اس پر جو کرتے ہو تم احاطہ کرنے والا ہے (۹۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (شعیب نے اپنی قوم سے) کہا اے میری قوم! کیا میرے بھائی بندے کا دباؤ تم پر اللہ تعالیٰ سے زیادہ ہے اور اللہ تعالیٰ کو تو تم نے پیٹھ پیچھے ڈال رکھا ہے تحقیق جو کچھ تم کرتے ہو میرے رب کے قابو میں ہے۔ (۹۲)

تفسیر

قوم کی دھمکی کے جواب میں حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا: اے میری قوم! کیا میرا خاندان تمہارے

نزدیک اللہ تعالیٰ سے زیادہ طاقت والا ہے؟ تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے حکم کا تو کچھ خیال نہیں اور محض میرے خاندان کا لحاظ ہے یہ تو بہت ہی غلط بات ہے کہ اللہ تعالیٰ جو ہر چیز کو پیدا کرنے والے مالک ہیں اس کا تو خیال نہ ہو، اس کے حکموں کو پیٹھ پیچھے ڈال دیا جائے، مگر خاندان اور قبیلے کو زیادہ حیثیت دی جائے، حالانکہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کو زیادہ اہمیت دینی چاہئے جس نے مجھے پیغمبر بنا کر تمہاری طرف بھیجا۔

لیکن تم آدمیوں کا تو خیال کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کا بالکل بھی خیال نہیں کرتے حالانکہ آدمی اگر ناراض ہو جائے تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

اگر انہوں نے تم سے لڑائی بھی کی تو آسانی سے ان کا مقابلہ کر سکتے ہو لیکن اگر اللہ تعالیٰ تم سے ناراض ہو گیا تو وہ تمہیں پلک جھپکنے میں فنا کر سکتا ہے تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

ناراضگی کا اظہار

وَ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ؕ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ

اور اے قوم میری! کام کرتے رہو پر جگہ اپنی تحقیق میں کام کر رہا ہوں عنقریب جان لوگے تم

مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَ مَنْ هُوَ كَاذِبٌ ؕ وَ ارْتَقِبُوْۤا

کون ہے آتا ہے جس پر عذاب جو رسوا کرے اس کو اور کون ہے کہ وہ جھوٹا ہے اور انتظار کرو

اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾

میں بھی ساتھ تمہارے منتظر ہوں (۹۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے میری قوم! اپنی جگہ کام کئے جاؤ، میں بھی کام کرتا ہوں آگے معلوم کر لوگے کہ رسوا کرنے والا عذاب کس پر آتا ہے اور جھوٹا کون ہے، اور تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔ (۹۳)

تفسیر

شعیب علیہ السلام نے جب ان لوگوں کا رویہ یہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کو کچھ سمجھتے ہی نہیں، تو جان گئے کہ ان کی حالت درست نہیں ہوسکتی، اس لئے ان کی ہدایت سے ناامید ہوئے اور پھر جو فرمایا وہ اس آیت میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ تم میری بات مانتے معلوم نہیں ہوتے، اس لئے جو جی چاہے کرو اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑے رہو، میں بھی اپنی پیغمبری کے تقاضے کے مطابق جو مجھے کرنا چاہئے کر رہا ہوں، یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ کس کو اللہ پاک عزت عطا فرماتے ہیں اور کس کو ذلیل کرتے ہیں۔

عذاب کی صورت

وَ لَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ

اور جب آیا حکم ہمارا بچادیا ہم نے شعیب کو اور ان کو جو ایمان لائے ساتھ اس کے ساتھ رحمت کے

مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ

طرف اپنی سے اور آ پکڑا ان کو جنہوں نے ظلم کیا کڑک نے پس صبح کی انہوں نے میں گھروں اپنے

جٰثِمِیْنَ ﴿۹۴﴾ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا

اوندھے پڑے (۹۴) گویا نہ بسے تھے میں ان سنو! ہلاکت ہو واسطے مدین کے جیسے

ع ۸ ۱۲ ۸ بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾

ہلاک ہوئے ثمود (۹۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ہمارا (عذاب) کا حکم آپہنچا، ہم نے اپنی رحمت سے شعیب کو اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے کو بچادیا اور ان ظالموں کو کڑک نے آ پکڑا، پھر صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ (۹۴) گویا کہ وہ ان بستیوں میں رہتے ہی نہیں تھے، سنو! اہل مدین والوں کے لئے ہلاکت ہے جیسا کہ

ثمود کی قوم ہلاک ہوئی۔ (۹۵)

تفسیر

اس آیت میں مدین والوں کا انجام بتایا گیا ہے انہوں نے شعیب علیہ السلام کو کچھ نہ جانا، سخت سخت جواب دیئے، ایذائیں پہنچائیں، ڈروائے دیئے، دھمکیاں دیں، آخر نتیجہ کیا ہوا عذاب سے ہلاک کر دیئے گئے۔

شعیب علیہ السلام کی قوم کی سزا کے بارے میں اس جگہ پر صرف چیخ کا ذکر ہے جبکہ "سورۂ اعراف" میں زلزلے کا ذکر بھی آتا ہے اور پھر "سورۃ الشعراء" میں سائبان (بادل) کے عذاب کا ذکر بھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شعیب علیہ السلام کی قوم پر تینوں قسم کے عذاب آئے، اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں میں مختلف عذاب کا ذکر خاص مناسبت کی وجہ سے کیا ہے، مثلاً: "سورۂ اعراف" میں آتا ہے کہ آپ کی قوم نے شعیب علیہ السلام کو دھمکی دی کہ ہمارے دین میں واپس آجاؤ، ورنہ ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے، تمہیں اپنی سرزمین سے نکال دیں گے، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے زمین ہی سے زلزلے کی صورت میں ان پر عذاب بھیج دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے پیغمبر کو جس زمین سے نکالنا چاہتے ہو، اسی زمین پر تمہیں خود جینا نصیب نہیں ہوگا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم اپنے غرور اور تکبر کی وجہ سے کبھی آپ کو طنز کرتے، کبھی پتھر مار مار کر ہلاک کرنے کی دھمکی دیتے اور کبھی اپنے علاقے سے زبردستی نکالنے کی دھمکی دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کے جھوٹے غرور کو توڑنے کے لئے ان کو چیخ کے ذریعے ہلاک کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور آگے "سورۂ شعراء" میں جہاں سائبان کے عذاب کا ذکر ہے وہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کے مخالفین کی اس بڑک کا ذکر فرمایا ہے کہ وہ کہتے تھے اے شعیب! ہم تیری بات ماننے کے لئے بالکل تیار نہیں اور اگر تو سچا ہے تو ہم پر آسمان کا کوئی ٹکڑا گرا دے اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پہلے سخت گرمی بھیجی، پانی خشک ہوگیا اور مارے گرمی اور پیاس کے لوگوں کے ہونٹ خشک ہوگئے، سات دن تک یہی صورت حال رہی، پھر اللہ تعالیٰ نے بادلوں کو ٹھنڈی ہوا کے ساتھ بھیجا، سب لوگ بادلوں کے نیچے اکھٹے ہوگئے کہ اب بارش برسے گی اور جل تھل ایک ہو جائے گا، مگر ہوا یہ کہ جب سب لوگ جمع ہوگئے تو

بادلوں سے آگ برسنے لگی، جس نے ساری قوم کو جلا کر راکھ کر دیا، یہ سائبان کا عذاب تھا، بہر حال اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر تینوں قسم کے عذاب بھیجے، کچھ کو چیخ کے ذریعے سے، کچھ کو زلزلے کے ذریعے سے اور کچھ کو سائبان کے عذاب کے ذریعے سے ہلاک کر دیا گیا۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے عذاب نے انہیں اس طرح تباہ کر دیا گویا کہ وہ وہاں کبھی آباد نہ تھے آخر میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہ فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری ہے مدین والوں کے لئے جیسا کہ ثمود کی قوم کیلئے دوری تھی وہ لوگ بھی بڑے مغرور تھے، ان کی نافرمانی کی وجہ سے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے تباہ و برباد کر دیا اور اسی طرح شعیب علیہ السلام کی قوم بھی ہلاک و برباد ہوئی، اصل میں مکہ والے اور بعد میں آنے والوں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم بھی اپنا انجام سوچ لو اگر تم بھی نافرمان قوموں کے نقش قدم پر چلو گے تو تم پر بھی اسی طرح کا عذاب ہوسکتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام اور فرعون

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ

اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ کو ساتھ نشانیوں اپنی کے اور سند واضح کے (۹۶) طرف فرعون کی

وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَ مَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾

اور سرداروں اس کے کی پس پیروی کی انہوں نے حکم فرعون کے کی اور نہیں حکم فرعون کا درست (۹۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور البتہ ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور واضح دلیل (معجزہ) دے کر۔ (۹۶) فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا، پھر انہوں نے پیروی کی فرعون کے حکم کی، حالانکہ فرعون کی بات کچھ کام کی نہیں۔ (۹۷)

تفسیر

فرعون کے ظلم سے بنی اسرائیل کو چھڑانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا

اور ایسی کھلی ہوئی علامتیں ان کے ساتھ کردیں جن کو دیکھ کر کسی سمجھ دار کو جو اپنی سمجھ سے کام لیتا ہو ان کے پیغمبر ہونے میں شبہ نہیں ہوسکتا تھا۔

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے موسیٰ کو آیتیں دے کر بھیجا، آیتوں سے مراد "تورات" کی آیتیں بھی ہوسکتی ہیں اور آیتوں کے معنی معجزوں کے بھی آتے ہیں، یعنی: ہم نے موسیٰ کو معجزوں کے ساتھ بھیجا، اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو "تورات" کی شکل میں احکام بھی دیئے تھے، معجزوں کے ضمن میں آپ کے نو معجزوں کا ذکر قرآن پاک میں آتا ہے، جن میں سے دو زیادہ واضح ہیں، یعنی: عصا اور ید بیضا، آیتوں سے دلیلیں بھی مراد ہوسکتی ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے کے متعلق بڑی واضح دلیلیں پیش کیں اور یہ کام سارے پیغمبر ہی کرتے رہے ہیں، ایک تو معجزے عطا فرمائے اور دوسری چیز کھلا غلبہ یا کھلی سند بھی موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائی، کھلے غلبے یا کھلی سند سے بھی معجزے ہی مراد ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر بہت سے معجزے ظاہر کئے۔

یہ ساری نشانیاں دے کر ان سے کہہ دیا کہ فرعون اور اس کے درباریوں کے پاس جاؤ، فرعون اور اس کی قوم قبطی خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو مصر کے پرانے باشندے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام دونوں قوموں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گئے تھے یہاں پر قبطی قوم کی طرف اشارہ ہے جبکہ دوسری جگہ پر بنی اسرائیل کا ذکر بھی ہے، چونکہ فرعون اور اس کے سردار سرکشی میں حد سے بڑھ چکے تھے تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان کا ذکر کیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف بھیجا۔

اور ان سے کہو کہ بنی اسرائیل پر ظلم کرنا چھوڑ دیں کیونکہ وہ بھی اسی اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں جس کے تم بندے ہو اور ویسے ہی فرعون کی رعیت ہیں جیسے کہ تم ہو، اس بات سے فرعون چونکا، کیونکہ وہ خود خدائی کا دعویدار تھا اور کہا کہ مجھے اپنے ملک میں اختیار ہے کہ چاہے جس پر مہربانی کروں اور چاہے جس کو ستاؤں، مجھے اپنے اختیار کو کام میں لانے سے منع کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ اس کے خوشامدی سردار جو اس کے گرد جمع تھے سب نے اس کی تائید کی اور کہا کہ ہم تو اپنے بادشاہ کو اپنا مالک سمجھتے ہیں اور اس کا ہر حکم ماننے کے لئے تیار ہیں۔

انہوں نے اپنی فکر اور عقیدے کو پاک کرنے، اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے اور ایمان کو درست کرنے کے بجائے فرعون کی بات کی پیروی کی، حالانکہ فرعون کی بات نیکی، ہدایت یا سمجھ بوجھ والی بات نہیں تھی، فرعون کی بات میں تو سراسر غرور تھا اس کی ہر بات کفر و شرک سے پر تھی مگر قوم واضح نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہ لائی اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کی پیروی کرتی رہی۔

احکام و مسائل

یہاں سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر بادشاہ کوئی غلط حکم دے تو اس کو سمجھانا چاہیے تاکہ وہ اپنی غلطی مان لے، اندھا دھند اس کے حکم ماننا ٹھیک نہیں۔

آخرت میں فرعون کا حال

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ وَ بِئْسَ الْوِرْدُ

آگے ہوگا وہ قوم اپنی کے دن قیامت کے پس لا کھڑا کرے گا ان کو آگ پر اور برا ہے وہ گھاٹ جس میں وہ

الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ وَ اُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ بِئْسَ

آپہنچیں گے (۹۸) اور پیچھے لگا دی گئی میں اس دنیا لعنت اور دن قیامت کے برا ہے

الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾

انعام جو دیا جانے والا ہے انہیں (۹۹)

بامحاورہ ترجمہ: قیامت کے دن وہ (فرعون) اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا، پھر (وہ) ان کو آگ پر لا کھڑا کرے گا اور برا گھاٹ ہے جس پر وہ پہنچے۔ (۹۸) اور اس دنیا میں ان کو پیچھے سے لعنت ملتی رہی اور قیامت کے دن بھی برا انعام ہے جو ان کو ملنے والا ہے۔ (۹۹)

تفسیر

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جس طرح دنیا میں فرعون بادشاہ اور ڈکٹیٹر کی حیثیت سے قوم کی قیادت کرتا تھا، ان کو اپنے پیچھے لگا رکھا تھا، ہر بات منواتا تھا اسی طرح قیامت کو بھی اس کی قوم اس کے پیچھے پیچھے ہوگی اور وہ آگے آگے ہوگا، "سورۂ بنی اسرائیل" میں اللہ پاک فرماتے ہیں کہ اس دن ہم تمام لوگوں کو ان کے ماننے والوں سمیت طلب کریں گے، اس طرح کہ ان کے سردار آگے آگے اور ماننے والے پیچھے پیچھے ہوں گے، اسی طرح فرعون اپنے تمام سرداروں اور اس کے کفر و شرک میں ساتھ دینے والوں کی قیادت کرتا ہوا ان کو سیدھا دوزخ کے کنارے میں لے جائیگا۔

دوزخ بری جگہ ہے اس کے کنارے پر جو پہنچا، وہ بجائے آرام اور ٹھنڈک کے آگ میں جا گرے گا، دنیا میں بھی اس پر اور اس کے تابعداروں پر دنیا والے ہمیشہ لعنت کرتے رہیں گے اور قیامت کے دن بھی وہ سب لعنت ہی کے حق دار ہوں گے۔

فرعون اور اس کے ماننے والوں کے لئے یہ عذاب ایک بہت بڑا عطیہ ہوگا یہاں پر دوزخ کے ٹھکانے کو ان کے لئے عطیہ یا انعام کہنا ان کی حقارت اور ذلت کے طور پر ہے کہ ان کو ایسی دردناک سزا ملے گی جس کو طنزیہ انداز میں ہدیہ اور عطیہ کہا گیا ہے اس میں انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہنا ہوگا یہ بہت برا انجام ہوگا۔

نتیجہ

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّ حَصِيْدٌ ۝۱۰۰

یہ کچھ خبریں ہیں بستیوں کی بیان کرتے ہیں ہم پر آپ بعض ان میں سے موجود ہیں اور بعض کٹ چکیں (۱۰۰)

وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ

اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر اور لیکن ظلم کیا انہوں نے خود جانوں اپنی پر پس نہ فائدہ دیا ان کو

اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ
معبودوں ان کے نے جنہیں پکارتے تھے وہ سوا اللہ تعالیٰ کے کچھ بھی جب آیا حکم

رَبِّكَ ؕ وَ مَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾
رب آپ کے کا اور نہ بڑھایا ان کو سوا تباہی کے (۱۰۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ بستیوں کے تھوڑے سے حالات ہیں کہ ہم آپ کو سناتے ہیں بعض ان میں سے اب تک قائم ہیں اور بعض کٹی ہوئی ہیں۔(۱۰۰) اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہی اپنی جان پر ظلم کر گئے، پھر ان کے ٹھاکر (معبود) جن کو وہ اللہ کے سوا پکارتے تھے، ان کے کچھ کام نہ آئے جس وقت آپ کے رب کا حکم پہنچا اور ان کے حق میں سوائے ہلاک کرنے کے کچھ نہ بڑھایا۔(۱۰۱)

تفسیر

یہ واقعات اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے شروع کر کے موسیٰ علیہ السلام تک ذکر کئے ہیں ان میں عاد، ثمود، لوط کی قوم، ایکہ اور مدین کے سارے واقعات آگئے ہیں، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی نافرمانی کی، جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو عذاب سے ہلاک کر دیا۔

اس آیت میں ہے کہ ان تمام واقعات سے تم سبق حاصل کرو دیکھو ان لوگوں کی کیا گت بنتی رہی ان میں سے بعض بستیاں اب تک موجود ہیں جیسے مصر اور بعض بالکل اجڑ گئیں، جن کا نام و نشان بھی نہ رہا جیسے لوط کی قوم۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا، وہ سب خود اپنے کرتوتوں کی وجہ سے تباہ ہوئے وہ اللہ تعالیٰ کو بھول گئے اور اوروں کی پوجا کرنے لگے۔

اس طرح انہوں نے اپنے لئے ہلاکت اور بربادی کے سوا کچھ بھی اضافہ نہ کیا، البتہ آخرت میں افسوس ضرور ہوگا کہ ہم دنیا میں جن کی پوجا کرتے رہے، انہوں نے دھوکہ دیا اور آج کسی کام نہ آئے، باطل معبود اپنے

ماننے والوں کو تو کیا بچاتے وہ الٹا ان کی ہلاکت اور مزید تباہی کا سبب بنے، ان پر خدا تعالیٰ کا قہر اترا اور وہ ناکام ہو گئے۔

اللہ تعالیٰ کا عذاب

وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ

اور ایسی ہی ہے پکڑ رب آپ کے کی جب پکڑتا ہے وہ بستیوں کو حالانکہ وہ ظالم ہوتی ہیں بیشک

اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ

پکڑ اس کی دردناک سخت ہے (۱۰۲) تحقیق میں اس البتہ نشانی ہے واسطے اس کے ڈرے جو عذاب

الْاٰخِرَةِ ؕ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ

آخرت کے کو وہ ایک دن ہے جمع کیے جائیں گے میں اس سب لوگ اور وہ ایک دن ہے

مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ؕ ﴿۱۰۴﴾

حاضری کا (۱۰۳) اور نہیں پیچھے ہٹاتے ہم اس کو مگر بوجہ ایک وقت مقررہ (۱۰۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ کے رب کی طرف سے پکڑ ایسی ہی ہے جب بستیوں کو پکڑتا ہے اور وہ ظلم کر رہے ہوتے ہیں، بے شک اس کی پکڑ سخت دردناک ہے۔(۱۰۲) اس بات میں نشانی ہے اس کے لئے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتا ہے وہ ایک دن ہے جس میں سب لوگ جمع ہوں گے اور وہ سب کے پیش ہونے کا دن ہے۔(۱۰۳) اور اس میں جو ہم دیر کرتے ہیں سو ایک مقرر وعدے کے لئے ہے۔(۱۰۴)

تفسیر

پچھلی امتوں کے حالات پڑھ کر صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی امتوں کو جو سزائیں دنیا میں ملیں وہ اسی وجہ سے کہ انہوں نے ایمان اور نیک عملوں سے منہ موڑا اور اللہ تعالیٰ نے جن کاموں سے ان کو روکا تھا (یعنی:

شرک اور برے عملوں)ان کو کیا، اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کے برے کاموں کی فوراً انتہائی سزا نہیں دیتا بلکہ انہیں مہلت دیتا ہے اور اپنے پیغمبر اوران کے ساتھ اپنی واضح نشانیاں بھیج کر انہیں سمجھاتا ہے جب وہ نہیں سمجھتے تو پھر انہیں سخت سزا دیتا ہے ان سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عملوں کے بدلے دینے کا ایک دن یقیناً آئے گا جس کا نام قیامت ہے اس دن تمام انسان جمع کئے جائیں گے اور سب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کئے جائیں گے، یہ دن یقیناً آئے گا اور اس کا ایک وقت متعین ہے اس وقت تک اس دنیا کو قائم رکھنا ہے تاکہ لوگوں نے جتنے اچھے اور برے کام کرنے ہیں وہ کرلیں اس کے بعد ان سب کو اکٹھا کر کے فیصلہ کر دیا جائے گا کہ تمہارے کاموں کا پورا پورا بدلہ یہ ہے جو تمہیں آج دیا جا رہا ہے، لہٰذا کافر اور ظالم یہ نہ سمجھیں کہ وہ اس طرح ہمیشہ دندناتے پھریں گے اور ان کو کوئی پوچھنے والا نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ صرف پہلی قوموں یعنی نوح، عاد، ثمود، لوط کی قوم اور مدین والے اور فرعون ہی کے لئے نہ تھی بلکہ جب بھی کوئی قوم ظلم کرنا شروع کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی پکڑ بھی آجاتی ہے اور ایسے لوگوں کو آخر کار سزا مل کر رہتی ہے ان قوموں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے نمونے کے طور پر کیا ہے ورنہ اس کا قانون ساری مخلوق کے لئے ایک سا ہے جیسا کہ دوسری جگہ میں ہے کہ ہم ناشکرے کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں اور کسی گنہگار کو چھوڑتے نہیں، بیشک اس میں عبرت ہے اس شخص کے لئے جو آخرت کے عذاب سے خوف کھاتا ہے اسے ڈر ہے کہ کہیں وہ بھی پہلی قوموں کی طرح اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں نہ آجائے، بعض اوقات اللہ تعالیٰ مہلت دے دیتا ہے مگر آخر کار مجرم پکڑے جاتے ہیں، بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ دردناک اور بڑی سخت ہے اس سے کوئی شخص بچ نہیں سکتا۔

قیامت کا حال

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ ﴿١٠٥﴾

جس دن آئے گا وہ نہ بولے گا کوئی جاندار مگر حکم اس کے سے پھر میں سے ان کوئی بدبخت اور کوئی نیک بخت (۱۰۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب وہ دن آئے گا تو کوئی بھی انسان بات نہ کر سکے گا، مگر اس کے حکم سے سو ان میں بعض برے ہیں اور بعض نیک۔ (۱۰۵)

تفسیر

اس آیت میں کہا گیا ہے کہ جب قیامت آئے گی تو کوئی آدمی اپنی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکال سکے گا، کیونکہ بولنا انسان کا ایک عمل ہے جو وہ اس دنیا میں آزادی کے ساتھ کر سکتا ہے، البتہ اس کے لئے جزا سزا کا وقت مقرر ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ پیغمبر ﷺ نے فرمایا: اس دن پیغمبروں کے سوا کوئی نہیں بول سکے گا اور سارے پیغمبر علیہم السلام اس دن "ربّ سلم، ربّ سلم" کہہ رہے ہوں گے، یعنی: اے پروردگار آج کے دن بچا لیجئے، پیغمبر ﷺ کا یہ بھی فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیتا رہتا ہے مگر جب پکڑتا ہے تو پھر چھوڑتا نہیں ہے۔

قیامت میں یہ حقیقت ہر شخص پر کھل جائے گی کہ اس کا پھرنا، چلنا، بھاگنا، دوڑنا، پریشانی اور اطمینان سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اذن (اجازت) کے مطابق ہو رہا تھا اور یہ چیز دنیا میں اس کے اختیار میں تھی لیکن قیامت کے دن ان چیزوں پر اس کو اختیار نہیں ہوگا؛ اس لئے جو کچھ ہو رہا ہے وہ ان کے دنیا کے عملوں کا نتیجہ ہے اور اس کے مطابق کوئی برا ہوگا اور کوئی نیک غرض ہر شخص اپنے عمل کی جزا پا رہا ہوگا۔

بدبخت لوگ

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ شَهِيْقٌ ﴿١٠٦﴾

پس جو لوگ بدبخت ہیں پس میں ہیں آگ واسطے ان کے میں اس چیخنا ہے اور دھاڑنا (۱۰۶)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ

رہیں گے میں اس جب تک رہیں آسمان اور زمین مگر جو چاہے رب آپ کا

اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝١٠٧ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ
تحقیق رب آپ کا کرڈالنے والا ہے جو کچھ چاہے(۱۰۷) اور جو لوگ نیک بخت ہیں میں ہونگے جنت

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ۭ
رہیں گے میں اس جب تک رہیں آسمان اور زمین مگر جو چاہے رب آپ کا

عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝١٠٨
عطیہ ہے نہ منقطع ہونے والا(۱۰۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سو! جولوگ برے ہیں وہ تو آگ میں ہوں گے ان کی وہاں چیخ وپکار ہوگی۔(۱۰۶) جب تک آسمان وزمین ہیں اس وقت تک ہمیشہ اسی میں رہا کریں گے، مگر آپ کا رب جو (وقت مزید بڑھانا) چاہے، بے شک آپ کا رب جو چاہے کرڈالتا ہے۔(۱۰۷) اور جولوگ نیک بخت ہیں، سو! جنت میں ہوں گے ہمیشہ اس میں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین ہیں مگر آپ کا رب جو چاہے یہ بخشش ہے نہ ختم ہونے والی۔(۱۰۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جن لوگوں نے دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور انہی کاموں میں پھنسے رہے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا ان کے لئے قیامت کے دن فیصلہ کیا جائے گا کہ آگ میں داخل ہوجاؤ، جس میں ان کے لئے چیخ وپکار ہوگی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: "زَفِيْرٌ" گدھے کی اس آواز کو کہتے ہیں جو شروع میں بڑی بلند ہوتی ہے اور "شَهِيْقٌ" وہ آواز ہوتی ہے جو آخر میں نرم پڑ جاتی ہے یہ ایسی آواز ہوتی ہے جو سینے اور حلق سے رنج وغم کی صورت میں نکلتی ہے تو فرمایا کہ بدبخت آدمی کے لئے دوزخ میں جاکر رونا پیٹنا اور چیخنا چلانا ہوگا یہ لوگ وہیں دوزخ میں ہی رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم ہیں مگر جو آپ کا رب چاہے اگر اس کی چاہت ہوگی تو

حالات مختلف بھی ہوسکتے ہیں وہ مالک ہے جو چاہے کرے، مگر عام قانون یہی ہے کہ بد بخت لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے بے شک آپ کا رب جو چاہے کرنے والا ہے اس کو حق پہنچتا ہے کہ کسی بندے سے جیسا چاہے سلوک کرے۔

وہ لوگ جو دنیا میں ہر کام کے اندر اللہ تعالیٰ کے حکم کا خیال کرتے تھے اور اپنی خواہشوں کے غلام بنے ہوئے نہ تھے بلکہ ان کو روک کر رکھتے تھے اور شریعت کے حکم کے بغیر کوئی قدم نہ اٹھاتے تھے، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی عبادت کے لئے جان توڑ کوشش کرتے تھے ان کے ان نیک عملوں کے بدلے ان کو ہمیشہ پھلے پھولے باغات عطا کئے جائیں گے یہی لوگ نیک بخت اور سعادت مند ہیں۔

ان آیتوں کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ جس قدر مدت آسمان وزمین دنیا میں باقی رہے اتنی مدت تک بد بخت دوزخ میں اور نیک بخت جنت میں رہیں گے، مگر اس میں آپ کا رب جو اور زیادہ چاہے وہ اسی کو معلوم ہے کیونکہ جب ہم لمبے سے لمبے زمانہ کا تصور کرتے ہیں تو اپنے ماحول کے اعتبار سے بڑا زمانہ یہی خیال میں آتا ہے؛ اسی لیے ''مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ'' کا مطلب ہمیشہ کے لئے مانا جائے، مطلب یہ ہوا کہ بد بخت دوزخ میں اور نیک بخت جنت میں ہمیشہ رہیں گے، مگر جو آپ کا رب چاہے یعنی ان کا رہنا یا نہ رہنا آپ کے رب کی چاہت پر موقوف ہے وہ چاہے تو رہے ورنہ نہ رہے، لیکن وہ فیصلہ کر چکا کہ کافروں اور مشرکوں کا عذاب، جنت والوں کا ثواب کبھی ختم نہ ہوگا، چنانچہ فرمایا: ''وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ'' (اور وہ دوزخ سے نہیں نکل سکتے: (بقرہ رکوع: ۲۰) اور ''یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنْهَا'' (وہ دوزخ سے نکلنا چاہیں گے حالانکہ وہ نکل نہیں سکیں گے: (مائدہ رکوع: ۶) اور ''لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ'' (اور نہ ان سے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی: (بقرہ رکوع: ۱۹) اور ''اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ'' (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نہیں بخشیں گے اس کے ساتھ شرک کرنے کو اور اس کے سوا گناہوں کو جس کے لئے وہ چاہے بخش دیں گے: (نساء۔ رکوع: ۱۸)

اسی پر تمام مسلمانوں کا اجماع رہا ہے اور ہمارے زمانہ کے بعض نام نہاد مفسرین نے جو کچھ اس کے خلاف چیزیں پیش کی ہیں وہ یا کمزور اور من گھڑت روایتیں ہیں یا بعض آیتیں اور حدیثیں ہیں جن کا مطلب کم عقلی یا بدعقلی سے غلط سمجھ لیا جا گیا ہے، رہا جو گنہگار مسلمان گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے (العیاذ باللہ) تو اس کے متعلق صحیح حدیثوں نے ہمیں خدا کی چاہت پر مطلع کر دیا ہے کہ ایک دن ضرور ان کو نکال کر جنت میں پہنچائیں گے جہاں سے کسی جنتی کو کبھی نکلنا نہیں، شاید اسی لحاظ سے جنتیوں کے ذکر میں ''عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ'' اور بدبختوں کے ذکر میں ''اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ'' ارشاد ہوا تا کہ معلوم ہو جائے کہ بعض گنہگار دوزخ سے نکالے جائیں گے مگر کسی بھی نیک بخت کو جنت سے خارج نہ کیا جائیگا۔

احکام و مسائل

ان دونوں آیتوں میں ہم کو یہ ادب سکھایا گیا ہے کہ آدمی جو وعدہ یا ارادہ کرے، اس کے ساتھ ''اِنْ شَآءَ اللّٰهُ'' کہہ دیا کرے خواہ وہ کتنا ہی یقینی اور پختہ ہو۔

(تنبیہ!) ''اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ'' سے متنبہ فرما دیا کہ: خدا کے ہمیشہ رہنے اور مخلوق کے ہمیشہ رہنے میں فرق ہے کسی مخلوق کا ہمیشہ رہنا ہر لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی چاہت پر موقوف ہے وہ جب چاہے فنا کر سکتا ہے، نیز: جتلا دیا کہ جزا و سزا دینا اس کے اختیار و چاہت کے تابع ہے اور یہ سماج وغیرہ کے عقیدہ کے موافق وہ اس پر مجبور نہیں۔

ظاہری حال

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا

پس نہ رہیں آپ میں شک وشبہ سے اس پوجتے ہیں یہ لوگ نہیں پوجتے ہیں مگر

كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَ اِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ

جیسا کہ پوجتے تھے باپ دادے ان کے سے پہلے اس اور بے شک ہم پورا پورا دینے والے ہیں ان کو حصہ ان کا

ع ۹ / ۹

غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾

بغیر گھٹائے ہوئے (۱۰۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سو! آپ ان چیزوں سے دھوکے میں نہ رہیں جن کو یہ لوگ پوجتے ہیں کچھ نہیں پوجتے مگر ویسا ہی جیسا ان کے باپ دادا اس سے پہلے پوجتے تھے اور ہم ان کو ان کا حصہ بغیر کسی کمی کئے ہوئے پورا پورا دینے والے ہیں۔ (۱۰۹)

تفسیر

اس آیت میں خطاب تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے مگر اس سے مسلمانوں کو سمجھانا مقصود ہے کہ کافروں کی خوشحالی اور مالداری دیکھ کر دھوکا نہ کھاؤ اور اس سے یہ نتیجہ مت نکالو کہ بتوں کا پوجنا اچھا ہے یا کہ اللہ تعالیٰ کے انکار کرنے سے کچھ نہیں بگڑتا، اصل بات یہی ہے کہ یہ خوشحالی ان بتوں کی عطا کی ہوئی نہیں ہے بتوں کا پوجنا تو ان کے ہاں رسم کی صورت میں قائم ہو گیا ہے اور ان کے باپ دادا سے یہی رسم چلی آئی ہے۔

خوش حالی تو انہیں ہماری طرف سے عطا کی گئی ہے اس سے ان کا امتحان مقصود ہے کہ دیکھیں یہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں یا نہیں اور مال و دولت کے اصلی دینے والے کو پہچانتے ہیں یا نہیں، آخرت میں دنیا کی یہ سب مال و دولت بے کار ثابت ہوگی اور اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والوں اور مشرکوں کو سخت سزا ملے گی۔

وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ: اور ہم ان کو پورا پورا بدلہ دینے والے ہیں ان کو پوری پوری جزا ملے گی اور اس میں کوئی کمی نہیں ہوگی کفر و شرک یا ظلم و زیادتی کرنے والے بالکل بھی یہ خیال نہ کریں کہ وہ کسی طرح اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچ جائیں گے، بلکہ انہیں ان کے کئے کا مکمل بدلہ ملے گا، اس سے یہ مفہوم بھی لیا جاسکتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں جو حصہ مقرر ہے، وہ پورا پورا دیا جائے گا، دنیا میں ہر نیک اور برے عمل کے لئے اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ایک ایک حصہ مقرر ہے جو لازماً ہر ایک کو ملے گا اس دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے صحت، زندگی، مال، اولاد، راحت جو کچھ بھی زندگی کی ضرورتوں کے طور پر مقرر کیا ہے وہ سب کچھ مل کر رہے گا

اوراس میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جب یہ مقررہ حصے مکمل ہوجائیں گے تو پھر سزا کا سلسلہ بھی شروع ہوجائے گا گویا اپنا پورا حصہ حاصل کر لینے کے بعد اگلی منزل آئے گی۔

انسان کی غفلت

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ
اور البتہ تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب پس اختلاف کیا گیا بارے میں اس کے اور اگر نہ ہوتا حکم ایک

سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ
پہلے ہی ہو چکا جو طرف سے رب آپ کے کی تو فیصلہ کر دیا جاتا درمیان ان کے اور بیشک وہ البتہ میں ہیں شک طرف سے اس کی

مُرِیْبٍ ﴿۱۱۰﴾ وَ اِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ؕ اِنَّهٗ
حیرانی میں ڈالنے والا (۱۱۰) اور تحقیق سب کو ضرور وقت پر پورا بدلہ دے گا ان کو رب آپ کا عملوں ان کے کا تحقیق وہ

بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۱۱﴾
اس چیز سے جو وہ کرتے ہیں خبردار ہے (۱۱۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور البتہ ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی پھر اس میں پھوٹ پڑ گئی اور اگر ایک بات آپ کا رب پہلے ہی فرما چکا نہ ہوتا تو ان میں فیصلہ ہو جاتا اور ان کو اس میں ایسا شبہ ہے جو ان کو مطمئن نہیں ہونے دیتا۔ (۱۱۰) اور جتنے لوگ ہیں جب وقت آئے گا تو اللہ پاک ان کو ان کے عملوں کا پورا پورا بدلہ دیں گے اور اسے سب خبر ہے جو وہ کر رہے ہیں۔ (۱۱۱)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: البتہ تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب "تورات" عطا کی، یہ بڑی شان والی کتاب ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں کئی جگہوں پر موجود ہے اس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کی تاریخ

کے علاوہ حکومت چلانے کا نظام اور دوسرے اجتماعی معاملوں سے متعلق قانون اتارے تھے، جس کو بعد میں یہودیوں نے بگاڑ دیا، آج کل جو کتاب "بائبل" کے نام سے موجود ہے اس میں کل انتالیس صحیفے ہیں جن میں سے پہلے پانچ باب یا صحیفے "تورات" کا حصہ ہیں اور آخر میں "عہد عتیق" کے نام سے چار انجیلوں کو کتاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے "انجیل" بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب تھی، مگر عیسائیوں نے اس میں بھی گڑ بڑ کر کے اسے چار حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔

بہر حال "تورات" کا معنیٰ قانون ہے، یہ عبرانی یا سریانی زبان میں اتری تھی اب یہ اصل زبان میں تو کہیں بھی موجود نہیں، البتہ اس کے ترجمے دنیا کی مختلف زبانوں میں موجود ہیں۔

جب فرعون اور اس کا لاؤ لشکر بحرِ قلزم میں غرق ہو گیا تو بنی اسرائیل ان کے شکنجے سے آزاد ہو گئے، تاہم وہ مصر واپس جانے کے بجائے صحرائے سینا میں ہی حیران و پریشان پھرتے رہے اس دوران انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ پہلے تو ہم فرعون کی غلامی میں تھے اور اس کے اپنے بنائے ہوئے قانون کے پابند تھے، مگر اب جب کہ ہم آزاد ہو چکے ہیں تو زندگی گزارنے کے لئے ہمارے پاس کوئی قانون ہونا چاہئے، بنی اسرائیل کی اس فرمائش پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں درخواست پیش کی تو حکم ہوا کہ کوہِ طور پر چلے آؤ، وہاں پر اعتکاف بیٹھو اور روزے رکھو تو تمہیں مطلوبہ کتاب دی جائے گی، تو یہ "تورات" وہی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو عطا کی۔

فرمایا: بنی اسرائیل کو کتاب تو مل گئی مگر ان کی طرف سے اس میں اختلاف کیا گیا، حق تو یہ تھا کہ جس کتاب کو بنی اسرائیل نے خود مانگا تھا، اس پر عمل کرتے تا کہ ان کو کامیابی نصیب ہوتی، مگر انہوں نے اس کے احکام میں اختلافات پیدا کر دیئے، کسی نے کسی حکم کو مان لیا، مگر دوسرے نے انکار کر دیا، کسی نے غلط تاویلیں شروع کر دیں اور بعض نے بعض احکام کو بالکل ٹھکرا دیا، بعض لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حکموں کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی اور بعض نے انہیں بالکل بگاڑ دیا اور اس طرح یہ مقدس کتاب اختلافات کا شکار ہو گئی اور اس کا نتیجہ یہ

ہوا کہ بنی اسرائیل میں دھڑے بندی شروع ہوگئی اور اس کے بہت سے فرقے بن گئے۔

اس اختلاف کے نتیجہ میں اللہ پاک نے ان کو فوری سزا نہیں دی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مصلحت اور حکمت کے تحت پہلے ہی فیصلہ کر دیا ہے کہ انسان کو اس کے عملوں کی سزا جزا قیامت کے دن دی جائے گی، کیونکہ اللہ پاک کا قانون ہے کہ دنیا میں لوگوں کو موقع دیا جاتا ہے ان کو مہلت دی جاتی ہے کہ اس عرصہ میں حق کو قبول کر لیں، اگر وہ مان جائیں تو عذاب اور سزا سے بچ جاتے ہیں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آجاتے ہیں، اللہ پاک نے ہر بات کو کھول کھول بیان کر دی ہے مگر یہ لوگ پھر بھی قیامت کے دن میں شک کرتے ہیں یہ شک انہیں ٹھیک فیصلہ کرنے نہیں دیتا، ہر ایک کو قیامت کے دن اس کے عملوں کی پوری جزا سزا ملے گی، اللہ تعالیٰ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتے؛ اس لئے کہ فیصلہ کا دن پہلے مقرر ہو چکا ہے۔

بے شک اللہ تعالیٰ ان کے ہر عمل کی پوری پوری خبر رکھتا ہے اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے ذرّہ ذرّہ اس کے علم میں ہے وہ ہر ایک کے ارادے اور نیت کو جانتا ہے، لہٰذا ہر ایک کو اس کے کئے کی جزا سزا مل کر رہے گی، اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ وہ گھبرائیں نہیں بلکہ پیغمبر کی پیروی کرتے رہیں، آگے قیامت کے دن سب کو پورا پورا بدلہ دیدیا جائے گا۔

اِستقامت

فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ وَ لَا تَطْغَوْا ؕ اِنَّهٗ

پس سیدھا رہو جیسا کہ حکم کیا گیا آپ کو اور جس نے توبہ کی ساتھ آپ کے اور نہ نکلو حد سے تحقیق وہ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ

جو تم کرتے ہو دیکھ رہا ہے (۱۱۲) اور نہ مائل ہو طرف ان کی جنہوں نے ظلم کیا پس چھوئے گی تم کو

النَّارُ ۙ وَ مَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

آگ اور نہیں واسطے تمہارے سوا اللہ کے کوئی مددگار پھر نہ مدد کئے جاؤ گے تم (۱۱۳)

بامحاورہ ترجمہ: تو آپ اور آپ کے ساتھ توبہ کرنے والے ساتھیوں کو جیسا حکم ہوا (اسی پر) جمے رہیے اور حد سے آگے نہ بڑھیں، بلاشبہ تم جو کچھ بھی کرتے ہو وہ اسے دیکھتا ہے۔ (۱۱۲) اور ظالموں کی طرف مت جھکو کہیں ایسا نہ ہو کہ کہیں تمہیں بھی آگ پہنچے اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں، پھر تم مدد نہیں کیے جاؤ گے۔ (۱۱۳)

تفسیر

یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کی خواہشیں بے انتہا ہوتی ہیں اور اس کو پورا کئے بغیر وہ اپنی زندگی کو ادھوری سمجھتا ہے، لیکن ان کو قابو میں رکھنا اور شریعت کی حد میں رہ کر انہیں پورا کرنا کامیاب زندگی کے لئے ضروری ہے، اگر حد سے نکل گیا تو گمراہ ہو گیا اس کے دشمن یہ چاہتے ہیں کہ اسے گمراہ کریں اور شریعت کی حدوں سے باہر نکال دیں اور کہیں گے کہ خواہشوں کو بے روک ٹوک پورا نہ کیا تو زندگی کا مزہ ہی کیا پایا، یہاں یہ ہدایت ہے کہ گمراہوں کا کہنا نہ مانو اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریعت کے مطابق چلے چلو اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدوں سے مت نکلو۔

اس آیت میں ہے کہ جیسا تمہیں حکم دیا گیا ہے اسی پر جمے رہو، یعنی ایمان والوں کو چاہئے کہ ایمان لانے کے بعد کسی شک میں نہ پڑے، بلکہ اپنے ایمان پر پختہ رہے مگر حالت یہ ہے کہ اکثر لوگ اس طرح جم کر نہیں رہ پاتے۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا، اے اللہ کے پیغمبر! مجھے اسلام کے بارے میں کوئی ایسی بات بتلادیں کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کہو، میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اس کو ایک سچا خدا مانا اور پھر اسی پر جمے رہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے صحیح عقیدوں کو مان لیں، پھر اس پر جم جائیں اس کے بعد دوسری عبادتوں اور معاملوں کی اصلاح کریں، لہٰذا استقامت یہ ہوا کہ عقیدہ بالکل پاک اور صاف ہو، اس میں کفر و شرک کی کسی بات کا دخل نہ ہو اور جو بھی نیک عمل کرے، اس کو صرف ایک اللہ تعالیٰ کے لئے

ہمیشہ کرنے کی کوشش ہو اور کسی عقیدے یا نیک عمل سے بددل ہو کر چھوڑ نہ دے اور ایسا بھی نہ ہو کہ کبھی کوئی عبادت کر لی اور کبھی چھوڑ دی، بلکہ جتنا ہو سکے ہیشگی کے ساتھ اس نیک عمل کو کرتا رہے۔

"ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ اے اللہ کے پیغمبر! کیا بات ہے کہ آپ کے بال سفید ہو رہے ہیں اور بڑھاپے کی علامتیں دکھائی دے رہی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے "سورۂ ہود" نے بوڑھا کر دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سورت میں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم سے لے کر بہت سی نافرمان قوموں کا ذکر ہے اور ان پر اسی دنیا میں آنے والی سزا کا بیان ہے ایسے لوگوں کا آخرت میں جو انجام ہونے والا ہے اس کا بھی اشارۃً ذکر کر دیا گیا ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: مجھے خوف ہے کہ کہیں میری امت کا حشر پہلی امتوں جیسا ہی نہ ہو اور اسی خوف کی وجہ سے مجھ پر بڑھاپا طاری ہو رہا ہے (اس سورت میں جو ہولناکیاں بیان کی گئی ہیں ان کی فکر نے مجھے بوڑھا کر دیا ہے طبعی طور پر بوڑھا ہونا مراد نہیں)۔

وَ لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ: اور تم ظالموں کی طرف مت جھکو اگر ایسا کرو گے تو تمہیں بھی دوزخ کی آگ چھوئے گی، مطلب یہ ہے کہ ظالموں کی طرف جھکاؤ کی بھی اجازت نہیں ہے کیونکہ آگے ہر عمل کے بدلے کا وقت آ رہا ہے جس دن اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا، دنیا میں عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ اکثر لوگ مظلوم کے بجائے ظالم کا ساتھ دیتے ہیں جس کی وجہ سے انسانی معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔

قرآن کریم میں جس جھکاؤ کا ذکر ہے اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے متعلق صحابہ وتابعین کے چند اقوال منقول ہیں جن میں کوئی تعارض نہیں سب اپنی اپنی جگہ صحیح ہے۔

حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: مراد یہ ہے کہ ظالموں سے دوستی نہ کرو اور ان کا کہنا نہ مانو، ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ظالموں کی طرف کسی طرح کا بھی میلان نہ رکھو، ابو العالیہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ان کے کاموں کو

پسند نہ کرو (قرطبی)، سدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ظالموں کے لئے نرم گوشہ نہ رکھو، یعنی: ان کے برے عملوں پر خاموشی یا رضامندی کا اظہار نہ کرو، عکرمہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ظالموں کی صحبت پر نہ بیٹھو، قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: شکل وصورت اور فیشن اور رہن سہن کے طریقوں میں ان کی پیروی کرنا، یہ سب اسی حکم میں داخل ہے۔

قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اس آیت میں ظلم وستم سے بچے رہنے کا اور ظلم وستم کے حرام ہونے کا حکم انتہائی سختی سے بیان ہوا ہے کیونکہ ظالموں کے ساتھ دوستی اور گہرے تعلق ہی کو نہیں بلکہ ان کی طرف ادنیٰ درجہ کا جھکاؤ اور ان کے پاس بیٹھنے کو بھی اس میں ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی شخص اس عالم سے زیادہ ناپسندیدہ نہیں جو اپنی دنیاوی فائدے کی خاطر کسی ظالم سے ملنے کے لئے جائے۔

"تفسیر قرطبی" میں ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفر، بدعت اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے والوں سے دور رہنا ضروری ہے سوائے اس کے کہ کسی مجبوری سے ان سے ملنا پڑے، اور حقیقت یہی ہے کہ انسان کے اچھے اور برے ہونے میں صحبت اور ماحول کا سب سے بڑا دخل ہوتا ہے؛ اسی لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونوں آیتوں کے دو لفظوں کے متعلق فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے پورے دین کو دو حرف ''لا'' کے اندر جمع فرما دیا ہے ایک پہلی آیت میں ''لَا تَطْغَوْا '' اور دوسرا دوسری آیت میں ''لَا تَرْكَنُوْٓا'' پہلے لفظ میں شرعی حدود سے نکلنے اور دوسرے لفظ میں برے لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع کر دیا گیا ہے اور یہی سارے دین کا خلاصہ ہے۔

استقامت کے معنی سیدھا کھڑا رہنے کے ہیں جس میں کسی طرف ذرا سا جھکاؤ نہ ہو، ظاہر ہے کہ یہ کام آسان نہیں، دنیا میں جتنی گمراہیاں اور عملی خرابیاں آتی ہیں، وہ سب اسی استقامت سے ہٹ جانے کا نتیجہ ہوتی ہیں، عقیدوں میں استقامت نہ رہے تو بدعتوں سے شروع ہو کر کفر وشرک تک نوبت پہنچتی ہے، اللہ تعالیٰ کو ایک سچا خدا ماننے اور ذات اور صفات کے متعلق جو صحیح اصول پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے، اس میں کمی زیادتی کرنے والے خواہ کتنی ہی نیک نیتی سے اس میں مبتلا ہوں، گمراہ کہلائیں گے پیغمبر علیہم السلام کی عظمت ومحبت کی جو حدیں مقرر

کردی گئی ہیں، ان میں کمی کرنے والوں کا گمراہ و گستاخ ہونا تو سب ہی جانتے ہیں ان میں زیادتی کر کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خدائی صفتوں اور اختیارات کا مالک بنا دینا بھی اسی طرح کی گمراہی ہے، یہودی اور عیسائی اسی گمراہی میں کھو گئے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اسی پر جمے رہئے اور حد سے آگے نہ بڑھیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سارے عملوں دیکھ رہا ہے، دیکھنا کہیں تمہیں بھی دوزخ کی آگ اپنی لپیٹ میں نہ لے لے، یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ استقامت ایک ایسا جامع لفظ ہے کہ دین کے تمام کاموں اور ان پر صحیح عمل اس کی تفسیر ہے۔

سفیان بن عبد اللہ ثقفی رحمۃ اللہ علیہ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے اسلام کے معاملہ میں کوئی ایسی پکی پختہ بات بتلا دیجئے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہے آپ نے فرمایا: ”قل اٰمنت باللہ ثم استقم“، یعنی: تو یوں کہہ کہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا اور پھر اس پر قائم رہ۔ (رواہ مسلم، از قرطبی)

اور عثمان بن حاضر ازدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے کوئی وصیت فرما دیجئے، آپ نے فرمایا: ”علیک بتقوی اللہ والاستقامة اتبع ولا تبتدع“ (رواہ الدارمی فی مسندہ از قرطبی)، یعنی: تم خوف خدا اور استقامت کو لازم پکڑو جس کا طریقہ یہ ہے کہ دین کے معاملہ میں شریعت کی پیروی کرو اپنی طرف سے دین میں نئی باتیں مت گھڑو۔

اس دنیا میں سب سے زیادہ دشوار کام استقامت ہی ہے؛ اسی لئے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ: استقامت کا مقام کرامت سے بھی بڑھ کر ہے جو شخص دین کے کاموں میں استقامت اختیار کئے ہوئے ہیں اگر چہ عمر بھر اس سے کوئی کرامت ظاہر نہ ہو وہ اونچے درجہ کا ولی ہے۔

اچھائیاں برائی کو فنا کردیتی ہیں

وَ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّھَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ ؕ اِنَّ الْحَسَنٰتِ
اور قائم کریں نماز دونوں کناروں پر دن کے اور بعض حصوں میں رات کے تحقیق نیکیاں

یُذْھِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ ذٰلِکَ ذِکْرٰی لِلذّٰکِرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَ اصْبِرْ فَاِنَّ
دور کردیتی ہیں برائیوں کو یہ یاددہانی ہے یاد کرنے والوں کے لئے (۱۱۴) اور صبر کریں پس تحقیق

اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۵﴾
اللہ تعالیٰ نہیں ضائع کرتا ثواب نیکی کرنے والوں کی (۱۱۵)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور نماز قائم کریں دن کے دونوں طرفوں میں اور رات کے کچھ حصے میں، البتہ نیکیاں برائیوں کو دور کرتی ہیں، یہ نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے۔ (۱۱۴) اور صبر کریں، البتہ اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا ثواب ضائع نہیں فرماتے۔ (۱۱۵)

تفسیر

ایک طرف تو اللہ تعالیٰ نے ظلم سے منع فرمایا اور دوسری طرف پیغمبر ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا نماز قائم کریں دن کے دونوں کناروں میں اور رات کی گھڑیوں میں بھی۔

نماز دن کے دونوں کناروں سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں جب کہ رات کی گھڑیوں میں مغرب اور عشاء آتی ہیں، بعض مفسرین اسی آیت سے پانچوں نمازیں ثابت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ: دن کے پہلے کنارے سے پہلا پہر مراد ہے اور اس میں فجر کی نماز آتی ہے، جبکہ دوسرے کنارے سے پچھلا پہر مراد ہے جس میں ظہر اور عصر کی نمازیں آتی ہیں، اس طرح اس آیت میں پانچوں نمازوں کی طرف اشارہ ملتا ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ "سورۂ ہود" مکی سورت ہے جب کہ پانچ نمازوں کی فرضیت معراج کی رات کو ہوئی جو کہ مکی دور کے

بالکل آخری حصے کا واقعہ ہے؛ اس لئے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس آیت سے پانچ نمازیں نہیں بلکہ تین مراد ہیں، یعنی فجر عصر اور رات کی نماز اور اسلام کے ابتدائی دور میں نمازیں تین ہی تھیں جو کہ بعد میں پانچ کردی گئیں۔

نماز ایک ایسی عبادت ہے جس سے بندہ کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق درست ہوتا ہے، پانچ وقت کی نمازیں اللہ تعالیٰ سے قریب ہونے کا بہترین ذریعہ ہے اگر انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست ہوجائے گا تو انسان ظلم سے بچ جائیں گے، وہ تمام حقوق ادا کریں گے اور ظلم وزیادتی کا خاتمہ کردیں گے، اس کے برخلاف اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ضائع کئے گئے تو اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم نہیں رہ سکے گا، اور ساری باتیں بگڑ جائیں گی، جو شخص نماز کو ضائع کرتا ہے اس کے لئے دین کی باقی باتوں کو ضائع کرنا آسان ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ لوگو! نماز قائم کرو تا کہ تمہارا تعلق اللہ تعالیٰ سے درست رہے۔

نماز ایک ایسا عمل ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جاتا ہے ایسے عمل کے نیک ہونے میں شبہ نہیں ادھر انسان بھول چوک کی وجہ سے یا دوسروں کے اثر سے یا بہکانے سے بعض بری باتیں بھی کر بیٹھتا ہے یہ نماز ان کے لئے کفارہ ہے کیونکہ یہ قاعدہ مقرر ہے کہ نیک کاموں سے برے کام مٹ جاتے ہیں اسے یاد رکھنا چاہئے کہ نمازوں میں کوتاہی نہ ہو۔

نماز جیسی عظیم نیکی کے ذکر کے بعد فرمایا کہ بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹادیتی ہیں نماز کے لئے پاکی حاصل کرنا، نماز میں تلاوت، تسبیح، تہلیل دعا وغیرہ، غرض نماز کی یہ سب چیزیں نیکیاں ہیں اسے بجالاؤ گے تو برائیاں مٹتی چلی جائیں گی، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: اگر تم سے کوئی برائی ہوجائے تو اس کے پیچھے نیکی لگادو تا کہ وہ برائی مٹ جائے، نیز فرمایا لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آؤ برائیوں کو مٹانے کا یہ اچھا عمل ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ جمعہ کی نماز ادا کرنے والے کے گناہ ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک معاف فرمادیتا ہے، بلکہ مزید تین دنوں کے گناہ بھی معاف فرمادیتے ہیں اسی طرح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک رمضان سے دوسرے رمضان تک کے سارے گناہ معاف فرمادیتے ہیں ایک نماز سے دوسری نماز

تک کے گناہ مٹادیتے ہیں، انسان جب وضو کے لئے ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے ہاتھوں کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں جب منہ دھوتا ہے تو منہ کے گناہ معاف اور جب پاؤں دھوتا ہے تو پاؤں سے چل کر کئے گئے گناہ بھی معاف ہوجاتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہے کہ اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا کفارہ کردیں گے، یہ یاد رہے کہ! نیک کاموں سے صغیرہ گناہوں کا خودبخود معاف ہونا تب ہے جبکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے اور صغیرہ گناہ ہوجائے تو اس پر اصرار نہ کرے۔

حدیثوں میں گناہوں سے توبہ کرنے کا سنت طریقہ یہ بتلایا گیا ہے جیسا کہ "مسند احمد" میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر کسی مسلمان سے کوئی گناہ ہوجائے تو اس کو چاہئے کہ وضو کرکے دو رکعت نماز نفل ادا کرلے تو اس گناہ کی معافی ہوجائے گی (ابن کثیر)، اس نماز کو نماز توبہ بھی کہا جاتا ہے۔

فرمایا کہ: یہ قرآن اور اس کے احکامات نصیحت ماننے والوں کے لئے ایک نصیحت ہے اس میں ''ذٰلِكَ'' کا اشارہ قرآن کریم کی طرف بھی ہوسکتا ہے اور قرآن کریم کے حکموں کی طرف بھی، جن کا ذکر اس سے پہلے آیا ہے، مراد یہ ہے کہ یہ قرآن یا اس کے مذکورہ احکام ان لوگوں کے لئے ہدایت و نصیحت ہے جو نصیحت سننے اور ماننے کے عادی ہیں اس میں اشارہ یہ ہے کہ ہٹ دھرم، ضدی آدمی جو کسی چیز پر غور ہی نہ کرے وہ ہر ہدایت سے محروم رہتا ہے۔

احکام و مسائل

"سورۂ ہود" میں پہلے کے پیغمبروں اور ان کی قوموں کے عبرتناک حالات اور واقعات ذکر کرنے کے بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کو چند ہدایتیں دی گئی ہیں جن کا سلسلہ آیت ''فَاسْتَقِمْ'' سے شروع ہوا ہے ان ہدایتوں میں قرآن کریم کا یہ انداز کس قدر خوبصورت اور ادب سکھانے والا ہے کہ جس کام کا حکم مثبت انداز میں دیا

گیا ہے، اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب بنایا گیا ہے اور پھر آپ کی امت کو مخاطب کیا گیا ہے جیسے ''فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَ مَنْ تَابَ مَعَكَ '' یعنی: جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اس پر جمے رہیں اور جنہوں نے کفر و شرک سے توبہ کی اور آپ کے ساتھ ہیں وہ بھی جمے رہیں، اسی طرح اس آیت میں اور اس کے بعد والی آیت ''وَاصْبِرْ'' میں ہے، اور جس کام سے روکا گیا اور اس سے بچنے کی ہدایت کی گئی تو اس میں سیدھا امت کو خطاب کیا گیا جیسے پچھلی آیتوں میں ''لَا تَطْغَوْا'' اور ''لَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا'' میں ہے۔

اور غور کیا جائے تو پورے قرآن کریم میں عام طور پر یہی طرز استعمال ہوا ہے، اگر کوئی کرنے کا کام ہو تو اس کا مخاطب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنایا گیا ہے اور جو نہ کرنے کا کام ہے اس کا مخاطب امت کو، جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہے کہ جو کام نہ کرنے کے ہیں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی ان سے پرہیز کرتے ہیں، آپ کی پاکیزہ فطرت اور طبیعت ہی اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی تھی کہ کسی بری خواہش اور بری چیز کی طرف میلان ہی نہ ہوتا تھا، یہاںتک کہ ایسی چیزیں جو اسلام کے شروع میں جائز و حلال تھیں، مگر آخر کار انکا حرام ہونا اللہ تعالیٰ کے علم میں طے شدہ تھا پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے حلال ہونے کے زمانہ میں بھی کبھی ان کے پاس نہیں گئے، جیسے شراب یا سود یا جوا وغیرہ۔

اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کر کے آپ کو اور آپ کی پوری امت کو نماز کی پابندی کا حکم دیا گیا ہے مفسرین کرام اور صحابہ کرام اور تابعین کا اس پر اتفاق ہے کہ ''صَلٰوۃ'' سے مراد اس جگہ فرض نمازیں ہیں، (بحر محیط، قرطبی) اور صلوۃ کی اقامت سے مراد اس کی پوری پابندی ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ: نماز کو اس کے تمام آداب کے ساتھ ادا کرنا مراد ہے، بعض نے فرمایا کہ: نماز کو اس کے افضل وقت میں ادا کرنا مراد ہے ''اَقِمِ الصَّلٰوۃَ'' کی تفسیر میں یہ تین طرح کے قول ہیں اور در حقیقت اس میں کوئی اختلاف نہیں یہ سب چیزیں اقامتِ صلوۃ کے مفہوم میں داخل ہیں۔

اللہ کا عذاب غافلوں پر آتا ہے

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ
پس جانے کیوں نہ ہوئے ان قوموں میں سے جو پہلے تھیں تم سے خیر والے روکتے سے

الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ ۚ وَ اتَّبَعَ
فساد میں زمین مگر تھوڑے سے میں سے ان نجات دی ہم نے جن کو میں سے ان اور لگے رہے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾ وَ مَا كَانَ
وہ لوگ ظلم کیا جنہوں نے اسی میں کہ مزہ پایا میں اس کے اور تھے وہ مجرم (۱۱۶) اور نہیں ہے

رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾
رب آپ کا کہ ہلاک کردے بستیوں کو بوجہ ظلم کے حالانکہ لوگ وہاں کے درستی میں لگے ہوں (۱۱۷)

با محاورہ ترجمہ:۔ پھر تم سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں ان میں ایسے خیر والے کیوں نہ ہوئے جو (لوگوں کو) زمین میں فساد پھیلانے سے روکتے، بجز ان میں سے تھوڑے سے ان لوگوں کے جن کو ہم نے (عذاب سے) بچالیا اور وہ لوگ جو ظلم پر کمر بستہ تھے وہ اپنی انہی عیش پرستوں کے پیچھے لگے رہے جن کا سامان ان کو فراوانی کے ساتھ دیا گیا تھا اور وہ جرائم پیشہ تھے۔(۱۱۶) اور آپ کا رب ہرگز ایسا نہیں کہ بستیوں کو یونہی ناحق تباہ کردے، جب کہ ان کے باشندے اصلاح میں لگے ہوں۔(۱۱۷)

تفسیر

یہاں پر پچھلی قوموں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اترنے کی وجہ اور لوگوں کو اس سے بچنے کی ترغیب اس طرح دی گئی ہے کہ فرمایا: ان پچھلی قوموں میں افسوس ہے کہ ایسا نہ ہوا کہ ان میں کچھ بھی سمجھ دار نیک لوگ ہوتے، جو

اپنی قووم کو فساد کرنے سے باز رکھتے، بجز تھوڑے سے لوگوں کے جنھوں نے پیغمبر علیہم السلام کا اتباع کیا، اور وہی عذاب سے محفوظ رہے اور باقی پوری قوم دنیا کی لذتوں میں پھنس کر جرائم پیشہ بن گئی۔

مطلب یہ ہے کہ پہلی قوموں میں بھی ایسا ہی ہوا کہ اچھے لوگ بہت تھوڑے ہوئے ہیں جو فساد سے روکتے ہیں، یہاں "اُولُوْا بَقِیَّةٍ" سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی عقل اور سمجھ کے ذریعہ برائیوں کو روک سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم سے پہلے بہت تھوڑے سے ایسے ہوئے ہیں جنھوں نے فساد کو ختم کرنے کی کوشش کی، وگرنہ اکثر لوگ فتنہ وفساد کے حمایتی ہی رہے ہیں، اس میں دراصل امت مسلمہ کے لئے تسلی کا پہلو ہے کہ اگر لوگوں کی اکثریت کفر وشرک کرتی ہے، ظلم وسرکشی کا راستہ اختیار کرتی ہے یا گناہوں میں غرق ہے تو تمہیں اس سے گھبرانا نہیں چاہئے، تم سے پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے البتہ ان حالات میں کرنے کا کام یہ ہے کہ نیکی کا حکم کرتے رہو اور برائی سے روکتے رہو، دنیا میں سب سے بڑا فساد کفر، شرک اور ظلم وسرکشی ہے۔

عقل وسمجھ اور اختیار واقتدار رکھنے والے لوگوں کا فرض ہے کہ وہ لوگوں کو ہر قسم کے فساد سے روکیں، اگر ایسا نہیں کریں گے تو سب پر خدا کا قہر اترے گا، جس کے نتیجے میں تباہی اور بربادی آئے گی، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور ان کے پیروکار تھوڑی تعداد میں ہونے کے باوجود اس کام کو انجام دیتے رہے ہیں اور وہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے نجات دی اور باقی سب کو ہلاک کیا۔

زمین میں فساد، یعنی: کفر وشرک اور ظلم وزیادتی سے روکنے والے لوگ تھوڑے سے رہے ہیں اور ان کی اکثریت اس خوشحالی میں مگن ہی رہی جو ان کو دی گئی، اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں آسودگی، آرام، خوشحالی عطا کی تھی، چنانچہ یہ لوگ انہی چیزوں کے پیچھے لگے رہے ظلم وفساد کو مٹانے کی کوشش نہ کی، اپنی عیاشی میں مست رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ حق کو قبول کرنے کی بجائے شرکیہ اور کفریہ رسموں کے پیچھے چلتے رہے، بدعتوں کو رواج دیتے رہے اور دنیا کا سامان عیش وراحت ہی اکٹھا کرتے رہے، انہوں نے فساد کرنے والوں کو منع تک نہ کیا، "سورۂ انعام" میں مکے کے مشرکوں کا بھی یہی حال اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے "وَ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَ يَنْـَٔوْنَ

عَنْهُ"،یعنی: وہ لوگوں کو قرآن پاک سے روکتے تھے اور خود بھی اس سے دور رہتے تھے، اس طرح وہ زمین میں فساد کی حمایت کرتے تھے تو آخری امت کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم بھی پہلی قوموں کی طرح نہ ہوجانا، بلکہ خود بھی صحیح راستہ پر چلنا اور دوسرے غلط راستے پر چلنے والوں کو بھی منع کرنا کہ وہ زمین میں فساد نہ مچائے۔

اس آیت میں دنیا کے عذاب اور تباہی سے بچنے کا طریقہ نہایت صاف اور واضح الفاظ میں بتلادیا گیا ہے کہ جس بستی میں نیک لوگ زیادہ ہوں اور وہ اپنے اثر اور وعظ ونصیحت سے لوگوں کو برائیاں نہ کرنے دیں تو ساری بستی عذاب سے بچی رہے گی تاکہ لوگوں کو ایک نہایت اہم قاعدہ معلوم ہوجائے اور وہ اللہ عزوجل کے عذاب سے بچے رہیں۔

ارشاد ہے کہ: آپ کا رب شہروں اور بستیوں کو ظلم سے ہلاک نہیں کرتا جبکہ ان کے بسنے والے نیکوکار، یعنی: مسلمان ہوں، مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے یہاں پر ظلم وجور کا کوئی امکان نہیں جن کو ہلاک کیا جاتا ہے وہ اسی کے حقدار ہوتے ہیں اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس آیت میں "ظلم" سے مراد شرک ہے اور "مصلحون" سے مراد وہ لوگ ہیں جو باوجود مشرک کافر ہونے کے معاملات اور اخلاق اچھے رکھتے ہیں کسی کو نقصان نہیں پہنچاتے، جھوٹ نہیں بولتے، دھوکہ نہیں دیتے اور مطلب آیت کا یہ ہے کہ دنیا کا عذاب کسی قوم پر محض ان کے مشرک کافر ہونے کی وجہ سے نہیں آتا جب تک کہ وہ اعمال واخلاق میں بھی ایسے کام نہ کرنے لگیں جن سے زمین میں فساد پھیلتا ہے پچھلی جتنی قوموں پر عذاب آیا، کفر وشرک کے علاوہ ان کے خاص خاص برے عمل اس کا سبب بنے، نوح علیہ السلام کی قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، شعیب علیہ السلام کی قوم نے ناپ تول میں کمی کرکے فساد پھیلایا، لوط علیہ السلام کی قوم نے بدترین قسم کی بدکاری کو اپنا مشغلہ بنالیا تھا، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبروں پر ظلم ڈھائے، قرآن کریم نے دنیا میں ان پر عذاب آنے کا سبب انہی کرتوتوں کو بتلایا ہے صرف کفر وشرک کی وجہ سے دنیا میں عذاب نہیں آتا اس کی سزا تو دوزخ کی آگ ہے، اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ ملک وسلطنت کفر وشرک کے ساتھ تو چل سکتے ہیں مگر ظلم وجور کے ساتھ نہیں چل سکتے۔

جس قوم کے اکثر لوگ قوم کی اصلاح، ان کی حالت کی درستی اور ان کو گناہوں سے بچانے میں کوشش کرتے رہتے ہوں وہ قوم تباہی سے بچی رہے گی، لیکن جہاں اکثر لوگ فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں اور روکنے والے کم ہو جائیں یہاں تک کہ ان کی آواز کوئی نہ سنے تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا عذاب عام بھیجے کہ کوئی نہ بچے (اللہ بچائے)۔

اللہ تعالیٰ نے پہلی قوموں کے حالات اسی لئے بیان فرمائے ہیں تاکہ لوگ عبرت حاصل کریں اب آگے تسلی کا مضمون آرہا ہے کہ تمام کے تمام لوگ ایک راستے پر کبھی نہیں رہے، لہٰذا اختلاف سے دل شکستہ نہیں ہونا چاہئے۔

اختلاف کی حکمت

وَ لَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لَا يَزَالُوْنَ
اور اگر چاہتا رب آپ کا تو کر دیتا تمام لوگوں کو امت ایک اور نہ رکیں گے
مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَ لِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ وَ تَمَّتْ
وہ اختلاف کرتے (۱۱۸) مگر جن پر رحم کرے رب آپ کا اور اسی لئے پیدا کیا ان کو اور پوری ہوئی
كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾
بات رب آپ کے کی البتہ بھر دوں گا دوزخ کو میں سے جنوں اور آدمیوں سے اکٹھے (۱۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر آپ کا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی راستہ (دین) پر کر دیتے اور (یہ لوگ تو ہمیشہ کفر و اسلام کے مسئلہ میں) اختلاف کرتے رہیں گے۔(۱۱۸) مگر جن پر آپ کے رب نے رحم کیا اور اسی واسطے ان کو پیدا کیا ہے اور آپ کے رب کی بات پوری ہوئی کہ البتہ دوزخ کو کافر جنوں اور آدمیوں سب کے سب سے بھر دوں گا۔(۱۱۹)

تفسیر

خیال پیدا ہوسکتا تھا کہ اگر سب آدمیوں کو ہم خیال بنادیا جاتا ہے اور سارے کے سارے پیغمبروں کے فرمانبردار ہی ہوتے تو بیچارے عذاب سے بچ جاتے اس آیت میں اسی بات کو سمجھایا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو فرشتوں کی طرح نیک ہی بنادیتا، لیکن اس کی حکمت کا تقاضا تھا کہ دو قسم کی مخلوق آدمی اور جن اپنے ارادے کو کام میں لاکر نیک بنیں تبھی ان کے پیدا کرنے کا مقصد پورا ہوگا؛ اس لئے ان دونوں میں نیک بھی ہوں گے اور بد بھی اور یہ کفر و اسلام کے معاملے میں ہمیشہ اختلاف کرتے رہیں گے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے لوگوں کو ہدایت کرے گا، مگر برے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دوزخ کو جنوں اور انسانوں میں سے برے کردار والوں سے بھر دیا جائیگا، کیونکہ یہی دونوں اپنے اختیار سے کام کرنے والی مخلوق ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے دونوں مخلوق میں سے ہر ایک کو ایک حد تک عقل و شعور اور اختیار دیا ہے کہ وہ اچھے اور برے راستے میں سے جونسا چاہے اختیار کرلے اور ساتھ حکم بھی دیا کہ ایمان اور نیکی کا راستہ اختیار کرو اور کفر و شرک اور گناہوں سے بچ جاؤ، تم جو بھی طریقہ اختیار کرو گے اسی کے مطابق بدلہ پاؤ گے، اللہ تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے کہ "لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ" (البقرۃ)، یعنی: دین میں زبردستی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کسی کو ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا، بلکہ اسے موقع دیتا ہے اور پھر اسی کا ایمان لانا معتبر ہوگا جو اپنی مرضی سے ایمان قبول کرے گا اس نے ہدایت اور گمراہی کا راستہ واضح کردیا ہے اس کے لئے پیغمبروں کو بھیجا اور کتابیں اتاریں ہیں اور فرمایا "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ" (الکھف)، جس کا جی چاہے ایمان قبول کرے اور جس کا جی چاہے انکار کردے، یعنی: ایمان لانے پر کوئی زبردستی نہیں اور ہر چیز کا فیصلہ آخرت میں ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا اور فرمایا تیری وجہ سے ہی میں گناہوں پر پکڑ کروں گا اور تیری وجہ سے ہی نیکیوں پر اجر دونگا، اللہ تعالیٰ نے جس کو عقل عطا نہیں کی اس کی پکڑ بھی نہیں ہے جیسے

بچہ اور پاگل کہ عقل نہ ہونے کہ وجہ سے ان کی پکڑ نہ ہوگی۔

"وَ لَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ " اور لوگ برابر اختلاف کرتے رہیں گے، ہاں جس پر اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوگی، وہ کفر وشرک کے اختلاف سے بچ جائے گا، اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی واسطے پیدا کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور پیدا نہیں کیا، اس نے تو انسان کو تمام صلاحیتیں اور رہنمائی کے تمام ذریعے مہیا کردیئے ہیں اس کے باوجود اگر کوئی اختلاف کرتا ہے تو کرتا رہے اسے آگے چل کر اس کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔

فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تو لوگوں کو رحم کے لئے پیدا کیا تھا مگر انہوں نے برابر پیغمبروں اور اس کے ماننے والوں کے ساتھ اختلاف کیا، اور کرتے رہیں گے اور پھر ایک دن ایسا بھی آئے گا جب کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان فیصلہ فرمادیں گے، یہ قیامت کا دن ہوگا جب تمام کافروں اور مشرکوں کی اختلافی باتوں کا فیصلہ نمٹا دیا جائے گا، جو وہ دنیا میں پیغمبروں اور ان کے ماننے والوں کے ساتھ کفر وشرک کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کٹ حجتی کرتے تھے، یعنی: ان کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا تو اس وقت آپ کے رب کی بات پوری ہوجائے گی اور وہ یہ ہے کہ میں دوزخ کو جنوں اور انسانوں سے ضرور بھردوں گا، جس نے بغاوت کی اور زمین میں فساد مچایا، کفر وشرک کا راستہ پکڑا، ظلم اور سرکشی کو اختیار کیا، ان سب کو دوزخ میں ڈال دوں گا۔

اس آیت میں اختلاف کرنے کی جو مذمت بیان کی گئی ہے اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں کا کفر و شرک کے ذریعہ مسلمانوں کے ساتھ اختلاف کرنا ہے اس کا مطلب کوئی یہ نہ سمجھے کہ مسلمان جو حق دین پر ہے ان کا کافروں کے ساتھ ان کے کفریہ اور شرکیہ باتوں میں اتفاق نہ کرنا مراد ہے۔

دوبارہ سے سمجھ لیں کہ اختلاف سے مراد اس جگہ حق دین اور پیغمبروں کی تعلیم کی مخالفت ہے، دلائل کی بنیاد پر اختلاف جو اماموں اور فقہاء کرام میں ہونا ضروری ہے اور عہدِ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ہوتا چلا آیا ہے وہ اس میں داخل نہیں، نہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے خلاف ہے، بلکہ عین حکمت اور رحمت کے مطابق ہے جن حضرات نے اماموں کے اختلافات کو اس آیت کی رو سے غلط اور خلاف رحمت قرار دیا ہے وہ خود غلطی پر ہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

پیغمبروں کے قصوں کی حکمت

وَ كُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ

اور ہر چیز بیان کرتے ہیں ہم آپ کے آگے میں سے احوال پیغمبروں کے کہ تسلی دیں ہم ساتھ اس کے دل آپ کے کو

وَ جَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَ مَوْعِظَةٌ وَّ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ۝۱۲۰

اور آئی پاس آپ کے میں اس سچی بات اور نصیحت اور یاددہانی لئے مؤمنوں (۲۰)

وَ قُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ ؕ اِنَّا عٰمِلُوْنَ۝۱۲۱

اور کہہ دیں ان کے جو نہیں ایمان لاتے کام کرو پر جگہوں اپنی ہم بھی کام کرتے ہیں (۱۲۱)

وَ انْتَظِرُوْا ۚ اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۝۱۲۲

اور انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں (۱۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور پیغمبروں کے احوال سے ہم آپ کے آگے سب چیزیں بیان کرتے ہیں، جس سے آپ کے دل کو تسلی دیں اور اس سورت میں آپ کے پاس حق بات اور نصیحت اور مؤمنوں کے لئے یادداشت کی باتیں آئیں۔(۱۲۰) اور جو ایمان نہیں لاتے ان سے کہہ دیں کہ اپنی جگہ پر کام کئے جاؤ، ہم بھی کام کرتے ہیں۔(۱۲۱) اور انتظار کرو ہم بھی منتظر ہیں۔(۱۲۲)

تفسیر

اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے لئے تسلی کا مضمون ہے، جب کہ آخری آیت میں سورت کا خلاصہ دے دیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ تنبیہ بھی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام عملوں سے واقف ہیں اور وہ انہی کے مطابق بدلہ دے گا، اس سورت میں گزرے ہوئے پیغمبروں اور ان کی قوموں کے

جو حالات بیان کئے گئے ہیں ان واقعات سے انسان جان سکتا ہے کہ پہلی امتوں نے کون کون سے گناہ کئے اور پھر انہیں کس قدر ذلت ناک سزا سے دو چار ہونا پڑا اور پھر جو لوگ پیغمبروں پر ایمان لے آئے ان کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح نجات دی، ان واقعات سے انسان جان سکتا ہے کہ جو شخص حق پر قائم رہتا ہے وہ بالآخر کامیاب ہوتا ہے اور اس سے اسے تسلی حاصل ہوتی ہے اور نافرمان لوگوں کے عذاب کے متعلق جان کر عبرت حاصل ہوتی ہے کہ جو شخص بھی حق کا انکار کرے گا، اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی مخالفت کرے گا، وہ ضرور ناکام ہوگا۔

ارشاد ہوتا ہے کہ پیغمبروں کی جو خبریں ہم آپ کو بتاتے ہیں اس کا مطلب آپ کے دل کو مضبوط کرنا ہے، ان میں آپ کے لئے اور آپ کے صحابہ کے لئے دلی تسلی کا سامان ہے ان واقعات سے آپ کو علم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ کے پہلے پیغمبروں کے ساتھ بھی ایسے ہی واقعات پیش آتے رہے ہیں جیسے آپ کے ساتھ پیش آ رہے ہیں اور یہ کوئی نئی چیز نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے سارے پیغمبروں کو ایسے مشکل حالات سے گزرنا پڑا ہے، اس طرح دل کو تسلی ہو جاتی ہے کہ تکلیفیں صرف ہمیں ہی نہیں آئیں بلکہ پہلے لوگ بھی اس قسم کی مصیبتوں کو برداشت کرتے رہے ہیں، لہٰذا ہمیں بھی تمام مشکلات کو خوش دلی سے برداشت کرنا چاہئے جس کا انجام آخر کار اچھا ہوگا۔

فرمایا: پہلے کے پیغمبروں کے ذریعہ آپ کے پاس حق آچکا ہے اس سے مقصود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی دلانا ہے تاکہ وہ گھبرائیں نہیں بلکہ دین کو دل جمعی کے ساتھ آگے بڑھاتے رہیں۔

فرمایا: ان تمام حقیقتوں اور نشانیوں کے باوجود جو لوگ ایمان نہیں لاتے، آپ ان سے کہہ دیں کہ تم بھی اپنی جگہ پر کام کرتے رہو، ہم بھی اپنا کام کرنے والے ہیں، ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہوئے اپنا کام کریں گے اور تم کفر و شرک پر ڈٹے ہوئے اپنا کام کرو، پھر تم بھی انتظار کرو، ہم بھی انتظار کرتے ہیں، پھر پتہ چل جائے گا کہ نتیجہ کس کے حق میں نکلتا ہے۔

بات کا خلاصہ

وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ

اور واسطے اللہ کے ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا اور طرف اسی کی لوٹایا جاتا ہے کام سارا

ع ۱۰ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَ مَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

پس بندگی کر اسی کی اور بھروسا کرو پر اسی اور نہیں رب آپ کا بے خبر اس سے جو کرتے ہو تم (۱۲۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہے آسمانوں کی اور زمین کی چھپی باتیں اور سب کام کا لوٹنا اسی کی طرف ہے اور آپ کا رب جو کچھ بھی تم کرتے ہو اس سے (بالکل بھی) بے خبر نہیں ہے۔ (۱۲۳)

تفسیر

"سورۂ ہود" کی یہ آخری آیت ہے اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا جا رہا ہے کہ اے پیغمبر! ان مخالفوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرو، وہ زمین اور آسمان کی ساری چھپی ہوئی باتوں کو خوب جانتا ہے۔

غیب جاننے والی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے اس کے علاوہ ذرے ذرے کا علم رکھنے والی کوئی ذات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جسے جتنا علم چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور وہ اتنی بات ہی جانتا ہے۔

اس سورت کا دوسرا اہم مضمون آخرت کا ہے تمام معاملے اسی خدا تعالیٰ کی طرف لوٹائے جائیں گے، پھر سب کا حساب کتاب ہوگا، قیامت ظاہر ہوگی اور ہر چیز اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوگی "سورۃ النازعات" میں ہے ہر چیز کی انتہا تیرے پروردگار کی طرف ہی ہونے والی ہے فرمایا جب یہ سب کچھ اٹل ہے تو پھر عبادت بھی خالصتاً اسی کی کرو، اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، عبادت اور تدبیر کے معاملے میں لوگ اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہیں خاص، اس سورت میں جن پیغمبروں کا ذکر کیا گیا ہے انہوں نے بھی اپنی اپنی قوموں کو توحید کی دعوت دی۔

آخر کار ہر کام کا فیصلہ اسی کے ہاتھ میں ہے ان کے سارے عمل اس کے علم میں ہیں اور وہ قیامت کے دن اور اگر مصلحت کا تقاضا ہوا تو دنیا میں بھی ان کے برے کاموں کی انہیں سزا دے گا، ان کی شرارتوں اور سرکشیوں سے دل تنگ ہونے کی ضرورت نہیں، آپ اپنا کام کرتے رہیں اور ایمان والوں کے سامنے عمل کا نمونہ قائم کریں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں تا کہ آپ کو دیکھ کر ایمان والے بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کو اپنا شعار بنائیں اور کسی اور کی پوجا نہ کریں۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر جو آخری بات فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرو، اس کے سوا کسی کی قدرت میں کچھ بھی نہیں ہے، انسان اسباب کو تو اختیار کرے لیکن بھروسہ مکمل اللہ تعالی پر کرے، وہ چاہے گا تو اسباب میں اثر پیدا کر دے گا، ورنہ ہر چیز دھری کی دھری رہ جائے گی، تمام قوت اور تصرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے۔

آیاتُها — ۱۱۱ سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُها — ۱۲

سورۂ یوسف مکی ہے، اس میں ایک سو گیارہ آیتیں اور بارہ ہیں۔

بہترین قصّہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ① اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا

الٓرٰ۔ یہ آیتیں ہیں کتاب واضح کی (۱) بیشک ہم نے اتارا اسے قرآن عربی زبان کا

لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ② نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ

تا کہ تم سمجھ لو (۲) ہم بیان کرتے ہیں سامنے آپ کے بہت اچھا بیان اس لئے کہ

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ③

بھیجا ہم نے طرف آپ کی یہ قرآن اور تحقیق تھے آپ سے پہلے اس البتہ میں سے بے خبروں (۳)

بامحاورہ ترجمہ: ۔الٓرٰ، یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں۔(۱) ہم نے اس کو عربی زبان میں اتارا تا کہ تم سمجھ لو۔(۲) اس واسطے کہ ہم آپ کو اچھا اور خوبصورت قصہ بیان کرتے ہیں، اس واسطے کہ ہم نے آپ کی طرف یہ قرآن بھیجا اور آپ (اس کے بارے میں) اس سے پہلے بے خبروں میں سے تھے۔(۳)

تفسیر

یہ بات تو ہر مسلمان کو معلوم ہے کہ قرآن کریم نہ کوئی تاریخی کتاب ہے نہ قصہ کہانی کی، اس میں جو بھی تاریخی واقعہ یا قصہ ذکر کیا جاتا ہے اس سے مقصود صرف انسانوں کو عبرت اور نصیحت اور زندگی کے مختلف پہلوؤں کے متعلق اہم ہدایات ہوتی ہیں، پورے قرآن کریم میں پیغمبر علیہم السلام کے واقعات میں صرف ایک ہی قصہ یوسف علیہ السلام کا ایسا ہے کہ جس کو قرآن کریم نے مسلسل بیان کیا ہے، ورنہ ہر جگہ کے مناسب تاریخی واقعہ کا کوئی ضروری جزء ذکر کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

اس سورت میں جو واقعہ ہے اس کو شروع سے لے کر آخر تک دیکھئے اس میں سینکڑوں عبرت ونصیحت کی باتیں اور انسانی زندگی کے لئے اہم ہدایتیں ہیں۔

اس سورت کا نام "سورۂ یوسف" ہے اس پوری سورت میں صرف حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، لہٰذا اس کا نام آپ کے نام پر "سورۂ یوسف" رکھا گیا ہے، "سورۂ یوسف" ہجرت سے پہلے اتری تھی اس لئے مکی سورت کہلاتی ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: سورت کا موضوع دراصل پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شاندار اور روشن مستقبل کی طرف اشارہ ہے، یہ سورت مکی دور کے آخری حصے میں اتری، جب کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافروں کی طرف سے سخت پریشانی کا سامنا تھا، آپ پریشان تھے، مگر اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اتار کر آپ کی کامیابی اور مشرکوں کی ناکامی کی

طرف اشارہ فرما دیا۔

بہر حال اس سورت کی ابتدا حروف مقطعات میں سے "الٓرٰ" سے ہوئی ہے اس کا معنی اور مراد اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتے ہیں، اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے کہ یہ واضح کتاب کی آیتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنیوالی نصیحتوں اور دلیلوں کو قرآن پاک کھول کر بیان کرتا ہے، اس کی وجہ بھی خود ہی بتادی ہے، بے شک ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں اتارا ہے تا کہ تم اسے سمجھ سکو۔

فرمایا: ہم آپ پر ایک خوبصورت قصہ بیان کرتے ہیں اس واقعہ کو احسن القصص اس لئے کہا گیا ہے کہ اس میں بہت سی کام کی باتیں ہیں جن کا تفصیلی بیان "تفسیر روح المعانی" میں موجود ہے۔

یہ تمام واقعات نہ تو آپ نے خود کسی تاریخی کتاب میں پڑھے ہیں اور نہ کسی سے سنے ہیں، یہ تمام واقعہ یکا یک بیان کر دینا آپ کے سچے پیغمبر ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اس سے پہلے آپ ان حقیقتوں سے بے خبر تھے، یہ سب کچھ آپ کو وحی کے ذریعہ معلوم ہوا اور جس پر وحی اتری ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہوتا ہے، اس واقعہ کی تفصیلات جان لینے کے بعد یہ سمجھ جانا چاہئے تھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں جو تمام واقعات من وعن بیان کر رہے ہیں، یہاں پر غفلت سے مراد کسی چیز کی لاعلمی یا بے خبری ہے کہ وحی کے اترنے سے پہلے آپ کو ان واقعات کا علم نہیں تھا۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہود نے آزمائش کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا کہ اگر آپ سچے پیغمبر ہیں تو ہمیں بتلایئے کہ آل یعقوب ملک شام سے مصر کیوں منتقل ہوئے، اور یوسف علیہ السلام کا واقعہ کیا تھا؟ ان کے جواب میں بذریعہ وحی یہ پورا قصہ بتایا گیا جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ اور آپ کی پیغمبری کا بڑا ثبوت تھا کہ آپ اُمّی تھے اور عمر بھر مکہ میں رہے، کسی سے تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ کوئی کتاب پڑھی، پھر وہ تمام واقعات جو "تورات" میں مذکور تھے، صحیح صحیح بتلا دیئے، بلکہ بعض وہ چیزیں بھی بتلا دیں جن کا ذکر تورات میں نہ تھا اور اس کے ضمن میں بہت سے احکام و ہدایات ہیں جو آگے بیان ہوں گی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے مختلف بیویوں سے بارہ بیٹے تھے، ان میں سے حضرت یوسف علیہ السلام اور بنیامین

ایک ہی ماں سے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام سے ان کے باپ کو بہت محبت تھی، باپ کی توجہ ایک بیٹے کی طرف زیادہ دیکھ کر دوسرے بھائیوں کے دل میں ان کی طرف سے حسد پیدا ہوا، اس میں حضرت یوسف کا کوئی قصور نہ تھا، لیکن بھائیوں نے حسد کر کے آپ کو غلام بنا کر بیچ ڈالا، جنہیں بالآخر مصر کے بادشاہ نے خرید لیا، اس کے بعد مصر کے بادشاہ کی بیوی آپ کے عشق میں مبتلا ہوگئی لیکن آپ نے تقوی کو ہاتھ سے نہ چھوڑا اور قید خانے میں ڈال دیئے گئے، اس کے بعد حالات نے پلٹا کھایا، بادشاہ کے وزیر خزانہ ہوئے، قحط میں لوگوں کے کھانے پینے کا بندوبست کیا، ماں باپ اور بھائیوں کو بلا کر وہیں بسالیا اور بھائیوں کا قصور معاف کر دیا۔

یوسف علیہ السلام کا خواب

اِذْ قَالَ يُوسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَعَشَرَ كَوْكَبًا

جب کہا یوسف نے سے والد اپنے اے ابا جان بیشک میں دیکھا میں نے گیارہ ستاروں

وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۝۴ قَالَ يٰبُنَيَّ لَا

اور سورج کو اور چاند کو دیکھا میں نے ان کو واسطے اپنے سجدہ کرتے ہوئے (۴) کہا اے میرے بیٹے مت

تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ اِنَّ

کہنا خواب اپنا سے بھائیوں اپنے پس تیار کریں گے وہ واسطے تیرے کوئی چال تحقیق

الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۵

شیطان واسطے انسان کے دشمن ہے کھلا ہوا (۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جس وقت یوسف نے اپنے والد سے کہا کہ اے ابا جان! میں نے خواب میں گیارہ ستاروں، سورج اور چاند کو اپنے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ (۴) (یعقوب علیہ السلام نے) کہا اے میرے پیارے بیٹے! اپنا خواب اپنے بھائیوں کے آگے مت بیان کرنا، پھر وہ تیرے واسطے کچھ فریب بنائیں گے، کیونکہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔ (۵)

تفسیر

قصہ یہاں سے شروع ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے بچپن میں ایک خواب دیکھا اور اس کا اپنے والد سے ذکر کیا آپ کے والد محترم آپ کا بہت خیال رکھتے تھے، اور حضرت یوسف اپنے والد کی بڑی عظمت کرتے اور ہر معاملے میں ان سے مشورہ لیتے تھے۔

ایک دن یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند آپ کو سجدہ کر رہے ہیں، خواب سے بیدار ہونے کے بعد آپ نے اپنا یہ خواب اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے ذکر کیا اور کہا کہ ابا جان! میں نے خواب میں گیارہ ستارے اور سورج اور چاند کو دیکھا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ وہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔

یہ حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب تھا جس کی تعبیر کے متعلق حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ گیارہ ستاروں سے مراد یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی اور سورج اور چاند سے مراد ماں اور باپ تھے۔

" قرطبی" میں ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ اگرچہ اس واقعہ سے پہلے وفات پا چکی تھیں، مگر ان کی خالہ والد ماجد کے نکاح میں آ گئی تھیں، خالہ خود بھی ماں کی طرح سمجھی جاتی ہے خصوصاً جبکہ وہ والد کی زوجیت میں آ جائے تو عرفاً اس کو ماں ہی کہا جائے گا۔

جب حضرت یوسف نے اپنے والد کو اپنا خواب سنایا تو آپ نے فرمایا کہ: اے میرے پیارے بیٹے! اپنے اس خواب کو اپنے بھائیوں کے سامنے ذکر نہ کرنا، کیونکہ وہ تجھے شیطان کے بہکانے پر نقصان پہنچانے کی تدبیر کریں گے، اس لئے کہ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، باپ اپنے بیٹوں کی ذہنیت سے واقف تھے انہیں یہ بھی معلوم تھا کہ ان کے بیٹے مختلف ماؤں سے ہیں اور ان کی آپس میں حسد ہے؛ اسی لئے انہوں نے بھائیوں کے سامنے خواب بیان کرنے سے منع فرمایا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں تھیں، آپ کی بیوی لیہ سے آپ کے چھ بیٹے تھے اور باقی تین بیویوں سے دو دو، اس طرح آپ کے کل بارہ بیٹے تھے، راحیل کے بطن سے یوسف اور بن یامین تھے جب کہ باقی دو

بیویاں سے بلہا اور زلفا سے بھی دو دو فرزند تھے، یوسف علیہ السلام اور بن یامین سب بھائیوں سے چھوٹے تھے اور بعض فرماتے ہیں کہ جب بن یامین کی پیدائش ہوئی تو ان کی والدہ راحیل وفات پا گئیں، بہر حال جب یوسف علیہ السلام نے یہ عجیب وغریب خواب دیکھا تو اس وقت یعقوب علیہ السلام کی صرف ایک ہی بیوی لیہ موجود تھیں جسے یوسف علیہ السلام کی والدہ راحیل سے سخت حسد رہا تھا، جو اس وقت تک فوت ہو چکی تھی، یوسف علیہ السلام بچپن سے ہی بڑے ہونہار دکھائی دیتے تھے؛ اسلئے یعقوب علیہ السلام کو آپ سے پیار بھی بہت زیادہ تھا اس کے علاوہ اللہ پاک نے حضرت یوسف علیہ السلام کو شکل وصورت بھی بے مثال عطا کی تھی، واقعہ معراج والی حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان موجود ہے کہ جب میں تیسرے آسمان پر گیا تو یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی فرمایا: ''اِذْ ھُوَ اُوْتِیَ شَطْرُ الْحُسْنِ ''یعنی: اچانک ہی دیکھتا ہوں کہ ان کو بہت بڑا حسن عطا کیا گیا تھا، اس واسطے بھی باپ کی شفقت اور مہربانی یوسف علیہ السلام پر زیادہ تھی۔

احکام ومسائل

پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا: خواب کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم شیطانی ہے جس میں شیطان کی طرف سے کچھ شکلیں ذہن میں آتی ہیں، دوسری وہ جو آدمی اپنی بیداری میں دیکھتا رہتا ہے، وہی صورتیں خواب میں سامنے آجاتی ہیں، تیسری قسم جو صحیح اور حق ہے وہ پیغمبری کے حصوں میں سے چھیالیسواں حصہ ہے، یعنی: یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

ان میں شروع کی دو قسموں کی تعبیر نہیں ہے تیسری قسم کی تعبیر ہو سکتی ہے۔

مسئلہ (۱):..... اس آیت میں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو اپنا خواب دوسرے بھائیوں کو بتانے سے منع فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ خواب ایسے شخص کے سامنے بیان نہ کرنا چاہئے جو اس کا خیر خواہ اور ہمدرد نہ ہو اور نہ ایسے شخص کے سامنے جو خواب کی تعبیر میں ماہر نہ ہو، بلکہ ایسے شخص کو خواب بیان کرنے چاہئے جو اس سے محبت بھی کرتا ہو اور عقل مند بھی ہو۔

مسئلہ (۲):..... اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ جس خواب میں کوئی بات تکلیف و مصیبت کی نظر آئے وہ کسی سے بیان نہ کرے، حدیث کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ منع شفقت اور ہمدردی کی بناء پر ہے شرعی حرام نہیں؛ اس لئے اگر کسی سے بیان کر دے تو کوئی گناہ نہیں، کیونکہ صحیح روایتوں میں ہے کہ احد کی جنگ کے وقت پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ: میں نے خواب میں دیکھا کہ میری تلوار ذوالفقار ٹوٹ گئی اور دیکھا کہ کچھ گائیں ذبح ہو رہی ہیں جس کی تعبیر حضرت حمزہ کی شہادت اور بہت سے مسلمانوں کی شہادت تھی، جو بڑا حادثہ تھا مگر آپ نے اس خواب کو صحابہ سے بیان فرما دیا تھا۔

مسئلہ (۳):..... اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو دوسرے کے شر سے بچانے کے لئے اس کی کسی بری خصلت یا نیت کا اظہار کر دینا جائز ہے، یہ غیبت میں داخل نہیں جو کہ شرعاً حرام ہے مثلاً کسی شخص کو معلوم ہو جائے کہ فلاں آدمی کسی دوسرے آدمی کے گھر میں چوری کرنے یا اس کو قتل کرنے کا منصوبہ بنا رہا ہے تو اس کو چاہئے کہ اس شخص کو باخبر کر دے، یہ غیبت میں داخل نہیں جو کہ شرعاً حرام ہے، جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام سے اس کا اظہار کر دیا کہ بھائیوں سے ان کی جان کا خطرہ ہے۔

مسئلہ (۴):..... اسی آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جس شخص کے متعلق یہ احتمال ہو کہ ہماری خوش حالی اور نعمت کا ذکر سنے گا تو اس کو حسد ہوگا اور نقصان پہنچانے کی فکر کرے گا، تو اس کے سامنے اپنی نعمت اور دولت و عزت وغیرہ کا ذکر نہ کرے، پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”اپنے مقاصد کو کامیاب بنانے کے لئے ان کو راز میں رکھنے سے مدد حاصل کرو، کیونکہ دنیا میں ہر نعمت والا سے حسد کیا جاتا ہے“۔

پیش گوئی

وَ كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَ يُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ

اور | اسی طرح | چن لے گا آپ کو | رب آپ کا | اور | سکھا دے گا آپ کو | ٹھکانے پر لگانا | باتوں کا

وَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَ عَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى

اور پوری کرے گا نعمت اپنی کو پر آپ اور پر گھرانے یعقوب کے جیسے پورا کیا اس کو پر

اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ ؕ اِنَّ

جیسے پورا کیا اس کو پر باپ دادا آپ کے سے پہلے اس ابراہیم اور اسحٰق پر تحقیق

رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝ ع ۱۱ ۶

رب آپ کا جاننے والے حکمت والا ہے۔ (۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اسی طرح آپ کو چن لے گا اور آپ کو خواب کی تعبیر سکھائے گا اور اپنا انعام آپ پر اور یعقوب کے گھرانے پر پورا کرے گا جیسے اس سے پہلے تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر پورا کیا، البتہ آپ کا رب جاننے والا حکمت والا ہے۔(۶)

تفسیر

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو چند انعامات عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ پہلا یہ کہ، فرمایا: ہم اپنے انعامات و اکرام کے لئے آپ کا انتخاب فرمالیں گے، جس کا ظہور مصر میں حکومت اور عزت و دولت ملنے سے ہوا، دوسرے یہ کہ آپ کو خواب کی تعبیر کا علم سکھا دیں گے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خواب کی تعبیر ایک مستقل علم اور فن ہے جو اللہ تعالیٰ کسی کسی کو عطا فرما دیتے ہیں ہر شخص اس کا اہل نہیں۔

تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی نعمت پوری فرما دیں گے، اس میں پیغمبری عطا کرنے کی طرف اشارہ ہے اور اس طرف اشارہ بعد کے جملوں میں ہے کہ جس طرح ہم اپنی نعمت تمہارے باپ دادا ابراہیم اور اسحٰق پر آپ سے پہلے پوری کر چکے ہیں، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ خواب کی تعبیر کا فن جیسا کہ یوسف علیہ السلام کو دیا گیا، اسی طرح ابراہیم و اسحٰق علیہم السلام کو بھی سکھایا گیا تھا۔

آخر آیت میں فرمایا بے شک تمہارا پروردگار بڑا علم والا بڑی حکمت والا ہے نہ اس کے لئے کسی کو کوئی فن

سکھانا مشکل ہے اور نہ از روئے حکمت وہ یہ فن ہر شخص کو سکھاتا ہے بلکہ اپنی حکمت کے ماتحت انتخاب کر کے کسی کو یہ ہنر دیدیتا ہے۔

احکام و مسائل

مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر یوسف علیہ السلام کے دادا حضرت اسحاق علیہ السلام اور پردادا حضرت ابراہم علیہ السلام کا نام تو لیا گیا، مگر باپ حضرت یعقوب علیہ السلام کا نام نہیں لیا گیا، دراصل اس میں بات یہ ہے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنا نام عاجزی وانکساری کی بناء پر نہیں لیا، یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کسی شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ''یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃ'' (یعنی: سب مخلوق سے افضل) کے لقب سے پکارا تو آپ نے فرمایا کہ ''خیرُ البرِیَّۃ'' یعنی: تمام مخلوق میں بہترین شخصیت تو ہمارے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے آپ نے بھی انکساری کی بناء پر اپنے لئے ''خیرُ البرِیَّۃ'' کا لفظ پسند کرنے کے بجائے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے پسند فرمایا، اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنا نام نہیں لیا، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے پیغمبر تھے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ صحابہ کرام نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے عرض کیا حضور! بہتر لوگ کون ہیں؟ تو آپ نے فرمایا: ''اَلْکَرِیْمُ بْنُ الْکَرِیْمِ بْنِ الْکَرِیْمِ بْنِ الْکَرِیْمِ'' یعنی: یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم، اللہ تعالیٰ نے سب کو پیغمبری عطا فرمائی، سارے ہی بہتر لوگ ہیں پھر صحابہ نے عرض کیا ہم اس کے بارے میں معلوم نہیں کرتے، آپ نے فرمایا تو پھر کیا تم عربوں کے متعلق پوچھتے ہو؟ عرض کیا ہاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''خِیَارُکُمْ فِی الْجَاھِلِیَّۃِ خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ'' تم میں سے جو لوگ جاہلیت کے زمانہ میں اچھے لوگ تھے، وہ اسلام میں بھی اچھے ہوں گے، اگر انہوں نے دین میں سمجھ حاصل کر لی۔

مسئلہ (۱):.... ''تفسیر قرطبی'' میں ہے کہ شداد بن الہاد نے فرمایا کہ یوسف علیہ السلام کے اس خواب کی تعبیر چالیس سال بعد ظاہر ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ کہ تعبیر کا فوراً ظاہر ہونا کوئی ضروری نہیں۔

بھائیوں کا حسد

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ اِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ⑦ اِذْ قَالُوْا
البتہ ہیں میں یوسف اور بھائیوں اس کے نشانیاں واسطے پوچھنے والوں کے (۷) جب کہا انہوں نے

لَيُوْسُفُ وَ اَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ
البتہ یوسف اور بھائی اس کا زیادہ پیارا ہے نزدیک والد ہمارے کے سے ہم حالانکہ ہم طاقتور جماعت ہیں تحقیق

اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ⑧ ۚۖ اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا
والد ہمارا البتہ میں ہے بھول کھلی (۸) قتل کردو یوسف کو یا پھینک دو اسے کسی زمین میں

يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ⑨
خالی ہو جائے گی واسطے تمہارے توجہ والد تمہارے کی اور ہو جاؤ گے تم بعد اس کے لوگ درست حالت والے (۹)

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَ اَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ
کہا ایک کہنے والے نے میں سے ان مت قتل کرو یوسف کو اور ڈال دو اسے میں خفیہ کونے

الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ⑩
کنوئیں کے اٹھالے گا اس کو کوئی شخص قافلے کا اگر ہو تم کرنے والے (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ البتہ یوسف اور اس کے بھائیوں کے قصے میں پوچھنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں۔

(۷) جب (یوسف علیہ السلام کے بھائی آپس میں) کہنے لگے، یقیناً یوسف اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارا ہے، حالانکہ ہم قوت والے ہیں یقیناً ہمارا باپ کھلی غلطی میں مبتلا ہیں۔ (۸) (لہٰذا ایسا کرو کہ) یوسف کو مار ڈالو یا کسی دور ملک میں پھینک دو، تا کہ تمہارے باپ کی توجہ خالص تمہاری طرف رہے اس کے بعد نیک لوگ ہو کر رہنا۔ (۹) (ان میں سے) ایک نے کہا کہ یوسف کو قتل مت کرو، بلکہ (اگر واقعتاً تم کچھ کرنے والے

ہوتو ایسا کرو) کہ اس کو کنوئیں میں کسی چھپی جگہ ڈال دو (وہاں سے اسے) کسی قافلہ کا کوئی شخص اٹھا کر (اپنے ساتھ) لے جائے گا۔(۱۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ ان قصوں میں بہت سی نشانیاں ہیں جو حالات کی تفتیش کرنے والوں کو بہت کچھ سبق سکھا سکتی ہیں، ان میں سب سے پہلی نشانی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری کی سچائی ہے آپ نے یہ واقعہ نہ کہیں پڑھا اور نہ کسی سے سنا، مگر اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ اس کو صحیح صحیح بیان فرمادیا، یہ بات اللہ تعالیٰ نے سورت کی ابتداء میں بھی فرمائی ہے، "بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ" یہ واقعہ ہم نے آپ کو وحی کے ذریعہ بتایا ہے تو گویا اس واقعہ میں ایک تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبر ہونے کی نشانی ہے اور دوسری خود قرآن پاک کی سچائی اور دلیل ہے آیتوں میں یہ بات بھی شامل ہے کہ دیکھو حاسد کس طرح ناکام ہوتا ہے اور صبر کا انجام کتنا اچھا ہوتا ہے بھائیوں نے حسد کیا تو وہ اپنے ارادے میں ناکام ہوئے، جبکہ یوسف علیہ السلام نے صبر کیا تو کامیاب ہوئے، اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی بادشاہت عطا کی اور آخرت کی کامیابی تو یقینی ہے، اس واقعہ میں یہ بھی ایک نشانی ہے کہ جس شخص کا تعلق اللہ تعالیٰ سے درست ہوتا ہے اس کے نتیجے کیا نکلتے ہیں اور جس کا تعلق اللہ تعالیٰ سے صحیح نہیں ہوتا اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یوسف علیہ السلام کے واقعہ میں سوال کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں وہ سوال کرنے والے یہودی تھے، یہودیوں کے کہنے پر مکہ کے مشرکوں نے یہ سوال کیا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو بابل سے چل کر شام و فلسطین میں ٹھہر گئے تھے، مگر بنی اسرائیل کا مصر کے ساتھ سلسلہ کیسے قائم ہوا تھا کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کی اکثریت مصر سے نکل گئی تھی اور پھر وہ بحر قلزم کو پار کر کے صحرائے سینا میں پہنچ گئی تھی، اسی سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے "سورۂ یوسف" اتار کر حال کی حقیقت کو واضح فرمادیا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر میں بطور غلام فروخت ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہیں پر حکومت دی اور آپ وہاں پر ہی آباد ہو گئے، پھر آپ کا خاندان بھی وہیں آ گیا اور چار پانچ سو سال کے بعد جب موسیٰ علیہ السلام کا دور آیا، تو بنی اسرائیل کی تعداد چھ

لاکھ تک پہنچ چکی تھی جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ مصر کو چھوڑ دیا، مطلب یہ کہ مصر میں بنی اسرائیل کے آنے کی ابتداء حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی تھی۔

اس سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جن یہودیوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کے لئے یہ قصہ آپ سے پوچھا تھا ان کے لئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں روایت یہ ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں تشریف فرماتھے، اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر مدینہ طیبہ میں پہونچی، تو یہاں کے یہودیوں نے اپنے چند آدمی اس کام کے لئے مکہ معظمہ بھیجے کہ وہ جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کریں؛ اسی لئے یہ سوال گول مول انداز میں کیا کہ اگر آپ خدا کے سچے پیغمبر ہیں تو یہ بتلایئے کہ وہ کونسا پیغمبر ہے جس کا ایک بیٹا ملک شام سے مصر لے جایا گیا اور باپ اس کے غم میں روتے روتے نابینا ہوگئے۔؟

یہودیوں نے سوال کے لئے اس واقعہ کو اس لئے چنا کہ نہ اس کی کوئی عام شہرت تھی، نہ مکہ میں کوئی اس واقعہ سے واقف تھا اور اس وقت مکہ میں اہل کتاب میں سے بھی کوئی نہ تھا جس سے تورات اور انجیل کے حوالے سے اس قصہ کا کوئی جزء معلوم ہوسکتا، ان کے اس سوال پر ہی پوری "سورۂ یوسف" اتری، جس میں حضرت یعقوب اور یوسف علیہما السلام کا پورا قصہ ذکر کیا گیا ہے اور اتنی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے کہ تورات اور انجیل میں بھی اتنی تفصیل نہیں؛ اس لئے اس کا بیان کرنا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا کھلا ہوا معجزہ تھا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ سوال کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرتے تھے کہ آپ کا اور اسلام کا مستقبل کیا ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ سورت اتاری اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب مکہ کے مشرکوں کی مخالفت حد سے بڑھ چکی اور مسلمانوں پر ان کا ظلم وستم بڑھ گیا تو ان حالات میں بعض مسلمانوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے "سورۂ یوسف" اتار کر مسلمانوں کو تسلی دی کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کا مستقبل روشن بنایا اسی طرح تمہارا مستقبل بھی روشن ہوگا جس طرح یوسف علیہ السلام کے بھائی مجرم تھے پھر شرمندہ ہوئے اور توبہ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ بھی قبول فرمائی، اس طرح مکے کے مشرک بھی شرمندہ ہوں گے اور توبہ کریں گے جیسا کہ فتح مکہ کے دن ہوا، بہر حال "سورۂ یوسف"

میں بیان کئے ہوئے واقعہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں کے روشن مستقبل کی طرف اشارہ ہے وقتی طور پر تکلیفیں تو آتی رہتی ہیں اور ہر پیغمبر کو پیش آئیں مگر آخر کار کامیابی بھی انہی کے حصہ میں آئی۔

اس کے علاوہ اس آیت کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ خود یہ واقعہ ایسی باتوں پر مشتمل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اس کو کہاں سے کہاں پہنچایا اور کس طرح اس کی حفاظت کی اور اپنے خاص بندوں کو اپنے احکام کی پابندی کا کس قدر گہرا رنگ عطا فرمایا، کہ نوجوانی کے زمانے میں عیش وعشرت کا بہترین موقع ملتا ہے، مگر وہ خدا تعالیٰ کے خوف سے نفس کی خواہشات پر کیسا قابو پاتے ہیں کہ صاف اس مصیبت سے نکل جاتے ہیں اور یہ کہ جو شخص نیکی اور تقویٰ اختیار کرے، اللہ تعالیٰ اس کو اپنے مخالفین کے مقابلہ میں کیسی عزت عطا فرماتے ہیں اور مخالفین کو اس کے قدموں میں لا ڈالتے ہیں، یہ سب عبرتیں اور نصیحتیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی عظیم نشانیاں ہیں جو ہر تحقیق کرنے والے اور غور کرنے والے کو معلوم ہوسکتی ہیں۔

یہاں آیت میں یوسف علیہ السلام کا قصہ یوں شروع ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد یعقوب علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ یوسف علیہ السلام سے زیادہ محبت رکھتے ہیں، جو ان کے بڑے بھائیوں کو حاصل نہیں اس سے ان کو جلن ہونے لگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی طرح ان کو یوسف علیہ السلام کا خواب بھی معلوم ہوگیا ہو، جس سے انہوں نے یہ محسوس کیا ہو کہ ان کی بڑی شان ہونے والی ہے؛ اس لئے اس سے ان کو جلن پیدا ہوئی اور آپس میں گفتگو کی کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ہمارے والد کو بہ نسبت ہمارے یوسف اور ان کے حقیقی بھائی بنیامین سے زیادہ محبت ہے حالانکہ ہم دس ہیں اور ان سے بڑے ہیں گھر کے کام کاج سنبھالنے کی قوت رکھتے ہیں اور یہ دونوں چھوٹے بچے ہیں جو کچھ کام نہیں کرتے اور نہ کر سکتے ہیں، ہمارے والد کو اس کا خیال کرنا اور ہم سے زیادہ محبت کرنا چاہئے تھا؛ اس لئے وہ کھلی بھول میں پڑے ہوئے ہیں، لہٰذا یا تو تم یوسف کو قتل کر ڈالو یا پھر کسی دور زمین میں پھینک آؤ جہاں سے واپس نہ آسکے۔

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے والد کے بارے میں جو یہ کہا کہ ”اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنِ“

اس میں لفظ ضلال کے لغوی معنیٰ گمراہی کے ہیں، مگر یہاں گمراہی سے مراد دینی گمراہی نہیں بلکہ عام غلطی اور بھول ہے کہ ہمارا باپ ہمارے ساتھ ایک جیسا برتاؤ کرنے میں غلطی پر ہیں۔

اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کے متعلق خود قرآن کریم میں ہے کہ انہوں نے بعد میں اپنے جرم کا اعتراف کر کے والد سے معافی چاہی اور درخواست کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی بخشش کی دعا مانگیں جس کو ان کے والد نے قبول کیا، جس سے ظاہر یہ ہے کہ ان کی خطا معاف ہوئی یہ سب اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ یہ سب مسلمان ہوں ورنہ کافر کے حق میں بخشش کی دعا کرنا تو جائز نہیں۔

مکہ والے ان کے حالات تو پوچھتے ہیں لیکن انہیں ان سے یہ نتیجہ نکالنا چاہئے کہ بعض نا سمجھ لوگ جو جذبات کے جوش میں انجام کا خیال نہیں کرتے اور خود اپنے ہی قریبی رشتہ داروں کو نقصان پہنچاتے ہیں وہ آگے چل کر شرمندہ ہوں گے، پھر بھی انہوں نے سارا قصہ سنا، مگر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے سے باز نہ آئے، چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح آپ آخر میں کامیاب ہوئے اور قریش کے مشرک فتح مکہ کے موقع پر آپ کے سامنے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کی طرح شرمندہ ہوئے اور آپ کے رحم وکرم کے محتاج ہوئے، اور جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو کہا تھا کہ تم پر آج کوئی سرزنش نہیں، اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی فراخدلی کے ساتھ قریش کو معاف کر دیا اور فرمایا کہ تم لوگ آزاد ہو تم پر آج کوئی سزا نہیں۔

جذبات کی کش مکش

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا مَالَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰی یُوْسُفَ وَ اِنَّا لَهٗ

کہا انہوں نے اے والد ہمارے! کیا ہوا آپ کو کہ نہیں اعتبار کرتے آپ ہمارا بارے میں یوسف کے حالانکہ ہم ہیں واسطے اس کے

لَنٰصِحُوْنَ ⑪ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَ یَلْعَبْ وَ اِنَّا لَهٗ

البتہ خیر خواہ (۱۱) بھیجیں اسے ساتھ ہمارے کل سویرے کھائے وہ اور کھیلے اور یقیناً ہم واسطے اس کے

لَحٰفِظُوْنَ﴿۱۲﴾ قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ
نگہبان ہیں (۱۲) کہا تحقیق مجھے البتہ غمگین کرتا ہے یہ کہ لے جاؤ تم اسے اور ڈرتا ہوں میں یہ کہ

یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ﴿۱۳﴾ قَالُوْا لَىٕنْ اَكَلَهُ
کھا جائے اسے بھیڑیا اور تم سے اس بے خبر رہو (۱۳) کہنے لگے اگر کھا گیا اسے

الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ﴿۱۴﴾ فَلَمَّا ذَهَبُوْا
بھیڑیا جبکہ ہم طاقتور جماعت ہیں بیشک ہم اس وقت بالکل گئے گزرے ہوئے (۱۴) پھر جب چلے گئے

بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ
اسے لے کر اور ٹھان لی کہ ڈال دیں اسے میں چھپے ہوئے کونے کچے کنوئیں کے اور وحی کی ہم نے

اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ﴿۱۵﴾
طرف اس کی البتہ خبر دیں گے آپ انہیں کام ان کے کی اس کی اور وہ نہ پہچانتے ہوں گے تجھ کو (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی اپنے والد کے پاس جا کر) کہنے لگے اے ہمارے ابا! کیا بات ہے آپ ہم پر یوسف کے بارے میں اعتبار کیوں نہیں کرتے، حالانکہ ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں۔(۱۱) کل سویرے اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے تا کہ (ہمارے ساتھ سیر سپاٹے میں) خوب کھائے اور کھیلے اور ہم تو اس کے رکھوالے ہیں۔(۱۲) (حضرت یعقوب علیہ السلام نے) کہا کہ یہ بات مجھے غمزدہ کرتی ہے کہ تم اسے لے جاؤ اور میں ڈرتا ہوں کہ اسے بھیڑیا کھا جائے اور تم اس سے بے خبر رہو۔(۱۳) (اس پر بیٹوں نے جواب میں) کہا کہ اگر اس کو بھیڑیا کھا گیا جبکہ ہم ایک طاقتور جماعت ہیں تو ہم نے سب کچھ گنوا دیا۔(۱۴) پھر جب اس کو لے کر چلے اور (اس بات پر) متفق ہوئے کہ اس کو کنوئیں کی چھپی ہوئی جگہ میں ڈال دیں گے اور ہم نے ان کو وحی کی کہ (ایک وقت آئیگا کہ) تو ان کو ان کا یہ کام جتائے گا اور وہ تجھے نہ پہچانیں گے۔(۱۵)

تفسیر

بھائیوں کی درخواست سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کبھی اس سے پہلے بھی ایسی درخواست کر چکے تھے جس کو والد بزرگوار نے قبول نہ کیا تھا اس لئے اس مرتبہ ذرا تاکید اور اصرار کے ساتھ والد کو اطمینان دلانے کی کوشش کی گئی۔

بہرحال بیٹوں کی اس درخواست پر حضرت یعقوب نے ان سے کہا کہ کیا کروں میرا دل تو اس خیال سے بیٹھا ہی جا رہا ہے کہ تم یوسف کو جنگل میں لے جاؤ اور اسے چپکے سے بھیڑیا اٹھا لے جائے اور چیر پھاڑ کر کھا جائے۔

یعقوب علیہ السلام کو بھیڑیئے کا خطرہ اس وجہ سے ہوا کہ کنعان میں بھیڑیوں کی کثرت تھی۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی بات سن کر بیٹوں نے کہا کہ ہم ایک طاقتور جماعت کے ہوتے ہوئے یوسف کو بھیڑیا کھا جائے، تو ہماری جوانمردی کا کیا فائدہ؟ بیٹوں کی طرف سے مکمل اعتماد دلانے پر یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی اجازت دیدی، مگر بھائیوں سے مکمل عہد و پیمان لیا کہ اس کو کوئی تکلیف نہ پہونچنے دیں گے اور بڑے بھائی روبیل یا یہودا کو خصوصیت سے حوالہ کیا کہ تم ان کی بھوک پیاس اور دوسری ضرورتوں کی پوری طرح خبر گیری کرنا اور جلدی واپس لانا، بھائیوں نے والد کے سامنے یوسف کو اپنے مونڈھوں پر اٹھالیا اور باری باری سب اٹھاتے رہے، کچھ دور تک حضرت یعقوب علیہ السلام بھی ان کو رخصت کرنے کے لئے باہر گئے۔

"قرطبی" نے تاریخی روایتوں کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب یہ لوگ حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو اس وقت یوسف علیہ السلام جس بھائی کے مونڈھے پر تھے اس نے ان کو زمین پر پٹک دیا، یوسف علیہ السلام پیدل چلنے لگے، مگر کم عمر تھے ان کے ساتھ دوڑنے سے عاجز ہوئے تو دوسرے بھائی کی پناہ لی، اس نے بھی کوئی ہمدردی نہ کی تو تیسرے چوتھے ہر بھائی سے امداد کو کہا، مگر سب نے یہ جواب دیا کہ تو نے جو گیارہ ستارے اور سورج اپنے آپ کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھے تھے ان کو پکار، وہی تیری مدد کریں گے۔

"قرطبی" نے اسی وجہ سے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ بھائیوں کو کسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب معلوم ہو گیا تھا وہ خواب ہی ان کی حسد اور دشمنی کا سبب بنا۔

آخر میں یوسف علیہ السلام نے یہودا سے کہا کہ آپ بڑے بھائی ہیں، آپ میری کمزوری اور اپنے والد پر رحم کریں اور اس عہد کو یاد کریں جو والد سے آپ نے کئے ہیں آپ نے کتنی جلدی اس عہد کو بھلا دیا، یہ سن کر یہودا کو رحم آیا اور ان سے کہا کہ جب تک میں زندہ ہوں یہ بھائی تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔

یہودا کے دل میں اللہ تعالیٰ نے رحمت اور صحیح عمل کی توفیق ڈال دی تو یہودا نے اپنے دوسرے بھائیوں کو خطاب کیا کہ بے گنا کا قتل انتہائی بڑا جرم ہے خدا سے ڈرو اور اس بچہ کو اس کے والد کے پاس پہونچا دو، البتہ اس سے یہ عہد لے لو کہ باپ سے تمہاری کوئی شکایت نہ کرے۔

بھائیوں نے جواب دیا کہ ہم جانتے ہیں کہ تمہارا کیا مطلب ہے، تم یہ چاہتے ہو کہ باپ کے دل میں اپنا مرتبہ سب سے زیادہ کرلو، اس لئے سن لو کہ! اگر تم نے ہمارے ارادہ میں رکاوٹ بننے کی کوشش کی تو ہم تمہیں بھی قتل کر دیں گے، یہودا نے دیکھا کہ نو بھائیوں کے مقابلے میں تنہا کچھ نہیں کر سکتے، تو کہا کہ اچھا اگر تم یہی چاہتے ہو کہ اس بچہ کو ضائع کر دو تو میری بات سنو، یہاں قریب ہی ایک پرانا کنواں ہے تم اس کو کنوئیں میں ڈال دو تو کوئی قافلہ شاید یہاں آئے اور پانی کے لئے کنویں میں ڈول ڈالے اور یہ نکل آئے تو وہ اس کو اپنے ساتھ کسی دوسرے ملک میں پہنچا دے گا، اس صورت میں تمہارا مقصد حاصل ہو جائے گا۔

اس بات پر سب بھائیوں کا اتفاق ہو گیا اور یوسف علیہ السلام کو انہوں نے کنویں میں ڈال دیا، جس کا بیان اس آیت میں ہے کہ یوسف کے بھائیوں نے یوسف کو کنویں میں ڈالنے پر اتفاق کر کے اس کو کنویں میں ڈال دیا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: اس وقت یوسف علیہ السلام نے دعا کی "يَا شَاهِدًا غَيْرَ غَائِبٍ يَا قَرِيْبًا غَيْرَ بَعِيْدٍ يَا غَالِبًا غَيْرَ مَغْلُوْبٍ اِجْعَلْ لِيْ مِنْ أَمْرِيْ هٰذَا خَرَجًا وَمَخْرَجًا" یعنی: اے وہ

ذات جو حاضر ہے اور غائب نہیں، جو قریب ہے اور دور نہیں، جو غالب ہے اور مغلوب نہیں، میرے لئے اس معاملے میں کشادگی پیدا کردے۔

اللہ پاک فرماتے ہیں کہ ہم نے یوسف کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اے یوسف آپ گھبرائیے نہیں اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ ایک دن ایسا آیگا کہ آپ ان کو اس بدسلوکی کا حال خود بتائیں گے اور انہیں یہ خبر بھی نہ ہوگی کہ یہ جو ہم سے بول رہا ہے یہی یوسف ہے اور ابھی ان کا پول کھلنے والا ہے کیوں کہ اس وقت مصر کے بادشاہ آپ ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: مصر پہنچنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو وحی کے ذریعہ اس بات سے منع کردیا تھا، کہ وہ اپنے حال کی خبر اپنے گھر بھیجیں، (قرطبی)، یہی وجہ تھی کہ یوسف علیہ السلام جیسے خدا کے پیغمبر نے جیل سے رہائی اور مصر کی حکومت ملنے کے بعد بھی کوئی ایسی صورت نہیں نکالی، جس کے ذریعہ والد کو اپنی سلامتی کی خبر دے کر مطمئن کردیتے، اس میں اللہ جل شانہ کی چھپی ہوئی حکمتوں کو کون جان سکتا ہے۔

احکام ومسائل

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو اپنے ساتھ لے جانے کی دو وجوہات بیان کیں، پہلی یہ تھی کہ یہ ہمارے ساتھ جنگل میں جا کر وہاں کے پھل وغیرہ خوب کھائے گا، اور دوسری بات یہ ہے کہ کھیل کود لے گا، بیشک ہم اس کی البتہ حفاظت کرنے والے ہیں، یہاں پر ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر یعقوب علیہ السلام کے سامنے کھیل کود کا ذکر کیا گیا، مگر انہوں نے اس کو برداشت کیا، حالانکہ کھیل کود تو ایک لغو چیز ہے اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ایسی چیز کی اجازت کیسے دے سکتا ہے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ عام طور پر کھیل بیہودہ ہی ہوتے ہیں، مگر بعض کھیل مثلاً دوڑ، گھڑسواری وغیرہ کو جائز بھی قرار دیا گیا ہے۔

بہانہ بازی

وَ جَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ﴿۱۶﴾ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا

اور آئے وہ اپنے باپ کے پاس اندھیرے میں روتے ہوئے (۱۶) کہنے لگے اے رب ہمارے! ہم گئے ہم

اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَ تَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ

بیشک ہم گئے ہم دوڑتے ہوئے اور چھوڑا ہم نے یوسف کو پاس سامان اپنے کے پس کھا گیا اس کو

الذِّئْبُ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَ لَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ﴿۱۷﴾

بھیڑیا اور نہ آپ یقین کرنے والے ہمارا اور اگرچہ ہوں ہم سچے (۱۱۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور وہ لوگ اپنے باپ کے پاس عشاء کو روتے ہوئے آئے۔(۱۶) اور کہنے لگے اے ابا! ہم نے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش میں دوڑ لگائی اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑا، اس کے بعد اس کو بھیڑیا کھا گیا اور آپ تو ہماری بات ماننے والے نہیں، اگرچہ ہم سچے بھی ہوں۔(۱۷)

تفسیر

حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے کے بعد ان کے بھائی حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس عشاء کے وقت جھوٹا رونا روتے ہوئے آئے، اور کہنے لگے ابا جان! کیا کہیں؟ جنگل میں نکل کر جی چاہا کہ بھاگیں دوڑیں اور یوسف کو سامان کے پاس بٹھا دیا اور خود دوڑتے دوڑتے دور نکل گئے، آخر کار سامان کے پاس ایک بھیڑیا آ گیا اور یوسف کو تنہا پا کر کھا گیا، آپ تو ہماری طرف سے پہلے ہی بدگمان ہیں ہم لاکھ سچے ہوں، مگر آپ ہمارا یقین کاہے کو کرنے لگے، کہتے جاتے تھے اور روتے جاتے تھے، کم سے کم رونے کی آواز بنا رکھی تھی، اگر اندھیرا نہ ہوتا تو ان کا چہرہ بھی بتا دیتا کہ یہ سب بناوٹی باتیں ہیں، پھر بھی کہانی صاف گھڑی ہوئی معلوم ہوتی تھی، حضرت یعقوب علیہ السلام

جیسے جلیل القدر پیغمبر اس بات کا کیسے یقین کر سکتے تھے۔

جھوٹا بہانہ

وَ جَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ

اور وہ آئے پر قمیص اس کی ساتھ لہو کے جھوٹے کے کہا بلکہ بنالی ہے واسطے تمہارے

اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

دلوں اپنے نے ایک بات پس صبر ہی اچھا ہے اور اللہ ہی مددگار ہے پر اس جو تم بیان کرتے ہو (۸۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور یوسف کے (بھائی) ان کے کرتے پر جھوٹا لہو لگا کر لائے، (یعقوب علیہ السلام نے) کہا یہ ہرگز نہیں تم نے اپنے دل سے ایک بات بنالی، اب صبر ہی بہتر ہے اور اس بات پر جو تم ظاہر کرتے ہو، اللہ ہی سے مدد مانگتا ہوں۔ (۱۸)

تفسیر

بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے سے پہلے آپ کی قمیص صحیح سالم اتار لی تھی اور اپنے ڈرامے کو سچائی کا رنگ دینے کے لئے قمیص کو پھاڑنا بھول گئے اور ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے اس کا خون جھوٹ موٹ اس پر لگا دیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے قمیص کو صحیح سلامت دیکھ کر کہا کہ یہ ساری کہانی تمہاری گھڑی ہوئی ہے اور یہ جھوٹ موٹ خون ہے، بہر حال اس سے زیادہ کچھ نہ کہا ان کے دل میں یقین تھا کہ یوسف زندہ دنیا میں موجود ہے اور ایک دن مجھ سے ملے گا، لیکن ہاں اس وقت وہ مجھ سے دور ہو گیا ہے ایسی حالت میں میرے لئے یہی بہتر ہے کہ صبر کروں اور معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دوں، یہ اس لئے کہا کہ اس مصیبت کے وقت میری اللہ تعالیٰ ہی سے درخواست ہے کہ وہ میری اس غم میں مدد کرے۔

احکام ومسائل

"صبر جمیل" کا مطلب

"صبر جمیل" اس صبر کو کہا جاتا ہے جس میں مخلوق کے سامنے کسی قسم کا گلہ شکوہ نہ کیا جائے، بلکہ انسان اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہو جائے۔

مسائل

مسئلہ (۱):..... یعقوب علیہ السلام نے کُرتا صحیح سالم دیکھ کر جو یہ سمجھ لیا کہ اس معاملے میں حضرت یوسف کے بھائی جھوٹے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ قاضی یا حاکم کو فریقین کے دعوے اور دلائل کے ساتھ حالات اور قرائن پر بھی نظر کرنا چاہیے۔

ماوردی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص کے ساتھ تین بڑے بڑے واقعات کا تعلق ہے۔ پہلا واقعہ: خون آلود کر کے والد کو دھوکہ دینے اور کُرتے کی شہادت سے جھوٹا ثابت ہونے کا ہے، دوسرا واقعہ زلیخا کا کہ اس میں بھی یوسف علیہ السلام کا کُرتا ہی شہادت میں پیش ہوا ہے، تیسرا واقعہ یعقوب علیہ السلام کی بینائی واپس آنے کا، اس میں بھی ان کا کرتا ہی معجزہ ثابت ہوا ہے۔

مسئلہ (۲):..... بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ: یعقوب علیہ السلام نے جو بات اپنے بیٹوں سے اس وقت کہی تھی کہ "بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ" یعنی: تم ہی نے اپنے دل میں ایک بات بنائی ہے یہی بات اس وقت بھی کہی، جبکہ مصر میں یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی بنیامین ایک چوری کے الزام میں پکڑ لیے گئے اور ان کے بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام کو اس کی خبر کی تو فرمایا کہ "بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ" یہاں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے یہ دونوں باتیں اپنی رائے سے کہی تھیں، ان میں سے پہلی بات صحیح اور دوسری

بات صحیح نہیں تھی، کیونکہ اس میں بھائیوں کا قصور نہ تھا، اس سے معلوم ہوا کہ رائے کی غلطی پیغمبروں سے بھی ابتداء ہوسکتی ہے اگرچہ بعد میں ان کو اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعہ اس غلطی پر قائم نہیں رہنے دیا جاتا۔

نیز: "قرطبی" میں ہے کہ اس سے ثابت ہوا کہ رائے کی غلطی بڑے بڑے لوگوں سے ہوسکتی ہے، اس لئے ہر رائے والے کو چاہئے کہ اپنی رائے کو اٹل اور یقینی نہ سمجھے اور نہ اس پر ایسا اڑ جائے کہ دوسروں کی بات سننے ماننے کو تیار نہ ہو۔

قافلہ کا آنا

وَ جَآءَتْ سَیَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰی دَلْوَهٗ ؕ قَالَ

اور آیا ایک قافلہ پس بھیجا انہوں نے پانی لانے والا اپنا پس ڈالا اس نے ڈول اپنا کہنے لگا

یٰبُشْرٰی هٰذَا غُلٰمٌ ؕ وَ اَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِمَا

اہ خوشی ہو یہ تو ایک لڑکا ہے اور چھپا لیا اس کو پونجی سمجھ کر اور اللہ جاننے والا ہے جو

یَعْمَلُوْنَ ۝۱۹ وَ شَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَ كَانُوْا

وہ کرتے ہیں (۱۹) اور بیچ ڈالا اس کو ساتھ قیمت کم کے دراہم گنتی کے اور تھے وہ

ع ۲/۱۴ ۱۲ فِیْهِ مِنَ الزّٰهِدِیْنَ ۝۲۰

بارے میں اس کے میں سے نفرت کرنے والوں (۲۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ایک قافلہ آیا اس نے اپنا سقاء (یعنی: ڈولچی) بھیجا پس اس نے (کنویں کے پاس جا کر) اپنا ڈول (پانی کے لئے نیچے) لٹکایا (ڈول نکالنے پر جب یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو) کہنے لگا کیسی خوشی ہے کہ یہ تو ایک لڑکا ہے اور اس کو تجارت سمجھ کر چھپا لیا اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ (۱۹) انہوں نے اس کو چند کھوٹے سکوں کے بدلے بیچ ڈالا اور وہ اس کے بارے میں دلچسپی رکھنے والے نہیں تھے۔ (۲۰)

تفسیر

اس واقعہ کا پس منظر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا ہوا کہ ایک قافلہ راستہ بھٹک کر اس جنگل کی طرف آنکلا ان کے پاس کافی سارا تجارت کا سامان بھی تھا، امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: یہ قافلہ حضرت یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے کے تین دن بعد اس جگہ پہنچا تھا، یہ تین دن حضرت یوسف علیہ السلام نے کیسے اس کنویں میں گزارے، اس کے بارے میں کوئی صحیح روایت نہیں ہے، البتہ بعض تفسیری روایتوں میں ہے کہ آپ کا ہمدرد بھائی یہودا آپ کو کسی نہ کسی طرح کنویں میں کھانا پہنچاتا رہا۔

جب قافلہ وہاں پہنچا تو انہوں نے اپنے آدمی کو پانی کی تلاش میں بھیجا، وہ پانی تلاش کرتے کرتے اس کنویں میں پہنچا اور پانی کے لئے ڈول ڈال کر جب نکالا تو پانی کے بجائے ایک خوبصورت بچہ نکلا، جسے دیکھ کر وہ بہت حیران رہ گیا، اور خوش ہوکر کہنے لگے اے خوش خبری! یہ تو لڑکا ہے، اس وقت غلامی کا رواج تھا اور لونڈی غلام ایک قیمتی اثاثہ سمجھے جاتے تھے، انہوں نے کہا کہ یہ تو مفت میں غلام مل گیا اس کو فروخت کر کے پیسہ کمائیں گے، چنانچہ بچے کو نکالنے والوں نے اسے قیمتی سرمایہ کے طور پر چھپا لیا کہ باقی قافلے والوں کو بتائے بغیر ہم خود ہی اس سے فائدہ اٹھائیں گے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یوسف علیہ السلام کا بڑا بھائی یہودا روزانہ یوسف علیہ السلام کو کنویں میں کھانا پہنچانے کے لئے جاتا تھا، تیسرے روز جب ان کو کنویں میں نہ پایا تو واپس آکر بھائیوں سے واقعہ بیان کیا، یہ سب بھائی جمع ہوکر وہاں پہنچے، تحقیق کرنے پر قافلہ والوں کے پاس سے یوسف علیہ السلام نکلے، تو ان سے کہا یہ لڑکا ہمارا غلام ہے، بھاگ کر یہاں آگیا ہے، تم نے بہت برا کیا، کہ اس کو اپنے قبضہ میں رکھا ہے، اس وقت یوسف علیہ السلام بالکل خاموش رہے اور یہ نہیں کہا کہ میں غلام نہیں ہوں، بلکہ ان کا بھائی ہوں کیونکہ اس طرح کہنے سے بھائیوں کی طرف سے خطرہ تھا کہ وہ ان کو قافلے والوں سے لے جا کر مار ڈالیں۔

قافلے والے بھائیوں کے اس کہنے پر سہم گئے کہ ہم چور سمجھے جائیں گے، اس لئے بھائیوں سے ان کے خریدنے کی بات چیت ہونے لگی۔

ان سب لوگوں کی کارروائیوں سے اللہ تعالیٰ اچھی طرح واقف تھا، وہ خوب جانتا تھا کہ اس سب کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ شانہ کو سب معلوم تھا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی کیا کریں گے، اور ان سے خریدنے والا قافلہ کیا کرے گا، اور اس پر پوری قدرت رکھتے تھے، کہ ان سب کے منصوبوں کو خاک میں ملادیں، لیکن تکوینی حکمتوں کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے ان منصوبوں کو چلنے دیا۔

"ابن کثیرؒ" نے فرمایا کہ: اس جملہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ آپ کی قوم جو کچھ آپ کے ساتھ کررہی ہے یا کرے گی، وہ سب ہمارے علم وقدرت سے باہر نہیں، اگر ہم چاہیں تو ایک آن میں سب کو بدل ڈالیں، لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ ان لوگوں کو اس وقت اپنی قوت آزمائی کرنے دی جائے، اور انجام کار آپ کو ان پر غالب کرکے حق کو غالب کیا جائے گا، جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ کیا گیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی حضرت یوسف کو مارنا نہیں چاہتے تھے، وہ چاہتے تھے کہ حضرت یوسف کو کہیں دور ملک لے جاکر بیچ دیا جائے تاکہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکے، اس لئے انہوں نے سوچا کہ یوسف کو ان قافلہ والوں کو بیچ کر ان کو یوسف کا حقیقی مالک بنادیا جائے، تاکہ وہ ان کی اچھی طرح رکھوالی کرے، اور کہیں دور ملک لے جاکر بیچ ڈالے؛ اس لئے بڑی قیمت کی انہوں نے پرواہ نہیں کی، اور انتہائی کم قیمت میں آپ کو انہوں نے قافلہ والوں کے ہاتھوں بیچ ڈالا، ابن کثیر کی روایت کے مطابق بیس درہموں میں حضرت یوسف علیہ السلام کو بیچ دیا گیا اور پھر دس بھائیوں نے دو دو درہم آپس میں بانٹ لئے، درہم اس وقت کا سکہ تھا جو تین ماشے سوا رتی چاندی کا ہوتا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جو آپ کو کم قیمتوں میں بیچا، مفسرین کرام اس کی وجہ بیان فرماتے

ہوئے لکھتے ہیں کہ اس کی دو وجہ تھی، اول تو یہ اس لئے کہ ان کو اس بزرگ ہستی کی قدر معلوم نہ تھی، دوسرے اس لئے کہ ان کا اصل مقصد ان سے پیسہ کمانا نہیں بلکہ باپ سے دور کر دینا تھا؛ اس لئے صرف فروخت کر دینے پر بس نہیں کی، کیونکہ یہ خطرہ تھا کہ کہیں قافلہ والے ان کو یہیں نہ چھوڑ جائیں، اور یہ پھر کسی طرح والد کے پاس پہنچ کر ہماری سازش کا راز فاش کر دے؛ اس لئے امام التفسیر مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق یہ لوگ اس انتظار میں رہے کہ یہ قافلہ ان کو لے کر مصر کے لئے روانہ ہو جائے اور جب قافلہ روانہ ہوا تو کچھ دور تک قافلہ کے ساتھ چلے، اور ان لوگوں سے کہا کہ دیکھو اس کو بھاگ جانے کی عادت ہے کھلا نہ چھوڑو بلکہ باندھ کر رکھو۔

یوسف علیہ السلام مصر پہنچ گئے

وَ قَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤی

اور　کہا　جس نے　خریدا اس کو　سے　مصر　واسطے بیوی اپنی کے　عزت والا بنا　ٹھکانا اس کا　شاید

اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ

کہ　نفع پہنچائے یہ ہمیں　یا　بنالیں ہم اس کو　بیٹا

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جس شخص نے اسے مصر سے خریدا تھا اس نے اپنی بیوی سے کہا اس کو عزت سے رکھنا، شاید ہمارے کام آئے یا ہم اس کو بیٹا بنالیں۔

تفسیر

بھائیوں سے حضرت یوسف علیہ السلام کو خریدنے کے بعد مدین کا یہ قافلہ چلتے چلتے مصر پہنچا، تاریخی روایتوں میں آتا ہے کہ کنعان سے مصر تک کے سفر کے دوران بعض اوقات آپ کو لے جانے والوں کے دل میں نرمی بھی پیدا ہوتی تھی، مگر وہ آپ کو غلام سمجھ کر آپ سے مالی فائدہ حاصل کرنے کی فکر میں رہے۔

”صاحب روح المعانی“ اور دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس قسم کے واقعات قصے، کہانی کی کتابوں میں ملتے ہیں، لہٰذا ان کے متعلق پورے اعتماد کے ساتھ کچھ نہیں کہا جاسکتا، بہر حال مصر پہنچ کر وہ لوگ آپ کو غلاموں کی منڈی میں لے گئے۔

وہاں پر قطفیر نامی ایک شخص نے آپ کو بیس اشرفیوں ایک جوڑا کپڑا اور ایک جوڑا جوتے کے عوض خرید لیا، یہ شخص اس وقت کے مصر کے بادشاہ کا وزیر خزانہ تھا اور اس کی بیوی کا نام راعیل یا زلیخا تھا۔

اس کے بعد اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اس نے گھر لے جا کر اپنی بیوی سے کہا کہ اس کو غلاموں کی طرح نہ رکھنا، یہ بڑا ہونہار لڑکا معلوم ہوتا ہے، اس کو عزت و آبرو سے رکھو، کہتے ہیں کہ یہ شخص بڑا سمجھدار تھا وہ یوسف علیہ السلام کی شکل وصورت، چال ڈھال، بول چال اور حرکات وسکنات سے بھانپ چکا تھا کہ یہ کوئی معمولی بچہ نہیں ہے؛ اسی لئے اس نے محسوس کیا کہ یہ ہمارے حق میں مفید ثابت ہوسکتا ہے حتیٰ کہ ہم اسے اپنا منہ بولا بیٹا بھی بنا سکتے ہیں، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ میں یوسف علیہ السلام کے جوہر کھل کر سامنے آگئے، وزارت کے علاوہ اس شخص کا وسیع کاروبار بھی تھا، وہ جو کام بھی یوسف علیہ السلام کے حوالہ کرتا، آپ اسے انتہائی سمجھداری اور محنت سے انجام دیتے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند ہی دن میں اس شخص کی کاروباری آمدنی دگنی تگنی ہوگئی، وہ یوسف علیہ السلام کی امانت اور دیانت کا بھی قائل ہو چکا تھا، غرضیکہ آپ کے متعلق اس شخص کا اندازہ صحیح ثابت ہوا۔

احکام ومسائل

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: دنیا میں تین آدمی بڑے عقلمند اور قیافہ شناس ثابت ہوئے، اول عزیز مصر جس نے یوسف علیہ السلام کے کمالات کو اپنے قیافہ سے معلوم کر کے بیوی کو یہ ہدایت دی کہ ان کو آبرو سے رکھنا، دوسرے شعیب علیہ السلام کی وہ صاحبزادی جس نے موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اپنے والد سے کہا ”يَآ أَبَتِ اسْتَأْجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَأْجَرْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِيْنُ“، یعنی: اباجان ان کو ملازم رکھ لیجئے؛ اس لئے کہ

بہترین ملازم وہ شخص ہے جو قوی بھی ہو اور امانت دار بھی، تیسرے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، جنہوں نے اپنے بعد.........فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو خلافت کے لئے منتخب فرمایا۔

یہ سب کیوں ہوا؟

وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۡ وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ

اور اسی طرح ٹھکانہ کیا ہم نے واسطے یوسف کے میں زمین اور تاکہ سکھائیں ہم اس کو کچھ خوابوں کی

الْاَحَادِيْثِ ؕ وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

تعبیر میں اور اللہ تعالیٰ غالب ہے اوپر کام اپنے کے اور لیکن بہت سے لوگ

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾

نہیں جانتے (۲۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے یوسف کو مصر کی سرزمین میں قدم جمانے کی قدرت دی، (تاکہ وہاں وہ حکمرانی کے آداب بھی سیکھے) اور تاکہ ہم اسے باتوں کی تہہ تک پہنچنے کا علم بھی عطا کریں اور اللہ تعالیٰ اپنے کام میں غالب رہتا ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۲۱)

تفسیر

اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی خاص بندے پر عنایت کرنا چاہتا ہے تو اس کے اسباب پیدا کر دیتا ہے اور ایسے واقعات شروع ہو جاتے ہیں جو اس خاص بندے کو آخر کار کسی خاص فضیلت اور بزرگی کا مرتبہ عطا فرما دیتے ہیں، گو ادیکھنے والے اس بات کو نہ سمجھیں کہ یہ سب واقعات کیوں ہو رہے ہیں، یہ حالات جن میں حضرت یوسف علیہ السلام گزرے ان سے ان کی تعلیم و تربیت مقصود تھی، اگرچہ وہ بظاہر کس قدر تکلیف دہ تھے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اور اس طریقے سے ہم نے یوسف علیہ السلام کو مصر کی سرزمین میں قدم جمانے کا سامان کر دیا، یعنی: انہیں باعزت ٹھکانا فراہم ہوگیا اور اس طرح اسرائیل کے خاندان کا مصر آنے کے لئے راستہ کھل گیا، آپ کے بھائی تو آپ کو ذلیل وخوار کرنا چاہتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ آپ کو کمال درجہ تک پہنچانا چاہتا تھا، لہٰذا یہ تمام مصیبتیں اور تکلیفیں منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے زینے بنتے چلے گئے۔

ان سب کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام مصر پہنچ گئے اور وہاں عزیز مصر نے ان کو خرید کر اپنے گھر میں داخل کیا اور بیوی سے کہا کہ اس لڑکے کو عزت کے ساتھ اچھی طرح رکھو، ان سب باتوں سے مقصود یہ تھا کہ حضرت یوسف مصر کے بادشاہ کے ہاں آتے ہی اونچے طبقے کے لوگوں سے ملیں جلیں، ان کی باتیں سنیں، ان کا کام کرنے کا طریقہ دیکھا، آگے چل کر اس سے حاصل یہ ہوا کہ مشکلات میں تدبیر سوچنے لگے، انتظام میں ماہر ہوگئے، خواب کی صحیح تعبیر بتانے لگے۔

وَ اللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ: یعنی: اللہ تعالیٰ غالب اور قادر ہے اپنے کام پر، جو اس کا ارادہ ہوتا ہے تمام ظاہری اسباب اس کے مطابق ہوتے چلے جاتے ہیں، جیسا کہ ایک حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں، تو دنیا کے سارے اسباب اس کے لئے تیار کر دیتے ہیں، لیکن اکثر لوگ اس حقیقت کو نہیں سمجھتے اور ظاہری اسباب کو سب کچھ سمجھ کر انہیں کی فکر میں لگے رہتے ہیں، مگر ان اسباب کے پیدا کرنے والی ذات کی طرف دھیان نہیں کرتے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی جوانی

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی

اور جب پہنچ گیا قوت کو اپنی دیا ہم نے اس کو حکم اور علم اور اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم

الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ وَ رَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ

اچھوں کو (۲۲) اور پھسلایا اس کو اس نے وہ میں تھا گھر جس کے سے نفس اپنے

وَ غَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَ قَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ

اور بند کردیئے دروازے اور کہا آجا کہا پناہ اللہ کی تحقیق وہ

رَبِّيْۤ اَحْسَنَ مَثْوَايَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

میرا مالک ہے اچھا رکھا اس نے رہنا میرا یقیناً نہیں فلاح پاتے احسان فراموش (۲۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور جب (یوسف) اپنی طاقت اور پختگی کی عمر کو پہنچ گئے، ہم نے اس کو حکم (یعنی: دانشوری کی باتیں) اور علم (یعنی: نبوت) عطا کی اور ہم نیکی کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔(۲۲) اور یوسف جس گھر میں رہتا تھا اس نے اس کو (اپنے آپے میں رہنے سے) پھسلایا اور دروازے بند کرکے کہا کہ آجا، (یوسف علیہ السلام) نے کہا خدا کی پناہ، وہ (عزیز) میرا آقا ہے اس نے مجھ کو اچھی طرح رکھا ہے (اس کی بیوی سے بدکاری کرنا ظلم ہوگا)، بے شک بے انصاف لوگ بھلائی نہیں پاتے۔(۲۳)

تفسیر

جب یوسف علیہ السلام اپنی جوانی اور پوری قوت کی عمر کو پہنچ گئے تو ہم نے انہیں حکمت اور علم عطا کیا، یہ قوت اور جوانی کس عمر میں حاصل ہوئی، اس میں مفسرین کرام کے مختلف اقوال ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، مجاہد رحمۃ اللہ علیہ، قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ۳۳سال کی عمر تھی، ضحاک رحمۃ اللہ علیہ نے بیس سال اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس سال بتلائی ہے، اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حکمت اور علم عطا کرتے سے مراد اس جگہ نبوت کا عطا کرنا ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یوسف علیہ السلام کو نبوت مصر پہنچنے کے بھی کافی عرصہ بعد ملی ہے اور کنویں کی گہرائی میں جو وحی ان کو بھیجی گئی، وہ پیغمبری کی وحی نہ تھی، بلکہ ایسی وحی تھی جو پیغمبروں کے علاوہ کو اور خود پیغمبر کو بھی پیغمبری ملنے سے پہلے بھیجی جاسکتی ہے، جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں آیا ہے کہ ”وَ اَوْحَيْنَاۤ اِلٰۤى اُمِّ مُوْسٰۤى اَنْ اَرْضِعِيْهِ“ کہ ہم نے موسیٰ کی والدہ کو وحی کی کہ اس کو دودھ پلا، قرآن کریم میں اس طرح کی وحی کے بارے

میں اور کئی مثالیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اور ہم نیکی کرنے والوں کو اس طرح بدلہ دیا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا کامل درجے کا اطاعت گزار جو کبھی صبر کا دامن نہیں چھوڑتا، محسن کھلاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ محسن کے بدلے کو ضائع نہیں کرتے، بلکہ ایسے لوگوں کو کمال کے درجے تک پہنچاتے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے کمال درجہ اطاعت اور صبر کا اظہار کیا، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہلاکت سے نجات دلا کر حکومت وعزت تک پہنچایا، یہ سب کچھ حضرت یوسف علیہ السلام کی نیک چلنی، خدا ترسی اور نیک عملوں کا نتیجہ تھا، یہ ان کے ساتھ مخصوص نہیں جو بھی ایسے عمل کرے گا اللہ تعالیٰ کے انعامات اسی طرح پائے گا۔

یوسف علیہ السلام مصر کے باشاہ کے گھر شریفوں کی طرح پورے ضبط اور کنٹرول سے رہتے تھے، لیکن جس عورت کے گھر میں آپ رہتے تھے اس نے ان کو اپنے آپے میں رہنے سے پھسلانے کی کوشش کی اور ایسے سامان کر دیئے، جن سے ایک نوجوان شخص کا اپنے نفس پر قابو رکھنا مشکل ہے۔

جوانی میں کسی نوجوان کا جس کی بدنی قوتیں قوی اور درست ہوں، اپنے اوپر قابو رکھنا مشکل ہے، صرف وہی شخص اس بھنور سے نکل سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت ہو، کسی قوی اور تندرست نوجوان کو اگر کوئی عورت خود ورغلانے کے ہتھکنڈے استعمال کرے تو اس کا گناہ سے بچنا ناممکن ہے، یہاں سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ تعلیمی اداروں، دفتروں اور فیکٹریوں میں نوجوان لڑکے اور لڑکیوں کا بے جا اور بے تکلف خلط ملط رہنا ایک نہایت ہی خطرناک معاملہ ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے جب محسوس کیا کہ وہ آزمائش میں پڑنے والے ہیں تو فوراً منہ سے معاذ اللہ نکلا اور دعا کی کہ اے میرے اللہ! مجھے اس گناہ سے بچالے، اللہ تعالیٰ نے فوراً دل میں ڈالا کہ یہ بادشاہ کی بیوی ہے اور بادشاہ میرا مربیّ ہے جس نے مجھے عزت وراحت سے رکھا ہے کیا اپنے محسن کے ناموس پر حملہ کروں؟ ایسی محسن کشی اور بے انصافی کرنے والے کبھی بھلائی اور کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکتے، اس کی بیوی کے ساتھ ایسی ذلیل حرکت کرنا اس کی ذلت کا باعث ہوگا، انہوں نے عورت کو جواب دیا کہ بادشاہ میرا مربیّ ہے اس

نے مجھے بڑے آرام سے رکھا ہے، یہ تو بڑا ظلم ہوگا کہ میں اس کے ساتھ خیانت کروں۔

یہاں پر حضرت یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو ''رَبِّیْ'' کہا، اس سے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ ایک پیغمبر نے کسی انسان کو رب کیسے کہہ دیا؟ لیکن یہ کہنا درست نہیں اس لئے کہ ''رب'' جس طرح اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جاتا ہے اسی طرح ''رب'' کا لفظ آقا پر بھی بولا جاتا ہے، جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا: ''اِنَّهٗ رَبِّیْٓ'' کہ عزیز میرا آقا ہے، اسی طرح گھر کے مالک کو عربی زبان میں ''رب البیت'' اور سرمایہ کے مالک کو ''رب المال'' کہا جاتا ہے۔

یہ یاد رہے کہ! "اسمائے حسنیٰ" میں سے کچھ نام ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، جیسے کہ "الرحمٰن، الحیّ، القیّوم" وغیرہ اور "اسمائے حسنیٰ" میں سے بہت سے دوسرے نام ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے لئے بھی بولے جاتے ہیں، جیسے: حلیم، کریم، رحیم، رب، وغیرہ، تفصیلات کے لئے معارف القرآن آیت ''وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى'' ملاحظہ کریں۔

پہلی آیت میں معلوم ہو چکا ہے کہ یہ عورت مصر کے بادشاہ کی بیوی تھی، مگر اس جگہ قرآن کریم نے زوجۂ عزیز کا مختصر لفظ چھوڑ کر ''الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا'' کے الفاظ اختیار کئے، اس میں اشارہ اس کی طرف ہے کہ یوسف علیہ السلام کے گناہ سے بچنے کی مشکلات میں اس بات نے اور بھی اضافہ کر دیا تھا، کہ وہ اسی عورت کے گھر میں اسی کی پناہ میں رہتے تھے، اس کے کہنے کو نظر انداز کرنا آسان نہ تھا۔

یہاں پر قرآن کریم کے بیان کے انداز سے یہ معاملہ بالکل صاف واضح ہو جاتا ہے کہ انہوں نے کبھی اس عورت کی جانب بدخیالی سے نہ دیکھا، ان کا اس گھر میں رہنے کا طرز اسی خیال پر مبنی تھا، جو انہوں نے وقت آنے پر اس عورت کے سامنے صاف لفظوں میں ظاہر کر دیا کہ وہ اس گھر کے مالک مصر کے بادشاہ کو اپنا آقا سمجھتے تھے اور اس حیثیت سے اس کی عزت وعظمت کرنا اپنا فرض جانتے تھے، پھر اس نے جس طرح ان کو رکھا تھا اس سے ظاہر تھا کہ اسے ان پر پورا اعتماد تھا کہ وہ اس کے ناموس اور شہرت پر دھبہ نہ آنے دیں گے۔

اس وجہ سے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے طرز عمل سے یہ جتلا دیا کہ وہ اس عورت کی طرف صرف اس نظر سے ہمیشہ دیکھتے رہے ہیں کہ وہ ان کے محسن اور مربی کی بیوی ہے وہ اپنے اس طرز کو نہیں بدل سکتے، جس کو اللہ تعالیٰ اپنا خالص بندہ بنالیتا ہے اس کے دل سے برے خیالات بہت دور رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی مدد

وَ لَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَ هَمَّ بِهَا لَوْ لَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ

اور البتہ تحقیق ارادہ کیا اس نے ساتھ اس کے اور ارادہ کیا اس نے ساتھ اس کا اگر نہ یہ کہ دیکھتے وہ دلیل رب اپنے کی ایسا ہوا

لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَ الْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۲۴﴾

تاکہ پھیر دیں ہم سے اس برائی اور بے حیائی البتہ وہ میں سے ہے بندوں ہمارے مخلص (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور البتہ پوری طرح ٹھان لی تھی اس عورت نے یوسف علیہ السلام کو پھانسنے کی اور آپ بھی اس کا ارادہ کر لیتے (اور اس کی جال میں پھنس جاتے) اگر آپ اپنے رب کی برہان نہ دیکھتے، ایسا ہم نے اس لئے کیا تاکہ پھیر دیں اس سے (یوسف علیہ السلام سے) برائی اور بے حیائی کو، بے شک وہ ہمارے مخلص مندوں میں سے ہے۔ (۲۴)

تفسیر

مصر کے بادشاہ کی بیوی تو پہلے ہی سے حضرت یوسف علیہ السلام کی دھن میں تھی اور آپ کو ورغلانے کے لئے موقع کی تاک میں تھی، لیکن حضرت یوسف کا اس کی طرف ذرا بھی خیال نہ تھا، غرض! آپ کا خیال نہ کبھی پہلے اس عورت کی طرف تھا اور نہ اس وقت اسے بری نظر سے دیکھ رہے تھے، بلکہ اس کی حالت پر افسوس اور رحم کی نظر ڈال رہے تھے، ارشاد ہے کہ: ہم نے اس کا خیال بھی پاک صاف رکھا ہے اور گناہ کو عمل میں لانے سے بھی بچایا،

کیونکہ ہم تو اس کو پہلے ہی برے خیال اور برے کاموں سے چھڑا کر اپنا خالص بندہ بنا چکے تھے۔

"بُرْهَانَ" کا معنیٰ سند اور دلیل کے ہوتا ہے جس سے شک اور شبہ یا ابہام وغیرہ ختم ہو جاتا ہے، سکون ویقین حاصل ہوتا ہے، لیکن اس مقام میں "بُرْهَانَ" کا معنیٰ اور مفہوم متعین کرنے میں مفسرین کرام کے مختلف اقوال پائے جاتے ہیں، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حسن بصری رحمہ اللہ، سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے نزدیک "بُرْهَانَ" یہ تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والد گرامی حضرات یعقوب علیہ السلام کی صورت کو دانتوں میں انگلی دبائے ہوئے دیکھا تھا، بعض مفسرین کرام نے یہ بھی کہا کہ یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے سینہ پر ایک مکا رسید کیا، جس سے ان کے تمام شہوانی خیالات گم ہو گئے، بعض نے کہا کہ یوسف علیہ السلام کا آقا، جس کا نام فوطی فار یا قطفیر تھا، اس کی خیالی صورت سامنے آئی تھی اور بعض سلف سے یہ بھی منقول ہے کہ جب یوسف علیہ السلام نے سر اوپر اٹھایا تو چھت کی دیوار پر لکھا ہوا دیکھا "وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا"۔

حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: "بُرْهَانَ" سے مراد پیغمبری ہے، جو اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے سینہ میں ودیعت رکھی ہوئی تھی، وہی اس برائی کے ورے حائل ہوئی۔

بعض مفسرین نے فرمایا کہ: زلیخا کے مکان میں ایک بت تھا، اس نے اس بت پر پردہ ڈالا، تو یوسف علیہ السلام نے وجہ پوچھی، اس نے کہا کہ یہ میرا معبود ہے اس کے سامنے گناہ کرنے کی جرأت نہیں، یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ: میرا معبود اس سے زیادہ حیاء کا حقدار ہے، اس کی نظر کو کوئی پردہ نہیں روک سکتا۔

امام تفسیر ابن جریر نے ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد جو بات فرمائی ہے وہ سب اہل تحقیق کے نزدیک نہایت پسندیدہ اور بے غبار ہے، وہ یہ ہے کہ جتنی بات قرآن کریم نے بتلادی ہے صرف اسی پر اکتفاء کیا جائے، یعنی: یہ کہ یوسف علیہ السلام نے کوئی ایسی چیز دیکھی جس سے وسوسہ ان کے دل سے جاتا رہا، اس چیز کی تعیین میں وہ سب احتمال ہو سکتے ہیں جو حضرات مفسرین نے ذکر کئے ہیں، لیکن قطعی طور پر کسی کو متعین نہیں کیا جا سکتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کو بھی خیال پیدا ہو سکتا تھا، اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے برہان نہ دیکھ لیتے،

لیکن رب تعالیٰ کی برہان کو دیکھنے کی وجہ سے وہ اس وہم اور خیال سے بھی بچ گئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم نے یوسف علیہ السلام کو یہ برہان اس لئے دکھائی تاکہ ان سے برائی کو ہٹادیں، برائی سے مراد صغیرہ گناہ اور بے حیائی سے کبیرہ گناہ مراد ہے۔

یہاں یہ بات قابل نظر ہے کہ برائی اور بے حیائی کو یوسف علیہ السلام سے ہٹادینے کا ذکر فرمایا ہے، یوسف علیہ السلام کو برائی اور بے حیائی سے ہٹانا نہیں فرمایا، جس میں اشارہ ہے کہ یوسف علیہ السلام تو اپنی پیغمبرانہ شان کی وجہ سے اس گناہ سے خود ہی ہٹے ہوئے تھے، مگر برائی اور بے حیائی نے ان کو گھیر لیا تھا، ہم نے اس کے جال کو توڑ دیا، کیونکہ یوسف علیہ السلام ہمارے چنے ہوئے خاص بندوں میں سے ہیں۔

زلیخا کی طوطا چشمی

وَ اسْتَبَقَا الْبَابَ وَ قَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ اَلْفَيَا سَيِّدَهَا

اور آگے پیچھے دوڑے دروازہ کے اور پھاڑ ڈالا اس نے قمیص اس کے کو سے پیچھے اور پایا دونوں نے خاوند عورت کے کو

لَدَا الْبَابِ ؕ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ

پاس دروازے کے کہنے لگی کیا سزا ہے اس کی جو چاہے ساتھ تیری اہلیہ کے برائی مگر

اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ

یہ کہ قید کیا جائے اسے یا کوئی سزا دردناک (۲۵) کہا اس نے اسی نے بے قابو کرنا چاہا مجھے سے جی میرے

وَ شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ

اور گواہی دی ایک گواہ نے میں سے عورت کے لوگوں اگر ہے کرتا اس کا پھٹا ہوا سے آگے

فَصَدَقَتْ وَ هُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَ اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ

تو یہ سچی ہے اور وہ ہے میں سے جھوٹوں (۲۶) اور اگر ہے کرتا اس کا پھٹا ہوا

مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَ هُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۝٢٧ فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ
سے پیچھے تو وہ جھوٹی ہے اور وہ ہے میں سے سچوں (۲۷) پس جب دیکھا کرتے اس کے کو

قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ۝٢٨
پھٹا ہوا سے پیچھے کہا بیشک یہ میں سے فریب تمہارا یقیناً فریب تمہارا بڑا ہے (۲۸)

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ٚ وَ اسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖۚ اِنَّكِ
اے یوسف! منہ موڑ سے اس اور اے عورت بخشش مانگ واسطے گناہ اپنے کے بیشک تو

كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ۝٢٩ ع ۳ ۹ ۱۳
ہے میں گناہ گاروں میں سے (۲۹)

بامحاورہ ترجمہ: ۔دونوں دروازے کی طرف (آگے پیچھے) دوڑے (یوسف علیہ السلام تو برائی سے بچنے کے لئے بھاگے، جب کہ عورت انہیں برائی پر آمادہ کرنے کے لئے پکڑنا چاہتی تھی، اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو باہر جانے سے روکنے کے لئے پیچھے سے آپ کا کُرتا پکڑ کر جھٹکا اس طرح) آپ کا کُرتا پھاڑ ڈالا، (اسی حالت میں دونوں باہر پہنچے تو)، ان دونوں نے اس عورت کے شوہر کو دروازے کے پاس پایا، عورت کہنے لگی کہ اس شخص کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی کے متعلق برا ارادہ کرے، مگر یہی کہ اسے قید میں ڈالا جائے یا دردناک سزا دی جائے۔ (۲۵) یوسف نے کہا اسی نے مجھ سے خواہش کی کہ میں اپنے آپے میں نہ رہوں اور عورت کے لوگوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی، اگر اس کا کُرتا آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے۔ (۲۶) اور اگر اس کا کُرتا پیچھے سے پھٹا ہے تو یہ جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے۔ (۲۷) جب عزیز نے اس کا کُرتا دیکھا تو وہ پیچھے سے پھٹا ہوا تھا تو اس نے (اپنی بیوی سے) کہا کہ یہ تم عورتوں کا فریب ہے، بلاشبہ تم عورتوں کی فریب کاری بڑے غضب کی ہوتی ہیں۔ (۲۸) اور (اس شخص نے حضرت یوسف سے) کہا اے یوسف! اس معاملے کو یہیں ختم کردو اور (اپنی بیوی سے) کہا کہ تو اپنے گناہ کی معافی مانگ لے اسلئے کہ تو گناہ گار ہے۔ (۲۹)

تفسیر

یہ حسن اتفاق تھا کہ اس وقت بادشاہ بھی دروازے کے پاس کھڑا تھا، جب زلیخا نے اپنے خاوند کو پایا تو اپنی بے گناہی ثابت کرنے کے لئے فوراً پینترا بدلا اور الٹا یوسف علیہ السلام کو قصور وار ٹھہرانے کی کوشش کی کہ یہ شخص تیری گھر والی سے، یعنی: مجھ سے برے ارادے سے پیش آنا اور زبردستی برا کام کرنا چاہتا تھا، ایسے شخص کی سزا بس یہی ہو سکتی ہے کہ یا تو اسے جیل خانے میں ڈال دیا جائے یا کوئی اور سخت سزا دی جائے۔

اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام کی خاموشی عورت کی بات کی تصدیق کرنے کے مترادف تھی، لہٰذا آپ نے اپنی صفائی پیش کرنے کا حق استعمال کیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اپنی پیغمبرانہ شان کی بناء پر شاید اس راز کو فاش نہ فرماتے، مگر جب زلیخا نے آپ پر الزام تراشی کی تو آپ نے حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا یہی مجھ سے اپنا مطلب نکالنے کی کوشش کر رہی تھی اور مجھے پھسلا رہی تھی۔

معاملہ بڑا نازک اور بادشاہ کے لئے اسکا فیصلہ سخت دشوار تھا کہ ان میں سے کسے سچا سمجھے، شہادت اور ثبوت کا کوئی موقع نہ تھا، مگر اللہ تعالیٰ جس طرح اپنے خاص بندوں کو گناہ سے بچا لیتے ہیں اور ان کو معصوم اور محفوظ رکھتے ہیں، اسی طرح دنیا میں بھی ان کو رسوائی سے بچانے کا انتظام معجزانہ انداز سے فرما دیتے ہیں اور عموماً ایسے موقعے پر دودھ پیتے بچوں سے کام لیا گیا، جو عادتاً بولنے پر قدرت نہیں رکھتے، مگر معجزاتی طور پر ان کو بولنے کی قدرت عطا فرما کر اپنے مقبول بندوں کی بے گناہی کو ثابت فرما دیتے ہیں، جیسے حضرت مریم علیہا السلام پر جب لوگ تہمت باندھنے لگے، تو صرف ایک دن کے بچے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ نے بولنے کی طاقت عطا فرما کر ان کی زبان سے والدہ کی پاکی ظاہر فرما دی، اور خدا کی قدرت کا ایک خاص مظہر سامنے کر دیا، بنی اسرائیل کے ایک بزرگ جُریج پر اسی طرح کی ایک تہمت ایک بڑی سازش کے ساتھ لگائی گئی تو نوزائیدہ بچہ نے ان کی بے گناہی

کے لئے شہادت دی۔

ٹھیک اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق ایک چھوٹے بچے کو حق تعالیٰ شانہ نے بولنے کی طاقت عطا فرما دی، اور وہ بھی نہایت عاقلانہ اور حکیمانہ انداز کی، یہ چھوٹا بچہ اسی گھر میں جھولے کے اندر پڑا تھا یہ کس کو گمان ہو سکتا تھا کہ وہ اس کی حرکتوں کو دیکھے گا اور سمجھے گا اور پھر اس کو کسی انداز سے بیان بھی کر دے گا، مگر اللہ تعالیٰ اپنی فرمانبرداری میں کوشش کرنے والوں کی شان ظاہر کرنے کے لئے دنیا کو دکھلا دیتے ہیں کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے حکم کے تابع ہے، وہ جس وقت جس سے جو بھی کام لینا چاہے لے لے۔

خلاصہ یہ ہے کہ: جھولے میں پڑا ہوا دودھ پیتا بچہ یوسف علیہ السلام کے معجزہ کے طور پر عین اس وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے بول اٹھا، جب کہ بادشاہ اس واقعہ سے کشمکش میں مبتلا تھا۔

پھر یہ بچہ اگر صرف اتنا ہی کہہ دیتا کہ یوسف علیہ السلام بری ہیں زلیخا کا قصور ہے تو وہ بھی ایک معجزہ کی حیثیت سے یوسف علیہ السلام کے حق میں بے گناہی ثابت ہونے کے لئے بڑی شہادت ہوتی، مگر اللہ تعالیٰ نے اس بچہ کی زبان سے ایک دانشمندانہ بات کہلوائی کہ یوسف علیہ السلام کے کُرتے کو دیکھو، اگر وہ آگے سے پھٹا ہے تب تو زلیخا کا کہنا سچا اور یوسف جھوٹا ہو سکتا ہے، اور اگر وہ پیچھے سے پھٹا ہے تو اس میں اس کے سوا کوئی دوسرا کوئی امکان ہی نہیں کہ یوسف بھاگ رہے تھے اور زلیخا نے ان کو روکنے کے لئے پیچھے سے کُرتا پکڑا جو پھٹ گیا؛ اس لئے یوسف علیہ السلام سچے اور عورت جھوٹی ہے۔

یہ ایک ایسی بات تھی کہ بچہ کے معجزانہ طور پر بولنے کے سوا خود بھی ہر ایک کی سمجھ میں آسکتی تھی اور جب بتلائی ہوئی علامت کے مطابق کُرتے کا پیچھے سے پھٹا ہوا ہونا دیکھا گیا تو یوسف علیہ السلام کی بے گناہی ظاہر ہوگئی۔

بچہ کے بولنے کا یہ واقعہ ایک حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے جس کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے "مسند" میں اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "صحیح" میں اور حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے "مستدرک" میں نقل کر کے اس کو صحیح

قرار دیا ہے۔

بچہ کی یہ شہادت بادشاہ کو پسند آئی، چنانچہ جب اس نے دیکھا کہ یوسف علیہ السلام کا کُرتا پیچھے سے پھٹا ہوا ہے تو فوراً بات کی تہہ تک پہنچ گیا، اپنی بیوی سے کہا یہ تمہاری فریب کاریوں میں سے ہے، یعنی تیرا بیان جھوٹ پر مبنی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ تم عورتوں کی فریب کاریاں بہت بڑی ہوتی ہیں اور وہ سمجھ گیا کہ یوسف علیہ السلام بے قصور ہیں۔

یہاں ایک بات عورتوں کی مکاری کی ہے جس کی تصدیق بادشاہ نے کی کہ عورتوں کی مکاریاں بہت بڑی ہوتی ہیں اس سلسلہ میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان مبارک ہے جو آپ نے عورتوں کو خطاب کے دوران فرمایا تھا کہ تم عقل اور دین میں ناقص ہونے کے باوجود عقلمند آدمی کی عقل کو خراب کرنے والی ہو، یعنی عقلمند آدمی کو بھی چکر دے جاتی ہو، اگر چہ خود تمہاری عقل ناقص ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ بھی فرمان ہے کہ میں اپنے بعد مردوں کے حق میں عورتوں سے بڑھ کر کسی فتنے کو نہیں چھوڑ چلا، اکثر جھگڑے فساد عورتوں کی وجہ سے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ بعض عورتوں کی وجہ سے بڑی بڑی سلطنتیں بھی آپس میں ٹکرا جاتی ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، اے لوگو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بنی اسرائیل میں پہلا فتنہ عورتوں کی وجہ سے پیدا ہوا، بہر حال بادشاہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم نے یہ فریب کیا ہے اور عورتوں کی فریب کاریاں بہت بڑی ہوتی ہیں، ادہر یوسف علیہ السلام سے کہا کہ اے یوسف! اس معاملہ سے درگزر کرو معاف کردو، چھوڑ دو، وہ یوسف علیہ السلام پر بالکل خفا نہیں ہوا، کیونکہ وہ تو آپ کو بے گناہ سمجھ کر معذرت خواہانہ لہجے میں کہہ رہا ہے کہ اس واقعہ کو عام کرنے سے بدنامی ہوگی، لہٰذا اس کو یہیں ختم کردو اور عورت کو معافی دیدو کہ اس نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہے اور ادھر اپنی عورت کو کہا کہ تم یوسف سے اپنے گناہ کی معافی مانگ لو، کیونکہ غلطی تم نے کی ہے تو نے اس پر غلط الزام لگایا ہے اور اس کو پھانسنے کی کوشش کی ہے اور اس کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اپنے شوہر سے معافی مانگ، اسلئے کہ تو نے خیانت کی ہے۔

احکام ومسائل

مسئلہ: آیت ''وَاسْتَبَقَا الْبَابَ'' سے یہ معلوم ہوا کہ جس جگہ گناہ میں مبتلا ہوجانے کا شدید خطرہ ہو، اس جگہ ہی کو چھوڑ دینا چاہئے، جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے وہاں سے بھاگ کر اس کا ثبوت دیا۔

مسئلہ (۱):..... اللہ تعالیٰ کے حکم کی پیروی کرنے میں انسان پر لازم ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق کوشش میں کمی نہ کرے، خواہ اس کا نتیجہ بظاہر کچھ نظر نہ آئے، نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، انسان کا کام اپنی محنت اور طاقت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر کے اپنی بندگی کا ثبوت دینا ہے، جیسا کہ بعض تاریخی روایتوں کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام نے دروازے سب بند ہوتے کے باوجود دروازہ کی طرف دوڑنے میں اپنی پوری قوت خرچ فرمادی، ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ملنے کا بھی اکثر مشاہدہ ہوتا ہے کہ بندہ جب اپنی کوشش پوری کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ کامیابی کے اسباب بھی پیدا فرمادیتے ہیں۔

مسئلہ (۲):..... یہاں سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ اگر کسی شخص پر کوئی غلط تہمت لگائے، تو صفائی پیش کرنا پیغمبروں کی سنت ہے یہ کوئی توکل اور بزرگی کے خلاف نہیں کہ اس وقت خاموش رہ کر اپنے آپ کو مجرم قرار دیدے۔

مسئلہ (۳):..... اس میں ایک مسئلہ شاہد کا ہے یہ لفظ جب عام فقہی معاملات اور مقدمات میں بولا جاتا ہے تو اس سے وہ شخص مراد ہوتا ہے جو زیر سماعت معاملہ کے متعلق اپنا آنکھوں دیکھا واقعہ حتمی طور پر بیان کرے، اس آیت میں جس کو شاہد کہا گیا ہے اس نے کوئی واقعہ یا اس کے متعلق اپنا کوئی آنکھوں دیکھا حال حتمی طور پر بیان نہیں کیا، بلکہ فیصلہ کرنے کی ایک صورت کی طرف اشارہ کیا ہے جس کو اصطلاحی طور پر شاہد نہیں کہا جاسکتا۔

مگر ظاہر ہے کہ یہ اصطلاحات سب بعد کے علماء وفقہاء نے سمجھنے اور سمجھانے کے لئے اختیار کرلی ہیں، قرآن حکیم کی نہ یہ اصطلاحیں ہیں، نہ وہ ان کا پابند ہے، قرآن کریم نے یہاں اس شخص کو شاہد اس معنی کے اعتبار

سے فرمایا ہے کہ جس طرح شاہد کے بیان سے معاملہ کا حال آسان ہو جاتا ہے اور کسی ایک فریق کا حق پر ہونا ثابت ہو جاتا ہے اس بچہ کے بیان سے بھی یہی فائدہ حاصل ہوا کہ اصل تو اس بچہ کا معجزانہ طور پر بولنا ہی حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کی گواہی تھی اور پھر اس نے جو علامتیں بتلائیں ان کا حاصل بھی انجام کار یوسف علیہ السلام ہی کی بے گناہی کا ثبوت ہے، اس لئے یہ کہنا صحیح ہو گیا کہ اس نے یوسف علیہ السلام کے حق میں گواہی دی، حالانکہ اس نے یوسف علیہ السلام کو سچا نہیں کہا، بلکہ دونوں احتمالوں کا ذکر کر دیا تھا، اور زلیخا کے سچے ہونے کو ایک ایسی صورت میں بھی فرضی طور پر مان لیا گیا تھا جس میں ان کا سچا ہونا یقینی نہ تھا، بلکہ دوسرا بھی احتمال موجود تھا کیونکہ کُرتے کا سامنے سے پھٹنا دونوں صورتوں میں ممکن ہے اور یوسف علیہ السلام کے سچے ہونے کو صرف ایسی صورت میں مانا تھا جس میں اس کے سوا کوئی دوسرا احتمال ہی نہیں ہوسکتا، لیکن انجام کار نتیجہ اس حکمت عملی کا یہی تھا کہ یوسف علیہ السلام کا بے گناہ ہونا ثابت ہو۔

عورتوں کا چرچا

وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا

اور کہا عورتوں نے میں شہر عورت عزیز کی پھسلاتی ہے غلام اپنے کو

عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

سے نفس اپنے تحقیق اتر گئی ہے اس کے دل میں اس کی محبت ہم تو البتہ دیکھتے ہیں اسے میں غلطی کھلی (۳۰)

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَ اَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً

پس جب سنا اس نے چال ان کی بھیجی (دعوت) طرف ان کی اور تیار کی واسطے ان کے بیٹھنے کی جگہ

وَّ اٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّ قَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ

اور دے دی ہر ایک کو میں سے ان چھری ایک اور کہا نکل آ پاس ان کے

فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ
پس جب دیکھا انہوں نے اسے بڑا جانا اسے اور کاٹ لئے ہاتھ اپنے اور کہا پناہ اللہ تعالیٰ کی

مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ
نہیں یہ بشر نہیں یہ مگر ایک فرشتہ شاندار (۳۱) بولی وہی ہے

الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ
یہ ملامت کی تم نے مجھے بارے میں جس کے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کچھ عورتیں اس شہر میں کہنے لگیں عزیز کی عورت اپنے خادم کو اپنے آپے میں رہنے سے پھسلاتی ہے اس کا دل اس کی محبت میں فریفتہ ہو گیا ہے، ہم تو اس کو کھلی غلطی پر دیکھتے ہیں۔ (۳۰) پھر جب اس نے ان کا فریب سنا تو ان کو بلا بھیجا اور ان کے واسطے ایک مجلس تیار کی، اور ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک چھری دے دی اور (یوسف علیہ السلام سے) کہا ان کے سامنے نکل آ، پھر جب (عورتوں نے) اس کو دیکھا تو (اس کے حسن سے) ہکا بکا رہ گئیں اور اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور کہنے لگیں سبحان اللہ! یہ شخص آدمی نہیں، بلکہ یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے۔ (۳۱) (زلیخا) کہنے لگی کہ یہ وہی تو ہے جس کے بارے میں تم نے مجھے طعنہ دیا تھا۔

تفسیر

بادشاہ نے ہر ممکن اس واقعہ کو چھپا کر رکھنے کی کوشش کی، مگر پھر بھی یہ بات کسی نہ کسی طرح ظاہر ہو گئی اور شہر میں اس واقعہ کا چرچا ہونے لگا بادشاہ کی بیوی کی ہم مرتبہ عورتوں میں آپس میں اس واقعہ کا ذکر زیادہ ہونے لگا، اور انہوں نے اس پر خوب لے دے کی، ظاہر ہے کہ زلیخا کا تعلق اونچی سوسائٹی سے تھا، جس میں بڑے بڑے مالداروں اور وزیروں کی بیٹیاں اور بیویاں شامل تھیں، یہ عورتیں کہنے لگی کہ زلیخا کنعانی غلام کو دل دے بیٹھی ہے، غلام کا مرتبہ ویسے بھی بہت کم سمجھا جاتا تھا، لہٰذا ایک اعلیٰ سوسائٹی کی عورت کا غلام پر فریفتہ ہونا زیادہ قابل ملامت

تھا، تو اس کی ہجولیوں نے کہا ہم تو زلیخا کو کھلی غلطی میں دیکھتی ہیں۔

جب شہر میں زلیخا کے خلاف اس قسم کا پراپیگنڈا شروع ہو گیا تو اس کو بھی کسی طرح سے خبر ہو گئی تو اس نے یوسف کے حسن کی ایک جھلک دکھانے کے لئے ان کو بلا بھیجا، زلیخا کا مقصد یہ تھا کہ جس غلام کے نام پر یہ عورتیں اسے بدنام کر رہی ہیں اسے خود بھی ایک نظر دیکھ لیں اور اس کے بعد فیصلہ کریں کہ میری مجبوری کیا ہے؟ لہٰذا ان کے لئے ایک مجلس کا اہتمام کیا، جس کو قالین اور گاؤ تکیوں سے سجایا گیا تھا، دراصل اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان نکتہ چینی کرنے والی عورتوں پر واضح کر سکے کہ جس پردیسی پر وہ دل نثار کر چکی ہے وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں، بلکہ اس کی جگہ وہ بھی ہوتیں تو ایسا ہی کرتیں، پھر جب تمام مہمان عورتیں اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئیں تو ان کے آگے کچھ پھل رکھ دیئے اور ہر ایک کو ایک ایک چھری دے دی، جس کا ظاہری مقصد تو پھل تراشنا تھا مگر دل میں وہ بات پوشیدہ تھی جو آگے آتی ہے کہ یہ عورتیں یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر حواس باختہ ہو کر پھل کاٹنے کے بجائے اپنے ہاتھ ہی کاٹ لیں گی۔

اس کے بعد زلیخا نے اپنے منصوبے کے تحت یوسف علیہ السلام سے کہا کہ ذرا ان کے سامنے آؤ، عورتوں نے جب یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو ان کی عظمت کی قائل ہو گئیں، اس لئے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام میں شوخ پن کی کوئی علامت نہ پائی، لہٰذا آپ کو صورت اور سیرت ہر لحاظ سے عظیم خیال کیا۔

ان عورتوں پر یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کا اس قدر رعب طاری ہوا کہ وہ ہوش حواس کھو بیٹھیں اور ان کو اتنا ہوش بھی نہ رہا کہ چھری پھل کے بجائے ان کے ہاتھ پر چل رہی ہے، جیسا کہ دوسری طرف خیال بٹ جانے سے ایسا اتفاق ہو جاتا ہے اور کہنے لگیں کہ خدا کی پناہ وہ شخص آدمی ہر گز نہیں، یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے، مطلب یہ تھا کہ ایسا نورانی چہرے والا تو فرشتہ ہی ہو سکتا ہے، عزیز کی بیوی نے کہا دیکھا تم نے، یہ وہی ہے کہ جس کے بارے میں تم میرے بارے میں باتیں بنا رہی تھیں، انہوں نے آپ کو فرشتہ کہا جن کو آدمیوں سے بہر حال زیادہ پاک صاف سمجھا جاتا ہے، بہر حال کھانے کی دعوت کے موقع پر جب مہمان خواتین نے یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر پھل کاٹنے کے بجائے خود اپنے ہاتھ کاٹ لئے، تو زلیخا کو حال کی حقیقت بیان کرنے کا موقع مل گیا، تو فوراً کہنے لگی یہی ہے وہ

غلام جس کے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی تھیں، اب بتلاؤ کہ! میرا جذباتی ہوجانا کس حد تک درست تھا۔

احکام ومسائل

یہاں ان عورتوں کے ذکر کرنے کو زلیخا نے مکر کہا ہے، حالانکہ بظاہر انہوں نے کوئی مکر نہیں کیا تھا، مگر چونکہ یہ عورتیں خفیہ خفیہ اس کی برائی کر کے اس کو اس کے مرتبہ سے نیچے کرنا چاہتی تھیں؛ اس لئے اس کو مکر کہا گیا ہے۔

زلیخا کی دھمکی

وَ لَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَ لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ

اور البتہ تحقیق پھسلایا میں نے اسے آپ اپنے سے پس وہ تھم رہا اور البتہ اگر نہ کیا اس نے

مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَ لَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ۝۳۲ قَالَ رَبِّ

جو کہتی ہوں اسے البتہ جیل میں ڈالدیا جائیگا وہ اور البتہ وہ ہوجائے گا میں سے ذلیلوں (۳۲) کہا اے رب میرے!

السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَيْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ

جیل زیادہ پسند ہے مجھے سے اس بلاتی ہیں یہ مجھے طرف جس کی اور اگر نہ پھیرا آپ نے مجھ سے

كَيْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَيْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ۝۳۳ فَاسْتَجَابَ

داؤ ان کا توجھک جاؤنگا میں طرف ان کی اور ہوجاؤنگا میں میں سے جاہلوں (۳۳) پس قبول کر لی

لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۝۳۴

واسطے اسکے رب اس کے نے پس پھیر دیا سے اس داؤ ان کا تحقیق وہ ہے سننے والا جاننے والا (۳۴)

ع ۴ ۶ ۱۴ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ۝۳۵

پھر ظاہر ہوا پر ان بعد اس کے کہ دیکھیں انہوں نے نشانیاں ضرور جیل میں ڈالیں تک کچھ مدت (۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور میں نے ہی اس کو اپنے آپے میں رہنے سے پھسلایا تھا، پھر اس نے اپنے کو تھام رکھا اور بے شک اگر جو میں اس کو کہتی ہوں نہ کرے گا تو اسے جیل میں ڈالدیا جائے گا اور بے عزت ہوگا۔(۳۲) (یوسف علیہ السلام نے) کہا اے میرے رب! مجھے اس بات سے جس کی طرف مجھے یہ بلاتی ہیں جیل پسند ہے اور اگر آپ مجھ سے ان کا فریب دور نہ کریں گے، تو میں ان کی طرف مائل ہوجاؤنگا اور بے عقل ہوجاؤنگا۔(۳۳) سو! اس کے رب نے اس کی دعا قبول کرلی، پھر اس سے ان کا فریب دور کردیا، البتہ وہی ہے سننے والا خبردار۔(۳۴) پھر ان نشانیوں کے دیکھنے پر لوگوں کی سمجھ میں یہ آیا کہ اسے ایک مدت تک جیل میں رکھا جائے۔(۳۵)

تفسیر

بادشاہ کی بیوی کی مہمان عورتیں جب حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اتنی بے خود ہوگئیں کہ چھری سے ہاتھ کاٹ لئے اور پتہ نہ چلا، تو وہ سمجھ گئی کہ انہوں نے مجھے یوسف کے معاملے میں معذور سمجھ لیا ہے تو اب ان کو اس نے رازدار بنالیا، اپنی بے بسی کا اظہار کرنے کے بعد جوش آیا اور کہا کہ اس نے تو کبھی کسی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا، بلکہ میں نے ہی اسے پھانسنے کی کوشش کی، مگر یہ بچ نکلا اس نے بلانے کے باوجود رغبت نہ کی، مگر یہ اس خیال میں نہ رہے کہ میں اس کی دلیری اور گستاخی برداشت کرلوں گی، اگر اس نے میرا کہنا مان لیا تو خیر، ورنہ اسے جیل خانے میں ڈال کر رہوں گی، یہاں پر قرآن کریم کے الفاظ ''یَدْعُوْنَنِیْٓ'' اور ''کَیْدَ کُنَّ'' سے سمجھ آتا ہے کہ مہمان عورتوں نے بھی حضرت یوسف علیہ السلام کو سمجھانا شروع کیا کہ تو اپنی مالکہ کی بات مان لے اور اس کی فرمائش پوری کردے، اصل گناہ کی طرف بلانے والی تو ایک ہی عورت تھی، مگر باقی خواتین اس کی معاون اور مددگار تھیں، اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، کہ اے پروردگار! ان عورتوں کے فریب اور چالبازیوں سے اگر آپ نے مجھے نہ بچایا، تو ڈر ہے کہ کہیں ان کی طرف مائل نہ ہوجاؤں، مجھے جیل منظور، مگر نادانی کا کام منظور نہیں۔

یہ تمام حالات وواقعات جاننے کے بعد مہمان خواتین نے زلیخا کو اپنے دل کے ہاتھوں مجبور سمجھتے ہوئے اس کیخلاف پراپیگنڈانہ کرنے کا فیصلہ کرلیا، بہر حال زلیخا نے اپنی مجبوری اور یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا کھلم کھلا اظہار کیا، آپ تو اللہ تعالیٰ کے مقدس بندے تھے، اگر چہ اس وقت آپ کو پیغمبری عطا نہیں ہوئی تھی، مگر اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کی ابتداء ہی سے اس طرح تربیت کرتا ہے کہ ان سے گناہ ہونے کا امکان نہیں ہوتا۔

بہر حال حضرت یوسف علیہ السلام نے قید میں ڈالے جانے کو گناہ میں مبتلا ہونے پر ترجیح دی، کیونکہ قید خانہ کی تکلیف تو عارضی ہے ختم ہوجائے گی، مگر گناہ کے نتیجہ میں ہونے والا عذاب ہمیشہ کے لئے ہوگا، جو بلاشبہ نا قابل برداشت ہے، "سعدی صاحب" نے ایک بزرگ کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ کسی درندے نے انہیں زخمی کردیا تھا اور وہ زخمی حالت میں دریا کے کنارے پر پڑا تھا، زخم گہرا تھا اور اچھا نہیں ہورہا تھا، مگر وہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا تھا، لوگوں نے پوچھا کہ اتنی تکلیف کے باوجود اللہ تعالیٰ کا شکر کس بات پر کرتے ہو؟ تو کہنے لگے کہ شکر اس بات کا ہے کہ میں درندے کے کاٹنے کی تکلیف میں تو مبتلا ہوں، لیکن کسی گناہ کی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوں، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی دعا کی کہ اے اللہ! گناہ کی ہمیشہ والی تکلیف سے جیل کی عارضی تکلیف مجھے منظور ہے، لہٰذا مجھے گناہ سے محفوظ کیجئے۔

صحیحین "بخاری ومسلم" کی حدیث میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے کامل الایمان بندوں کا ذکر کیا کہ سات قسم کے آدمی ایسے ہیں جنہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے عرش کا سایہ نصیب ہوگا کہ اس دن اس سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا، ان میں سے ایک وہ ہے جسے کوئی منصب والا اور حسن وجمال والی عورت بدکاری کے لئے بلائے اور وہ یہ کہے کہ مجھے تو اللہ تعالیٰ کا ڈر ہے، میں اس گناہ میں ملوث نہیں ہوسکتا۔

برائی کرنے کا موقع ملنے پر اللہ تعالیٰ کا خوف آجانا بہت بڑی بات ہے جس کی وجہ سے انسان گناہ سے بچ جاتا ہے، صحیحین کی حدیث میں آتا ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلی امتوں کے تین آدمیوں کا ذکر کیا، جو ایک غار میں پھنس گئے تھے اور باہر نکلنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی، آخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان میں سے ہر ایک اپنے

کسی نیک کام کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے کہ انہیں اس مصیبت سے رہائی مل جائے، چنانچہ ان میں سے ایک شخص نے اپنا واقعہ اس طرح بیان کیا کہ میں اپنے چچا کی بیٹی سے محبت کرتا تھا، مگر وہ مجھ سے تعلق قائم کرنے پر رضامند نہ تھی، پھر ایسا ہوا کہ شدید قحط پڑ گیا اور وہ عورت محتاج ہوگئی اسے بیس دینار (اشرفیوں) کی ضرورت تھی اور میں اس کی مجبوری سے اپنی دیرینہ خواہش پوری کرنا چاہتا تھا، اس رقم کے عوض وہ راضی ہوگئی اور میں نے وہ ادا کردی، پھر جب میں برائی کے خیال سے اس کے سامنے بیٹھ گیا تو وہ عورت بولی اے اللہ کے بندے! اس مُہر (سیل) کو ناحق نہ توڑو، وہ شخص کہتا ہے کہ اس موقع پر مجھ میں واقعی اللہ تعالیٰ کا خوف پیدا ہوگیا میں اُٹھ کھڑا ہوا، برائی کا ارادہ چھوڑ دیا اور دی ہوئی رقم بھی واپس نہ لی۔

بہرحال حضرت یوسف علیہ السلام نے گناہ سے بچنے کے لئے جیل کی تکلیف برداشت کرنے کو پسند فرمایا، اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کی اس چاہت کو قبول فرمالیا اور ان عورتوں کی فریب کاری کو یوسف علیہ السلام سے پھیر دیا۔

اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ سامان فرمادیا کہ بادشاہ اور اس کے دوستوں کو اگرچہ یوسف علیہ السلام کی بزرگی اور تقویٰ وطہارت کی کھلی نشانیاں دیکھ کر ان کی پاکی کا یقین ہو چکا تھا، مگر شہر میں اس واقعہ کا چرچا ہونے لگا، جس کو ختم کرنے کے لئے ان کو مصلحت اس میں نظر آئی کہ کچھ عرصہ کے لیے یوسف علیہ السلام کو جیل میں بند کردیا جائے، تاکہ اپنے گھر میں ان شبہات کا کوئی موقع بھی باقی نہ رہے اور لوگوں کی زبانوں سے اس کا یہ چرچا بھی ختم ہوجائے، چنانچہ آپ جیل بھیج دیئے گئے۔

یہاں پر حضرت یوسف علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ جیل خانہ مجھے زیادہ پسند ہے اس میں قید وبند کی طلب یا خواہش نہیں، بلکہ گناہ کے مقابلہ میں اس دنیاوی مصیبت کو آسان سمجھنے کا اظہار ہے اور بعض روایات میں ہے کہ جب یوسف علیہ السلام قید میں ڈالے گئے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ آپ نے قید میں اپنے آپ کو خود ڈالا ہے، کیونکہ آپ نے کہا تھا کہ مجھے اس برائی میں مبتلا ہونے سے زیادہ جیل پسند ہے اور اگر عافیت مانگتے ..... تو آپ کو مکمل عافیت مل جاتی، اس سے معلوم ہوا کہ کسی بڑی مصیبت سے بچنے کے لئے دعا میں یہ کہنا کہ اس سے تو یہ بہتر

ہے کہ فلاں چھوٹی مصیبت میں مجھے مبتلا کردے مناسب نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہر مصیبت اور بلاء کے وقت عافیت ہی مانگنی چاہئے؛ اسی لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صبر کی دعاء مانگنے سے ایک شخص کو منع فرمایا کہ صبر تو بلا و مصیبت پر ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے صبر کی دعا مانگنے کے بجائے عافیت کی دعا مانگا کریں، حضرت عباس فرماتے ہیں کہ: کچھ عرصہ کے بعد پھر میں نے آپ سے دُعا کی تلقین دعا کا سوال کیا تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دنیا و آخرت کی عافیت مانگا کریں۔

جیل میں دو قیدیوں کے خواب

وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ

اور داخل ہوئے ساتھ اُن کے جیل میں دو جوان کہا ایک نے ان دو میں سے بیشک میں دیکھتا ہوں اپنے کو نچوڑ رہا ہوں

خَمْرًا ۚ وَ قَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا

شراب اور کہا دوسرے نے بیشک میں دیکھتا ہوں اپنے کو کہ اٹھائے ہوئے ہوں اوپر سر اپنے کے روٹی

تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۶﴾

کہ کھا رہے ہیں پرندے میں سے اس خبر دے ہمیں تعبیر اس کی کی تحقیق ہم دیکھتے ہیں تجھ میں سے اچھے کام کرنے والوں (۳۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ دو جوان اس کے ساتھ قید خانے میں داخل ہوئے، ان میں سے ایک کہنے لگا (خواب میں) میں اپنے آپ کو دیکھتا ہوں کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا میں (خواب میں اپنے آپ کو) دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے اس میں سے کھا رہے ہیں، اس کی تعبیر ہم کو بتلا، ہم تجھے نیک لوگوں میں سے سمجھتے ہیں۔ (۳۶)

تفسیر

یوسف کے ساتھ دو اور نوجوان کو بھی جیل خانے میں ڈالا گیا، یہ دونوں بھی بادشاہ کے ملازم تھے، ان میں

ایک بادشاہ کو شراب پلانے والا تھا، جبکہ دوسرا شاہی باورچی خانے کا انچارج تھا، ان پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے بادشاہ کے کھانے میں زہر ملانے کی سازش کی تھی، یہ سازش کسی طرح بے نقاب ہوگئی تو بادشاہ نے مکمل تحقیق ہونے تک انہیں جیل میں بند کر دیا۔

ایک یہودی روایت کے مطابق بادشاہ کو شراب پلانے والے کا جرم یہ تھا کہ اس کی پیش کی ہوئی شراب سے مکھی نکلی تھی اور شاہی باورچی خانے کے انچارج کا قصور یہ تھا کہ اس کی نگرانی میں پکائی گئی روٹی میں کرکراہٹ محسوس کی گئی تھی۔

ان دو قیدیوں نے جیل میں خواب دیکھے جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے، یہ دونوں چاہتے تھے کہ کسی علم والے شخص سے ان خوابوں کی تعبیر معلوم کریں، یہ دو قیدی کسی نیک آدمی کی تلاش میں تھے جو انہیں خواب کی تعبیر بتا سکے، چنانچہ تمام قیدیوں میں سے ان کی نظر یوسف علیہ السلام پر پڑی، کیونکہ سب قیدی آپ کی عبادت گزاری، تقویٰ، سچائی، اعلیٰ اخلاق اور خدمت کے جذبے سے متاثر ہو چکے تھے، چنانچہ انہوں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے اپنے خواب بیان کئے، ان میں سے ایک نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں، شراب نچوڑنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ پکے ہوئے انگوروں سے شراب بنانے کے لئے شیرہ نکال رہا تھا جس سے پھر شراب بنائی جاتی ہے، اکثر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ شراب نچوڑنے کا مطلب انگور نچوڑنا ہے، بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں خمر انگور پر بھی بولا جاتا ہے کیونکہ شراب نکالنے کے لئے انگور کو خام مال کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

دوسرے نے کہا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور اس میں پرندے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں، آپ ہمارے ان خوابوں کی تعبیر بتائیں، اس لئے کہ ہم آپ کو عبادت گزار، نیک اور خیر خواہ سمجھتے ہیں۔

احکام ومسائل

یہاں پر بہت سے مسئلے معلوم ہوئے جو کہ نیچے درج کئے جاتے ہیں:

مسئلہ(۱):.... یوسف علیہ السلام جیل بھیجے گئے جو مجرموں اور بدمعاشوں کی سوسائٹی ہوتی ہے مگر یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ بھی حسن اخلاق، حسن معاشرت کا وہ معاملہ کیا جس سے یہ سب گرویدہ ہوگئے، جس سے معلوم ہوا کہ امت کی اصلاح کا کام کرنے والوں کے لئے لازم ہے کہ مجرموں اور خطاکاروں سے شفقت اور ہمدردی کا معاملہ کرکے ان کو اپنے سے مانوس کریں، کسی قدم پر نفرت کا اظہار نہ ہونے دیں، تاکہ وہ حق کے قریب آجائے۔

مسئلہ(۲):.... آیت کا جملہ ''اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ'' سے یہ معلوم ہوا کہ خواب کی تعبیر ایسے ہی لوگوں سے معلوم کرنا چاہئے جن کے نیک اور ہمدرد ہونے پر اعتماد ہو۔

دین کی دعوت

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ

کہا نہ آئے گا پاس تمہارے کھانا تمہیں دیا جاتا ہے جو مگر خبر دیدونگا میں تمہیں مطلب اس کے کی پہلے

اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ

اس کے آئے وہ پاس تمہارے یہ وہ ہے جو سکھایا مجھے رب میرے نے تحقیق چھوڑا میں نے دین ایسی قوم کے کو

لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَ اتَّبَعْتُ

جو نہیں ایمان لاتے اللہ تعالیٰ پر اور وہ پر آخرت وہ انکار کرنے والے ہیں (۳۷) اور پیروی کی میں نے

مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ

دین باپ دادا اپنے ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے کی نہیں ہے واسطے ہمارے کہ

نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ عَلَی
شریک کریں ہم ساتھ اللہ تعالیٰ کے کسی چیز کو یہ ایک فضل ہے اللہ تعالیٰ کا اوپر ہمارے اور اوپر

النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ۝۳۸
لوگوں کے اور لیکن بہت سے لوگ نہیں شکر کرتے (۳۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (یوسف علیہ السلام نے قیدیوں سے) کہا کہ تمہارا وہ کھانا بھی نہ آنے پائے گا، جو تمہیں روزانہ یہاں ملا کرتا ہے، مگر تمہیں اس سے پہلے ہی اس کی تعبیر بتادوں گا، یہ اس علم (ومعرفت) میں سے ہے جو مجھ کو میرے رب نے (اپنی رحمت سے) سکھایا ہے، بے شک میں نے (شروع ہی سے) چھوڑ رکھا ہے اس قوم کے دین کو جو اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتی اور آخرت سے وہ لوگ منکر ہیں۔ (۳۷) اور میں نے اپنے باپ دادوں ابراہیم، اسحاق اور یعقوب کا دین پکڑا، ہمارا کام نہیں کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک کریں یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے ہم پر اور ان سب لوگوں پر، لیکن بہت سے لوگ (اللہ تعالیٰ کا) احسان نہیں مانتے۔ (۳۸)

تفسیر

جب ان دونوں قیدوں میں سے ہر ایک نے آپ کو اپنے اپنے خواب بیان کئے تو آپ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے ان کو ان کی خوابوں کی تعبیر کا وقت مقرر کر دیا کہ کھانے سے پہلے بتادی جائے گی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے یہ وقفہ اس لئے حاصل کیا تھا تا کہ اس دوران وہ اپنی حیثیت ان لوگوں پر واضح کرسکیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں علم کے کمال سے نوازا ہے اور وہ فلاں معزز خاندان سے تعلق رکھتے ہیں تا کہ وہ لوگ آپ کی بات کو اچھے طریقے سے قبول کرسکیں، پھر آپ اپنے پاکیزہ عقیدے کا اظہار کر کے تبلیغ کا فریضہ بھی ادا کرنا چاہتے تھے، اس قسم کا تعارف ہر پیغمبر نے کرایا، وہ اپنی قوم سے فرماتے کہ لوگو میں تمام جہانوں کے پروردگار کی طرف سے پیغمبر بن کر آیا ہوں، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے فرمایا تھا کہ

اے میرے ابا! میرے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا علم آچکا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا، لہٰذا میری پیروی کریں، میں آپ کو سیدھا راستہ بتاتا ہوں، بہر حال یوسف علیہ السلام کو دین کی تبلیغ کا ایک موقع مل گیا تھا جسے وہ نہایت دانشمندانہ طور پر پر اثر طریقے سے استعمال کرنا چاہتے تھے۔

اس آیت کا ایک مفہوم مفسرین کرام نے اس طرح بھی کہا ہے کہ جو کھانا تمہارے گھروں سے یا کسی دوسری جگہ سے آتا ہے اس کے آنے سے پہلے ہی میں تمہیں بتلا دیتا ہوں کہ کس قسم کا کھانا اور کیسا اور کتنا اور کس وقت آئے گا اور وہ ٹھیک اسی طرح نکلتا ہے اور یہ کوئی رمل، جفر کا فن یا کہانت وغیرہ کا شعبدہ نہیں، بلکہ میرا رب وحی کے ذریعہ مجھے بتلا دیتا ہے میں اس کی اطلاع دیدیتا ہوں اور یہ ایک کھلا معجزہ تھا جو آپ کے پیغمبر ہونے کی دلیل اور اعتماد کا بہت بڑا سبب ہے اس کے بعد اول کفر کی برائی اور اس سے اپنی بیزاری بیان کی، فرمایا میں نے ایسے لوگوں کے دین کو شروع سے ہی چھوڑا ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے، حالانکہ میرا رب اور ہم سب کا رب وہی ایک اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے سب کچھ پیدا کیا، وہی سب کی پرورش کرتا ہے اور تمام انسان مرنے کے بعد ایک دن زندہ ہو کر اس کے سامنے حاضر کئے جائیں گے تمہارے خوابوں کی تعبیر بتانے سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ تمہیں اس دین کی باتیں بتادوں، خبر نہیں پھر تمہیں ایسی باتیں سننے کا موقعہ ہاتھ آئے کہ نہ آئے۔

یوسف علیہ السلام نے ان دونوں قیدیوں کو کہا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو نہ ماننے والوں کے طریقے کے بجائے اس طریقے کی پیروی کی جس پر میرے والد یعقوب علیہ السلام اور دادا اسحاق علیہ السلام اور پردادا ابراہیم علیہ السلام چلتے تھے، ہم میں سے کوئی اس بات کے لئے تیار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے برابر کسی اور کو مانے یا اس کے ساتھ اور کسی کو اس کا شریک ٹھہرائے، غور کر کے دیکھا جائے تو یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا عقیدہ جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کھول کر وضاحت سے بیان کیا، ہمارے لئے اور دنیا کے سب لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نعمت ہے لیکن اکثر لوگ اپنی نادانی سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی قدر نہیں کرتے اور نہ اس کا احسان مانتے ہیں، یہاں سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ انسان کو مفید باتوں کا علم اپنے استعداد کے مطابق حاصل کرنا چاہئے اور حاصل کر لینے کے بعد اسے تیار رہنا چاہئے کہ

مناسب موقع ملنے پر وہ اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کرے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک خاص طریقہ زندگی گزارنے کا ایسا ہے جو انسان کے لئے دنیا میں بھی مفید ہے اور مرنے کے بعد اسے چین اور آرام سے رکھے گا اور وہ طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی ذات اور صفات میں ایک مانے، اس کے ساتھ کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اور اس کے سوا کسی کو اپنا حاجت روا نہ سمجھے اور اس کی نافرمانی سے بچے۔

یہاں تک تو یوسف علیہ السلام نے تمہید کے طور پر اپنی خاندانی اور دینی حیثیت اور شخصیت اور اپنے عقیدے کا ذکر کیا ہے اب اگلی آیتوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ اس کے بعد آپ نے قیدیوں کو باقاعدہ توحید کی دعوت دی۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):.... معلوم ہوا کہ حق کی دعوت دینے والوں اور مخلوق کی اصلاح کی خدمت کرنے والوں کا طرزِ عمل یہ ہونا چاہئے کہ پہلے اپنے حسنِ اخلاق اور علمی و عملی کمالات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر اپنا اعتماد قائم کریں، خواہ اس میں ان کو کچھ اپنے کمالات کا اظہار کرنا پڑے، جیسا یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر اپنا معجزہ بھی ذکر کیا اور اپنے بارے میں پیغمبر کے گھرانے کا ایک فرد ہونا بھی ظاہر کیا، اور کمال کا یہ اظہار کرنا مخلوق کی اصلاح کی نیت سے ہو، اپنی ذاتی بڑائی ثابت کرنے کے لئے نہ ہو تو یہ اپنے آپ کو پاکیزہ کہنا اور جتلانا نہیں ہے جس کو قرآن کریم میں ''فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ'' کہہ کر منع کیا گیا ہے یعنی اپنی پاک نفسی کا اظہار مت کیا کرو۔

یوسف علیہ السلام کا پیغام

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ

اے میرے دوساتھیو! جیل خانے کے کیا کئی معبود الگ الگ بہتر ہیں یا اللہ اکیلا

الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ

زبردست (۳۹) نہیں پوجتے تم سوا اس کے مگر چند نام رکھ لیا ہے انہیں تم نے

وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا
اور باپوں تمہارے نے　نہیں　اتاری　اللہ تعالیٰ نے　ان کی　کوئی　سند　نہیں　حکومت　مگر

لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ
واسطے اللہ کے　حکم دیا ہے اس نے　کہ نہ　پوجو تم　مگر خاص اسی کو　یہی　دین ہے　سیدھا　اور　لیکن

اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۰﴾
اکثر　لوگ　نہیں　جانتے　(۴۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ میرے جیل کے ساتھیو(تم ہی بتاؤ) کہ کیا کئی مختلف معبود بہتر ہیں یا ایک اللہ؟(۳۹) جو کہ تنہا ہے اور سب پر غالب ہے اس کے سوا تم جس کی بھی پوجا کرتے ہو، وہ محض کچھ ایسے نام ہیں جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے خود گھڑ لیا ہے (اور بس) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کوئی بھی سند نہیں اتاری اور اسی نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بھی عبادت نہ کرو (اور) سیدھا راستہ یہی ہے لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں۔(۴۰)

تفسیر

اس آیت میں وہ پیغام ہے جو اسلام کی جڑ ہے، جس کی سب پیغمبر دعوت دیتے آئے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ پیغام اپنے زمانے کے دو قیدیوں کو سنایا تھا، لیکن قرآن کریم نے اس کو ان کے قصہ کے ضمن میں ساری دنیا میں ہر زمانے کے لوگوں کے لئے بیان کیا ہے، یہ آیت اس ساری سورت کی روح ہے۔

یوسف علیہ السلام نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو! بھلا یہ تو بتلاؤ کیا جدا جدا معبود بہتر ہیں یا اللہ بہتر ہے جو اکیلا ہے اور سب پر غالب ہے، در اصل مصر کے لوگ ایک تو اللہ تعالیٰ کو ایک سچا خدا ماننے سے انکار کرتے تھے اور دوسرے قیامت کو بھی نہیں مانتے تھے، اس لئے انہوں نے

مختلف معبود بنا رکھے تھے، کیونکہ مشرک کا دل کسی ایک جگہ پر نہیں ٹکتا، وہ کبھی کسی کے پاس جاتا ہے اور کبھی کسی کی طرف دیکھتا ہے، اسی کے پیش نظر یوسف علیہ السلام ان دونوں قیدیوں کو بتانا چاہتے تھے کہ تم نے جو الگ الگ معبود بنا رکھے ہیں ان میں سے کسی کو بھی کوئی اختیار حاصل نہیں، نہ تو وہ کسی کے حالات کو جانتے ہیں اور نہ انہیں قدرت حاصل ہے کہ تمہارے کام بنا سکیں، ذرا عقل سے کام لے کر بتاؤ کہ یہ الگ الگ معبود بہتر ہیں یا وہ اکیلا ہی بہتر ہے جو ہر چیز پر غالب ہے۔

یوسف علیہ السلام نے ان کو شرک کے متعلق فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا تم نے مختلف ناموں پر معبود بنا رکھے ہیں، جن کی تم عبادت کرتے ہو، تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے بتوں کو خود ہی بعض نام دے کر خود ہی گمان کر لیا ہے کہ یہ فلاں کام کرتا ہے اور وہ فلاں حاجت پوری کرتا ہے، حالانکہ حقیقت کچھ نہیں بس نام ہی نام ہے جو تم نے خود ہی ان معبودوں کو دے رکھے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تو ان باطل معبودوں کے حق میں کوئی سند یا دلیل نہیں اتاری، اللہ تعالیٰ نے تو نہیں کہا کہ فلاں کی عبادت کرو یا فلاح سے حاجتیں طلب کرو، بلکہ یہ تو تمہارے خود بنائے ہوئے نام ہیں جو تم نے ان معبودوں کو دے رکھے ہیں حکم اور اختیار تو سارا اللہ ہی کا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت کرنا عقل اور شریعت دونوں کے خلاف ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو یہ فرمایا ہے کہ بندگی صرف اسی ایک اللہ کی کرو، کیونکہ اس کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں، اللہ تعالیٰ کے سوا حاجت کو پوری کرنے والا اور مشکل کو آسان کرنے والا کوئی بھی نہیں، اور سنو یہی مضبوط دین ہے جس کے اصول پکے ہیں اور فطرت کے عین مطابق ہے۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):..... یہاں پر تبلیغ کا ایک اہم اصول یہ بتلایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کی طرف بلانے والا شخص اور لوگوں کی اصلاح کرنے والا، ہر وقت ہر حال میں دعوت وتبلیغ کے فریضہ کو مقدم رکھے، کوئی اس کے پاس

کسی کام کے لئے بھی آئے، وہ اپنے اصلی کام کو نہ بھولے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس یہ قیدی خواب کی تعبیر معلوم کرنے آئے تھے تو یوسف علیہ السلام نے تعبیر بتانے سے پہلے ان کو اللہ تعالیٰ کی توحید کی دعوت دی، اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ دعوت و تبلیغ کسی جلسہ، کسی منبر یا اسٹیج پر ہی ہوا کرتی ہے شخصی ملاقاتوں اور نجی مذاکروں کے ذریعہ یہ کام اس سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

قیدیوں کے خوابوں کی تعبیر

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَ اَمَّا

اے دوساتھیو میرے! جیل خانے کے جو ہے ایک تم میں سے سو! پلائے گا مالک اپنے کو شراب اور جو ہے

الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ

دوسرا سو! سولی دیا جائے گا پس کھائیں گے پرندے سے سر اس کے طے ہوا کام وہ

فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ﴿۴۱﴾ وَ قَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ

بابت جس کی پوچھتے ہو تم (۴۱) اور کہا اس سے جس کو گمان کیا کہ وہ بچے گا ان دو میں سے ذکر کر میرا

عِنْدَ رَبِّكَ ۡ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ

آگے مالک اپنے کے پس بھلا دیا اس کو شیطان نے ذکر کرنا مالک اپنے سے پس رہے وہ بیچ جیل کے

ع ۵ ۷ ۱۵

بِضْعَ سِنِيْنَ ﴿۴۲﴾ؕ

کئی سال (۴۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (یوسف علیہ السلام نے ان دونوں سے) کہا اے میرے جیل کے ساتھیو! تم دونوں میں سے ایک اپنے مالک کو شراب پلائے گا اور دوسرا سولی دیا جائے گا، پھر پرندے اس کے سر میں سے کھائیں گے، (اور سنو!) تم جس خواب کی تعبیر پوچھ رہے ہو اس کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ (۴۱) اور اس شخص سے جس کے بارے میں

گمان کیا تھا کہ ان دونوں سے میں جو زندہ بچے گا کہا، کہ اپنے مالک کے آگے میرا ذکر کرنا، سو! اس کو شیطان نے اپنے مالک سے ذکر کرنا بھلا دیا، پھر یوں کئی سال وہ (یوسف علیہ السلام) قید میں رہے۔ (۴۲)

تفسیر

حضرت یوسف علیہ السلام نے دونوں قیدوں کی تعبیر الگ الگ بتادی اور کہا کہ تم میں سے ایک تو اپنے بادشاہ کو شراب پلاتا رہے گا، یعنی: وہ بَری ہو کر اپنی ڈیوٹی پر بحال ہو جائے گا اور دوسرا سولی پر لٹکا دیا جائے گا اور پرندے اس کا سر نوچ نوچ کر کھائیں گے اور یہ دونوں باتیں تمہارے واسطے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر ہو چکی ہیں جو ہو کر رہیں گی۔

چنانچہ اس تعبیر کے بیان کرنے کے تین دن بعد ایسا ہی ہوا ساقی بحال ہو گیا اور شاہی باورچیوں کے انچارج کو سولی پر لٹکانے کا حکم ہوا، اس زمانے میں رواج تھا کہ سولی پر لٹکا کر لاش کو چند دن کے لئے لٹکتا چھوڑ دیتے تھے تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت حاصل ہو، اس دوران جانور وغیرہ لاش کو نوچنا شروع کر دیتے تھے، چنانچہ خواب کی تعبیر بالکل وہی نکلی جو یوسف علیہ السلام نے بتائی تھی، پرندوں نے اس شخص کے سر کو نوچ نوچ کر کھایا اور دوسرا شخص بادشاہ کو شراب پلانے پر دوبارہ مامور ہو گیا۔

آگے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام سے ہونے والی ایک بات کا ذکر فرمایا ہے جو ان کی شان کے مطابق نہ تھی، وہ یہ کہ جس شخص کے متعلق یوسف علیہ السلام کو یقین تھا کہ وہ بچ جائے گا اس سے آپ نے فرمایا کہ جب تو رہا ہو کر اپنے بادشاہ کے ہاں ملازم لگ جائے گا تو ان کے سامنے میرا ذکر کرنا کہ ایک بے قصور شخص خواہ مخواہ جیل کی سزا کاٹ رہا ہے، مگر ہوا یہ کہ جب وہ بَری ہو کر بادشاہ کے ہاں اپنی ڈیوٹی پر بحال ہو گیا تو شیطان نے اس کو یوسف علیہ السلام کا ذکر بادشاہ کے سامنے کرنا بھلا دیا، یوسف علیہ السلام کی بات اس کے ذہن سے ہی نکل گئی، نہ اس نے بادشاہ کے سامنے ذکر کیا اور نہ یوسف علیہ السلام کا معاملہ زیر غور آیا، لہٰذا آپ مزید کئی سال تک جیل میں رہے۔

اس تفسیر میں مفسرین کرام نے بہت سی باتیں کی ہیں مثلاً: بعض فرماتے ہیں کہ آیت کے اس حصہ کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے یوسف علیہ السلام کو اپنے پروردگار کی طرف دھیان کرنے سے بھلا دیا، انہیں قید سے رہائی کے لئے رب العزت کی طرف نگاہ کرنی چاہئے تھی، مگر آپ نے ایک ساتھی قیدی کی سفارش کا سہارا تلاش کیا یہی بات آپ کی شان کے مناسب نہ تھی، اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے یوسف علیہ السلام کی محبت آپ کے باپ کے دل میں ڈالی، پھر اسی رب نے آپ کو کنویں سے نجات دی، پھر عزیز مصر کے دل میں آپ کی محبت پیدا کی اور آپ کو برائی سے بچایا، شیطان نے اس پروردگار کی طرف سے یوسف علیہ السلام کو غفلت میں ڈال دیا، چنانچہ آپ نے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنا معاملہ پیش کرنے کی بجائے اس قیدی کی سفارش کا سہارا لینا چاہا، بعد میں یوسف علیہ السلام کو اس پر تنبیہ ہوئی تو آپ رونے لگے، مگر اس کے نتیجے میں آپ کی آزمائش کا عرصہ بڑھ گیا اور آپ کو مزید کئی سال قید میں رہنا پڑا۔

آپ کو جب اس بات کا احساس ہوا تو آپ نے رب کے حضور التجا کرتے ہوئے عرض کیا کہ مصیبتوں پر مصیبتوں کے آنے کی وجہ سے میرا ذہن فوری طور پر آپ کی طرف متوجہ نہ ہوسکا، غرضیکہ مفسرین نے یہاں پر دونوں معنی بیان کئے ہیں کہ شیطان نے اس قیدی کو بھلا دیا کہ وہ یوسف علیہ السلام کا ذکر بادشاہ کے پاس کرتا یا یوسف علیہ السلام کو بھلا دیا کہ وہ اپنے پروردگار کی طرف رجوع کرتے۔

احکام ومسائل

پیغمبرانہ شفقت کی عجیب مثال

ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اگرچہ ان دونوں کے خواب الگ الگ تھے اور ہر ایک کی تعبیر متعین تھی اور یہ بھی متعین تھا کہ بادشاہ کو شراب پلانے والا شخص بری ہو کر اپنی ملازمت پر پھر لگ جائے گا اور باورچیوں کے انچارج کو سولی دی جائے گی، مگر پیغمبرانہ شفقت کہ وجہ سے متعین کر کے نہیں فرمایا کہ تم میں سے فلاں کو سولی دی جائے گی تاکہ وہ ابھی سے غم میں نہ گھلے، بلکہ اجمالی طور پر یوں فرمایا کہ تم میں سے ایک رہا ہو جائے گا اور دوسرے کو سولی دی جائے گی۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی کا قدرتی سامان

وَ قَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ

اور کہا بادشاہ نے بیشک میں دیکھتا ہوں سات گائیں موٹی کھا رہی ہیں ان کو سات

عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ؕ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ

دبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری خشک اے سردارو!

اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ۝۴۳ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ

بتاؤ مجھے میں بارے خواب میرے کہ اگر ہو تم واسطے خواب کے تعبیر دیتے (۴۳) بولے گٹھریں

اَحْلَامٍ ۚ وَ مَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ۝۴۴ وَ قَالَ الَّذِیْ

پریشان خوابوں کے اور نہیں ہم ساتھ تعبیر پریشان خوابوں کی کے واقف (۴۴) اور کہا اس نے جو

نَجَا مِنْهُمَا وَ ادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ۝۴۵

بچا تھا ان دونوں میں اور یاد کیا بعد مدت کے میں بتاتا ہوں تمہیں تعبیر اس کی سو! مجھے روانہ کرو (۴۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بادشاہ نے کہا میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات سوکھی ہیں اے دربار والو! مجھے میرے خواب کی تعبیر بتاؤ اگر تم خواب کی تعبیر بتاتے ہو۔(۴۳) (درباری بولے) یہ خیالی خواب ہیں اور ہم کو ایسے خوابوں کی تعبیر معلوم نہیں۔(۴۴) اور ان دونوں (قیدیوں) میں سے جس ایک نے رہائی پائی تھی اس کو مدت کے بعد (یوسف علیہ السلام کی بات) یاد آئی، بولا میں تم کو اس کی تعبیر بتاؤں، سو! تم مجھے بھیجو۔(۴۵)

تفسیر

حضرت یوسف علیہ السلام کے ایک عرصہ تک جیل میں رہنے کے بعد اللہ رب العزت نے ان کی رہائی کا سامان

پیدا فرمایا، ہوا یہ کہ مصر کے بادشاہ نے خواب دیکھا کہ سات دبلی گائیں موٹی گائیوں کو کھا رہی ہیں اور سات سرسبز بالیں ہیں اور دوسرے سات خشک ہیں جو سرسبز خوشوں کے ساتھ لپٹ رہے ہیں اور ایسا کرنے سے سرسبز خوشوں کی رونق ختم ہو رہی ہے، مطلب یہ کہ جس طرح دبلی گائیں موٹی گایوں کو نگل رہی تھیں اسی طرح خشک خوشے سرسبز خوشوں کو کھا رہے تھے۔

اس خواب کو دیکھنے کے بعد باشاہ پریشان ہو گیا اس نے فوراً اپنے تمام درباریوں کو بلوایا جن میں وزیر امیر اور بڑے بڑے عہدیدار شامل تھے، مفسرین فرماتے ہیں کہ بادشاہ نے اپنے درباریوں کے علاوہ بڑے بڑے نجومیوں اور کاہنوں کو بھی طلب کرلیا، پھر جب سب جمع ہو گئے تو بادشاہ نے انہیں خطاب کیا کہ اے درباریو! مجھے میرے خواب کی تعبیر بتلاؤ اگر تم خوابوں کی تعبیر جانتے ہو، خواب کی تفصیل سن کر وہ سب لوگ کہنے لگے کہ یہ تو پریشان خواب ہیں ایسے خوابوں کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی ہم تو ایسے پریشان خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے، یہ تو محض وہم اور خیالات ہیں جو اکثر انسانوں کو سوتے میں آتے رہتے ہیں، غرضیکہ وہ لوگ خواب کی تعبیر بتانے سے عاجز آ گئے اور انہوں نے جھوٹی تسلی سے بادشاہ کو ٹالنے کی کوشش کی۔

ان درباریوں میں یوسف علیہ السلام کا ساتھی قیدی بھی تھا جسے یوسف علیہ السلام نے خواب کی ٹھیک تعبیر بتلائی تھی اور پھر وہ قید سے رہا ہو کر دوبارہ اپنی ملازمت میں بحال ہو گیا تھا اتنا عرصہ تو وہ یوسف علیہ السلام کو فراموش کئے رہا اور شیطان نے اس کو بھلا دیا، یہ بات اس کے ذہن سے ہی نکل گئی کہ یوسف علیہ السلام نے اسے شاہی دربار میں آپ کا ذکر کرنے کے لئے کہا تھا اب جب بادشاہ کو عجیب وغریب خواب آیا تو اس کا دھیان فوراً یوسف علیہ السلام کی طرف گیا کہ وہ شخص خوابوں کی تعبیر کا ماہر ہے تو کہنے لگا میں تمہیں اس خواب کی تعبیر بتلاؤں گا تم مجھے اس کے پاس بھیجو۔

اس وقت اس نے یوسف علیہ السلام کے کمالات اور خواب کی تعبیر میں مہارت اور پھر مظلوم ہو کر قید میں گرفتار ہونے کا ذکر کر کے یہ چاہا کہ مجھے جیل خانہ میں ان سے ملنے کی اجازت دی جائے، بادشاہ نے اس کا انتظام کیا وہ

یوسف علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا، قرآن کریم نے اس تمام واقعہ کو صرف ایک لفظ ''فَاَرْسِلُوْنِ'' فرما کر بیان کیا ہے جس کے معنی ہیں مجھے بھیج دو، یوسف علیہ السلام کا تذکرہ پھر سرکاری منظور اور پھر جیل خانہ تک پہنچنا، یہ واقعات خود ضمنی طور پر سمجھ میں آجاتے ہیں اس لئے ان کی تصریح کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

خواب کی تعبیر

یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ

اے یوسف اے ٹھیک بات بتانے والے بتا ہم کو بارے میں سات گایوں موٹی تازی کھا رہی ہیں ان کو

سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۙ لَّعَلِّیْۤ

سات دبلی (گائیں) اور سات بالوں سبز کے اور دوسری سوکھی کے تاکہ میں

اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ

لوٹوں طرف لوگوں کی شاید وہ جان جائیں (۴۶) کہا بوؤ گے تم سات

سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا

سال لگاتار پس جو کاٹ لو تم پس چھوڑ دو اسے میں خوشہ اس کے مگر تھوڑا سا

مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ

جو کھاؤ گے تم (۴۷) پھر آئیں بعد اس کے سات سخت قحط کے سال کھا جائیں گے

مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ یَاْتِیْ

جو رکھا تم نے واسطے ان کے مگر تھوڑا سا تم جو بچاؤ گے (۴۸) پھر آئے گا

ع ۶ ۱۶ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَ فِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

بعد اس کے ایک سال بیچ جس کے مینہ دیئے جائیں گے لوگوں کو اور بیچ جس کے نچوڑیں گے وہ (۴۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے سچے یوسف (اس خواب کے بارے میں) ہمیں پکی بات بتائیں کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھائے جارہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات سوکھی ہیں، تاکہ میں لوٹ کر (درباریوں کے پاس) جاؤں اور (اس خواب کی تعبیر) انہیں بھی معلوم ہوجائے۔(۴۶) (یوسف نے) فرمایا کہ: تم سات سال تک خوب کھیتی کروگے، پھر اس کو جب کاٹو تو اس کو اس کے خوشوں میں ہی رہنے دینا، مگر تھوڑا سا (بقدر ضرورت) جو تم کھاؤ (وہ نکال لینا)۔(۴۷) پھر اس کے بعد سات سال سخت قحط سالی کے آئیں گے اور وہ سارا (غلہ جو تم نے بچا کر رکھا تھا سب) کھا جائیں گے، مگر تھوڑا سا جو تم بیجنے کے لئے محفوظ بچا رکھو (وہی باقی رہے گا)۔(۴۸) پھر اس کے پیچھے ایک ایسا سال آئے گا اس میں لوگوں پر مینہ برسے گا اور اس میں وہ (پھلوں کا) رس نچوڑیں گے۔(۴۹)

تفسیر

بادشاہ کی طرف سے اجازت ملنے پر یہ شخص یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچا اور آپ سے بادشاہ کا خواب بیان کیا اور کہا کہ اس خواب کی اصلی اور سچی تعبیر بتایئے کہ بادشاہ کو پریشانی سے نجات ہو اور بادشاہ اور اس کے درباریوں کو بھی اس خواب کی تعبیر معلوم ہوجائے، اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس خواب کی تعبیر بتانے سے شاید کہ لوگوں کو آپ کے مرتبے کا بھی علم ہوجائے، لوگوں کو پتہ چل جائے کہ کتنی شان والا ایک بے گناہ آدمی جیل میں پڑا ہوا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا علم عطا کیا ہے جس کے ذریعہ آپ اس قدر پوشیدہ چیزوں کو بھی پہچان لیتے ہیں۔

اس جگہ پر مفسرین فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کا اخلاق کس قدر بلند تھا کہ آپ نے خواب کی تعبیر معلوم کرنے والے سے کوئی گلہ وشکوہ نہیں فرمایا، حالانکہ اس سے پہلے آپ اسے اس کے خواب کی تعبیر ٹھیک بتاچکے تھے اور بادشاہ کے ہاں اپنا ذکر کرنے کے لیے بھی کہا تھا، مگر وہ شخص بھول گیا اور اس نے بادشاہ کے پاس آپ کی کوئی بات نہ کی، بہرحال اس کے سوال کے جواب میں نہ صرف اس کو خواب کی تعبیر بتلائی بلکہ وہ باتیں بھی

بتائیں جو پورے ملک کی معیشت کے لئے نہایت فائدہ مند تھیں گویا آپ نے ہمدردی اور خیر خواہی کا پورا پورا حق ادا کیا۔

آپ نے فرمایا کہ: سات موٹی گائیں اور سات ہری بالیں سات سال تک خوش حالی کی اور سات دبلی گائیں اور سات سوکھی بالیں سات سال تک خشک سالی کی نشانی ہیں کہ اس میں تم خوب کھیتی باڑی کرو گے اس کے بعد مناسب تدبیر بتاتے ہوئے فرمایا کہ سات سال کی پیداوار جتنی تمہارے کھانے کی ضرورت ہو اتنا غلہ نکال لو باقی ساری پیداوار کو اس کے خوشوں ہی میں رہنے دینا، ان سے اناج باہر نہ نکالنا، کیونکہ جب اناج خوشوں سے باہر آجائے تو پھر وہ زیادہ عرصہ تک محفوظ نہیں رہتا، بلکہ اس میں کیڑا وغیرہ لگ جاتا ہے اور اناج ضائع ہو جاتا ہے لہٰذا اسے لمبے عرصہ تک استعمال کرنے کے قابل رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اسے خوشوں سے نہ نکالنا، بلکہ خوشوں ہی میں محفوظ کر لینا، سوائے تھوڑے سے حصے کے جو تم نے استعمال کرنا ہے باقی سارا محفوظ کر لینا۔

فرمایا: پھر اس کے بعد سات سال بڑے سخت آئیں گے، یعنی: ملک میں قحط پڑ جائے گا، بارش نہیں ہوگی، اناج پیدا نہیں ہوگا، تو پہلے سات سالوں میں تمہارا بچایا ہوا غلہ ان سات سالوں میں تمہارے کام آئے گا، اس قحط سالی میں قحط زدہ سال تمہارے بچائے ہوئے غلے کو کھا جائیں گے، سوائے اس تھوڑے سے غلہ کے جسے تم خوشوں میں محفوظ رکھو گے، خواب کی تعبیر بتاتے ہوئے یوسف علیہ السلام نے پہلے سات سال خوشحالی کے سالوں کا ذکر کیا، پھر آپ نے پندرہویں سال کے بارے میں فرمایا کہ اس کے بعد ایک اور سال آئے گا جس میں لوگوں پر خوب بارش برسے گی، سبزی پھل اور اناج کی فراوانی ہو جائے گی اور قحط سالی کا عرصہ ختم ہو جائے گا۔

بادشاہ کے خواب میں تو بظاہر اتنا ہی معلوم ہوا تھا کہ سات سال اچھی پیداوار کے ہونگے، پھر سات سال قحط کے، مگر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس پر ایک اضافہ یہ بھی بیان فرمایا کہ قحط کے سال کے بعد پھر ایک سال خوب بارش اور پیداوار کا ہوگی اس کا علم یوسف علیہ السلام کو یا تو اس سے ہوا کہ جب قحط کے سال کل سات ہی ہیں تو عادۃ اللہ کے مطابق آٹھواں سال بارش اور پیداوار کا ہوگا اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی یوسف علیہ السلام کو اس کی خبر دیدی تھی تاکہ خواب کی تعبیر سے بھی کچھ زیادہ خبر ان کو پہونچے، جس سے یوسف علیہ السلام کا

فضل اور کمال ظاہر ہو کر ان کی رہائی کا سبب بنے اور اس پر مزید یہ ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام تعبیر ہی پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ اس کے ساتھ ایک حکیمانہ اور ہمدردانہ مشورہ بھی دیا کہ پہلے سات سال میں کھانے کی ضرورت سے زیادہ جو پیداوار ہو اس کو گندم کے خوشوں ہی میں محفوظ رکھنا، تاکہ گندم پرانا ہونے کے بعد کیڑا نہ لگ جائے، یہ تجربہ کی بات ہے کہ جب تک غلہ خوشہ کے اندر رہتا ہے غلہ کو کیڑا نہیں لگتا۔

بادشاہ کی طرف سے بلاوا

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ پاس میرے اسے پس جب آیا پاس اس کے قاصد کہا اس نے لوٹ جا

اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ ؕ اِنَّ

پاس مالک اپنے کے پس پوچھ اس سے کیا واقعہ ہے ان عورتوں کا جنہوں نے کاٹ لئے تھے ہاتھ اپنے تحقیق

رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ۝۵۰ قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ

رب میرا داؤ ان کے سے واقف ہے (۵۰) کہا بادشاہ نے کیا قصہ تھا تمہارا جب پھسلانا چاہا تم نے یوسف کو

عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ

سے آپ اپنے سے بولیں سبحان اللہ! نہیں معلوم کی ہم نے اس پر کچھ برائی

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ

بولی عورت عزیز کی اب ظاہر ہوگئی حقیقت میں نے ہی پھسلانا چاہا اسے

عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝۵۱ ذٰلِكَ لِیَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ

سے آپ اپنے سے اور بیشک وہ میں سے ہے سچوں (۵۱) یہ تھا تاکہ جان لے وہ کہ میں نے نہیں

اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ كَیْدَ الْخَآئِنِیْنَ ۝۵۲

خیانت کی اس کی چھپ کر اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نہیں چلنے دیتا فریب دغابازوں کا (۵۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لے آؤ، پھر جب اس کے پاس بھیجا ہوا آدمی پہنچا تو (یوسف علیہ السلام نے) کہا کہ اپنے مالک کے پاس لوٹ جا اور اس سے پوچھو کہ کیا حقیقت ہے ان عورتوں کی جنہوں نے بُری طرح اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، میرا رب تو ان کا فریب جانتا ہے۔(۵۰) بادشاہ نے (عورتوں کو جمع کر کے) کہا کہ جب تم نے یوسف کو اپنے آپے میں رہنے سے پھسلانا چاہا تو کیا واقعہ ہوا تھا، (زلیخا کی سہیلیاں) بولیں سبحان اللہ! ہمیں اس کے خلاف کسی برائی کا علم نہیں ہے عزیز کی بیوی (زلیخا) نے کہا اب سچی بات کھل گئی ہے (وہ یہ ہے کہ) میں نے ہی اس کو (برائی کے لئے) پھسلایا تھا اور حقیقت یہی ہے کہ وہ سچا ہے۔(۵۱) یوسف نے کہا یہ سب (بادشاہ کے ذریعہ اس واقعہ کی تحقیق کروانا وغیرہ) اس لئے تھا تاکہ عزیز جان لے کہ میں نے در پردہ اس کی کوئی خیانت نہیں کی اور یہ کہ اللہ تعالیٰ دھوکہ دینے والوں کا فریب نہیں چلنے دیتا۔(۵۲)

تفسیر

قصہ کے پچھلے حصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب یہ شخص خواب کی تعبیر معلوم کر کے بادشاہ کے پاس پہونچا اور اس کو خبر دی تو وہ اس سے مطمئن ہو گیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کے فضل وکمال کا معتقد ہو گیا، مگر قرآن کریم نے ان سب چیزوں کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی، کیونکہ یہ خود بخود سمجھ میں آجاتی ہے۔

بہرحال! اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ یوسف علیہ السلام کو جیل خانہ سے میرے پاس حاضر کیا جائے اور دربار میں لایا جائے، چنانچہ بادشاہ کا کوئی قاصد بادشاہ کا پیغام لے کر جیل خانہ پہونچا۔

موقع بظاہر اس کا تھا کہ یوسف علیہ السلام جیل خانہ کی لمبی مدت سے عاجز آرہے تھے اور خلاصی چاہتے تھے جب بادشاہ کا پیغام پہنچا تو فوراً تیار ہو کر ساتھ چل دیتے، مگر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو جو بلند مقام عطا فرماتے ہیں اس کو دوسرے لوگ سمجھ بھی نہیں سکتے، چنانچہ آپ نے اس قاصد کو جواب یہ دیا کہ تم اپنے بادشاہ کے پاس واپس

جا کر پہلے یہ معلوم کرو کہ آپ کے نزدیک ان عورتوں کا معاملہ کس طرح ہے جنہوں نے بری طرح اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے کیا اس واقعہ میں وہ مجھے مشکوک سمجھتے ہیں اور میرا قصور قرار دیتے ہیں؟

یوسف علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ مجھ پر جو الزام لگایا گیا تھا پہلے اس کی تحقیق کر لی جائے اور میرے متعلق ان عورتوں کی شہادت لے لی جائے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، اس کے بعد میں جیل سے باہر آؤں گا، آپ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ مذکورہ معاملہ میں قصور سارا ان عورتوں کا تھا اور میں بالکل بے گناہ تھا آپ اپنی بے گناہی کو ثابت کئے بغیر مصر کے معاشرے میں واپس نہیں آنا چاہتے تھے، کیونکہ ایسا کرنے سے لوگوں کے دلوں میں آپ کے متعلق شکوک وشبہات باقی رہ سکتے تھے، چنانچہ قاصد نے واپس آکر بادشاہ سے یہی بات کی تو بادشاہ کو بھی یہ بات پسند آئی اور وہ یوسف علیہ السلام کے بلند اخلاق سے مزید متاثر ہو گیا۔

دراصل یوسف علیہ السلام نے شاہی پیغام سے یہ اندازہ کر لیا تھا کہ اب جیل سے رہائی کے بعد بادشاہ مجھے کوئی اعزاز دیں گے، اس وقت دانشمندی کا تقاضا یہ تھا کہ جس عیب کی تہمت ان پر لگائی گئی تھی اور جس کی وجہ سے آپ جیل میں ڈالے گئے تھے اس کی حقیقت بادشاہ اور سب لوگوں پر پوری طرح واضح ہو اور ان کی بے گناہی میں کسی کو شبہ نہ رہے، ورنہ اس کا انجام یہ ہوگا کہ شاہی اعزاز سے لوگوں کی زبانیں تو بند ہو جائیں گی، مگر ان کے دلوں میں یہ خیالات کھٹکتے رہیں گے کہ یہ وہی شخص ہے جس نے اپنے آقا کی بیوی پر بری نیت سے ہاتھ ڈالا تھا اور ایسے حالات کا پیدا ہو جانا بھی شاہی درباروں میں کچھ بعید نہیں کہ کسی وقت بادشاہ بھی لوگوں کے ایسے خیالات سے اثر لے لے؛ اس لئے رہائی سے پہلے اس معاملہ کی صفائی اور تحقیق کو ضروری سمجھا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام بادشاہ کے پیغام آنے پر جیل سے باہر آجاتے تو یہ کوئی بری بات نہ تھی، بلکہ ایسا کرنا بالکل جائز تھا، مگر یوسف علیہ السلام چونکہ لوگوں کے رہبر تھے اس لئے انہوں نے باہر آنے سے پہلے اپنی پوزیشن کی وضاحت کو ضروری خیال کیا، اس لئے کہ رہائی کے بعد آپ پیغمبر کی حیثیت اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچانے والے تھے اور لوگوں کی اصلاح کا مشن شروع کرنے والے تھے اس لئے آپ نہیں

چاہتے تھے کہ کوئی شخص آپ کے کردار پر انگلی اٹھا سکے اور اس طرح آپ کے مشن میں رکاوٹ پیدا ہو۔

یہاں یہ بات بھی ہے کہ اصل مقصود اپنی بے گناہی کا ثبوت تھا، وہ ان عورتوں سے بھی ہوسکتا تھا اور اس میں عورتوں کی بھی کوئی زیادہ رسوائی نہ تھی اگر وہ سچی بات کا اقرار بھی کر لیتیں تو صرف مشورہ ہی کی مجرم ٹھہرتیں، بخلاف عزیز کی بیوی کے کہ اس کو تحقیقات کا ہدف بنایا جاتا، تو اس کی بے عزتی زیادہ تھی اور اس کے ساتھ ہی یوسف علیہ السلام نے فرمایا میرا پروردگار تو ان کے جھوٹ اور مکروفریب کو جانتا ہی ہے میں چاہتا ہوں کہ بادشاہ بھی واقعہ کی حقیقت سے واقف ہو جائیں، جس میں ایک خوبصورت انداز سے اپنی بے گناہی کا اظہار بھی ہے۔ واللہ اعلم

بہر حال حضرت یوسف علیہ السلام کی خواہش کے مطابق بادشاہ نے آپ کے خلاف لگائے گئے الزام کے متعلق تحقیق کرنے کا فیصلہ کیا اس نے ان تمام بیگمات کو سمیت عزیز کی بیوی کے طلب کیا، جب وہ سب اکٹھی ہوگئیں تو بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ تمہارا یوسف کے ساتھ کیا معاملہ ہوا تھا؟

یوسف علیہ السلام نے تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہوئے کسی ایک عورت کا نام نہیں لیا کہ فلاں عورت کے بارے میں تفتیش کی جائے، جس نے میری قمیص پھاڑ دی تھی اس کی ایک وجہ مفسرین یہ فرماتے ہیں کہ عزیز مصر کے گھر میں آپ کی پرورش ہوئی تھی اور آپ کو اس کے احترام کا لحاظ تھا آپ نے عزیز مصر کی بیوی کا نام لینے کے بجائے سب عورتوں کا ذکر نہایت لطیف پیرائے میں کیا کہ ان سب کے متعلق تحقیق کی جائے، جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، اسی طرح بادشاہ نے بھی براہ راست عزیز مصر کی بیوی سے پوچھنے کے بجائے ان عورتوں سے پوچھا کہ اس معاملے کی کیا حقیقت ہے؟

مطلب یہ تھا کہ تم نے یوسف کو پرہیز گار پایا، یا بدچلن دیکھا، اس کا جواب میں سب عورتوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ سبحان اللہ ہم نے تو یوسف میں کسی قسم کی برائی نہیں دیکھی، تمام عورتیں جو اس معاملہ میں ملوث تھیں سب نے اقرار کیا کہ یوسف علیہ السلام بالکل پاک صاف ہیں اور اس طرح یوسف علیہ السلام کا دامن بالکل صاف ہو گیا۔

یہ بات تو دعوت میں بلائی گئیں سب عورتوں نے بالاتفاق کی، مگر اس سارے معاملہ کی اصل ذمہ دار زلیخا

تھی، جس نے شروع میں یوسف علیہ السلام پر الزام لگایا تھا، مگر اب اس کا ذہن پختہ ہو چکا تھا اور وہ یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا برملا اعلان کرنا چاہتی تھی، عزیز کی بیوی نے کہا اب سچی بات ظاہر ہو گئی ہے میں نے ہی اسے بدکاری کے لئے پھسلانا چاہا تھا اور اس معاملہ میں وہ بالکل سچا ہے اور بے قصور ہے۔

زلیخا نے اپنی محبت کا برملا اظہار کر دیا، کیونکہ جب وہ محبت میں پختہ ہو گئی تو اسے بدنامی کا ڈر بھی نہ رہا اور اس نے اپنے قصور اور یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کا واضح طور پر اعلان کر دیا۔

قرآن کریم میں حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی میں تاخیر اور زلیخا اور اس کی سہیلیوں سے معاملہ کی تحقیقات کرانے کی دو حکمتیں بیان فرمائی گئی ہیں:

پہلا یہ کہ میں نے یہ تاخیر اس لئے کی کہ عزیز مصر کو یقین ہو جائے کہ میں نے اس کی غیر موجودگی میں اس کے حق میں کوئی خیانت نہیں کی۔

عزیز مصر کی یقین دہانی کی زیادہ فکر اس لئے ہوئی کہ یہ بہت بُری صورت ہوگی کہ عزیز مصر کے دل میں میری طرف سے شبہات رہیں اور پھر شاہی اعزاز کی وجہ سے وہ کچھ نہ کہہ سکیں، وہ چونکہ ایک زمانہ تک آقا کی حیثیت سے رہ چکا تھا، اس لئے یوسف علیہ السلام کی شرافت نفس نے اس کی برملا بے آبروئی کو گوارا نہ کیا اور یہ بھی ظاہر تھا کہ جب عزیز مصر کو بے گناہی کا یقین ہو جائے گا تو دوسرے لوگوں کی زبانیں خود بند ہو جائیں گی۔

دوسری حکمت یہ ارشاد فرمائی گئی کہ یہ تحقیقات اس لئے کرائی کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔

علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اس میں اشارہ زلیخا اور اس کے شوہر عزیز مصر دونوں کی طرف ہے اس لئے کہ زلیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ گناہ کا ارادہ کیا اور دروازے بند کر کے آپ کو گناہ کی طرف بلایا، اس طرح اس نے اپنے شوہر کے ساتھ خیانت کی اور عزیز مصر نے باوجود یہ کہ اسے پتہ چل چکا تھا کہ اس معاملہ میں یوسف علیہ السلام بے قصور ہیں اور قصور زلیخا ہی کا ہے، اس کے باوجود اس نے انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کے الٹا

بیوی کی سفارش پر حضرت یوسف کو بے قصور جیل بھیج دیا، اس طرح اس نے اپنے اختیارات اور اقتدار کو ناجائز استعمال کر کے اللہ تعالیٰ کی امانت میں خیانت کی، کیونکہ اختیار اور اقتدار اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔

احکام ومسائل

یہاں تک جو حالات وواقعات یوسف علیہ السلام کے آپ نے سنے ہیں ان میں بہت سے فائدے اور مسائل اور انسانی زندگی کے لئے اہم ہدایتیں پائی جاتی ہیں وہ یہ ہیں:

مسئلہ (۱):.... اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے خود ہی غیبی انتظام فرماتے ہیں ان کے بارے میں کسی مخلوق کا احسان مند ہونا گوارا نہیں فرماتے، یہی وجہ ہوئی کہ یوسف علیہ السلام نے جو رہا ہونے والے قیدی سے کہا تھا کہ بادشاہ سے میرا ذکر کرنا اس کو تو بھلا دیا گیا اور پھر غیب سے ایک تدبیر ایسی کی گئی جس میں یوسف علیہ السلام کسی کے احسان مند بھی نہیں ہوئے اور پوری عزت اور شان وشوکت کے ساتھ جیل سے رہائی کا مقصد بھی پورا ہو گیا۔

اس کا یہ سامان کیا کہ بادشاہ مصر کو ایک پریشانی والا خواب دکھلایا، جس کی تعبیر سے اس کے درباری اہل علم عاجز ہوئے اس طرح ان کو ضرورتمند ہو کر یوسف علیہ السلام کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

مسئلہ (۲):.... اس میں عمدہ اخلاق کی تعلیم ہے کہ رہا ہونے والے قیدی نے یوسف علیہ السلام کا اتنا کام نہ کیا کہ بادشاہ سے ذکر کر دیتا اور ان کو مزید کئی سال قید کی مصیبت میں گزارنے نہ پڑتے، اب اتنے سالوں کے بعد جب وہ اپنا مطلب (خواب کی تعبیر) لے کر حاضر ہوا تو عام انسانی عادت کا تقاضا تھا کہ اس کو ملامت کرتے اس پر ناراضگی کا اظہار کرتے، کہ تجھ سے اتنا کام نہ ہو سکا، مگر یوسف علیہ السلام نے اپنے پیغمبرانہ اخلاق کا اظہار فرمایا کہ اس کو ملامت تو کیا اس قصہ کا ذکر تک بھی نہیں کیا۔

مسئلہ (۳):.... جس طرح انبیاء علیہم السلام اور علماء امت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کی آخرت درست کرنے کی فکر کریں، ان کو ایسے کاموں سے بچائیں جو آخرت میں عذاب کا سبب بنیں گے، اسی طرح ان کو

مسلمانوں کے معاشی حالات پر بھی نظر رکھنا چاہیے تاکہ وہ پریشان نہ ہوں، جیسے یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر صرف تعبیر خواب بتا دینے کو کافی نہ سمجھا، بلکہ یہ دانشمندانہ اور خیر خواہانہ مشورہ بھی دیا کہ پیداوار کے تمام گیہوں کو خوشوں یعنی سٹوں کے اندر رہنے دیں اور ضرورت کے بقدر صاف کر کے غلہ نکالیں، تاکہ آخر سالوں تک خراب نہ ہو جائے۔

مسئلہ (۴): ..... عالم اور رہنما کو اس کی بھی فکر رہنی چاہیے کہ اس کی طرف سے لوگوں میں بدگمانی پیدا نہ ہو، اگرچہ وہ بدگمانی سراسر غلط ہی کیوں نہ ہو، اس سے بھی بچنے کی تدبیر کرنا چاہیے، کیونکہ بدگمانی خواہ کسی جہالت یا کم فہمی ہی کے سبب سے ہو، بہر حال ان کی دعوت وارشاد کے کام میں خلل انداز ہوتی ہے لوگوں میں اس کی بات کا وزن نہیں رہتا (قرطبی) پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تہمت کے مواقع سے بچو، یعنی ایسے حالات اور موقعوں سے بھی اپنے آپ کو بچاؤ جن میں کسی کو آپ پر تہمت لگانے کا موقع ہاتھ آئے، یہ حکم تو عام مسلمانوں کے لئے ہے خواص اور علماء کو اس میں دوہری احتیاط لازم ہے خود پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام عیبوں اور گناہوں سے معصوم ہیں آپ نے بھی اس کا اہتمام فرمایا، چنانچہ ایک مرتبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف میں تھے کہ ازواج مطہرات میں سے امّ المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے مسجد میں تشریف لائیں، جب واپس جانے لگی تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مسجد نبوی کے دروازے تک تشریف لائے اور پھر وہیں کھڑے کھڑے کچھ باتیں کرنے لگے، اتنے میں دو انصار صحابہ کا وہاں سے گزر ہوا، جب انہوں نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو جلدی سے دہاں سے گزر گئے، آپ نے ان دونوں کو بلا کر فرمایا کہ یہ میری بیوی ہے اس پر ان دونوں صحابہ نے عرض کیا کہ سبحان اللہ! اے اللہ کے رسول! کیا ہم آپ پر بے اعتماد ہو سکتے ہیں، اس پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: شیطان انسان میں اتنی رفتاری سے وسوسہ ڈالتا ہے جس تیز رفتاری سے انسانی جسم میں خون گردش کرتا ہے؛ اس لئے مجھے خوف ہوا کہ کہیں شیطان تمہیں وسوسہ ڈال کر میرے متعلق غلط فہمی میں نہ ڈالدے، اس لئے میں نے تم دونوں کو واپس بلا کر وضاحت کر دی کہ یہ میری بیوی ہے کوئی اور نہیں۔

الجزء ۱۳

حضرت یوسف علیہ السلام کی انکساری

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ
اور نہیں پاک کہتا میں نفس اپنے کو تحقیق نفس البتہ حکم کرنے والا ہے برائی کا مگر جس کو رحم کیا

رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾
رب میرے نے یقیناً رب میرا بخشنے والا مہربان ہے (۵۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور میں اپنے آپ کو پاک نہیں کہتا بے شک نفس تو برائی ہی سکھاتا ہے مگر جس پر میرے رب نے رحم کر دیا بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔(۵۳)

تفسیر

اس سے پہلی آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی اس بات کا ذکر ہے کہ جو الزام مجھ پر لگایا گیا تھا اس کی صفائی سے پہلے میں قید سے رہائی کو اس لیے پسند نہیں کرتا کہ عزیز مصر کو پورا یقین ہو جائے کہ میں نے کوئی خیانت نہیں کی تھی، بلکہ الزام سراسر جھوٹا تھا، اس میں چونکہ اپنی بے گناہی اور پاکدامنی کا ذکر ایک بہت ہی اہم ضرورت سے ہو رہا تھا جو بظاہر اپنی پاکی کا اظہار ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے معصوم ہونے کے اظہار کے ساتھ ہی اس حقیقت کا بھی اظہار کر دیا کہ میرا یہ کہنا کچھ اپنے تقویٰ اور پرہیزگاری جتلانے کیلئے نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کا نفس تو اپنی فطرت سے ہر چیز کو برے ہی کاموں کی طرف مائل کرتا رہتا ہے، سوائے اس کے کہ جس پر میرا رب اپنی رحمت فرما کر اس کے نفس کو برائی سے پاک رکھے، خلاصہ یہ ہے کہ ایسی بڑی آزمائش کے وقت میرا گناہ سے بچ جانا یہ کوئی میرا ذاتی کمال نہیں تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ ہی کی رحمت نے بچا لیا۔

اس آیت میں ہے کہ اس میں ہر انسان کے جی کو "اَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ" یعنی: برے کاموں کا حکم کرنے والا فرمایا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ایک سوال فرمایا کہ

ایسے ساتھی کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جس کا حال یہ ہو کہ اگر تم اس کا اکرام کرو، کھانا کھلاؤ، کپڑے پہناؤ تو وہ تمہیں بلاء و مصیبت میں ڈال دے، اور اگر تم اس کی توہین کرو، بھوکا ننگا رکھو تو تمہارے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرے؟ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا اے اللہ کے پیغمبر! اس سے زیادہ برا تو دنیا میں کوئی ساتھی ہو ہی نہیں سکتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تمہارا نفس جو تمہارے پہلو میں ہے وہ ایسا ہی ساتھی ہے، اور ایک حدیث میں ہے کہ تمہارا سب سے بڑا دشمن خود تمہارا نفس ہے جو تمہیں برے کاموں میں ڈال کر ذلیل و خوار بھی کرتا ہے اور طرح طرح کی مصیبتوں میں بھی گرفتار کر دیتا ہے۔

بہر حال اس آیت میں اور حدیث کی ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا جی یعنی اس کا نفس برے ہی کاموں کا تقاضا کرتا ہے، لیکن جب انسان کا جی برائی پر اس کو ملامت کرتا ہے تو اس کو نفس لوامہ کہا جاتا ہے، جیسا کہ "سورۃ القیامہ" میں اسی انسانی جی کو "اللَّوَّامَةِ" کا لقب دے کر اس کو یہ عزت بخشی گئی کہ اللہ رب العزت نے اس کی قسم کھا کر فرمایا:

"لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝١ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝٢"

ترجمہ: مجھے قسم ہے قیامت کے دن کی اور قسم ہے نفس لوّامہ کی۔

جب انسان کا جی کسی نیک اور اچھے کام پر خوش ہوتا ہے تو اس کو "النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ" کہا جاتا ہے۔ اور "سورۃ الفجر" میں اسی انسانی جی کو "النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةِ" کا لقب دے کر جنت کی خوشخبری دی ہے "يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝٢٧ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝٢٨ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ ۝٢٩ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ ۝٣٠"

ترجمہ: اے "نفس مطمئنہ"! اپنے رب کی طرف لوٹ جا راضی خوشی، اور میرے بندوں میں شامل ہو جا راضی خوشی۔

اس طرح سے نفس انسانی کو ایک جگہ "اَمَّارَةٌ بِالسُّوْٓءِ" کہا گیا، دوسری جگہ "اللَّوَّامَةِ" اور تیسری جگہ

"اَلْمُطْمَئِنَّةِ" اس کی وضاحت یہ ہے کہ ہر نفس انسانی اپنی ذات میں تو "اَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ" یعنی: برے کاموں کا تقاضا کرنے والا ہے، لیکن جب انسان اللہ تعالیٰ اور آخرت کے خوف سے اس کے تقاضے کو پورا نہ کرے تو اس کا نفس "اللَّوَّامَةِ" بن جاتا ہے، یعنی: برے کاموں پر ملامت کرنے والا اور ان سے توبہ کرنے والا بن جاتا ہے۔ جب کوئی انسانی نفس کے خلاف کوشش کرتے کرتے اپنے نفس کو اس حالت میں پہنچا دے کہ برے کاموں سے رک جائے اور اچھے کام پر مطمئن ہو تو وہ "نفس مطمئنہ" کہلاتا ہے، اس طرح نفس کی تین حالتوں کے اعتبار سے اس کو تین طرح کے نام دیئے گئے ہیں۔

شاہی مشیر

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۤ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ

اور کہا بادشاہ نے لے آؤ پاس میرے اسے میں خاص کروں گا اس کو واسطے اپنے پھر جب بات کی اس سے کہا

اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ

تحقیق تو آج سے پاس ہمارے مرتبہ والا معتبر ہے (۵۴) کہا مقرر کردے مجھے پر خزانوں

الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾

زمین کے بے شک میں محافظ جاننے والا ہوں (۵۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بادشاہ نے کہا اس کو میرے پاس لے آؤ، میں اس کو اپنا خاص مشیر بنالوں پھر جب اس سے بات چیت کی تو (بادشاہ نے) کہا واقعی تو نے آج سے معتبر ہو کر ہمارے پاس جگہ پائی۔ (۵۴) یوسف علیہ السلام نے کہا مجھے ملک کے خزانوں پر مقرر کردیں میں حفاظت کرنے والا خوب علم والا ہوں۔ (۵۵)

تفسیر

مصر کے بادشاہ نے عورتوں سے تفتیش کے دوران جب آپ کی تعریف سنی اور پاکدامنی کا یقین ہوگیا تو حکم

دیا کہ یوسف کو میرے پاس لے آؤ، ایسے شخص کو جیل میں بند رکھنا انصاف کے خلاف ہے، چنانچہ آپ کو لانے کے لئے بادشاہ نے آدمی بھیجے، پھر جب یوسف علیہ السلام کو یقین ہو گیا کہ ان کے خلاف لگایا ہوا الزام ڈھل چکا ہے اور تمام عورتوں نے آپ کی بے گناہی کی گواہی دی ہے اور اب ان کی تبلیغ کے راستے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی تو آپ جیل سے باہر آ گئے۔

بادشاہ نے کہا کہ میں یوسف کو اپنے لئے خاص کرلوں گا اور اسے مشیر خاص بنالوں گا، یہ بات تو اس وقت تک تھی جب تک بادشاہ کی یوسف علیہ السلام سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، پھر جب آپ دربار میں آ گئے اور بادشاہ نے آپ سے گفتگو کی، تو وہ آپ کی شخصیت سے بہت متاثر ہوا، اور اس نے اسی وقت اعلان کردیا کہ آج سے تم ہمارے پاس بڑے مرتبے والے ہو اور امانت دار بھی ہو، ہم تمہیں ملک وقوم کا خیر خواہ اور امین سمجھتے ہیں، لہٰذا ہم تمہارے مشورے پر عمل کریں گے، اب تم غلام نہیں ہو بلکہ بادشاہ کے ساتھیوں میں شامل ہو۔

یہ اعزاز پانے کے بعد یوسف علیہ السلام نے بادشاہ سے کہا کہ مجھے مصر کے خزانوں پر مقرر کردیں میں ان کی حفاظت کرنے والا اور جاننے والا ہوں مطلب یہ کہ آپ نے یقین دلایا کہ میں شاہی خزانے کی پوری پوری حفاظت کروں گا اور اسے اس کے موقع پر خرچ کروں گا جس سے مخلوق کو فائدہ پہنچے۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):.... حضرت یوسف علیہ السلام کے قول "اِجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ" سے یہ معلوم ہوا کہ کسی سرکاری عہدہ اور منصب کو مانگنا اگرچہ جائز نہیں لیکن اس جیسی خاص حالت میں مانگنا جائز ہے۔

مگر اس میں یہ تفصیل ہے کہ جب کسی خاص عہدہ کے متعلق یہ معلوم ہو کہ کوئی دوسرا آدمی اس کا اچھا انتظام نہیں کرسکے گا اور اپنے بارے میں یہ اندازہ ہو کہ عہدے کے کام کو اچھا انجام دے سکے گا اور کسی گناہ اور ناانصافی میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو ایسی حالت میں عہدہ کا خود طلب کرلینا بھی جائز ہے بشرطیکہ اس کا مقصد مال جمع کرنا یا عہدہ حاصل کرکے عیش کرنا نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی اخلاص کے ساتھ خدمت اور انصاف کے ساتھ ان کے

حقوق پہنچانا ہو جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے صرف یہی مقصد تھا۔اور جہاں یہ صورت نہ ہو تو حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکومت کا کوئی عہدہ خود طلب کرنے سے منع فرمایا ہے اور جس کسی شخص نے خود کسی عہدہ کی درخواست کی اس کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہدہ نہیں دیا۔

صحیح مسلم" کی ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی عہدہ کی درخواست کی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ہم اپنا عہدہ کسی ایسے شخص کو نہیں دیا کرتے جو خود اس کا خواہشمند ہو۔

مسئلہ (۲):.... حضرت یوسف علیہ السلام کے قول " إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ " سے یہ ثابت ہوا کہ ضرورت کے موقع پر اپنے کسی کمال یا فضیلت کا ذکر کر دینا پاکبازی جتلانے میں داخل نہیں، جس کی قرآن کریم میں ممانعت آئی ہے بشرطیکہ اس کا ذکر کرنا کسی غرور و تکبر کی وجہ سے نہ ہو۔

بادشاہت

وَ كَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ

اور اس طرح اقتدار دیا ہم نے یوسف کو میں زمین کے ٹھکانا بنائے سے اس جہاں چاہے وہ

نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَ

ہم پہنچاتے ہیں سے رحمت اپنی جسے ہم چاہتے ہیں اور نہیں ضائع کرتے ہم ثواب نیکوکاروں کا (۵۶) اور

ع ۸ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾

البتہ بدلہ آخرت کا بہتر ہے واسطے ان کے جو ایمان لائے اور رہے پرہیزگاری کرتے (۵۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور یوں ہم نے یوسف کو اس زمین میں قدرت دی کہ وہ جہاں چاہے اس میں ٹھکانا بنا لے، ہم اپنی رحمت جس کو چاہیں پہنچا دیتے ہیں۔اور ہم بھلائی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔(۵۶) اور آخرت کا ثواب بہتر ہے ان کے لیے جو ایمان لائے اور پرہیزگاری میں رہے۔(۵۷)

تفسیر

حضرت یوسف علیہ السلام پر جتنے بھی حالات آئے ان سب سے گذار کر اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ انہیں عزیز مصر بنائے اور آپ کے ذریعے بنی اسرائیل کو مصر میں لا کر بسائے۔ چنانچہ یہ سب اسی کا سامان تھا، آخر نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت ملک کا پورا اختیار حضرت یوسف علیہ السلام کے ہاتھ میں تھا بادشاہ برائے نام بادشاہ تھا، کرتے سب کچھ حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔

اس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمایا کہ ہم نے اسی طرح یوسف کو زمین میں اقتدار عطا کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا موقع فراہم کیا کہ آپ جہاں بھی چاہتے وہیں جگہ پکڑتے انہیں کسی جگہ آنے جانے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی، ملک میں بادشاہ کا سا اعزاز حاصل تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اپنی رحمت جسے چاہتے ہیں پہنچاتے ہیں اور نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ: یعنی: آخرت کا اجر و ثواب اس دنیا کی نعمت سے بڑھا ہوا ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لائے اور جنہوں نے تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کی۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا کی بادشاہت اور حکومت تو عطا ہوئی ہی تھی اس کے ساتھ آخرت کے بلند درجے بھی ان کے لیے تیار ہیں اس کے ساتھ یہ بھی بتلا دیا کہ دنیا و آخرت کے یہ درجے یوسف علیہ السلام کی خصوصیت نہیں بلکہ یہ ہر اس شخص کے لیے عام ہیں جو ایمان اور تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کر لے۔

بھائیوں کی آمد

وَ جَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَ هُمْ لَهٗ

اور آئے بھائی یوسف کے پس داخل ہوئے پاس اس کے پس پہچانا اس نے ان کو اور وہ اس کو

مُنْكِرُوْنَ۝۵۸ وَ لَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ
نہ پہچان سکے (۵۸) اور جب تیار کردیا ان کو سامان ان کا کہا لیتے آنا پاس میرے بھائی تمہارا

مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَ اَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ۝۵۹
سے باپ تمہارے کیا نہیں دیکھتے تم کہ میں پورا کرتا ہوں پیمانے کو اور میں سب سے اچھا میزبان ہوں (۵۹)

فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ وَ لَا تَقْرَبُوْنِ۝۶۰ قَالُوْا
پس اگر نہ لائے تم پاس میرے اس کو تو نہیں ماپ واسطے تمہارے پاس میرے اور نہ قریب آنا میرے (۶۰) بولے

سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَ اِنَّا لَفٰعِلُوْنَ۝۶۱ وَ قَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا
ہم پھسلائیں گے سے بارے اس کے والد اس کے کو اور تحقیق ہم البتہ کرنے والے ہیں (۶۱) اور کہا سے جوانوں اپنے کردو

بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى
پونجی ان کی میں سامان ان کے شاید وہ پہچان لیں اس کو جب لوٹیں طرف

اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ۝۶۲ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا
لوگوں اپنے کی شاید وہ واپس آجائیں (۶۲) پس جب لوٹے وہ طرف باپ اپنے کی بولے

يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَ
اے ابا جان ہمارے! روک دیا گیا سے ہم ماپ پس بھیج دے ساتھ ہمارے بھائی ہمارا تو ماپ کرلائیں ہم اور

اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۝۶۳
تحقیق ہم اس کی حفاظت کرنے والے ہیں (۶۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔(اس کے بعد) یوسف کے بھائی آئے پھر یوسف کے پاس داخل ہوئے تو یوسف نے انہیں پہچان لیا اور وہ یوسف کو نہ پہچان سکے۔(۵۸) اور جب (یوسف نے) ان کے لئے ان کا سامان تیار کردیا تو کہا کہ میرے پاس آئندہ اپنے باپ شریک بھائی کو بھی لیتے آنا، کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں ماپ کو پورا تولتا

ہوں اور میں بہترین مہمان نواز ہوں۔(۵۹) پھر اگر اس کو میرے پاس نہ لائے تو تمہارے لیے میرے پاس کوئی غلہ نہیں، اور میرے پاس بھی نہیں آنا، بولے ہم درخواست کریں گے اس کی اس کے باپ سے اور ہم کو یہ کام کرنا ہے۔(۶۱) اور (یوسف علیہ السلام نے) اپنے خدمت گاروں سے کہہ دیا کہ ان کی پونجی ان کے سامان میں رکھ دو، شاید جب وہ گھر واپس جائیں تو اس کو پہچان لیں (اور) شاید وہ واپس آ جائیں۔(۶۲) پھر جب (یوسف کے بھائی) اپنے والد کے پاس لوٹے تو کہا اے ہمارے ابا! ہم سے تو غلہ روک دیا گیا سو ہمارے ساتھ ہمارے بھائی (بنیامین) کو بھیج دیں تا کہ ہم (اس کے حصے کا بھی) غلہ لائیں اور ہم اس کی (بھرپور) حفاظت کرنے والے ہیں۔(۶۳)

تفسیر

جب خوشحالی کے سات سال ختم ہو گئے تو یوسف علیہ السلام کے پاس بھاری مقدار میں غلہ جمع ہو چکا تھا، اس کے بعد قحط کا زمانہ شروع ہو گیا، بارش بند ہو گئی، زمین کا پانی بھی خشک ہو گیا، جب پانی ہی نہ رہا تو غلہ کیسے پیدا ہوتا، نہ صرف ملک مصر بلکہ اردگرد کا پورا خطہ بھی زبردست قحط کا شکار ہو گیا، کنعان فلسطین اور یروشلم کے علاقے بھی قحط کی زد میں آگئے اور لوگ بھوکوں مرنے لگے، اس دوران میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ مصر کے بادشاہ کے پاس وافر غلہ موجود ہے، بادشاہ نہایت رحمدل اور انصاف پسند ہے، جو بھی اس کے پاس چلا جائے وہ اسے اناج دے کر لوٹاتا ہے، چنانچہ غلہ حاصل کرنے کے لیے مدین، شام، فلسطین اور کنعان وغیرہ سے لوگ مصر کی طرف آنے لگے۔

جب مصر کی طرف باہر کے لوگ بھی غلہ لینے کے لیے آنے لگے تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ دوسرے ملکوں سے آنے والوں کے لیے ایک مقدار مقرر کر دی کہ اس سے زیادہ کوئی شخص اناج حاصل نہیں کر سکے گا، چنانچہ باہر سے آنیوالے ہر شخص کو آپ نے ایک اونٹ غلہ دینے کا حکم دیا اور اس طرح کوئی شخص ایک بوجھ سے زیادہ اناج حاصل نہیں کر سکتا تھا، جس کی مقدار "قرطبی" نے ایک وسق، یعنی: ساٹھ صاع لکھی ہے جو ہمارے ملک کے اعتبار

سے پانچ من سے کچھ زیادہ ہوتی ہے۔

اس کا فائدہ یہ ہوا کہ ملک میں بھی غلّے کی کمی نہیں ہوئی اور دوسرے ملک والوں کو بھی غلّہ ملتا رہا۔

مصر کی خوشحالی اور مصر کے بادشاہ کی رحمدلی اور لوگوں کو مصر سے غلہ ملنے کی خبر حضرت یعقوب علیہ السلام تک بھی پہنچی تو انہوں نے بھی اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم بھی جاؤ مصر سے غلہ لے کر آؤ۔

اور چونکہ یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ایک آدمی کو ایک اونٹ کے بار سے زیادہ غلہ نہیں دیا جاتا، اس لئے سب ہی بیٹوں کو بھیجنے کی تجویز ہوئی، مگر سب سے چھوٹے بھائی بنیامین جو کہ یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے اور یوسف علیہ السلام کی گمشدگی کے بعد سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت اور شفقت ان کے ساتھ زیادہ ہوگئی تھی، ان کو اپنے پاس اپنی تسلی اور خبر گیری کے لیے روک لیا۔

دس بھائی کنعان سے سفر کر کے مصر پہنچے، یوسف علیہ السلام شاہی لباس میں شاہانہ تخت و تاج کے مالک ہونے کی حیثیت میں سامنے آئے اور بھائیوں نے ان کو بچپن کے سات سالہ عمر میں قافلہ والوں کے ہاتھ بیچا تھا جو اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق چالیس سال ہو چکے تھے۔

ظاہر ہے کہ اتنے عرصہ میں انسان کا حلیہ بھی کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے اور ان کے یہ وہم و خیال بھی نہ ہو سکتا تھا کہ جس بچے کو غلام بنا کر بیچا گیا تھا وہ کسی ملک کا وزیر یا بادشاہ بن سکتا ہے؛ اس لیے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو نہ پہچانا، مگر یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا۔

یوسف علیہ السلام کو پہچان لینے کے متعلق "ابن کثیر" نے سدی کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب یہ دس بھائی دربار میں پہنچے تو یوسف علیہ السلام نے مزید اطمینان کے لیے ان سے ایسے سوالات کئے جیسے مشکوک لوگوں سے کئے جاتے ہیں تاکہ وہ پوری حقیقت واضح کر کے بیان کر دیں، پہلے تو ان سے پوچھا کہ آپ لوگ مصر کے رہنے والے نہیں، آپ کی زبان بھی عبرانی ہے، آپ یہاں کیسے پہنچے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے ملک میں بہت زیادہ قحط ہے اور ہم نے آپ کی تعریف سنی؛ اس لیے غلہ حاصل کرنے کے لیے آئے ہیں، یوسف علیہ السلام نے پھر پوچھا کہ ہمیں یہ کیسے اطمینان ہو کہ تم سچ کہہ رہے ہو اور تم کسی دشمن کے جاسوس نہیں ہو؟ تو ان بھائیوں نے

عرض کیا کہ معاذ اللہ ہم سے ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، ہم تو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں جو کنعان میں رہتے ہیں۔

یوسف علیہ السلام کا ان سوالات سے مقصد ہی یہ تھا کہ یہ ذرا کھل کر پورے واقعات بیان کردیں تب یوسف علیہ السلام نے معلوم کیا کہ تمہارے والد کی تمہارے سوا اور بھی کوئی اولاد ہے؟ تو انہوں نے بتلایا کہ ہم بارہ بھائی تھے جن میں سے ایک چھوٹا بھائی جنگل میں گم ہوگیا اور ہمارے والد کو سب سے زیادہ اسی سے محبت تھی اس کے بعد سے اس کے چھوٹے حقیقی بھائی کے ساتھ زیادہ محبت کرنے لگے اور اسی لیے اس وقت بھی اس کو سفر میں ہمارے ساتھ نہیں بھیجا تاکہ وہ اس کی تسلی کا سبب بنیں۔

یوسف علیہ السلام نے یہ سب باتیں سن کر حکم دیا کہ ان کو شاہی مہمان کی حیثیت سے ٹھہرائیں اور قاعدہ کے مطابق غلہ دیدیں.

غلہ کی تقسیم میں یوسف علیہ السلام نے ضابطہ بنایا تھا کہ ایک مرتبہ کسی ایک شخص کو ایک اونٹ کے بار سے زیادہ نہ دیتے، مگر جب حساب کے موافق وہ ختم ہوجائے تو پھر دوبارہ دیدیتے تھے۔

بھائیوں سے ساری تفصیل معلوم کرلینے کے بعد ان کے دل میں اس خیال آنا قدرتی بات تھی یہ دوبارہ بھی آئیں اس کے لیے ایک انتظام تو بظاہر یہ کیا کہ خود ان بھائیوں سے کہا کہ جب تم دوبارہ آؤ تو اپنے باپ شریک بھائی کو بھی لے کر آنا، تم دیکھ رہے ہو کہ میں کس طرح پورا پورا غلہ دیتا ہوں اور کس طرح مہمانی کرتا ہوں۔

جیسا کہ اگلی آیت سے معلوم ہوتا ہے یوسف علیہ السلام دوسرے ملک سے آنے والے تمام لوگوں کے ساتھ اچھے روّیے سے پیش آتے تھے اور ان کو عزت کے ساتھ ٹھہراتے تھے، چنانچہ آپ نے اپنے بھائیوں کی بھی پوری پوری عزت کی، اور ان کی مہمان نوازی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

اور پھر ایک دھمکی بھی دیدی کہ اگر تم اپنے اس بھائی کو ساتھ نہ لائے تو پھر میں تم میں سے کسی کو بھی غلہ نہ دوں گا اور تم میرے نزدیک بھی نہ آنا۔

دوسرا انتظام خفیہ طور پر یہ کیا کہ جو نقد رقم یا زیور وغیرہ ان بھائیوں نے غلہ کی قیمت کے طور پر ادا کئے تھے

اس کے متعلق اپنے آدمیوں کو حکم دیدیا کہ اس کو انہی کے سامان میں چھپا کر رکھ دو کہ ان کو اس وقت پتہ نہ چلے جب تک یہ گھر پہنچ کر سامان نہ کھولیں اور اپنا نقد وزیور بھی ان کو واپس ملے تو یہ پھر دوبارہ غلہ لینے کے لیے آسکیں۔

"ابن کثیر" نے یوسف علیہ السلام کے اس عمل کی کئی وجہیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ یوسف علیہ السلام کو یہ خیال آیا کہ شاید ان کے پاس اس نقدی یا زیور وغیرہ کے سوا اور کچھ موجود ہی نہ ہو تو پھر دوبارہ غلہ لینے کیلئے نہیں آسکیں گے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اپنے والد اور بھائیوں کے غلّے کی قیمت لینا گوارا نہ ہوئی؛ اس لیے شاہی خزانہ میں ان کے غلّے کی قیمت اپنے پاس سے جمع کر دی، اور ان کی رقم ان کو واپس کر دی، اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ جانتے تھے کہ جب ان کا سامان ان کے پاس واپس پہنچ جائے گا اور والد ماجد کو علم ہوگا تو وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں اس واپس کئے ہوئے مال کو مصری خزانہ کی امانت سمجھ کر ضرور واپس بھیجیں گے اس سے بھائیوں کا دوبارہ آنا اور یقینی ہو جائے گا۔

بہر حال یوسف علیہ السلام نے یہ سب انتظامات اس لیے کئے کہ آئندہ بھی بھائیوں کے آنے کا سلسلہ جاری رہے اور چھوٹے حقیقی بھائی سے ملاقات بھی ہو جائے۔

اس کے بعد جب یوسف علیہ السلام کے بھائی ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس پہنچے تو سب سے پہلے یہ بات بتائی کہ ابا جان ہمیں آئندہ غلہ نہیں ملے گا، عزیز مصر نے صاف کہہ دیا ہے کہ اپنے بھائی کو جسے پیچھے چھوڑ آئے ہو، اب کے آؤ تو ساتھ لے کر آنا ورنہ تمہیں غلہ نہیں دیا جائے گا؛ اس لیے اگلے پھیرے میں ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ کر دیجئے، ہم اس کی پوری حفاظت کریں گے، بھائیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام کے وعدہ اور دھمکی کا بہت اثر ہوا، انہوں نے اس معاملہ کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے آگے پیش کرنے میں ذرا بھی دیر نہ کی، ظاہر بات ہے کہ انہوں نے پہلے تو باپ کو حضرت یوسف علیہ السلام کی مہمان نوازی اور خاطر داری کا ذکر سنایا ہوگا اور ان کی سخاوت کی خوب بڑھا چڑھا کر کہانی کہی ہوگی، ادھر انہوں نے غلہ سے لدے ہوئے اونٹ بھی سامنے کھڑے دکھائے ہوں گے، غرض! انہوں نے اپنی بات پیش کرنے کا موقع خوب تیار کیا ہوگا تا کہ باپ ان کی بات بغیر جھجک کے منظور کرلیں اس کے بعد یہ بھی کہہ دیا کہ اب کے ہم بھائی کو کھیل کود کے لیے نہیں لے جا رہے ہیں؛

اس لیے غفلت کی کوئی وجہ نہیں، سفر میں تو حفاظت کے سوا ہمارا اور کوئی کام ہی نہیں۔

احکام ومسائل

مسئلہ (۱):.... یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ سے اس بات کا جواز معلوم ہوا کہ جب کسی ملک میں معاشی حالات ایسے خراب ہو جائیں کہ اگر حکومت کوئی انتظام نہ کرے تو بہت سے لوگ کھانے پینے کی چیزوں سے بھی محروم ہو جائیں گے تو حکومت ایسی چیزوں کو اپنے کنٹرول میں لے سکتی ہے اور غلہ کی مناسب قیمت مقرر کر سکتی ہے، حضرات فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اس کو واضح طور پر بیان کیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا والد کو اپنے بارے میں

اطلاع نہ دینے کی حکمت

یوسف علیہ السلام کے اس واقعہ میں ایک بات انتہائی حیران کن ہے کہ ایک طرف تو ان کے والد ماجد اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت یعقوب علیہ السلام ان کی جدائی سے اتنے غمگین تھے کہ روتے روتے نابینا ہو گئے، اور دوسری طرف یوسف علیہ السلام جو خود بھی اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں باپ سے فطری اور طبعی محبت کے علاوہ ان کے حقوق سے بھی پوری طرح باخبر ہیں، لیکن چالیس سال کے لمبے زمانہ میں ایک مرتبہ بھی کبھی یہ خیال نہ آیا کہ میرے والد میری جدائی سے بے چین ہیں اپنی خیریت کی خبر کسی ذریعہ سے ان تک پہنچوا دیں، خبر پہنچوا دینا تو اس حالت میں بھی کچھ مشکل نہ تھا جب وہ غلامی کی صورت میں مصر پہنچ گئے تھے، پھر عزیز مصر کے گھر میں تو ہر طرح کی آزادی اور سہولت کے سامان بھی تھے، اس وقت کسی ذریعہ سے گھر تک خط یا خبر پہنچوا دینا کچھ مشکل نہ تھا اسی طرح جیل کی زندگی میں دنیا جانتی ہے کہ سب خبریں ادھر ادھر پہنچتی ہی رہتی ہیں، خصوصاً جب اللہ تعالیٰ نے عزت کے ساتھ جیل سے رہا فرمایا اور ملک مصر کا اقتدار ہاتھ میں آیا اس وقت تو خود چل کر والد کی خدمت میں حاضر ہونا سب سے پہلا کام ہونا چاہیے

تھا اور یہ کسی وجہ سے مصلحت کے خلاف ہوتا تو کم از کم قاصد بھیج کر والد کو مطمئن کر دینا تو معمولی بات تھی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام سے کہیں ذکر نہیں کہ اس کا ارادہ بھی کیا ہو، اور خود کیا ارادہ کرتے جب بھائی غلہ لینے کے لیے آئے تو ان کو بھی اصل واقعہ کو ظاہر کیے بغیر رخصت کر دیا۔

اس حیران کن خاموشی کا ہمیشہ یہی جواب دل میں آیا کرتا تھا کہ غالباً اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ماتحت یوسف علیہ السلام کو اپنے اظہار سے روک دیا ہوگا، "تفسیر قرطبی" میں یہ بات مل گئی کہ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ حضرت یوسف علیہ السلام کو روک دیا تھا کہ اپنے گھر والوں کو اپنے متعلق کوئی خبر نہ بھیجیں۔

اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو وہی جانتا ہے انسان ان کو کیا جانے؟ کبھی کوئی چیز کسی کے سمجھ میں بھی آجاتی ہے یہاں بظاہر اس کی اصل حکمت اس امتحان کا پورا کرنا تھا جو یعقوب علیہ السلام کا لیا جا رہا تھا، اور یہی وجہ تھی کہ اس واقعہ کی ابتداء ہی میں جب یعقوب علیہ السلام کو یہ اندازہ ہو چکا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو بھیڑیے نے نہیں کھایا، بلکہ بھائیوں کی کوئی شرارت ہے تو اس بات کا فطری تقاضا یہ تھا کہ اسی وقت اس جگہ پر پہنچتے، تحقیق کرتے، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا دھیان اس طرف نہ جانے دیا، اور پھر مدتوں کے بعد انہوں نے بیٹوں سے یہ بھی فرمایا کہ جاؤ! یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو جب اللہ تعالیٰ کوئی کام کرنا چاہتے ہیں تو اس کے سب اسباب اسی طرح جمع فرما دیتے ہیں۔

باپ بیٹوں کی گفتگو

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ

کہا کیا بھروسہ کروں تم پر بارے اس کے مگر جیسا بھروسہ کیا تھا میں نے تم پر بارے بھائی اس کے سے پہلے

فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾ وَ لَمَّا فَتَحُوْا

پس اللہ تعالیٰ ہی بہتر نگہبانی کرنے والا اور وہی زیادہ رحم کرنے والا سب رحم کرنے والوں سے (۶۴) اور جب کھولا انہوں نے

مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا

سامان اپنے کو پایا انہوں نے پونجی اپنی کو لوٹائی گئی طرف ان کی بولے اے باپ ہمارے! کیا

نَبۡغِیۡ ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتۡ اِلَیۡنَا ۚ وَ نَمِیۡرُ اَهۡلَنَا وَ نَحۡفَظُ

چاہیے ہمیں یہ ہے پونجی ہماری لوٹادی گئی طرف ہماری اور غلہ لائیں گے ہم گھر اپنے اور حفاظت کریں گے

اَخَانَا وَ نَزۡدَادُ کَیۡلَ بَعِیۡرٍ ؕ ذٰلِكَ کَیۡلٌ یَّسِیۡرٌ ﴿۶۵﴾

بھائی اپنے کی اور زیادہ لائیں گے بوجھ ایک اونٹ کا وہ بوجھ آسان ہے (۶۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں سے کہا کہ میں تمہارا اس کے بارے میں کیا اعتبار کروں مگر وہی جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی کے بارے میں اعتبار کیا تھا، سو! اللہ تعالیٰ بہتر نگہبان ہے اور وہی سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے۔(۶۴) اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے اپنی پونجی کو پایا کہ ان کی طرف لوٹادی گئی ہے، بولے اے باپ! ہمیں اور کیا چاہیے یہ ہماری پونجی ہم کو لوٹادی گئی ہے اب جائیں تو اپنے گھر غلہ لائیں اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ غلّہ لے آئیں گے، اور ایک اونٹ غلّہ زیادہ لانا ہمارے لیے آسان ہے۔(۶۵)

ظاہری انتظام

قَالَ لَنۡ اُرۡسِلَهٗ مَعَكُمۡ حَتّٰی تُؤۡتُوۡنِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاۡتُنَّنِیۡ

کہا ہرگز نہ بھیجوں گا میں اسے ساتھ تمہارے یہاں تک کہ دو تم مجھ کو پکا عہد سے اللہ البتہ لاؤ گے پاس میرے

بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ یُّحَاطَ بِكُمۡ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوۡهُ مَوۡثِقَهُمۡ قَالَ اللّٰهُ عَلٰی

اس کو مگر یہ کہ گھیر لیا جائے تم کو پھر جب دیا انہوں نے اس کو پختہ عہد اپنا کہا اللہ تعالیٰ پر

مَا نَقُوۡلُ وَکِیۡلٌ ﴿۶۶﴾

اس جو ہم کہہ رہے ہیں نگہبان ہے (۶۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (یعقوب علیہ السلام نے) کہا کہ میں اسے تمہارے ساتھ ہرگز نہ بھیجوں گا یہاں تک کہ تم

مجھے اللہ تعالیٰ کا پکا عہد دو کہ تم اس کو ضرور میرے پاس واپس پہنچادو گے مگر جبکہ تم سب کو گھیر لیا جائے اور اس وجہ سے نہ لا سکو تو پھر تمہاری کوئی کوتاہی نہیں پھر جب ان سب نے پکا عہد دیا تو (یعقوب علیہ السلام نے) کہا اللہ تعالیٰ ہماری باتوں پر نگہبان ہے۔(٦٦)

تفسیر

بیٹوں کی ساری باتیں سن کر حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ اس کے بھائی کو تمہاری حفاظت کے وعدہ پر تمہارے ساتھ بھیج کر اب تک اس کی سزا بھگت رہا ہوں اور تم پر بھروسہ کرنے کا نتیجہ دیکھ چکا ہوں اب کیا دوبارہ تم مجھ سے یہ امید رکھتے ہو کہ تمہاری باتوں پر اعتماد کر کے اب کے یوسف کے بھائی کو بھی تمہارے ساتھ بھیج دوں تم سے اُس کی حفاظت نہ ہو سکی تو تم اِس کی حفاظت کیا کرو گے؟ میں نے پہلے بھی تم پر اور تمہاری حفاظت کے پختہ وعدے پر بھروسہ کیا تھا جس پر تم پورے نہیں اترے اب کیسے تم پر بھروسہ کرلوں؟

یہ تو ان کی بات کا جواب تھا مگر پھر خاندان کی ضرورت کے پیش نظر اللہ تعالی پر بھروسہ کرتے ہوئے یوسف علیہ السلام کے بھائی بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے پر تیار ہو گئے اور کہا کہ میں اللہ تعالیٰ ہی کی حفاظت پر بھروسہ کرتا ہوں اور وہ سب سے زیادہ رحمت کرنے والا ہے اسی سے امید ہے کہ وہ میری کمزوری اور موجودہ پریشانی پر نظر فرما کر مجھ پر دوہرے صدمے نہ ڈالے گا۔

خلاصہ یہ ہے کہ یعقوب علیہ السلام نے ظاہری حالت اور اپنی اولاد کے عہد و پیمان پر بھروسہ نہ کیا بلکہ اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر چھوٹے بیٹے کو ساتھ بھیج دیا۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):..... اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ ایسی صورت میں اصلاح کی نیت سے جرم کرنے والے کو

جتلا دینا بھی مناسب ہے کہ تمہارے معاملہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ تمہاری بات نہ مانی جاتی، مگر ہم اس سے درگذر کرتے ہیں تاکہ وہ آئندہ شرمندہ ہو کر اس سے مکمل طور پر توبہ کر لے، جیسا کہ یعقوب علیہ السلام نے پہلے جتلایا کہ کیا بنیامین کے معاملہ میں بھی میں تم پر ایسا ہی اطمینان کر لوں جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے معاملے میں کیا تھا، مگر جتلانے کے بعد ظاہری حالات سے جب ان کا توبہ تائب ہونا معلوم ہوا تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا اور اپنے چھوٹے صاحبزادے کو ان کے حوالہ کر دیا۔

مسئلہ (۲):..... یہ ہے کہ کسی انسان کے وعدہ اور حفاظت پر حقیقی طور سے بھروسہ کرنا غلطی ہے اصل بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہونا چاہئے حقیقت میں وہی سب کام بنانے والا اور سارے اسباب کو مہیا کرنے والا ہے، اسی لیے یعقوب علیہ السلام نے فرمایا: "اَللّٰہُ خَیْرٌ حٰفِظًا" یعنی: اللہ تعالیٰ ہی بہترین حفاظت کرنے والے ہیں۔

مسئلہ (۳):..... اس میں یہ ہے کہ کسی شخص کو ایسی قسم دینا نہیں چاہئے جس کا پورا کرنا بالکل اس کے قبضہ میں نہ ہو، جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو صحیح وسالم واپس لانے کی قسم دی تو اس میں سے اس حالت کو مستثنیٰ کر دیا کہ یہ بالکل عاجز ومجبور ہو جائیں یا خود بھی سب ہلاکت میں پڑ جائیں۔

نصیحت

وَ قَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ

اور کہا اے بیٹو میرے! مت داخل ہو سے دروازے ایک اور داخل ہو سے دروازوں

مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَ مَاۤ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ

الگ الگ اور نہیں بچاتا میں تم کو سے اللہ کی سے کسی چیز نہیں حکم

اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَ عَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾

مگر اللہ کا پر اسی بھروسہ کیا میں نے اور پر اسی پس چاہئے کہ بھروسہ کریں بھروسہ کرنے والے (۶۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور (یعقوب علیہ السلام نے) کہا اے میرے بیٹو! تم لوگ (مصر میں) ایک ہی دروازے سے مت داخل ہونا بلکہ الگ الگ دروزاوں سے داخل ہونا (اس لیے کہ) میں اللہ تعالیٰ کی کسی بات سے تمہیں نہیں بچا سکتا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا حکم نہیں چلتا مجھے اسی (اللہ تعالیٰ) پر بھروسہ ہے اور ہر بھروسہ کرنے والے کو اسی پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے۔(٦٧)

تفسیر

حضرت یعقوب علیہ السلام نے لوگوں کی نظر بد سے بچنے کے لیے بیٹوں کو ہدایت کی کہ اکٹھے ہو کر ایک ہی دروازے سے مصر کے شہر میں داخل نہ ہونا کہ کہیں لوگ تمہیں نظر نہ لگا دیں، الگ الگ دروازوں سے ایک ایک دو دو کر کے داخل ہونا۔

شہر میں داخل ہونے کے لیے پہلے ایسا ہوتا تھا کہ شہر کی مختلف سمتوں میں بڑے بڑے دروازے بنائے جاتے تھے، اور شہر میں انہیں دروازوں سے داخل ہونا پڑتا تھا اس قسم کے انتظامات کا یہ فائدہ ہوتا تھا کہ کوئی بیرونی حملہ آور یا چور ڈاکو شہر میں آسانی سے داخل نہیں ہو سکتے تھے رات کو دروازے بند کر دیئے جاتے تھے اور چاروں طرف فصیل کے اوپر چوکیدارہ نظام ہوتا تھا۔

مصر بھی اس زمانے میں ایسا ہی شہر تھا اس لیے یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کو نصیحت کی کہ سارے ایک ہی دروازے سے مت داخل ہونا، بلکہ مختلف دروازوں سے داخل ہونا۔

مفسرین کرام نے مختلف دروازوں سے داخل ہونے کی کئی وجہیں بیان کی ہیں، مثلاً: یہ کہ سارے بھائی خوبصورت، جوان اور طاقتور تھے اور ان سب کو ایک جتھے کی صورت میں دیکھ کر مقامی لوگ پریشانی میں مبتلا ہو سکتے تھے کہ کہیں یہ شہر والوں کو نقصان نہ پہنچائیں، دوسری بات یہ ہے کہ جب یہ بھائی پہلی دفعہ آئے تھے تو مصر کے بادشاہ نے ان کی بڑی آؤ بھگت کی تھی اور اب ان کی پھر خاطر تواضع ہو گی، اس خیال سے لوگوں کے دلوں میں ان کے خلاف حسد بھی پیدا ہو سکتا تھا، اور یعقوب علیہ السلام نہیں چاہتے تھے کہ ایسی صورت حال پیدا ہو خود بادشاہ کو بھی

خطرہ پیدا ہوسکتا تھا کہ یہ لوگ اس کے خلاف کوئی سازش یا جاسوسی نہ کریں، چنانچہ پہلی دفعہ جب آپ کے بھائی مصر میں آئے تھے تو یوسف علیہ السلام نے ان کے ساتھ جان بوجھ کر بے رخی سے بات کی تھی اور یوسف علیہ السلام کی زبان سے یہ بھی نکلا تھا کہ تم کیسے یہاں آئے ہو، کہیں جاسوس تو نہیں، اس پر بھائیوں نے جواب دیا تھا کہ ہم تو ایک معزز خاندان کے افراد اور نبی کے بیٹے ہیں اور ہمارا باپ نابینا ہو چکا ہے، بہر حال اس قسم کے خدشات کے پیش نظر یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو نصیحت کی تھی کہ ایک دروازے سے شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ مختلف دروازوں سے جانا۔

پھر فرماتے ہیں کہ یہ ظاہری احتیاط ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے آگے کسی کی نہیں چلتی اللہ تعالیٰ کی چاہت میں تمہیں کوئی حادثہ پیش آجائے تو میں اسے ٹال نہیں سکتا، کیونکہ حکم تو اللہ تعالیٰ کا ہی چلتا ہے وہ جیسے چاہے کرے، اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

میں نے اپنا سارا معاملہ اسی کے حوالہ کر دیا ہے اور چاہئے بھی یہی کہ آدمی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرے، اس کے سوا اور کوئی ایسا نہیں جس پر بھروسہ کیا جائے، بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔

میں تو صرف حفاظتی تدبیر بتا رہا ہوں اس کو اختیار کرنا مگر بھروسہ اللہ تعالیٰ پر ہی کرنا کیونکہ ہر چیز اسی کے اختیار میں ہے اور اس کی تقدیر کو کوئی روک نہیں سکتا۔

نصیحت پر عمل

وَ لَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ

اور جب داخل ہوئے وہ سے جہاں حکم دیا تھا ان کو باپ ان کے نے نہیں تھا وہ کہ بچائے وہ ان کو

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَ اِنَّهٗ

سے اللہ سے کسی چیز مگر منصوبہ تھا ایک میں دل یعقوب کے ظاہر کیا اس نے جسے اور بے شک وہ

لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿٦٨﴾ ع ۸ ۱۱ ۲

البتہ تھا والا　علم　اس کا جو سکھایا ہم نے اسے　اور　لیکن　بہت سے　لوگ　نہیں　جانتے　(٦٨)

بامحاورہ ترجمہ: اور جب یوسف علیہ السلام کے بھائی مصر میں وہاں سے داخل ہوئے جہاں سے ان کے والد نے داخل ہونے کا حکم دیا تھا، یعقوب کی تدبیر ان کو اللہ تعالیٰ کی تقدیر سے کچھ بھی نہ بچا سکی بس یہ ان کا ایک منصوبہ تھا جو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا جو کچھ ہم نے ان کو سکھایا وہ اس کا خوب علم رکھنے والے تھے لیکن اکثر لوگوں نہیں جانتے۔ (٦٨)

تفسیر

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے جو کچھ کہا تھا اس پر انہوں نے عمل کیا اس طرح باپ کی بات پوری ہوئی ان کی یہ تدبیر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کو ٹال نہ سکتی تھی یہ یعقوب علیہ السلام کی شفقت اور محبت کا تقاضا تھا جو انہوں نے پورا کرلیا۔

اس آیت کے آخر میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی تعریف کی گئی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: یعقوب بڑا علم والا تھا کیونکہ ان کو ہم نے علم دیا تھا، مطلب یہ ہے کہ ان کا علم بلاواسطہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے ذریعہ دیا ہوا تھا اسی لیے انہوں نے ظاہری تدبیر جو شرعاً درست اور تعریف کے قابل ہے وہ تو کرلی، مگر اس پر بھروسہ نہیں کیا، لیکن بہت سے لوگ اس بات کی حقیقت کو نہیں جانتے۔

احکام ومسائل

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو کسی صورت میں احتیاطی تدبیر نہیں چھوڑنی چاہیے مگر اس کے ساتھ یہ بھی چاہئے کہ اسباب پر ہی بھروسہ نہ کر بیٹھے نظر صرف اللہ تعالیٰ پر رکھے، اللہ تعالیٰ کے خاص بندے جنہیں

اللہ تعالیٰ اپنے پاس سے علم عطا کرتا ہے دنیا میں ان کا یہی طریقہ ہوتا ہے لیکن اکثر لوگ غلطی میں پھنس کر گمراہ ہو جاتے ہیں کوئی صرف اسباب پر ہی بھروسہ کر بیٹھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کو بھلا دیتا ہے کوئی اسباب کو بالکل چھوڑ کر کونے میں بیٹھ جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا کام کر دے گا لیکن ٹھیک راستہ ان دونوں کے درمیان ہے۔

ایک تدبیر

وَ لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ

اور جب داخل ہوئے پر یوسف کے ٹھکانا دیا اس نے پاس اپنے بھائیوں اپنے کو کہا تحقیق میں ہی بھائی تیرا ہوں

فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ

پس مت غمگین ہو سے اس جو تھے وہ کرتے تھے (۶۹) پس جب تیار کر دیا واسطے ان کے سامان ان کا

جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ

رکھ دیا پینے کا پیالہ میں سامان بھائی اپنے کے پھر پکارا پکارنے والے نے اے قافلہ والو!

اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾

بے شک تم ضرور چور ہو (۷۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب وہ یوسف علیہ السلام کے پاس داخل ہوئے تو انہوں نے اپنے بھائی کو اپنے پاس ٹھہرایا اور کہا کہ میں ہی تیرا بھائی ہوں پس جو کچھ دوسرے بھائی کرتے تھے اس پر اب غمگین نہ ہو۔(۶۹) جب یوسف نے ان کا سامان تیار کروایا تو پینے کا ایک پیالہ اپنے بھائی بنیامین کے سامان میں رکھ دیا پھر پکارا ایک پکارنے والے نے اے قافلہ والو! یقیناً تم چور ہو۔(۷۰)

تفسیر

امام قتادہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ان سب بھائیوں کے رہنے سہنے کا یوسف علیہ السلام نے یہ انتظام فرمایا تھا کہ دو دو

کو ایک کمرہ میں ٹھہرایا تو بنیامین تنہا رہ گئے ان کو اپنے ساتھ ٹھہرنے کے لیے فرمایا، جب تنہائی کا موقع آیا تو یوسف علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی پر راز کھول دیا اور بتلا دیا کہ میں ہی تیرا حقیقی بھائی یوسف ہوں، اب تم کوئی فکر نہ کرو اور جو کچھ ان بھائیوں نے اب تک کیا ہے اس سے پریشان نہ ہو۔

انہوں نے میرے ساتھ اور تمہارے ساتھ جو کچھ بھی کیا اس کو دل سے نکال دو، بھائیوں نے جس طرح یوسف علیہ السلام کو سخت تکلیفیں پہنچائیں اسی طرح وہ بنیامین کو بھی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے تھے، تو یوسف علیہ السلام نے اس کو تسلی دی اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ بھائیوں کے سامنے میراذ کر نہ کرنا کہ میں یوسف ہوں کیونکہ ابھی اس بات کا وقت نہیں آیا جب وقت آئے گا تو میں خود اپنے آپ کو ظاہر کر دوں گا۔

یوسف علیہ السلام کے بھائی کچھ دن آپ کے پاس ٹھہرے رہے اور مہمان نوازی کا لطف اٹھاتے رہے اور بالآخران کی واپسی کی تیاری ہوگئی، سب بھائیوں کو قاعدہ کے موافق غلہ دیا گیا اور ہر بھائی کا غلہ ایک مستقل اونٹ پر علیحدہ علیحدہ نام بنام تیار کیا گیا۔

بنیامین کے لیے جو غلہ اونٹ پر لادا گیا اس میں ایک برتن چھپا دیا گیا، اس برتن کو قرآن کریم نے ایک جگہ "السِّقَايَةَ" اور دوسری جگہ "صُوَاعَ الْمَلِكِ" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے، "السِّقَايَةَ": کے معنی پانی پینے کا برتن اور "صُوَاع" بھی اسی طرح کے برتن کو کہتے ہیں، اس کو بادشاہ کی طرف منسوب کرنے سے اتنی بات اور معلوم ہوئی کہ یہ برتن کوئی خاص قیمت اور حیثیت رکھتا تھا، بعض روایتوں میں ہے کہ "زبرجد" کا بنا ہوا تھا، بعض نے سونے کا، بعض نے چاندی کا بتلایا ہے، بہر حال یہ برتن جو بنیامین کے سامان میں چھپا دیا گیا تھا خواہ یہ کہ وہ خود اس کو استعمال کرتے تھے یا یہ کہ بادشاہ نے خود ان کے حکم سے اس برتن کو غلہ ماپنے کا پیمانہ بنادیا تھا، جب یہ سب روانہ ہوئے تو کچھ دیر کے بعد پکارنے والے نے پکارا کہ، اے قافلہ والو! تم چور ہو۔

احکام ومسائل

مذکورہ آیتوں سے چند مسئلے اور حکم معلوم ہوئے:

مسئلہ (۱):.....یہ کہ نقصان دینے والی چیزوں سے بچنے کے لیے تدبیریں کرنا توکل کے خلاف نہیں۔

مسئلہ (۲):.....یہ کہ جب ایک شخص کو کسی دوسرے شخص کے بارے میں کسی تکلیف کے پہنچ جانے کا اندیشہ ہوتو بہتر یہ ہے کہ اس کو آگاہ کردے اور اندیشہ سے بچنے کی ممکن تدبیر بتلادے جیسے یعقوب علیہ السلام نے کیا۔

پیالے کی تلاش

قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ

کہاانہوں نے اور منہ کرتے ہوئے طرف ان کی کیاہے جو تم گم پاتے ہو (۷۱) کہنے لگے گم پارہے ہیں ہم پیمانہ

الْمَلِكِ وَ لِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ ﴿۷۲﴾

بادشاہ کا اور واسطے اس کے جو لائے اسے بوجھ ہے ایک اونٹ کا اور میں اس کا ذمہ دار ہوں (۷۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔اس پکار نے پر وہ ان کی طرف منہ کر کے کہنے لگے تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے۔(۷۱) تو یوسف علیہ السلام کے لوگوں نے کہا ہم بادشاہ کا پیمانہ نہیں پاتے اور جو کوئی اس کو لائے اس کو ایک اونٹ غلّہ ملے گا اور میں اس کا ضامن ہوں۔(۷۲)

تفسیر

یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب یہ آواز سنی تو حیران رہ گئے، اور ان کی طرف متوجہ ہوکر کہنے لگے کہ تم

ہمیں چور بنا رہے ہو، یہ تو بتاؤ کہ تمہاری کیا چیز گم ہوگئی ہے۔

تو لوگوں نے جواب دیا کہ ہمیں بادشاہ کا "صُوَاع" یعنی: برتن نہیں مل رہا ہے اور جو کوئی اسے لے آئے گا اس کو ایک اونٹ غلہ انعام میں ملے گا اور میں اس کا ذمہ دار ہوں۔

اس آیت میں گم شدہ چیز کو "صُوَاع" کا نام دیا گیا ہے "صُوَاع" اور صاع ایک ہی چیز ہے، اس میں "السِّقَایَۃَ" کا لفظ بھی آیا ہے جس کا معنیٰ: پینے کا پیالہ ہوتا ہے، اور صاع تقریباً چار سیر کا ایک پیمانہ ہوتا ہے جس سے غلہ وغیرہ ماپتے ہیں، دراصل گمشدہ چیز سونا، چاندی یا زبرجد کا بنا ہوا ایک برتن تھا، ہوسکتا ہے کہ اس میں پانی بھی پیتے ہوں؛ اس لیے اسے "السِّقَایَۃَ" کہا گیا ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس برتن کے ساتھ لوگوں کو غلہ ماپ کر دیتے ہوں اور اس لحاظ سے یہ "صُوَاع" یا "صَاع" کہلاتا ہو، بعض کہتے ہیں کہ قحط کے دنوں میں یہ برتن ایک معیاری پیمانہ تھا جس کے ساتھ اناج ماپ کر دیا جاتا تھا اور یہی برتن یوسف علیہ السلام کے بھائی بنیامین کے سامان میں رکھ دیا گیا اور پھر اس کی گمشدگی کا اعلان بھی کیا گیا۔

چور کی سزا

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا
کہنے لگے قسم اللہ کی! البتہ ضرور جانتے ہو تم نہیں آئے ہم تاکہ فساد کریں میں ملک اور نہ ہیں ہم

سٰرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ
چور (۷۳) بولے پس کیا سزا ہے اس کی اگر ہوئے تم جھوٹے (۷۴) کہنے لگے سزا اس کی

مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ؕ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۷۵﴾
جو شخص کہ پایا جائے میں سامان اس کے پس وہی بدلہ اس کا اسی طرح سزا دیتے ہیں ہم ظالموں کو (۷۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (یوسف علیہ السلام کے بھائی) کہنے لگے اللہ کی قسم تمہیں معلوم ہے کہ ہم ملک میں فساد

کرنے نہیں آئے اور نہ ہم کبھی چور تھے اور نہ ہیں۔(۷۳) بولے پھر اس کی کیا سزا ہے اگر تم جھوٹے نکلے۔(۷۴) کہنے لگے اس کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں نکلے وہی اس (چوری شدہ سامان) کے بدلے میں جائے گا ہم ظالموں کو یہی سزا دیتے ہیں۔(۷۵)

تفسیر

قافلے والوں نے جو سنا کہ بادشاہ کا چاندی کا پیالہ گم ہے، تو وہ حیرت سے کہنے لگے کہ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہاں ہم اس ارادے سے نہیں آئے کہ لوگوں کو ستائیں یا ان کا مال چرائیں، ہم چور نہیں۔

یہ سن کر شاہی ملازموں نے کہا اگر تم جھوٹے نکلے اور پیالہ تم میں سے کسی کے سامان میں نکل آیا تو اس کی کیا سزا ہوگی؟

اسرائیلی شریعت میں چور کی سزا ثابت ہونے پر یہ مقرر تھی جو کوئی کسی کی چیز چرائے تو اسے غلام بنا کر سال بھر خدمت لی جاتی، ورنہ مصری قانون کے مطابق چور کی سزا یہ نہیں تھی۔

سرکاری ملازمین نے اس طرح خود یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے چور کی سزا یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق معلوم کر کے ان کو اس بات کا پابند کر دیا کہ جس کے سامان میں چوری شدہ پیالہ نکلا ہو تو وہ یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق غلام بنا کر رکھ لیا جائے گا۔

بہرحال اس طریقہ سے یوسف علیہ السلام کو ایک بہانہ مل گیا کہ وہ اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک سکیں۔

تلاشی

فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ

پس شروع کیا بوریوں ان کی سے پہلے بوری بھائی اس کے پھر نکالا اس کو سے بوری

اَخِيْهِ ؕ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ

بھائی اس کے سے اسی طرح تدبیر کیا ہم نے واسطے یوسف کے نہ تھا وہ کہ لے بھائی اپنے کو میں

دِيْنِ الْمَلِكِ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ

دین بادشاہ کے مگر یہ کہ چاہے اللہ تعالیٰ بلند کرتے ہیں ہم درجوں کو جس کے چاہیں

وَ فَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ﴿۷۶﴾

اور اوپر ہر والے علم ایک جاننے والا ہے(۷۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ سرکاری ملازم نے یوسف علیہ السلام کے بھائی کی بوری سے پہلے ان کی بوریاں دیکھنی شروع کیں آخر کو وہ برتن ان کے بھائی کی بوری سے نکالا، یوں ہم نے یوسف کو تدبیر بتلائی وہ ہرگز اس بادشاہ کے قانون کے مطابق اپنے بھائی کو نہ لے سکتا تھا سوا اس کے کہ اللہ تعالیٰ ہی چاہتا، ہم جس کے چاہیں درجے بلند کرتے ہیں اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے۔(۷۶)

تفسیر

یوسف علیہ السلام کے بھائی کے سامان سے پہلے دوسرے بھائیوں کے سامان کی تلاشی شروع کی، راز اس میں یہ تھا کہ پہلے بھائیوں کا سامان ٹٹولا جائے تا کہ کسی قسم کا شبہ نہ ہونے پائے کہ خاص بنیامین کے ساتھ اس معاملہ کا تعلق ہے اس کا سامان کھولتے ہی اس میں سے پیالہ نکلے۔

"وِعَآء" کا معنی برتن ہوتا ہے تاہم اس کا اطلاق ہر اس بوری توڑے یا تھیلہ وغیرہ پر بھی ہوتا ہے جس میں کوئی چیز رکھ کر اسے بند کر دیا جائے، تو اس سے مراد وہ بوریاں ہیں کہ جن میں غلہ بند کر کے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو دیا گیا تھا، اب گمشدہ پیمانے کی بازیابی کے لیے غلے کی بوریاں کھول کر تلاشی لی گئی، اور یوسف علیہ السلام کے ملازم نے بنیامین کو چھوڑ کر باقی بھائیوں کی تلاشی پہلے شروع کی، جب ان سب کے سامان کی تلاشی لی جا چکی اور

گمشدہ پیمانہ برآمد نہ ہوا تو آخر میں بنیامین کا سامان کھولا تو اس سے بادشاہ کا پیمانہ نکل آیا، اس وقت تو سب بھائیوں کی گردنیں شرم کی وجہ سے جھک گئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اسی طرح ہم نے یوسف علیہ السلام کے لیے اپنے بھائی کو اپنے پاس روکنے کے لئے تدبیر کی ورنہ وہ اپنے بھائی کو مصر کے بادشاہ کے قانون کے مطابق روک نہیں سکتے تھے، کیونکہ مصر کا قانون چور کے متعلق یہ تھا کہ چور کو مار پیٹ کی سزا دیجائے اور چوری شدہ سامان سے دوگنی قیمت وصول کرکے چھوڑ دیا جائے مگر انہوں نے یہاں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے چور کا حکم یعقوب علیہ السلام کی شریعت کے مطابق معلوم کرلیا تھا اس کی رو سے بنیامین کو اپنے پاس روک لینا صحیح ہوگیا، اس طرح اللہ تعالیٰ کی حکمت اور چاہت سے یوسف علیہ السلام کی یہ مراد بھی پوری ہوگئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: ہم جس کے چاہتے ہیں درجات بلند کردیتے ہیں جیسا اس واقعہ میں یوسف علیہ السلام کے درجے ان کے بھائیوں کے مقابلہ میں بلند کردیئے گئے اور ہر علم والے کے اوپر اس سے زیادہ علم والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مخلوق میں ہم نے علم کے اعتبار سے بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے بڑے سے بڑے عالم کے مقابلہ میں کوئی اس سے زیادہ علم رکھنے والا ہوتا ہے اور اگر کوئی شخص ایسا ہے کہ پوری مخلوقات میں کوئی اس سے زیادہ علم نہیں رکھتا تو پھر اللہ تعالیٰ کا علم تو سب سے بڑھ کر ہے۔

احکام و مسائل

یہاں چند مسئلے معلوم ہوئے:

مسئلہ (۱):..... "وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ" سے اس آیت کی رو سے گمشدہ چیز تلاش کرکے لانے والے کو انعام دینا جائز ہے۔

مسئلہ (۲):..... دوسرے "اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ" سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف سے مالی حق کا ضامن بن سکتا ہے۔

مسئلہ (۳):..... "كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ" سے معلوم ہوا کہ کسی شرعی مصلحت کی بناء پر معاملہ کی صورت میں کوئی ایسی تبدیلی اختیار کرنا جس سے احکام بدل جائیں جس کو فقہاء کی اصطلاح میں حیلۂ شرعیہ کہا جاتا ہے یہ جائز ہے۔

بوکھلاہٹ

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا

کہنے لگے اگر چرایا اس نے تو تحقیق چوری کی تھی بھائی اس کے نے سے پہلے پس چھپایا اس کو

يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ

یوسف نے میں جی اپنے اور نہ ظاہر کیا اس کو آگے ان کے کہا تم بدتر ہو درجہ میں

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾

اور اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے جو بیان کر رہے ہو تم (۷۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (یوسف علیہ السلام کے بھائی) کہنے لگے اگر اس نے چوری کی ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں اس کے ایک بھائی نے بھی اس سے پہلے چوری کی تھی اس وقت یوسف نے اپنے دل میں کہا اور یہ بات ان پر ظاہر نہیں کی، کہ تم گھٹیا درجے کے ہو اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو تم بیان کرتے ہو۔(۷۷)

تفسیر

بھائیوں نے یوسف علیہ السلام پر چوری کا الزام لگایا، اس کے متعلق مفسرین کرام مختلف روایات بیان کرتے

ہیں، ایک روایت تو یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام چوری کے کسی معاملہ میں کبھی ملوث نہیں ہوئے اور بھائیوں کی الزام تراشی محض اپنے آپ کو پاک قرار دینے کا ایک ذریعہ تھا، البتہ دوسری روایت یہ ہے کہ بچپن میں یوسف علیہ السلام کے ساتھ بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا تھا، جس طرح کا واقعہ بنیامین کے ساتھ مصر میں پیش آیا اور جس کی بناء پر اس پر چوری کا الزام لگایا گیا، وہ اس طرح ہے کہ اپنی والدہ کی وفات کے بعد یوسف علیہ السلام اپنی پھوپھی کی پرورش میں چلے گئے، اس دوران میں پھوپھی آپ سے بہت محبت کرنے لگی تھی پھر جب کچھ عرصہ بعد باپ نے یوسف علیہ السلام کو واپس بلانا چاہا تو پھوپھی کی محبت آڑے آ گئی وہ آپ کو جدا نہیں کرنا چاہتی تھی، مگر یعقوب علیہ السلام اس پر اصرار فرما رہے تھے۔ اس پر پھوپھی نے یہ تدبیر بنائی کہ اپنا ایک قیمتی پٹکا یوسف علیہ السلام کی کمر سے باندھ دیا پھر خود ہی پٹکے کی گمشدگی کا اعلان کر کے ادھر ادھر تلاش کر دی اور بالآخر اسے یوسف علیہ السلام کی کمر سے برآمد کر لیا جس کی وجہ سے پھوپھی نے یوسف علیہ السلام کو اپنے پاس روک لیا یہ تھی وہ چوری جس کی بابت بھائیوں نے کہا تھا کہ اگر اس (بنیامین) نے چوری کی ہے تو اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) نے بھی چوری کی تھی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام نے بنیامین کو اپنے پاس روک رکھنے کے لیے جو تدبیر اختیار کی تھی بنیامین کو اس سے پہلے اس کے بارے میں بتا دیا گیا تھا اور بنیامین نے اس تدبیر سے اتفاق کا اظہار کیا تھا، اسی طرح یوسف علیہ السلام کی پھوپھی نے آپ کے ساتھ جو کارروائی کی تھی وہ بھی آپ کی رضامندی سے کی تھی ان دونوں واقعات کو ظاہراً تو چوری کہا جا سکتا ہے اور ان پر قانون بھی جاری ہو سکتا ہے مگر حقیقت میں دونوں واقعات چوری کے نہ تھے اور نہ دونوں پر چوری کی سزا عائد ہوتی تھی، اور سارا کچھ درحقیقت غلام بنانے کے لیے نہیں بلکہ یہ تو محبت کی وجہ سے اپنے پاس روک لینے کے بہانے تھے۔

بے کار خوشامد

قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ

بولے اے عزیز! تحقیق اس کا باپ ہے بوڑھا بڑی عمر کا پس رکھ ایک ہمارا بدلے اس کے

اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا

تحقیق ہم دیکھتے ہیں تجھے میں سے احسان کرنے والوں (۷۸) کہا پناہ اللہ کی کہ پکڑیں ہم سوا

مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع ۱۱ ۹

اس کے کہ پائیں ہم مال اپنا پاس اس کے تحقیق ہم تب تو البتہ ظالم ہیں (۷۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (یوسف علیہ السلام کے بھائی) کہنے لگے اے عزیز! اس کا باپ ایک بڑی عمر کا بوڑھا ہے سو! اس کی جگہ ہم میں سے ایک کو رکھ لیں، یقیناً ہم آپ کو احسان کرنے والوں میں سے دیکھتے ہیں۔ (۷۸) (اس کے جواب میں یوسف علیہ السلام نے) کہا اللہ تعالیٰ کی پناہ کہ ہم اس کے سوا کسی اور کو پکڑیں جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ورنہ تو ہم ظالم ہوں گے۔ (۷۹)

تفسیر

حضرت یوسف علیہ السلام یہ دیکھ کر بھائی خوشامد پر اتر آئے اور انہوں نے کہا کہ اے عزیز! بھائیوں کا یہ خطاب عہدے کے لحاظ سے تھا کیونکہ جس طرح عزیز مصر کے گھر میں پرورش پائی تھی اس کی وفات کے بعد یوسف علیہ السلام اسی عہدے پر فائز ہوئے تھے البتہ بادشاہ مصر نے آپ کو عزیز سے کہیں زیادہ اختیارات دے کر خود مختار بنا دیا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس کے والد بوڑھے اور کمزور ہیں ہم پر آپ نے پہلے ہی بڑے احسان کئے ہیں ہماری

مہمان نوازی کی، شاہی مہمان بنایا اور مفت اناج دیا، آپ بڑے محسن ہیں، اب ہماری یہ درخواست بھی قبول کرلیں کہ بنیامین کو ہمارے ساتھ ہی جانے دیں اور اس کے بدلے میں ہم میں سے کسی ایک آدمی کو روک لیں، اس کے جواب میں یوسف علیہ السلام نے کہا کہ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں اس بات سے کہ ہم اس شخص کے سوا دوسرے کو روک لیں جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے، ہم تو اپنے ملزم ہی کو روکیں گے، اس کے بدلے میں کسی بے گناہ کو سزا نہیں دے سکتے، اگر ہم بے قصور کو پکڑ لیں گے تو ہم زیادتی کرنے والوں میں ہو جائیں گے، لہٰذا ہمارے لیے یہ ممکن نہیں کہ ملزم کو چھوڑ کر ایک بے گناہ کو غلام بنالیں اس جواب پر سارے بھائی لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے۔

مشورہ

فَلَمَّا اسْتَيْــَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ قَالَ كَبِيْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا

پس جب مایوس ہو گئے سے اس الگ جا بیٹھے مشورہ کرنے کہا بڑے ان کے نے کیا نہیں جانتے تم

اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ

تحقیق کہ باپ تمہارے نے تحقیق لیا ہے تم سے پکا عہد کا اللہ اور سے پہلے اس

مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ

جو کوتاہی برتی تم نے بارے یوسف کے پس ہرگز نہ میں ہٹوں گا اس زمین سے یہاں تک کہ اجازت دے لیے میرے

اَبِيْۤ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ ۚ وَ هُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾

باپ میرا یا فیصلہ کردے اللہ واسطے میرے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے (۸۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب (یوسف علیہ السلام کے بھائی) اس سے ناامید ہو گئے تو مشورہ کرنے کے لیے قافلے والوں سے الگ جا بیٹھے مشورے میں ان کے بڑے بھائی نے کہا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ تمہارے باپ

نے تم سے اللہ تعالیٰ کا پکا عہد لیا ہے اور حال یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی تم لوگ یوسف کے بارے میں کوتاہی کر چکے ہو، سو میں اس ملک سے ہرگز نہ ہٹوں گا جب تک کہ میرا باپ مجھ کو حکم دے یا اللہ تعالیٰ میرا قصہ ہی تمام کر دے (یعنی: موت دیدے) اور وہ سب بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ (۸۰)

تفسیر

ارشاد ہوتا ہے کہ: جب یوسف علیہ السلام کے بھائی اس سے مایوس ہو گئے، تو پھر وہ لوگ مشورہ کے لیے تنہائی میں چلے گئے تاکہ آئندہ کے لیے کوئی پروگرام بنا سکیں، چنانچہ اس مجلس میں ان میں جو سب سے بڑا تھا اس نے دوسرے بھائیوں کو یاد دلایا کہ ابا جان نے ہم سے بڑا پختہ قول و قرار لیا تھا اور اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہرایا تھا کہ بنیامین کو ضرور ساتھ واپس لے کر آئیں گے پھر تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس سے پہلے یوسف کے معاملے میں ہم جھوٹے ٹھہرائے جا چکے ہیں وہ گناہ بھی تمہارے سر پر ہے کہ تم نے یوسف کو گم کر دیا، اب ان دو وجوہات کی وجہ سے میرے لیے واپس کنعان جانا ممکن نہیں کہ باپ کو کیا منہ دکھاؤں گا۔

چنانچہ اس نے فیصلہ کیا کہ میں اس سرزمین سے نہیں ٹلوں گا، یعنی: میں یہیں مصر میں ہی قیام کروں گا یہاں تک کہ میرا باپ اس بات کی اجازت دے کہ میں واپس آجاؤں یا اللہ تعالیٰ میرے بارے میں کوئی فیصلہ کر دے مطلب یہ کہ خدا تعالیٰ ایسے اسباب پیدا کر دے کہ میں بھائی کو رہا کرا سکوں تو پھر واپس چلا جاؤں گا، اور اگر کوئی صورت بھی نہ ہو تو اللہ تعالیٰ میری موت کا فیصلہ ہی کر دے تاکہ یہ معاملہ میرے سر سے ویسے ہی ختم ہو جائے، ان دو صورتوں کے علاوہ میں واپس کنعان نہیں جاؤں گا اور کوئی بھی فیصلہ کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے، کیونکہ وہی سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

یہ بڑے بھائی جن کا کلام بیان ہوا ہے بعض نے فرمایا کہ یہودا ہیں اور یہ اگرچہ عمر میں بڑے نہیں مگر علم و فضل میں بڑے تھے، اور بعض مفسرین نے کہا کہ روبیل ہیں جو عمر میں دوسرے بھائیوں سے بڑے ہیں

اور یوسف علیہ السلام کے قتل نہ کرنے کا مشورہ انہوں نے دیا تھا اور بعض نے کہا یہ بڑے بھائی شمعون ہیں جو جاہ و مرتبہ کے اعتبار سے سب بھائیوں میں بڑے سمجھے جاتے تھے۔

باپ کے آگے پیشی

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ وَ مَا
لوٹ جاؤ طرف باپ اپنے کے پس کہو اے باپ ہمارے تحقیق بیٹے نے آپ کے چوری کی اور نہیں

شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَ مَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿٨١﴾ وَ سْئَلِ الْقَرْيَةَ
کہا ہم نے مگر جو ہمیں معلوم تھا اور نہ تھے ہم غیب سے واقف (۸۱) اور پوچھ لیں بستی سے

الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَ الْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٨٢﴾
کہ تھے ہم میں جس کے اور قافلہ سے کہ آئے ہم میں اس کے اور تحقیق ہم البتہ سچے ہیں (۸۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جاؤ اپنے باپ کے پاس اور کہو اے ابا جان! آپ کے بیٹے نے چوری کی اور ہم نے وہی کہا جو ہمیں خبر تھی اور ہم کو غیب کی بات کا علم نہ تھا۔(۸۱) اور پوچھ لیں اس بستی سے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم تھے اور اس قافلہ سے جس میں ہم آئے اور ہم بے شک سچے ہیں۔(۸۲)

تفسیر

بڑے بھائی نے تو اپنے بارے میں واپس کنعان نہ جانے کا فیصلہ کیا، البتہ دوسرے بھائیوں کو مشورہ دیا کہ تم لوگ واپس جا کر والد محترم سے کہو کہ اے ہمارے والد! آپ کے بیٹے نے چوری کی اور وہ پکڑ لیا گیا ہم نے جو آپ سے اسے واپس لانے کا عہد و پیمان کیا تھا اس وقت ہمیں کیا خبر تھی کہ بنیامین چوری کر بیٹھے گا غیب کی باتوں سے ہم واقف نہ تھے، اگر ہمیں غیب کا علم ہوتا تو ہم اس بھائی کو ساتھ ہی نہ لیجاتے، ہمیں کیا علم تھا کہ اس کے سامان سے شاہی پیمانہ برآمد ہوگا اگر ہمارے بس میں ہوتا تو ہم چور کو غلام بنانے کے قانون کا ذکر ہی نہ کرتے اور

نہ ہمارا بھائی روک لیا جاتا مگر اپنی ہی کہی ہوئی بات کی زد میں آگئے اور بھائی کو پکڑا بیٹھے، بہر حال غیب تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور ہم تو اسی بات کی گواہی دیتے ہیں جو کچھ ہم نے دیکھا ہے۔

چونکہ یوسف علیہ السلام کے بھائی اس سے پہلے والد کو ایک دفعہ دھوکہ دے چکے تھے اور یہ جانتے تھے کہ ہماری اس سچائی سے والد محترم کو اطمینان نہ ہوگا اور وہ ہماری بات پر یقین نہ کریں گے؛ اس لیے مزید تاکید کے لیے کہا کہ آپ کو ہمارا یقین نہ آئے تو آپ اس شہر، یعنی: مصر کے لوگوں سے تحقیق کرلیں جس میں ہم تھے، اور آپ اس قافلہ سے بھی تحقیق کر سکتے ہیں جو ہمارے ساتھ ہی مصر سے کنعان آیا ہے اور ہم اس بات میں بالکل سچے ہیں۔

احکام و مسائل

مسئلہ (۱):..... ”وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا“ سے ثابت ہوا کہ انسان جب کسی سے کوئی معاملہ اور معاہدہ کرتا ہے تو وہ ظاہری حالات ہی پر ہوتا ہے، یہ ایسی چیزوں کو شامل نہیں ہوتا جو کسی کے علم میں نہیں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے والد سے جو بھائی کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا وہ اپنے اختیاری کاموں کے بارے میں تھا اور یہ معاملہ کہ ان پر چوری کا الزام آگیا اور اس میں پکڑے گئے اس سے معاہدہ پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔

مسئلہ (۲):..... ”تفسیر قرطبی“ میں اس آیت سے یہ نکالا ہے کہ اس جملہ سے ثابت ہوا کہ گواہی کا دار و مدار علم پر ہے اس لیے کسی واقعہ کی گواہی اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دی جاسکتی ہے۔

یعقوب علیہ السلام کا جواب

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى

کہا بلکہ گھڑلی ہے واسطے تمہارے دلوں تمہارے نے ایک بات پس صبر ہی اچھا ہے قریب ہے

اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾

اللہ کہ لے آئے پاس میرے ان کو سب کے سب بے شک وہ ہی جاننے والا حکمت والا ہے (۸۳)

وَ تَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَ ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ
اور منہ پھیرا سے ان اور کہا ہائے افسوس! پر یوسف اور سفید ہوگئیں آنکھیں دونوں اس کی سے

الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾
غم پس وہ گھٹ رہے تھے (۸۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (یعقوب علیہ السلام نے) کہا کوئی نہیں تمہارے جی نے ایک بات بنائی ہے اب صبر ہی بہتر ہے شاید اللہ تعالیٰ میرے پاس ان سب کو لے آئے وہی خبردار حکمتوں والا ہے۔ (۸۳) (پھر ان سے) منہ پھیر لیا اور کہا ہائے افسوس! یوسف پر، اور اس کی آنکھیں غم سے سفید ہوگئیں، سو! وہ غم سے گھٹ رہے تھے۔ (۸۴)

تفسیر

حضرت یعقوب علیہ السلام کو یوسف علیہ السلام کی جدائی کا بڑا صدمہ تھا اب ان کے بھائی دوبارہ مصر سے بنیامین کے بغیر آئے تو وہ رنج تازہ ہوگیا اور ان کو اس کہانی میں بھی بناوٹ یا کم از کم بے توجہی کی جھلک نظر آئی انہوں نے کہا کہ سب تمہاری من گھڑت بات ہے۔

آپ کا اپنے بیٹوں پر اعتبار اٹھ چکا تھا اس سے پہلے جب آپ کے بیٹے یوسف علیہ السلام کو لے کر گئے تھے اور پھر واپس آ کر یہ کہانی سنائی تھی کہ اسے بھیڑیا کھا گیا ہے تو اس وقت بھی یعقوب علیہ السلام نے یہی جملہ استعمال کیا تھا کہ یہ حقیقت نہیں بلکہ تمہارے دلوں نے ایک بات گھڑ لی ہے، فرمایا: میں تمہاری باتوں پر یقین نہیں کرسکتا میرے لیے اب صبر ہی بہتر ہے اور ساتھ امید کا دامن تھامتے ہوئے فرمایا کہ: شاید اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لے آئے یوسف علیہ السلام بچپن میں بچھڑ گئے، بنیامین کو دوسرے سفر میں روک لیا گیا اور بڑا بیٹا خود رک گیا تھا تو آپ کو علامتوں سے کچھ معلوم ہو رہا تھا کہ شاید بچھڑنے والے سارے کے سارے ہی یکبارگی مل جائیں ادھر یوسف علیہ السلام کا بچپن کے خواب بھی ذہن میں تھا تو دل گواہی دیتا تھا کہ وہ زندہ سلامت کہیں نہ کہیں موجود ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کو اکٹھا کر کے مجھے ملا دے۔

بہر حال یعقوب علیہ السلام نے بیٹوں کے بیان کئے ہوئے واقعے کو سن کر صبر کیا اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے یہاں تک کہ یوسف علیہ السلام کی گمشدگی کے موقع پر انہوں نے کنعان کے قریب پانچ دس میل کے علاقہ میں بھی آپ کی تلاش کے لیے کوئی کوشش نہ کی بلکہ وہاں بھی صبر ہی کیا، آپ نے بالآخر یہی فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر واقعہ میں اس کی حکمت ہے اس کی حکمت کو وہی جانتا ہے کسی مخلوق کو علم نہیں ہوتا لہٰذا جو بھی معاملات پیش آرہے ہیں وہ حکمت سے خالی نہیں اور تمام تکلیفوں کو برداشت کرنے کے لیے صبر ہی بہترین ذریعہ ہے۔

بیٹوں سے اس گفتگو کے بعد آپ نے ان سے منہ پھیر لیا مزید بات چیت کرنے کے بجائے ان سے علیحدگی اختیار کر لی کیونکہ بیٹوں کی جدائی کے ذکر سے ان کی پریشانی میں اضافہ ہو رہا تھا، تنہائی میں پہنچ کر بھی ان کو چین نہ آیا بلکہ بنیامین کی جدائی نے یوسف کی جدائی کے صدمے کو ایک دفعہ پھر تازہ کر دیا فرمایا کہ ہائے میرا افسوس یوسف پر، یعقوب علیہ السلام تو یوسف علیہ السلام کی جدائی میں غمگین رہتے تھے پھر بھی بنیامین کی موجودگی ان کے لیے کسی حد تک سکون کا ذریعہ تھا پھر جب وہ بھی نظروں سے اوجھل ہو گیا تو یعقوب علیہ السلام کا غم پھر سے تازہ ہو گیا۔

فرمایا: یعقوب علیہ السلام کی حالت اس غم کی وجہ سے یہ ہو چکی تھی کہ آپ کی آنکھیں غم کی وجہ سے سفید ہو چکی تھیں اور آپ غم سے بھرے ہوئے تھے اور چالیس سال سے اس غم میں مبتلا رہے یہاں تک کہ آپ کی بینائی بھی جاتی رہی۔

صبر کی تلقین

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ
کہنے لگے قسم ہے اللہ کی! ہمیشہ رہے گا تو یاد کرتا یوسف کو یہاں تک کہ ہو جائے تو نڈھال یا ہو جائے تو

مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾ قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَ حُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَ
سے ہلاک ہونے والوں (۸۵) بولا میں تو شکایت کرتا ہوں دکھ اپنے اور رنج اپنے کی طرف اللہ کی اور

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٨٦﴾

جانتا ہوں سے اللہ جو نہیں جانتے تم (۸۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیٹوں نے کہا اللہ کی قسم! آپ یوسف کی یادیں نہ چھوڑیں گے جب تک کہ آپ غم میں گھل جائیں یا مردہ ہوجائیں۔(۸۵) حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا میں تو اپنا غم اور بے چینی اللہ کے سامنے رکھتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔(۸۶)

تفسیر

صاحبزادے والد کے اس شدید غم اور اس پر صبر ٹھتی کو دیکھ کر کہنے لگے، بخدا! آپ تو یوسف علیہ السلام کو ہمیشہ یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ آپ غم سے نڈھال ہوجائیں یا ہلاک ہونے والوں میں داخل ہوجائیں، آخر ہر صدمہ اور غم کی کوئی انتہا ہوتی ہے انسان وقت کے گذرنے سے اس کو بھول جاتا ہے، مگر آپ اتنا طویل عرصہ گذرنے کے بعد بھی اسی روز اول میں ہیں، اور آپ کا غم اسی طرح تازہ ہے، لہٰذا آپ یوسف کو بھول جائیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے صاحبزادوں کی بات سن کر فرمایا: میں تو اپنی فریاد اور رنج و غم کا اظہار تم سے یا کسی دوسرے سے نہیں کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ سے کرتا ہوں، میں اپنے اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ چیز جانتا ہوں جس کو تم نہیں جانتے۔

اُمید کا سبق

یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ وَ لَا تَایْــَٔسُوْا مِنْ

اے میرے بیٹو جاؤ پس کھوج لگاؤ کا یوسف اور بھائی اس کے کا اور نہ مایوس ہو سے

رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یَایْــَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٧﴾

رحمت اللہ کی تحقیق نہیں مایوس ہوتے سے رحمت اللہ کی مگر قوم کافروں کی (۸۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔(یعقوب علیہ السلام نے کہا) اے میرے بیٹو! جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو، کیونکہ اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہیں ۔(۸۷)

تفسیر

حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹوں کو سبق سکھاتے ہیں کہ میں کسی آدمی کے سامنے اپنی مصیبت کا دکھڑا نہیں روتا، صرف اللہ سے کام رکھتا ہوں، پھر بھی اپنے سے جو ہو سکے وہ کرتے رہنا چاہیئے، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہنا حقیقی بھروسہ نہیں، اپنی سی کوشش کرتے رہنا اور دل سے اللہ پر بھروسہ رکھنا توکل ہے؛ اس لئے تم جا کر جتنا تمہارے بس میں ہو یوسف کا پتہ لگاؤ، اس کے بھائی کے چھڑانے کی جو تدبیر ہو سکے کرو، عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو میرے پاس لے آئے، بنیامین بھی رہا ہو جائے اور یوسف علیہ السلام جس کا نام و نشان تک معلوم نہیں، شاید وہ بھی مل جائے، اللہ تعالیٰ قادر ہے اور اس سے کوئی بعید نہیں، انسان کو کسی حال میں اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہونا چاہیئے، ناامید وہی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے، ماننے والے ہمیشہ اس کی رحمت اور قدرت کی طرف دیکھتے ہیں، یعقوب علیہ السلام کا یہ سبق ہے، جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ماننے والوں کو سکھایا اور قرآن مجید نے اسے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اتنے عرصے کے بعد صاحبزادوں کو یہ حکم دیا کہ جاؤ! یوسف اور ان کے بھائی کو تلاش کرو، اور ان کے ملنے سے مایوس نہ ہو، اس سے پہلے کبھی اس طرح کا حکم نہ دیا تھا، یہ سب چیزیں تقدیر کے مطابق تھیں، اس سے پہلے ملنا تقدیر میں نہ تھا؛ اس لئے اس سے پہلے بیٹوں کو ایسا کوئی حکم نہیں دیا اور اب ملاقات کا وقت آچکا تھا؛ اس لئے اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کے دل میں مناسب تدبیریں ڈال دی، اور دونوں کی تلاش کا رُخ مصر ہی کی طرف قرار دیا گیا، جو بنیامین کے حق میں معلوم اور متعین تھا، مگر یوسف علیہ السلام کو مصر میں تلاش کرنے کی ظاہر حال کے اعتبار سے کوئی وجہ نہ تھی، لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس کے

مناسب اسباب جمع فرما دیتے ہیں؛ اس لئے اس مرتبہ تلاش کے لئے پھر صاحبزادوں کو مصر جانے کی ہدایت فرمائی، بعض حضرات نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام کو پہلی مرتبہ عزیز مصر کے اس معاملے سے کہ ان کی پونجی بھی ان کے سامان میں واپس کردی اس طرف خیال ہو گیا تھا کہ عزیز مصر کوئی بہت ہی شریف و کریم ہے شاید وہ یوسف ہی ہوں۔

باپ کے اس حکم پر یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے مصر کے تیسرے سفر کی تیاری کی، اس سفر کا ایک مقصد تو بنیامین اور یوسف علیہ السلام کی تلاش تھا اور دوسرا قحط کے اس زمانے میں اناج کا حاصل کرنا بھی تھا، اس سفر کے دوران بھائیوں کو اپنی پہلی غلطی پر شرمندگی ہو رہی تھی اور وہ دل ہی دل میں مان رہے تھے کہ انہوں نے یوسف علیہ السلام اور بنیامین کے ساتھ بہت برا سلوک کیا ہے، بہرحال یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے تھوڑی بہت پونجی جو ان کے پاس تھی ساتھ لائے اور تیسری مرتبہ مصر کے لئے روانہ ہو گئے۔

احکام و مسائل

امام قرطبی نے فرمایا کہ: یعقوب علیہ السلام کے واقعے سے ثابت ہوا کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ جب اس کو کوئی مصیبت اور تکلیف اپنی جان یا اولاد یا مال کے بارے میں پیش آئے تو اس کا علاج صبر جمیل اور اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونے سے کرے، اور اس معاملے میں یعقوب علیہ السلام اور دوسرے پیغمبروں کی پیروی کرے۔

درخواست

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ

پس جب داخل ہوئے وہ پر اس بولے اے عزیز! چھو لیا ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو سختی نے

وَ جِئۡنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزۡجٰىةٍ فَاَوۡفِ لَنَا الۡكَيۡلَ وَ تَصَدَّقۡ عَلَيۡنَا ؕ

اور آئے ہم لے کر پونجی نکمی پس پورا کریں لئے ہمارے ماپ اور صدقہ کر پر ہم

اِنَّ اللّٰهَ يَجۡزِى الۡمُتَصَدِّقِيۡنَ ۝۸۸ قَالَ هَلۡ عَلِمۡتُمۡ مَّا فَعَلۡتُمۡ

تحقیق اللہ جزا دیتا ہے صدقہ کرنے والوں کو (۸۸) کہا کیا تمہیں معلوم ہے کیا کیا تم نے

بِيُوۡسُفَ وَ اَخِيۡهِ اِذۡ اَنۡتُمۡ جٰهِلُوۡنَ ۝۸۹ قَالُوۡۤا ءَ اِنَّكَ لَاَنۡتَ

ساتھ یوسف کے اور بھائی اس کے سے جب تم نادان تھے (۸۹) بولے کیا سچ مچ تو ہی ہے

يُوۡسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوۡسُفُ وَ هٰذَاۤ اَخِىۡ قَدۡ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا ؕ

یوسف کہا میں یوسف ہوں اور یہ بھائی میرا ہے تحقیق احسان کیا اللہ نے پر ہم

اِنَّهٗ مَنۡ يَّتَّقِ وَ يَصۡبِرۡ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيۡعُ اَجۡرَ الۡمُحۡسِنِيۡنَ ۝۹۰

بات یہ ہے کہ جو کوئی بچتا ہے اور صبر کرتا ہے پس تحقیق اللہ نہیں ضائع کرتا اجر نیکوں کا (۹۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب (یوسف کے بھائی) ان کے پاس داخل ہوئے تو کہا کہ اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر کھانے پینے کی تنگی آ گئی ہے اور ہم ناقص پونجی لائے ہیں، سو! ہم کو پورا غلہ دے اور ہم پر خیرات کر اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو اچھا بدلہ دیتا ہے۔ (۸۸) (اس کے بعد یوسف نے اپنے بھائیوں سے) کہا کچھ تمہیں خبر ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا جب تم کو انجام کی خبر نہ تھی۔ (۸۹) بولے کیا سچ مچ تم یوسف ہو؟ یوسف نے جواب دیا میں یہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان کیا ہے، بے شک جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (۹۰)

تفسیر

جب یوسف کے بھائی مصر میں یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنی بات عجز وانکساری، قحط سالی

اور عزیز مصر کی خوشامد سے شروع کیا، ان کا خیال تھا کہ پہلے تکلیف بیان کر کے اناج کے حاصل کرنے بات کریں گے اور اگر حاکم کو نرم دل پایا تو پھر بنیامین کی رہائی کی درخواست بھی کریں گے، کہنے لگے، اے عزیز! ظاہر ہے کہ بھائیوں کو ابھی تک یوسف کی پہچان نہیں ہوئی تھی، وہ اپنے خیال میں جس سے بات کر رہے تھے، وہ بادشاہ کا مقرر کیا ہوا عزیز مصر تھا، ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو سخت تکلیف پہنچی ہے۔ یوسف علیہ السلام کے زمانے کا قحط اتنا شدید تھا کہ اس سے کوئی بھی نہ بچ سکا، کنعان میں رہنے والا یعقوب علیہ السلام کا خاندان بھی اس کی لپیٹ میں آ گیا اور اس سے پہلے مصر سے دو دفعہ اناج لے جانے کے باوجود ان کی کھانے کی ضروریات پوری نہیں ہو رہی تھیں، لہٰذا انہوں نے سب سے پہلے اپنی تکلیف کا ذکر کیا۔ اس کے بعد عرض کیا ہم ذرا سی پونجی ساتھ لائے ہیں، آپ اسے قبول کر لیں۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وہ پونجی چند کھوٹے سکوں، پھلوں اور صنوبر کے دانوں (چلغوزوں) پر مشتمل تھی، کچھ چمڑا تھا اور بھیڑوں کی کچھ اون تھی، جس کے بدلے میں وہ اناج حاصل کرنا چاہتے تھے، اسی کو یوسف کے بھائیوں نے نکمی پونجی کہا کہ یہ پونجی اس قابل تو نہیں ہے کہ ہمیں اس پر غلّہ پورا پورا غلّہ ملے مگر آپ اس کو قبول فرما لیں اور اس کی قیمت سے زائد غلّہ ہم پر صدقہ کر دیں یہ آپ کا احسان ہوگا اور اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو بہتر بدلہ عطاء فرماتا ہے۔

بالکل معافی

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا

بولے قسم اللہ کی! البتہ بڑھایا تجھ کو اللہ نے پر ہم اور بیشک ہم تھے خطاکار (۹۱) کہا نہیں

تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ۭ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۡ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾

کوئی سزا نہیں پر تم آج بخشے اللہ تم کو اور وہ سب مہربانوں سے مہربان ہے (۹۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یوسف کے بھائی کہنے لگے، اللہ کی قسم! تجھ کو اللہ تعالیٰ نے ہم سے زیادہ پسند کیا، بے شک ہم خطا کار تھے۔(۹۱) یوسف نے ان سے کہا آج تم پر سزا نہیں، اللہ تم کو بخشے اور وہ سب مہربانوں سے مہربان ہے۔(۹۲)

مصیبت کا خاتمہ

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ وَ

جاؤ تم لیکر قمیص میری یہ پس ڈال دو اس کو پر چہرے باپ میرے کے ہوجائے گا وہ دیکھنے والا اور

ع ۱۰/۱۴ اْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ

آجاؤ پاس میرے اپنے گھر والوں سب کے سب (۹۳) اور جب جدا ہوا قافلہ کہا باپ ان کے نے

ربع اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ

تحقیق میں البتہ پاتا ہوں خوشبو یوسف کی اگر نہ تم بہکا ہوا کہو مجھے (۹۴) بولے قسم اللہ کی!

اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾

بیشک تو ہے ضرور میں غلطی اپنی پرانی (۹۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ میرا کرتہ لے جاؤ، اور اس کو میرے والد کے چہرے پر ڈال دو وہ دیکھنے والا ہوجائے گا اور لے آؤ میرے پاس اپنے سارے گھر والوں کو۔(۹۳) اور جب قافلہ مصر سے جدا ہوا تو ان کے باپ نے کہا میں یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر تم مجھے بہکا ہوا نہ کہو۔(۹۴) بولے، اللہ کی قسم! تو بے شک ضرور اپنی پرانی غلطی میں ہے۔(۹۵)

لفظی تحقیق: "يَاْتِ بَصِيْرًا " میں "يَاْتِ " بمعنیٰ "بصير " فعل ناقص ہے اس میں ضمیر مستتر ھو اس کا

اسم ہے اور "بَصِيْرًا" فعل ناقص "يَاْتِ" کی خبر ہے۔

تفسیر

یوسف علیہ السلام نے جب اپنا راز بھائیوں پر ظاہر کردیا تو بھائیوں نے معافی مانگی، انہوں نے نہ صرف یہ کہ معاف کردیا، بلکہ گذشتہ واقعات پر کوئی ملامت بھی نہیں کی، ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی، اور اب والد سے ملاقات کی فکر ہوئی، حالات کے لحاظ سے مناسب یہ سمجھا کہ والد صاحب خاندان سمیت یہاں تشریف لائیں، مگر معلوم ہوچکا تھا کہ ان کی بینائی اس جدائی کے غم میں جاتی رہی؛ اس لئے سب سے پہلے اس کی فکر ہوئی اور بھائیوں سے کہا میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور میرے والد کے چہرے پر ڈال دو اس کی بینائی واپس لوٹ آئے گی اس پورے واقعہ میں یوسف علیہ السلام کے کرتے کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے، سب سے پہلے کرتے کا ذکر اس وقت آتا ہے جب بھائیوں نے اسے خون میں لت پت باپ کے سامنے پیش کیا، جھوٹ موٹ کا خون لگا کر قمیص باپ کے پاس لے آئے اور کہا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ پھر قمیص کا ذکر وہاں آتا ہے جب زلیخا نے اسے پیچھے سے پھاڑ دیا تھا، ان دونوں موقع پر یوسف علیہ السلام کا کرتہ بری خبر کے طور پر استعمال کیا گیا۔ مگر اب تیسری دفعہ کرتہ ایک اچھی خبر لے کر حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس جارہا ہے۔

"قرطبی" نے ایک روایت نقل کی ہے کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں میں سے یہودا نے کہا کہ یہ کرتہ میں لے جاؤں گا، کیونکہ ان کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر بھی میں ہی لے گیا تھا جس سے والد کو صدمہ پہنچا تھا، اب اس کی تلافی بھی میرے ہی ہاتھ سے ہونی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ کے بتانے سے حضرت یوسف علیہ السلام کو معلوم ہوا کہ کرتے کو حضرت یعقوب علیہ السلام کے چہرے پر ڈال دینے سے ان کی آنکھوں کی بینائی واپس آجائے گی، اصل شفا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، ظاہر میں اس کا ذریعہ وہ جس چیز کو چاہے بنادے، حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص اس کا ذریعہ ہوئی، اس لحاظ سے یہ ان کا معجزہ ہے۔

تفسیری روایت میں آتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے خوشخبری پہنچانے والے قافلے کے لئے دوسو سواریوں کا انتظام کیا، ظاہر ہے کہ ان کے بھائیوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اس قافلے میں شامل ہونگے، قافلہ شہر سے باہر نکلا ہی تھا کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے پاس والوں سے کہا کہ اگر تم مجھے بیوقوف نہ کہو تو میں تمہیں بتلاؤں کہ مجھے یوسف کی خوشبو آرہی ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہ کی راویت کے مطابق مصر سے کنعان تک آٹھ دن کی مسافت ہے، اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اسّی (۸۰) فرسخ، یعنی: تقریباً ڈھائی سومیل کا فاصلہ تھا، اللہ تعالیٰ نے اتنی دور سے یوسف علیہ السلام کی قمیص کی خوشبو یعقوب علیہ السلام تک پہنچادی۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ یعقوب علیہ السلام کو اتنی دور سے خوشبو آجانا معجزے کے طور پر ہوا کیونکہ جب یوسف علیہ السلام کنعان کے قریب صرف تین یا نو میل کے فاصلے پر کنویں میں پڑے تھے تو اس وقت تو یعقوب علیہ السلام کو کچھ معلوم نہ ہوسکا، نہ خوشبو آئی نہ کوئی خبر ملی، اور آپ نے چالیس سال کا عرصہ غم و پریشانی میں گزار دیا مگر اب جبکہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی شامل حال ہوئی، آزمائش کا زمانہ گزر گیا تو اللہ تعالیٰ نے اڑھائی سومیل سے یوسف علیہ السلام کی خوشبو باپ تک پہنچادی جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی رحمت کا جھونکا آتا ہے تو ہر چیز روشن ہوجاتی ہے، اور اس کو منظور نہ ہو تو کچھ نہیں ہوتا، بہرحال یعقوب علیہ السلام نے کنعان کے لوگوں کو یوسف علیہ السلام کی خوشخبری سنادی۔

جب یعقوب علیہ السلام کے گھر والوں یا آس پاس کے دوسرے لوگوں نے آپ کے منہ سے یہ بات سنی تو کہنے لگے اللہ کی قسم! بیشک آپ تو پرانی غلطی میں مبتلا ہیں آپ پر وہی یوسف علیہ السلام کا پرانا خیال سوار ہے، بھلا! اب چالیس سال کے بعد یوسف کہاں سے آئیگا، نہ معلوم وہ اس دنیا میں موجود بھی ہے یا نہیں، اور اگر ہے تو دنیا کے کس خطے میں کس حالت میں ہے، مگر یہ خوشبو تو معجزہ کے طور پر تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی خوشبو یعقوب علیہ السلام کے دماغ تک پہنچادی۔

اللہ تعالیٰ نے ہر کام کا ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ کوئی کام جلدی ہوجاتا ہے کوئی دیر میں، ان مصلحتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کو بعض دفعہ اپنے خاص بندوں کا امتحان مقصود ہوتا ہے تاکہ وہ اپنے صبر و تحمل سے کام لے کر

اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑے اجر وثواب کے حق دار ہوں اور ان کے مرتبے بڑھیں۔

خوشی کی گھڑی

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ

پس جب کہ آیا خوش خبری دینے والا ڈال دیا اس کو پر چہرے اس کے پس ہو گیا وہ بینا بولا

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا

کیا نہ کہا تھا میں نے سے تم کہ میں جانتا ہوں سے اللہ جو نہیں تم جانتے (۹۶) بولے

يٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ

اے باپ ہمارے! مغفرت مانگ لئے ہمارے ہمارے گناہوں کی تحقیق تھے ہم خطا کار (۹۷) کہا عنقریب

اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّيْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

میں مغفرت مانگوں گا لئے تمہارے رب اپنے سے تحقیق وہی بخشنے والا مہربان ہے (۹۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب خوشخبری دینے والا یعقوب کے پاس پہنچا تو اس نے وہ کرتہ اس کے چہرے پر ڈالا پس اس کی بینائی لوٹ آئی (یعقوب نے) کہا میں نے تم سے نہ کہا تھا کہ میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جو تم نہیں جانتے۔(۹۶) (بیٹے) کہنے لگے، اے ہمارے والد! اللہ تعالیٰ سے ہمارے گناہ بخشوایئے یقیناً ہم قصوروار تھے۔(۹۷) کہا عنقریب میں اپنے رب سے تمہاری بخشش مانگوں گا، بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے۔(۹۸)

لفظی تحقیق: "اِرْتَدَّ" بمعنی صار فعل ناقص ہے اس میں "ھو" ضمیر مستتر اس کا اسم ہے "بَصِيْرًا اِرْتَدَّ" فعل ناقص کی خبر ہے۔

تفسیر

اس موقع پر یعقوب علیہ السلام نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے وہ کچھ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، میرا دل نہیں مانتا تھا کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے اس کے بچپن کا خواب بھی میرے سامنے تھا اور اس کا پورا ہونا ابھی باقی ہے؛ اسی لئے میں تمہیں کہتا تھا کہ جاؤ! جا کر یوسف کو تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، اب میرا خیال درست ثابت ہوا ہے کہ یوسف نہ صرف زندہ ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مصر کی حکومت بھی عطا کی ہے۔

ملاقات

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ

پس جب داخل ہوئے پر یوسف ٹھکانا دیا اس نے پاس اپنے ماں باپ اپنے کو اور کہا داخل ہو مصر میں

اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَ رَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا

اگر چاہا اللہ نے امن وامان کے ساتھ (۹۹) اور اونچا بٹھایا ماں باپ اپنے کو پر تخت اور گر گئے

لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ يٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ

آگے اس کے سجدہ میں اور کہا اے باپ میرے! یہ تعبیر ہے خواب میرے کی سے پہلے اس تحقیق

جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَ قَدْ اَحْسَنَ بِيْٓ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ

کر دیا اس کو رب میرے نے سچا اور تحقیق احسان کیا اس نے ساتھ میرے جب نکالا مجھ کو سے

السِّجْنِ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ

قید خانے اور لایا تم کو سے گاؤں بعد اس کے کہ گھس پڑا شیطان

بَيْنِىْ وَ بَيْنَ اِخْوَتِىْ ؕ اِنَّ رَبِّىْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

درمیان میرے اور درمیان میرے بھائیوں کے تحقیق رب میرا آسانی کرنے والا ہے جس کے لئے چاہے تحقیق وہی

الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۰۰﴾

جاننے والا حکمت والا ہے(۱۰۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔پس جب یوسف علیہ السلام کے پاس ان کے خاندان کے لوگ داخل ہوئے تو یوسف نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی، اور کہا کہ مصر میں امن وامان کے ساتھ داخل ہو جاؤ، اگر اللہ نے چاہا تو۔(۹۹) اور اپنے ماں باپ کو تخت پر اونچا بٹھایا اور (اس کے بعد) سب کے سب اس کے آگے سجدے میں گر گئے، اور (یوسف نے اپنے والد سے کہا) اے میرے ابا! یہ میرے خواب کی تعبیر ہے، میرے رب نے اسے سچا کر دکھایا اور اس نے مجھ پر انعام کیا جب مجھ کو قید خانے سے نکالا، (یوسف علیہ السلام نے جیل خانے سے نکلنے کا ذکر کیا اور کنویں سے نکلنے کا ذکر نہیں کیا؟ تا کہ اس کے ذکر سے بھائیوں کو شرمندگی نہ ہو) اور آپ سب کو گاؤں سے لے آیا بعد اس کے کہ شیطان میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جھگڑا ڈال چکا تھا میرا رب جو چاہتا ہے اس کی تدبیر کرتا ہے، بیشک وہی ہے خبر دار ہے حکمت والا ہے۔(۱۰۰)

تفسیر

یوسف علیہ السلام نے اپنے خاندان والوں کے استقبال کے بعد کہا اب مصر میں داخل ہو جاؤ، اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ اب امن وامان میں رہیں گے، اب یہاں کوئی تکلیف نہیں ہوگی اور ہر طرح کا آرام وسکون ہوگا، جدائی کی گھڑیاں گزر چکی ہیں، قحط کو پڑے ہوئے دو سال کا عرصہ گزر چکا تھا اور ابھی پانچ سال باقی تھے مگر یوسف علیہ السلام کے حسن انتظام کی وجہ سے اور اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے کسی مزید پریشانی کا خطرہ نہیں تھا؛ اسی لئے فرمایا کہ: امن کے ساتھ مصر میں داخل ہو جاؤ۔

آیت میں "اَبَوَیۡهِ" کا لفظ آیا ہے، جو یوسف علیہ السلام کے باپ اور ماں دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے، حالانکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ آپ کی والدہ بنیامین کی پیدائش کے وقت فوت ہوگئی تھیں، اس بارے میں مفسرین نے فرمایا ہے کہ: یوسف علیہ السلام کی والدہ کا انتقال بچپن ہی میں ہو چکا تھا مگر ان کے بعد ان کی بہن "لیا" سے نکاح کر لیا تھا، جو یوسف علیہ السلام کی خالہ ہونے کی حیثیت سے بھی والدہ ہی کی طرح تھیں، اور والد کے نکاح میں ہونے کی حیثیت سے بھی والدہ ہی کہلانے کی حقدار تھیں۔

آخری تمنا

رَبِّ قَدۡ اٰتَیۡتَنِیۡ مِنَ الۡمُلۡكِ وَ عَلَّمۡتَنِیۡ مِنۡ تَاۡوِیۡلِ الۡاَحَادِیۡثِ ۚ

اے رب میرے! بیشک آپ نے مجھے عطا کیا کچھ ملک اور سکھایا مجھ کو باتوں کا مطلب بتانا

فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۟ اَنۡتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنۡیَا وَ الۡاٰخِرَةِ ۚ

اے بنانے والے! آسمانوں کے اور زمین کے آپ ہی کام بنانے والے ہیں میرا میں دنیا اور آخرت

تَوَفَّنِیۡ مُسۡلِمًا وَّ اَلۡحِقۡنِیۡ بِالصّٰلِحِیۡنَ ﴿۱۰۱﴾

موت دے مجھ کو فرمانبردار اور شامل کر مجھ کو میں نیک لوگوں (۱۰۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ (یوسف نے کہا) اے میرے رب! آپ نے مجھ کو کچھ حکومت دی اور مجھے خوابوں کی تعبیر سکھائی، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! آپ ہی دنیا اور آخرت میں میرا کام بنانے والے ہیں، مجھ کو اسلام پر موت دے اور مجھ کو نیکوں میں ملا دے۔ (۱۰۱)

تفسیر

حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان سے آنے کے بعد زندگی کے بیس سال نہایت اچھے طریقے سے

گزارے، یوسف علیہ السلام نے آپ کی خوب خدمت کی، پھر جب یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آپہنچا تو یوسف علیہ السلام اور دوسرے گھر والوں کو وصیت کی کہ انہیں ان کے والد حضرت اسحاق علیہ السلام کے قریب ہی دفن کیا جائے، آپ نے بیٹوں کو دین اسلام پر ثابت قدم اور کفر و شرک سے بیزار رہنے کی وصیت بھی کی جس کا ذکر "سورہ بقرہ" میں موجود ہے، بہرحال جب آپ کی وفات ہوگئی تو وصیت کے مطابق آپ کا جسم مبارک ایک تابوت میں رکھ کر مصر سے فلسطین اور بیت المقدس لے جایا گیا جہاں حضرت اسحاق اور ابراہیم علیہما السلام کی قبریں ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام خود میت کے ساتھ گئے اور ان کو دفن کرنے کے بعد مصر واپس آگئے، اس کے بعد آپ مصر کے لوگوں کی دینی اور مذہبی خدمات میں مصروف ہو گئے اس ساری نعمتوں کے شکر کے اظہار کے طور پر آپ نے فرمایا: اے میرے پروردگار! بیشک آپ نے مجھے ملکِ مصر پر حکومت عطا فرمائی، اور اے اللہ! آپ نے مجھے خواب کی تعبیر بتانے کا علم بھی عطا فرمایا، اس سورۃ کے پہلے رکوع میں یعقوب علیہ السلام نے خواب کے بارے میں فرمایا تھا کہ: اللہ تعالیٰ آپ کو برگزیدہ بنائے گا اور خواب کی تعبیر کا علم سکھائے گا، تو یہاں پر یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور اسی احسان کا ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد آپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے ان الفاظ میں دعاء کی، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے! دنیا اور آخرت میں آپ ہی میرے مددگار ہیں، میرے کام کو بنانا آپ ہی کے اختیار میں ہے، اے اللہ! مجھے اسلام پر وفات دیجئے گا اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دیجئے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں شامل فرما دیجئے۔

اس دعا کے ساتھ ہی حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ ختم ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ واقعات اس لئے بیان کئے ہیں تا کہ لوگ ان سے عبرت اور نصیحت حاصل کریں۔

احکام ومسائل

ان آیتوں سے ایک مسئلہ تو یہ معلوم ہوا کہ والدین کا احترام واجب ہیں، جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے واقعے سے ثابت ہوا۔

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ یوسف علیہ السلام کی شریعت میں سجدہ تعظیمی جائز تھا؛ اسی لئے والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا، مگر شریعتِ محمدیہ میں سجدہ کو خاص عبادت کی علامت قرار دے کر غیر اللہ کے لئے حرام قرار دیا گیا، خواہ وہ تعظیم کے لئے ہی ہو حتیٰ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے آگے تعظیم کی خاطر جھکنے سے بھی منع فرمایا ہے، اور حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ جب ملک شام گئے اور وہاں دیکھا کہ عیسائی اپنے بزرگوں کو سجدہ کرتے ہیں تو واپس آکر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سجدہ کرنا چاہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا، اور فرمایا کہ: اگر میں کسی کو سجدہ کرنا جائز سمجھتا تو عورت کو کہتا کہ اپنے شوہر کو سجدہ کیا کرے، اسی طرح حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لَاتَسْجُدْلِیْ یَاسَلْمَانُ وَاسْجُدْلِلْحَیِّ الَّذِیْ لَایَمُوْتُ"، "یعنی: اے سلمان! مجھے سجدہ نہ کرو بلکہ سجدہ صرف اس ذات کو کرو جو "حی وقیوم" ہے جس کو کبھی فنا نہیں"۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تعظیمی سجدہ جائز نہیں تو اور کسی بزرگ یا پیر کے لئے کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

هٰذَا تَاْوِیْلُ رُؤْیَایَ: اس سے معلوم ہوا کہ خواب کی تعبیر بعض اوقات لمبے زمانے کے بعد ظاہر ہوتی ہے، جیسے اس واقعہ میں چالیس سال کے بعد ہوا۔

قَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ: سے ثابت ہوا کہ جو شخص کسی بیماری یا مصیبت میں مبتلا ہو، پھر اس سے نجات ہو جائے تو پیغمبری سنت یہ ہے کہ نجات پر شکر ادا کرے، اور بیماری ومصیبت کو بھول جائے۔

اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ: سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جس کام کا ارادہ فرماتے ہیں اس کی ایسی تدبیریں کر دیتے ہیں کہ کسی کو اس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوسکتا، یوسف علیہ السلام کنعان کی بستی میں پیدا ہوئے اور اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ ان کو مصر کا حکمران بنایا جائے یہ بات کسی کے وہم اور خیال میں بھی نہیں آسکتی تھی اور نہ آئی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ایسے لطیف انداز سے اسباب پیدا کئے کہ ان کو مصر کا حکمران بنادیا۔

نبوت کی دلیل

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ۚ وَ مَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ

یہ سے خبروں غیب کی سے وحی کرتے ہیں ہم اس کو طرف آپ کی اور نہ تھے آپ پاس ان کے جب

اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ هُمْ یَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَ مَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ

پختہ ارادہ کی کام اپنے کا اور وہ چال چل رہے تھے (۱۰۲) اور نہیں اکثر لوگ اگرچہ

حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ مَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا

چاہیں آپ ایمان لانے والے (۱۰۳) حالانکہ نہیں مانگتے آپ ان سے پر اس کوئی بدلہ نہیں وہ مگر

ع ۱۱/۱۱ ۵ ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۴﴾

یاددہانی واسطے جہان والوں (۱۰۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ غیب کی خبریں ہیں جو آپ کے پاس ہم بھیجتے ہیں حالانکہ آپ ان کے پاس نہیں تھے جب انہوں نے اپنے کام کا پختہ ارادہ کیا اور فریب کرنے لگے۔(۱۰۲) اور اکثر لوگ یقین کرنے والے نہیں ہیں اگرچہ آپ کتنا ہی چاہے۔(۱۰۳) اور آپ ان سے اس پر کچھ بدلہ نہیں مانگتے یہ تو جہان کیلئے نصیحت کے سوا اور کچھ نہیں۔(۱۰۴)

تفسیر

یوسف علیہ السلام کے اس قصہ کو پوری تفصیل کے ساتھ صحیح صحیح بیان کر دینا آپ کی پیغمبری اور وحی کی واضح دلیل ہے، کیونکہ یہ قصہ آپ کے زمانے سے ہزاروں سال پہلے کا ہے، نہ آپ وہاں موجود تھے، کہ دیکھ کر بیان فرما دیا ہو، اور نہ آپ نے کہیں کسی سے تعلیم حاصل کی کہ تاریخ کی کتابیں دیکھ کر یا کسی سے سن کر بیان فرما دیا ہو؛ اس لئے سوائے اللہ تعالیٰ کی وحی کے اور کوئی راستہ اس کے علم کا نہیں۔

یوسف علیہ السلام کے مفصل واقعات بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجتے ہیں اور آپ کی طرف سے ان واقعات کو صحیح بیان کر دینا ہی آپ کے پیغمبر ہونے کی دلیل ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے لکھے تو نہیں تھے اور نہ آپ نے تاریخ کی کتابیں پڑھی یا سنی تھیں، اس کے باوجود ان واقعات کو ٹھیک ٹھیک بیان کر دینا اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے ہی ممکن تھا، اور یہ بات ثابت کرتی ہے کہ آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں۔

امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: یہودیوں اور مکہ کے مشرکوں نے مل کر آزمائش کے لئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا کہ اگر آپ اپنے پیغمبر ہونے کے دعوے میں سچے ہیں تو یوسف علیہ السلام کا واقعہ بتلائے کہ کب اور کس طرح ہوا، جب آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے یہ سب بتلا دیا اور وہ پھر بھی اپنے کفر وانکار پر جمے رہے تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچا، اس پر اگلی آیت میں فرمایا کہ آپ کے پیغمبر ہونے کی دلیل واضح ہونے کے باوجود بہت سے لوگ ایمان لانے والے نہیں، آپ خواہ کتنا ہی چاہ لیں وہ لوگ ہرگز ماننے والے نہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ کا کام ان تک پہنچانا اور اصلاح کی کوشش ہے اس کو کامیاب بنانا نہ آپ کے اختیار میں ہے نہ آپ کے ذمہ ہے، نہ آپ کو اس کا کوئی رنج ہونا چاہئے۔

وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ: یعنی: آپ جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ کا

پیغام پہنچانے اور صحیح راستے پر لانے کے لئے کوشش کرتے ہیں اس پر ان لوگوں سے کوئی بدلہ تو نہیں مانگتے، جس کی وجہ سے ان کو اس کے سننے یا ماننے میں کوئی دشواری ہو، بلکہ آپ کی بات تو محض خیر خواہی اور نصیحت ہے تمام جہان والوں کے لئے، اس میں اس طرف بھی اشارہ پایا جاتا ہے کہ جب اس کوشش سے آپ کا مقصد کوئی دنیاوی نہیں، بلکہ ثواب اور خیر خواہی ہے تو وہ مقصد آپ کا حاصل ہو چکا پھر آپ کیوں غمگین ہوتے ہیں۔

نشانیوں سے غفلت

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَ هُمْ
اور بہت سی نشانیاں ہیں میں آسمانوں اور زمین گزرتے ہیں وہ پر ان اور وہ

عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَ مَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَ هُمْ
سے ان منہ پھیرنے والے ہوتے ہیں (۱۰۵) اور نہیں ایمان لاتے اکثر ان کے اللہ پر مگر اس حال میں کہ وہ

مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ
شرک کرنے والے ہوں (۱۰۶) کیا اس سے بے خوف ہو گئے کہ آئے ان پر گھیر لینے والی سے عذاب اللہ کے

اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّ هُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾
یا آجائے ان پر مقرر گھڑی اچانک اس حال میں کہ وہ بے خبر ہوں (۱۰۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور آسمان اور زمین میں کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر ان کا گذر ہوتا رہتا ہے اور وہ ان پر دھیان نہیں کرتے۔ (۱۰۵) اور بہت لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے مگر ساتھ ہی شرک بھی کرتے ہیں۔ (۱۰۶) کیا اس سے بے خوف ہو گئے کہ ان کو اللہ کے عذاب کی آفت آگھیرے یا قیامت اچانک آپہنچے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ (۱۰۷)

تفسیر

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے کافروں اور مشرکوں کے بارے میں فرمایا کہ: یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر بھی ان سے سبق حاصل نہیں کرتے بلکہ ان نشانیوں سے منہ موڑتے ہوئے گذر جاتے ہیں، ارشاد ہوتا ہے کہ: ہم نے کائنات میں بے شمار نشانیاں پھیلا رکھی ہیں، جس طرح لوگ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو سن کر ان پر عمل نہیں کرتے، اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر بھی ان سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے اور ان نشانیوں سے ایسے گذر جاتے ہیں جیسے کچھ دیکھا ہی نہیں۔

وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِکُوْنَ: مشرک صرف اتنا چاہتے ہیں کہ سرداری اور بڑائی ہمارے پاس رہے، اللہ تعالیٰ کے ماننے سے ہماری یہ شان وشوکت جو اس وقت ہے کہاں رہے گی، اس وقت ہمارے خدا ہمارے کام بنا رہے ہیں کہ ہم ان سب کو چھوڑ کر کیسے ایک اللہ کے بن کر بیٹھ جائیں۔

پیغمبر کا راستہ

قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ ۣ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَ مَنِ

کہہ یہ راستہ ہے میرا بلاتا ہوں میں طرف اللہ کے پر دانائی میں اور جس نے

اتَّبَعَنِیْ ؕ وَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ﴿۱۰۸﴾

پیروی کی میری اور پاکی بیان کرتا ہوں اللہ کی اور نہیں میں سے شرک کرنے والوں (۱۰۸)

وقف النبی ﷺ

بامحاورہ ترجمہ: ۔اے پیغمبر! آپ ان کافروں اور مشرکوں سے کہہ دیں کہ! یہ ہے میرا راستہ، میں اور میرے ساتھی پوری بصیرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔ (۱۰۸)

تفسیر

مطلب یہ ہے کہ میری اس دعوت کی بنیاد کسی سرسری بات پر نہیں بلکہ پوری عقل ودانائی پر ہے، اس دعوت وبصیرت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ماننے والے مسلمانوں کو بھی شامل فرمایا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: پیروی کرنے والوں سے مراد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔

اور یہ بھی معنی ہوسکتے ہیں کہ "مَنِ اتَّبَعَنِیْ" عام ہو ہر اس شخص کے لئے جو قیامت تک پیغمبر کی دعوت کو امت تک پہنچانے کی خدمت میں مصروف ہو، کلبی اور ابن زید نے فرمایا کہ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کا دعوی کرے اس پر لازم ہے کہ آپ کی دعوت کو لوگوں میں پھیلائے، اور قرآن کی تعلیم کو عام کرے۔

پہلے پیغمبر

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ

اور نہیں　بھیجے ہم نے　سے　پہلے آپ کے　مگر　مرد　کہ وحی بھیجتے تھے ہم　طرف ان کی　سے　والوں

الْقُرٰی ؕ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

میں بستیوں　کیا پس نہیں　سیر کی انہوں نے　میں　زمین　پس دیکھتے وہ　کیسا　ہوا　انجام

الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ؕ

ان کا جو تھے　سے　پہلے ان کے　اور　البتہ گھر　آخرت کا　بہتر ہے　ان کیلئے جو　پرہیزگار ہیں

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

یا پس نہیں　سمجھتے　(۱۰۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جتنے بھی پیغمبر ہم نے آپ سے پہلے بھیجے وہ سب مرد ہی تھے بستیوں والوں میں

سے کہ ہم ان پر وحی بھیجتے تھے، سو! کیا یہ لوگ زمین میں نہیں چلتے پھرتے اوران لوگوں کا انجام نہیں دیکھا جو ان سے پہلے تھے اورآخرت کا گھر تو تقویٰ اختیار کرنے والوں کے لئے بہتر ہے کیا یہ لوگ اب بھی نہیں سمجھتے ؟(۱۰۹)

تفسیر

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ان کا خیال بالکل بیکار ہے کہ اللہ کا پیغمبر فرشتہ ہونا چاہئے انسان نہیں ہوسکتا بلکہ معاملہ اس کے الٹے کہ انسانوں کے لئے اللہ کا پیغمبر ہمیشہ انسانوں میں سے ہی آتار ہاہے کبھی کسی عورت کو، کسی جن یا فرشتے کو لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا گیا، البتہ عام انسانوں میں سے اس کو خصوصیت حاصل ہوتی ہے کہ اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے، اور وہ کسی کی کوشش وعمل کا نتیجہ نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے بندوں میں سے جس کو مناسب سمجھتے ہیں اس کام لئے چن لیتے ہیں، کیونکہ انسانوں کے لئے انسان ہی علم اور عمل میں نمونہ بن سکتے ہیں، کوئی جنس غیر جنس سے فائدہ نہیں اٹھاسکتی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی طرف انسانوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا تاکہ وہ ان کی تعلیمات سے پورا پورا فائدہ اٹھاسکیں اوران کے عملوں کو بطور نمونہ اختیار کر کے خود بھی اللہ تعالیٰ کے حکموں کی پابندی کرسکیں، مگر یہ لوگ پھر بھی انکار ہی کیے جارہے ہیں۔ ہم پہلے پیغمبروں کی طرف بھی اسی طرح وحی کرتے رہے ہیں جس طرح آپ کی طرف وحی کرتے ہیں۔ ہمارا پیغام پہنچانے کا طریقہ بھی ہمیشہ ایک طرح کا رہا ہے اور پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تمام پیغمبر بستیوں کے رہنے والوں میں سے بھیجے جاتے رہے کوئی آسمان سے فرشتے اور نہ ہی پہاڑوں اور جنگلوں سے جنات بھیجے گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہاں پر تین باتوں کا ذکر فرمایا ہے، پہلی بات یہ کہ پیغمبر ہمیشہ مرد ہوتے ہیں، دوسری بات یہ کہ پیغمبر ہمیشہ انسانوں کی بستیوں سے بھیجے گئے ہیں۔

اور تیسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی ہے کہ ہم پیغمبروں کی طرف وحی کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ وحی غیر پیغمبر پر تو نہیں آتی، بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کے پاس ہی جبرائیل علیہ السلام کو بھیج کر وحی اتارتا ہے۔ چونکہ پیغمبر صرف مرد ہوتے ہیں؛ اس لئے وحی بھی انہی پر اترتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد

حَتّٰۤی اِذَا اسۡتَیۡـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوۡۤا اَنَّهُمۡ قَدۡ کُذِبُوۡا
یہاں تک کہ جب ناامید ہونے لگے پیغمبر اور گمان کیا کہ ان سے تحقیق جھوٹ کہا گیا

جَآءَهُمۡ نَصۡرُنَا فَنُجِّیَ مَنۡ نَّشَآءُ ؕ وَ لَا یُرَدُّ بَاۡسُنَا عَنِ
آئی پاس ان کے مدد ہماری پس بچالیا گیا جن کو ہم نے چاہا اور نہیں لوٹایا جاتا عذاب ہمارے کو سے

الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۱۰﴾
ان لوگوں جو گناہ گار ہیں (۱۱۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہاں تک کہ جب پیغمبر ناامید ہونے لگے اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا ان کو ہماری مدد پہنچی پھر ہم نے جن کو چاہا بچالیا گیا اور ہمارا عذاب گنہگار قوم یعنی کافر سے نہیں ہٹایا جاتا۔(۱۱۰)

تفسیر

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تسلی کا مضمون بیان ہورہا ہے کہ پہلے پیغمبروں پر بھی بڑی آزمائشیں آئیں حتیٰ کہ پیغمبر پکار اٹھے اللہ کی مدد کب آئیگی؟ ہم تو بہت انتظار کرچکے اور بڑی تکلیفیں برداشت کرچکے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی فکر نہ کرو، اللہ کی مدد قریب ہی ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہوتی ہے وہ نافرمانوں کو مہلت دیتا رہتا ہے بعض باتوں کو انسان نہیں جانتے مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ پھر جب اس کی مصلحت کے مطابق وقت پورا ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی مدد پہنچ جاتی ہے اور انکار کرنے والوں اور جھٹلانے والوں کو پکڑ لیا جاتا ہے۔

قصہ کی غرض

لَقَدۡ کَانَ فِیۡ قَصَصِهِمۡ عِبۡرَةٌ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ؕ مَا کَانَ حَدِیۡثًا
یقیناً ہے میں قصہ ان کے عبرت واسطے عقل والوں نہیں ہے بات

يُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ
گھڑی ہوئی اور لیکن سچ کرنا اس کا جو پہلے ہے اس سے اور کھولنا ہر

ع ۱۲ ۶
شَيْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾
چیز کا اور رہنمائی اور رحمت واسطے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے ہیں (۱۱۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ البتہ ان (پچھلی قوموں) کے قصوں میں عقل والوں کے لئے عبرت اور نصیحت ہے کچھ گھڑی ہوئی بات نہیں یہ تو اس کلام کے موافق ہے جو اس سے پہلے ہے اور اس میں ہر چیز کا بیان اور ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں۔ (۱۱۱)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر بھیج کر ہمیں پچھلے لوگوں کے حالات سنائے اور سنانے کے بعد کہا کہ ان سب قصوں سے تم عبرت حاصل کر دیہ گھڑی ہوئی کہانی نہیں ہیں، یہ انہی لوگوں کے حالات ہیں جو تم سے پہلے اس دنیا میں رہے ہیں، ان میں سے جنہوں نے بُرے کام کئے، وہ اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوئے، اسی سے سمجھ لو کہ تم بھی اگر برے کام کرو گے تو انہی کی طرح عذاب پاؤ گے۔ قرآن مجید بھی پہلوں کے بیان کی تصدیق کرتا ہے، ہر شے کی بارے میں بتاتا ہے کہ یہ اچھی ہے اور یہ بری ہے، جو اس کی باتوں کو دل سے مانیں گے انہیں سیدھا راستہ مل جائے گا اور رحمت ان کے ساتھ ہوگی۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ: بیشک ان کے واقعات میں عبرت ہے عقل رکھنے والوں کے لئے۔ یوسف علیہ السلام کے ساتھ بھائیوں نے حسد کیا، آپ کے خلاف حسد اور دشمنی کا معاملہ کیا، مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے، اس کے برخلاف یوسف علیہ السلام نے صبر کیا تمام مصیبتوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے برداشت کیا، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیاب کیا اور ان کے بھائی ان کے پاس شرمندہ ہو کر آئے۔ معلوم ہوا کہ ایمان اور توحید والے ہی

آخرکار کامیاب ہوتے ہیں۔ پھران واقعات سے پاکیزگی کی نشاندہی ہوتی ہے، صبر اور ثابت قدمی کا سبق ملتا ہے اور دین کی تبلیغ کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ غرضیکہ یوسف علیہ السلام کا پورا واقعہ عقلمندوں کے لئے عبرت اور نصیحت کا ذریعہ ہے۔

قَصَصِهِمْ: گذشتہ سورتوں میں پیغمبروں کی تاریخ کے سلسلے میں حضرت نوح علیہ السلام، حضرت شعیب علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت لوط علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعات بیان ہو چکے ہیں، ان تمام واقعات میں عقل والوں کے لئے عبرت کا مکمل سامان موجود ہے۔

اب آخر میں قرآن پاک کے حق اور سچ ہونے کا ذکر ہو رہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ یہ قرآن کریم کوئی گھڑی ہوئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ تو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، قرآن سے پہلے" تورات، انجیل، زبور" اور مختلف آسمانی صحیفے اتر چکے ہیں، ان تمام آسمانی کتابوں کی قرآن پاک تصدیق کرتا ہے کہ اللہ نے ان کو لوگوں کی ہدایت کے لئے اتارا، اور پھر قرآن یہ بھی بتلاتا ہے کہ ان کتابوں میں کیا کیا خرابیاں پیدا کیں اور ان میں کس کس طرح لفظی اور معنوی بگاڑ اپید کیا گیا ہے تصدیق میں یہ دونوں باتیں آجاتی ہیں۔

اس قرآن کریم کی دوسری صفت یہ ہے" وَ تَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ " اس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے۔ ہر چیز سے وہ چیزیں مراد ہیں کہ جو انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے ضروری ہیں،" سورۃ النحل" میں ہے کہ " وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ " ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب اتاری ہے جو ہر چیز کو واضح طور پر بیان کرتی ہے اور کسی چیز میں کوئی شبہ نہیں رہتا، یہاں پر بھی ہر چیز سے وہ چیز مراد ہے جو انسان کی ہدایت کے لئے ضروری ہے۔

فرمایا: اس میں ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کیا ہے اور اس میں ہدایت بھی ہے جو زندگی کے ہر موڑ پر انسان کی رہنمائی کرتی ہے مگر اس کے لئے محنت کی ضرورت ہوتی ہے۔

اور تیسری چیز فرمایا:" وَ رَحْمَةً " اس میں رحمت بھی ہے ظاہر ہے کہ رحمت کا اترنا اس وقت ہوتا ہے جب

کوئی انسان ہدایت کا صحیح طریقہ اختیار کر کے اس پر عمل کرنے لگتا ہے۔ پھر اللہ کی رحمت بندے کی طرف متوجہ ہوجاتی ہے؛ اسی لئے فرمایا کہ: قرآن پاک ہدایت اور رحمت ہے "لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ" ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں، ہدایت کو اختیار کرتے ہیں، صحیح راستے پر چلتے ہیں، اللہ کی رحمت ایسے ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے۔

آیاتھا ۴۳ | سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتھا ۶

سورۃ الرعد مدنی ہے، اس میں تنتالیس آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

قرآن حق ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ

الٓمّٓرٰ یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور جو اتارا گیا طرف آپ کی سے رب آپ کے

الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①

حق ہے اور لیکن بہت سے لوگ نہیں ایمان لاتے (۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ الٓمّٓرٰ۔ یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا، سو! حق ہے اور لیکن بہت سے لوگ نہیں مانتے۔ (۱)

تفسیر

"سُوْرَةُ الرَّعْدِ" کا تعارف

یہ سورۃ مکی ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے یہ قرآن مجید کی تیرہویں سورت ہے۔ اس کے چھ رکوع، اور تنتالیس

(۴۳) آیتیں ہیں۔"رَعدِ" بادل کی گرج کو کہتے ہیں، اس سورت میں اس کا ذکر آیا ہے؛ اس لئے اس کا نام "سُوْرَةُ الرَّعْدِ" ہے۔ اس میں بھی مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی اصول بیان کئے گئے ہیں۔ دنیا میں یہ پہلا واقعہ تھا کہ اللہ کی طرف سے ایک اُمّی پر جس نے کہیں تعلیم نہیں پائی تھی، تھوڑی تھوڑی مدت کے وقفے سے ایک عظیم الشان کلام اتارا، جس میں انسانیت کے راز کو کھول کر سمجھا دیا گیا، اور جس کے ذریعے دنیا والوں کو ایک مکمل دستور ہمیشہ کے لئے دے دیا گیا۔

اس سورت میں بھی اس طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ قرآن شروع سے آخر تک سچی باتوں سے پُر ہے، یہ سراسر حقیقت کا اظہار ہے، یہ انسان کے پاس اس کے پیدا کرنے والے کا پیغام لے کر آیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کتاب دے کر تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے؛ اس لئے اس کی سچائی میں شبہ مت کرو، جو کچھ آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی طرف سے اتارا گیا ہے، وہ برحق ہے، جس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہیں، پھر اسی کتاب میں دین اور شریعت کے اصول ہیں، وہ بھی بلاشبہ حق ہیں، مگر اس کے باوجود اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے، تاریخ گواہ ہے کہ ہر زمانے اور ہر دور میں اکثریت غلط عقیدے پر ہی رہی ہے، لوگ صحیح عقیدے اور صحیح بات کو ماننے کے بجائے خاندانی، قومی اور ملکی رسم ورواج کے پیچھے چلتے ہیں اور اللہ کی اتاری کی ہوئی کتاب کے اصولوں اور حکموں کو اپنانے کے لئے تیار نہیں ہوتے، اس سے پہلے والی سورت میں بھی یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ لوگوں کی اکثریت بے دین ہی رہی ہے۔

یہ کتاب تم کو بتاتی ہے کہ جہاں کی تمام چیزوں کو بنانے والا اور پیدا کرنے والا ایک اللہ ہے، وہی بادلوں کو اکٹھا کرتا ہے، اور مینہ برساتا ہے، بادلوں کی کڑک اور گرج اسی کی حمد وثناء کرتی ہے، فرشتے اس کی حمد وثناء میں مشغول ہیں۔

انسان کو توجہ دلائی گئی ہے کہ دنیا عبادت کی جگہ ہے، یہاں کے ہر کام کا بدلہ آخرت میں ملے گا، کہنا ماننے والوں کے لئے جنت اور نہ ماننے والوں کے لئے دوزخ تیار ہے، قیامت کے دن ہر ایک کے عمل کا حساب لیا

جائیگا اور جو جہاں کا حق دار ہے اسے وہاں بھیج دیا جائیگا۔

اللہ تعالیٰ کی پہچان

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی

اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا آسمانوں کو بغیر سہارے کے دیکھتے ہو تم ان کو پھر قائم ہوا اوپر

الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ

عرش کے اور کام میں لگایا سورج کو اور چاند کو ہر ایک چلتا ہے وقت پر جو مقرر ہے

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ۝۲

تدبیر کرتا ہے اللہ کام کی کھولتا ہے نشانیاں تاکہ تم ملنے کا رب اپنے کے یقین کرلو (۲)

وَ هُوَ الَّذِیْ مَدَّ الْاَرْضَ وَ جَعَلَ فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْهٰرًا ؕ وَ

اور وہی ہے جس نے پھیلائی زمین اور بنائے میں اس گڑے ہوئے پہاڑ اور نہریں اور

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ یُغْشِی الَّیْلَ

سے ہر ایک پھل میں بنائے میں اس جوڑے دو دو قسم اوڑھاتا ہے رات کو

النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۳

دن پر تحقیق میں اس البتہ نشانیاں ہیں لئے ان کے جو سوچتے ہیں (۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے بغیر ستون کے آسمانوں کو اونچا بنایا جنہیں تم دیکھتے ہو، پھر عرش پر قائم ہوا اور سورج اور چاند کو کام پر لگا دیا، ہر ایک وقت مقرر تک چلتا رہے گا اللہ تعالیٰ کام کی تدبیر کرتا ہے نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کرلو۔ (۲) اور وہی ہے جس نے زمین پھیلائی اور اس میں پہاڑ اور ندیاں رکھیں اور اس میں ہر میوے کے دو دو جوڑے بنائے وہ دن پر رات کو ڈھانکتا ہے اس

میں ان کے واسطے نشانیاں ہیں جو غور وفکر کرتے ہیں۔(۳)

تفسیر

فرمایا کہ: قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر انسانوں کی ہدایت کے لئے اتارا؛ اس لئے پہلے اللہ تعالیٰ کو اس کی نشانیوں کے ذریعے پہچانو، تب کہیں تمہیں قرآن کریم کی قدر معلوم ہوگی، اللہ کا پہچاننا عقلمندوں کے لئے کچھ مشکل نہیں، اوپر آنکھ اٹھاتے ہی آسمان، سورج، چاند، ستارے نظر کے سامنے آجاتے ہیں، اور عقل مند سوچتا ہے کہ یہ کہاں سے آئے؟ انہیں کس نے بنایا؟ یہ اوپر ستونوں کے بغیر کیسے تھمے ہوئے ہیں؟ آخر اس کی عقل اسے بتاتی ہے کہ ضرور اس کا پیدا کرنے والا اللہ ہے، جو بڑی قدرت والا ہے، ہمیں تو آسمان اپنے اوپر چھایا ہوا نظر آتا ہے، لیکن کوئی سہارا ستون وغیرہ نظر نہیں آتا جس پر یہ تھما ہوا ہو۔

پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔ یہ آیت اس لحاظ سے متشابہات میں سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر قائم ہونے کی کیفیت کسی کو معلوم نہیں، جس طرح کا قائم ہونا اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے وہی مراد ہے۔

ارشاد ہے کہ: سورج اور چاند اپنی اپنی مقررہ مدت کے مطابق چلتے رہیں گے، یہ اس نظام کے تحت ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور ارادے سے مقرر کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کو ایک مقررہ قاعدے کے مطابق چلا رکھا ہے، ان میں سے ہر ایک مقررہ وقت کے لئے چلتا ہے، سورج اور چاند اپنے اپنے راستے پر سفر کرتے ہیں سورج مکمل بارہ مہینے تک ایک ہی مدار میں چلتا ہے، جب کہ چاند ہر ماہ اپنا مدار بدلتا ہے، بہرحال اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے اپنی اپنی منزلیں مقرر کردی ہیں جس میں وہ چلتے رہتے ہیں اور انسانوں کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں، سورج انسانی ضروریات کے لئے روشنی اور حرارت پہنچا رہا ہے اور اس کے اثرات سے اناج اور پھل پکتے ہیں، چاند کی دھیمی روشنی سے پھلوں میں رس پیدا ہوتا ہے، سمندر کے پانیوں میں جوار بھاٹا (مدوجزر) کا عمل پیدا ہوتا ہے اور پھر اس کا اثر ہواؤں پر بھی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند کے نظام کو ایک مقررہ مدت

تک کے لئے جاری فرمادیا ہے، جب یہ نظام اپنی مقررہ مدت کو پہنچ جائے گا تو سارا نظام درہم برہم ہوجائیگا اور پھر قیامت آجائے گی۔

اور دوسرا معنی یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ہرایک سیارے کے لئے ایک خاص رفتار اور خاص مدار مقرر کردیا ہے وہ ہمیشہ اپنے مدار پر اپنی مقررہ رفتار کے ساتھ چلتا رہتا ہے، اس حیرت انگیز نظام کی نشانیاں اللہ تعالیٰ نے تفصیل کے ساتھ ظاہر کردی ہیں، ان کے سمجھنے کے لئے انسان کو عقل دی، پھر عقل کو سوچنے کا راستہ بتانے کے لئے اپنے پیغمبر بھیجے اور ان پر کتابیں اتاریں، ان پیغمبروں میں آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اور آخری کتاب قرآن مجید ہے جس کی آیتیں انسان کی مکمل رہنمائی کرتی ہیں۔

ان سیاروں کا عظیم الشان وجود پھر ایک خاص مدار پر خاص رفتار کے ساتھ ہزاروں سال سے ایک جیسے انداز میں اسی طرح چلتے رہنا کہ نہ کبھی ان کی مشین گھستی ہے نہ ٹوٹتی ہے، نہ اس کو گریسنگ کی ضرورت ہوتی ہے، انسانی مصنوعات میں سائنس کی اس انتہائی ترقی کے بعد بھی اس کی مثال تو کیا اس کا ہزارواں حصہ ملنا بھی ناممکن ہے، قدرت کا یہ نظام بتارہا ہے کہ اس کو بنانے اور چلانے والی کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جو انسان کے سمجھ بوجھ سے بلند و بالا ہے اور وہ اللہ ہے۔

آگے فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے، انسان جو اپنی تدبیروں پر ناز کرتا ہے ذرا آنکھ کھول کر دیکھے تو معلوم ہوگا کہ اس کی تدبیر کسی چیز کو نہ پیدا کرسکتی ہے، اور نہ بناسکتی ہے، اس کی ساری تدبیروں کا حاصل اس سے زیادہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کو جوڑ توڑ کر اس کا صحیح استعمال سمجھ لے۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ: یعنی: وہ اپنی آیتوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے، اس سے مراد قرآن کی آیتیں اور زمین و آسمان کی نشانیاں بھی ہوسکتی ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے کھول کھول کر بیان فرمایا، پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مزید ان کو واضح فرمایا۔

اور یہ سب مخلوق اور ان کا عجیب و غریب نظام و تدبیر اللہ تعالیٰ نے اس لئے قائم فرمائے ہیں کہ تم اس میں

غور کرو، تو تمہیں آخرت اور قیامت کا یقین ہو جائے۔

اس کے علاوہ تم نیچے دنیا پر نظر ڈالو تو اس زمینی نظام میں بھی بہت سی نشانیاں ہیں جو اللہ کے پہچاننے کے لئے کافی ہیں، اول زمین نظر آئے گی جو دور تک پھیلی ہوئی ہے، اس میں پہاڑ جگہ جگہ اپنے اپنے مقام پر جمے ہوئے ہیں، ساتھ ہی دریا بھی بہہ رہے ہیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی تدبیر ہے۔

پہاڑوں پر پانی کا بہت بڑا ذخیرہ برف کی شکل میں موجود رہتا ہے، جس کے لئے نہ کوئی حوض ہے اور نہ ٹنکی بنانے کی ضرورت ہے، نہ ناپاک ہونے کا احتمال، نہ سڑنے کا امکان ہے، اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے برف پگھل کر زمین پر ندیاں اور نہریں بہنے لگتی ہیں۔

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ: اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ہر پھل میں دو قسم کے جوڑے پیدا کئے، یعنی: کھٹے اور میٹھے۔

يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ: پھر دن رات کے نظام کی طرف خیال کرو کہ رات دن کو ڈھانک لیتی ہے، پھر دن رات کے اوپر چھا جاتا ہے۔

عجیب انتظام

وَ فِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ

اور ہے میں زمین ٹکڑے قریب قریب اور باغات ہیں سے انگور اور کھیتیاں ہیں اور

نَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ

کھجوریں ہیں جڑی ہوئی اور بغیر جڑی ہوئی سیراب کی جاتی ہیں ساتھ پانی ایک کے اور ہم بڑھا دیتے ہیں

بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۴﴾

ایک ان کا پر ایک میں پھلوں میں تحقیق میں اس البتہ نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقلمند ہیں (۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور زمین میں ایک دوسرے کے قریب ٹکڑے ہیں اور انگور کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوریں ہیں جُڑی ہوئی اور بغیر جُڑی ہوئی ان کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور ہم ہی ہیں کہ ایک کے میوے کو دوسرے پر بڑھا دیتے ہیں (یعنی: کسی کا پھل دوسرے سے زیادہ کر دیتے ہیں، یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ کسی کا ذائقہ دوسرے سے بڑھا دیتے ہیں، ان چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں۔ (۴)

تفسیر

زمین کے ٹکڑے ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں، لیکن خاصیت ہر ایک کی الگ ہے، کوئی زرخیز ہے، کوئی کلر شور ہے، کسی علاقے کی زمین سیاہ ہے، کسی کی سرخ، کسی کی سفید ہے اور کسی خطے کی مٹیالی، کوئی زمین سخت ہے اور کوئی نرم، کوئی ریتلی ہے اور کوئی پتھریلی، کسی میں میووں اور پھلوں کے باغ لگے ہوئے ہیں، کسی میں کھیتیاں ہو رہی ہیں کہیں کھجوریں اُگی ہوئی ہیں، یعنی بعض جڑی ہوئی ہیں اور بعض جڑی ہوئی نہیں، ایک جڑ میں سے کئی کئی بھی اور ایک جڑ میں سے ایک بھی اُگتی ہے اور انگوروں کے باغات بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کئے ہیں، کھجور، انار، آم اور انگور بھی جنتی پھل ہے، اور اللہ تعالیٰ نے کھیتیاں بھی پیدا کی ہیں، جن میں اناج، پھل اور سبزیاں پیدا ہوتی ہیں جو انسانوں اور جانوروں کے کام آتی ہیں، ان سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے، لیکن پھل الگ الگ مزوں اور شکلوں کے پیدا ہوتے ہیں، کوئی کھٹا اور کوئی بہت ہی کھٹا، کوئی میٹھا اور کوئی بہت ہی میٹھا، قسما قسم کے پھلوں کا پیدا ہونا اللہ کی چاہت اور قدرت کی نشانیاں ہیں۔

اس زمین کے مختلف ہونے میں یہ حکمت بھی ہے کہ ہر حصے سے مختلف قسم کے فائدے حاصل ہوتے ہیں، کہیں سے پٹرول نکل رہا ہے تو کہیں سے کوئلہ اور لوہا نکل رہا ہے، کہیں مرمر کا پتھر پایا جاتا ہے تو کہیں سیمنٹ اور چونا ملتا ہے، کہیں سونا، چاندی ہے اور کہیں جواہرات پائے جاتے ہیں، یہ تمام چیزیں انسانی ضروریات کی ہیں اور ایک حصے کی چیزیں دوسرے حصے کے بھی کام آتی ہیں اگر ساری زمین ایک جیسی ہوتی تو زندگی گذارنے کی ایسی

مختلف ضروریات ممکن نہ ہوتی۔

تعجب کا مقام

وَ اِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَ اِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَ اِنَّا لَفِیْ
اور اگر آپ تعجب کریں تو عجیب بات ان کا یہ کہنا ہے کہ کیا جب ہم ہوگئے مٹی کیا ہم ہونگے البتہ میں

خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ
پیدائش نئی وہی ہیں جو منکر ہوئے رب اپنے سے اور وہی ہیں کہ طوق ہے

فِیْۤ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ⑤
میں گردنوں ان کی اور وہ دوزخ والے ہیں وہ میں اسی ہمیشہ رہیں گے (۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر آپ کو تعجب ہے تو ان کی یہ بات زیادہ تعجب کی ہے کہ کیا ہم جب مٹی ہو جائیں گے، تو نئے سرے سے بنائے جائیں گے؟ وہی ہیں جو اپنے رب سے منکر ہوئے اور یہ وہی لوگ ہیں کہ ان کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور وہ دوزخ والے ہیں وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۵)

تفسیر

اس آیت میں پیغمبر ﷺ کو فرمایا گیا ہے کہ اگر آپ کو اس پر تعجب ہے کہ یہ کافر آپ کے کھلے ہوئے معجزات اور آپ کی پیغمبر ہونے پر اللہ تعالیٰ کی کھلی نشانیاں دیکھنے کے باوجود آپ کو اللہ کا پیغمبر کیوں نہیں مانتے؟ تو اس سے زیادہ تعجب والی بات ان کا یہ کہنا ہے کہ کے جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو ہمیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا؟ تعجب کی بات یہ ہے کہ! یہ لوگ اس کو تو مانتے ہیں کہ پہلی مرتبہ مخلوقات کو اسی نے پیدا فرمایا ہے، پھر دوبارہ پیدا کرنے کو کیسے مشکل اور عقل کے خلاف سمجھتے ہیں۔

شاید ان کے نزدیک بڑا شبہہ یہ ہے کہ مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد انسان کے اجزاء اور ذرات دنیا

بھر میں بکھر جاتے ہیں، ہوائیں ان کو کہیں سے کہیں لیجاتی ہیں، پھر قیامت کے دن ان تمام ذرات کو کس طرح جمع کیا جائیگا اور پھر ان کو جمع کر کے دوبارہ زندہ کیسے کیا جائیگا؟

مگر وہ نہیں دیکھتے کہ اس وقت جو وجود ان کو حاصل ہے، ان میں کیا سارے جہاں کے ذرات جمع نہیں؟ دنیا کے مشرق و مغرب کی چیزیں پانی ہوا اور ان کے لائے ہوئے ذرات انسان کی غذا میں شامل ہو کر اس کے بدن کا حصہ بنتے ہیں، اس بچارے کو بسا اوقات خبر بھی نہیں ہوتی کہ ایک لقمہ جو منہ تک لے جا رہا ہے اس میں کتنے ذرات افریقہ کے، کتنے امریکہ کے اور کتنے مشرقی ممالک کے ہیں، تو جس ذات نے اپنی حکمت اور تدبیر کے ذریعے اس وقت ایک ایک انسان اور جانور کے جسم کو سارے جہان کے بکھرے ذرات جمع کر کے کھڑا کر دیا ہے کل اس کے لئے یہ کیوں مشکل ہو جائیگا کہ ان سب ذرات کو جمع کر ڈالے، جبکہ دنیا کی ساری طاقتیں ہوا اور پانی اور دوسری قوتیں سب اس کے حکم کے تابع ہیں، اس کے اشاروں پر ہوا اپنے اندر کے، اور پانی اپنے اندر کے اور فضاء اپنے اندر کے سب ذرات کو جمع کریں گی۔

حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی قدرت کو پہچانا ہی نہیں، اس کی قدرت کو اپنی قدرت پر قیاس کرتے ہیں، حالانکہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی سب چیزیں اپنی اپنی حیثیت کا شعور رکھتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق چلتی ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ! کھلی ہوئی نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود جس طرح ان کا آپ کو پیغمبر نہ ماننا تعجب کی بات ہے تو اس سے زیادہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حشر کے دن کو نہ ماننا تعجب کی بات ہے۔

اس کے بعد ان کافروں کی سزا کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ صرف آپ ہی کا انکار نہیں کرتے بلکہ درحقیقت اپنے رب کا انکار کرتے ہیں، ان کی سزا یہ ہوگی کہ قیامت کے دن ان کی گردنوں میں طوق ڈالے جائیں گے جو کہ ذلت کی نشانی ہے اور ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ جن لوگوں نے اس دنیا میں کفر کو سینے سے لگائے رکھا، قیامت والے دن یہی چیز ان کے گلے کا طوق بن جائے گی۔

یہی لوگ دوزخ والے ہیں، وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہوگی کیونکہ کفر اور شرک کی سزا ہمیشہ کے لئے ہوگی۔

عذاب میں تاخیر

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَ قَدْ خَلَتْ مِنْ

اور جلدی مانگتے ہیں آپ سے برائی کو پہلے بھلائی سے حالانکہ گزر چکی ہیں سے

قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ

پہلے ان کے بہت سے عذاب اور یقیناً رب آپ کا البتہ والا مغفرت ہے لیے لوگوں کے پر ظلم ان کے

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۞

اور یقیناً رب آپ کا البتہ سخت عذاب والا ہے (٦)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ سے بھلائی سے پہلے برائی کو جلدی مانگتے ہیں، حالانکہ اس سے پہلے بہت سے عذاب گذر چکے ہیں اور آپ کا رب لوگوں کو باوجود ان کے ظلم کے معاف بھی کر دیتا ہے اور بے شک آپ کے رب کا عذاب بھی سخت ہے۔(٦)

تفسیر

وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ الخ: یعنی یہ لوگ ہمیشہ عافیت کی میعاد ختم ہونے سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مصیبت بھیجنے کا مطالبہ کرتے ہیں (کہ اگر آپ پیغمبر ہیں تو فوری عذاب منگا دیجئے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ عذاب کے آنے کو ناممکن سمجھتے ہیں) حالانکہ ان سے پہلے دوسرے کافروں پر بہت سے واقعات عذاب کے گذر چکے ہیں جن کو لوگوں نے دیکھا ہے، تو ان پر عذاب آنا کیا مشکل ہے؟

یہاں لفظ "مَثُلٰتُ" "مثلہ" کی جمع ہے، جس کے معنی ہیں ایسی سزا جو انسان کو سب کے سامنے رسوا کردے، اور دوسروں کے لئے ایک مثال بن جائے۔

پھر فرمایا: بیشک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب لوگوں کے گناہوں اور نافرمانیوں کے باوجود بڑی بخشش اور رحمت والا ہے، اور جو لوگ اس بخشش اور رحمت سے فائدہ نہ اٹھائیں، اپنی سرکشی و نافرمانی پر جمے رہیں ان کے لئے سخت عذاب دینے والا بھی ہے؛ اس لئے اللہ تعالیٰ کے غفور و رحیم ہونے سے کسی غلط فہمی میں نہ پڑیں، کہ ہم پر عذاب آ ہی نہیں سکتا۔

کافروں کا تیسرا شبہ یہ تھا کہ اگر چہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے معجزے ہم دیکھ چکے ہیں، لیکن جن خاص خاص قسم کے معجزات کا ہم نے مطالبہ کیا ہے وہ کیوں ظاہر نہیں کرتے؟ اس کا جواب تیسری آیت میں یہ دیا گیا ہے کہ یہ لوگ آپ سے بھلائی سے پہلے برائی کو چاہتے ہیں، عافیت سے پہلے عذاب مانگتے ہیں، بھلائی تو ایمان قبول کرنے اور نیکی اختیار کرنے سے آتی ہے مگر ان کافروں کی حالت یہ ہے کہ اس کو غنیمت نہیں سمجھتے کہ عذاب سے بچے ہوئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کو بجالانے کی فرصت ملی ہوئی ہے، ان پر اگر عذاب آ گیا تو پھر یہ تباہ و برباد ہو جائیں گے، پھر آخرت کے عذاب سے بچنے کا بھی کوئی امکان نہیں، اگر عذاب کا نمونہ دیکھنا ہی ہے تو اس کے لئے پہلی قوموں کی بستیوں کے کھنڈر جا کر دیکھ سکتے ہیں جنہوں نے پیغمبروں کے ڈراوے کو نہیں مانا ان کو دنیا اور آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ: اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانی پر فوری پکڑ نہیں کرتا بلکہ مہلت دیتا ہے اور دوسری یہ کہ جو شخص اپنے عقیدے اور فکر کو پاک کر لیتا ہے اس کے لئے بخشش کا ذریعہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے بندوں کو خبردار کروں کہ میں بخشش کرنے والا اور مہربان ہوں، اور میری سزا بھی بڑی سخت ہے، یہاں بھی فرمایا کہ: ایک طرف تو آپ کا رب زیادتی کرنے کے باوجود لوگوں کو معاف کرنے والا ہے اور دوسری طرف خدا تعالیٰ سخت سزا

دینے والا بھی ہے، انسان کی توجہ اللہ تعالیٰ کی ان دونوں صفتوں کی طرف ہونی چاہیئے، اگر کسی کو مہلت ملے تو اسے مغرور نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ خدا تعالیٰ کی پکڑ بھی بڑی سخت ہے، فرمایا: اگر خدا کی پکڑ نہ ہوتی تو لوگ بھروسہ کر کے ہی بیٹھ جاتے، گویا معافی اور سزا کا قانون ساتھ ساتھ چلتا ہے۔نسان کو اللہ کی پکڑ کا ڈر بھی ہو اور اس کی بخشش کی امید بھی۔

معجزوں کا مطالبہ

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ط
اور　کہتے ہیں　وہ لوگ جنہوں نے　کفر کیا　کیوں　نہ　اتاری گئی　پر اس　کوئی نشانی　سے　رب اس بات کے

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّ لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ﴿۷﴾ ع
یہی ہے کہ　آپ　ڈرانے والے ہیں　اور　واسطے　ہر قوم کے　ہدایت کرنے والا ہوا ہے (۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کافر کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے (ہماری منہ مانگی کوئی نشانی) کیوں نہ اتری، آپ کا کام تو ڈر سنا دینا ہے اور ہر قوم کے لئے ایک راہ دکھانے والا ہوا ہے (آپ راہ دکھانے والے ہیں راہ پر چلانے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں وہ جسے چاہے سیدھی راہ پر چلا دے۔(۷)

تفسیر

اس نشانی (معجزے) سے وہ نشانی مراد ہے جو کافر خود اپنے منہ سے طلب کرتے تھے، ورنہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ہاتھ پر بے شمار نشانیاں ظاہر فرمائی ہیں مگر ضدی لوگ اپنی من مانی نشانی پر اڑے ہوئے ہیں، کہتے ہیں کہ اگر یہ اللہ کا پیغمبر ہے تو اسے کسی کے مطالبہ کرتے ہی اس کی منہ مانگی نشانی فوراً دکھا دینی چاہئے، مثلاً پلک جھپکنے میں زمین سے چشمے جاری کر دے، ایک ہرا بھرا میووں سے لدا ہوا باغ فوراً پیدا کر دے، آسمان کا ٹکڑا توڑ

کر ہم پر گرادے، اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو سامنے لا کھڑا کردے، سونے کا ایک گھر اپنے لئے فوراً تیار کر کے دکھادے یا آسمان پر چڑھ کر دکھادے اور وہاں سے مکمل کتاب لاکر ہمارے سامنے رکھ دے، ان بے ہودہ مطالبوں کا جواب اس آیت میں انتہائی سنجیدگی سے یہ دیا گیا ہے کہ نشانیوں کا ظاہر کرنا پیغمبر کا کام نہیں بلکہ یہ تو اللہ کا کام ہے، وہ جب چاہے اپنی مصلحت کے مطابق کوئی معجزہ ظاہر کردے کوئی پیغمبر اپنی مرضی سے معجزہ ظاہر نہیں کرسکتا۔

اے پیغمبر! آپ تو ڈرسنانے والے ہیں، آپ لوگوں کو عذاب سے ڈرائیں، ہر پیغمبر کو اللہ نے ماننے والوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور نہ ماننے والوں کے لئے ڈرسنانے والا بنا کر بھیجا ہے، اور ہر قوم کا ایک سیدھی راہ دکھانے والا ہوا ہے، اللہ نے اپنے آخری پیغمبر کو بھی ہادی بنا کر بھیجا ہے آپ کا کام ہدایت کا راستہ دکھانا اور ڈرسنانا ہے، لوگوں کی فرمائشیں پوری کرنا نہ آپ کے ذمہ ہے اور نہ آپ کے اختیار میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی صفات

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَ مَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَ مَا
اللہ جانتا ہے جو پیٹ میں رکھتی ہے ہر مادہ اور جو کمی ہوتی ہے رحموں میں اور جو

تَزْدَادُ ؕ وَ كُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ
زیادتی کرتے ہے اور ہر چیز پاس اس کے اندازہ کے ساتھ ہے (۸) جاننے والا ہے چھپے کا اور کھلے کا

الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ
بزرگ برتر (۹) برابر ہے سے تم جو چھپا کر کہے بات اور جو پکار کر کہے

بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّيْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝۱۰
اس کو اور جو وہ چھپنے والا رات میں اور چل پھر رہا ہے دن میں (۱۰)

با محاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو ہر مادہ پیٹ میں اٹھائے پھرتی ہے اور وہی پوری طرح باخبر ہے

اس کی کمی زیادتی سے جو رحموں (بچہ دانیوں) میں ہوتی رہتی ہے اور اس کے ہاں ہر چیز کا اندازہ ہے۔ (۸) اور وہ ظاہر اور پوشیدہ کا جاننے والا ہے، سب سے بڑا اور سب سے اعلیٰ ہے۔ (۹) تم میں جو آہستہ بات کہے، اور جو پکار کر کہے اور جو رات میں چھپ رہا ہے اور جو دن میں پھر رہا ہے، برابر ہے۔ (۱۰)

تفسیر

اللہ تعالیٰ وہی ہے جو جانتا ہے کہ مادہ اپنے رحم، یعنی: بچہ دانی میں کیا اٹھائے پھرتی ہے، مادہ سے مراد عورت بھی ہوسکتی ہے اور ہر جانور کی مادہ بھی۔ "سورۃ لقمان" کی آخری آیت میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے، فرمایا: وہی جانتا ہے کہ ماں کے رحم میں کیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ پیدا ہونے والے بچے کی تفصیلات نہ تو بچہ کی ماں جانتی ہے اور نہ ہی کوئی دوسرا شخص جانتا ہے بلکہ اس کی اصل کیفیت کو اللہ تعالی ہی جانتا ہے، موجودہ میڈیکل سائنس اس حد تک تو ترقی کر چکی ہے کہ یہ بتا سکے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی، مگر پیدا ہونے والے بچہ کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتا کہ آیا کہ بچہ پورا ہوگا یا نہیں؟ اس کا رنگ گورا ہوگا یا کالا؟ یہ بڑا ہو کر خوش نصیب ہوگا یا بدنصیب؟ یہ کس وقت پیدا ہوگا؟ اس کی عمر کتنی ہوگی؟ دولت مند ہوگا یا مفلس؟ تعلیم یافتہ ہوگا یا نہیں؟ فرمایا: ان تمام چیزوں کو اللہ ہی جانتے ہیں جو خالق اور مالک ہیں، اور یہی اس کے ایک برحق معبود ہونے کی دلیل ہے۔

اور اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں جو کچھ ماں کے رحم، یعنی: بچہ دانی میں کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے، رحم میں موجود چیز کی مقدار کبھی کم ہوتی ہے اور کبھی زیادہ، اس کی مصلحت کو بھی اللہ ہی جانتا ہے، کیونکہ ہر چیز اس کے نزدیک ایک اندازے کے مطابق ہوتی ہے، بعض اوقات رحم میں صرف ایک بچہ ہوتا ہے جب کہ بعض اوقات دو یا زیادہ بھی ہوتے ہیں، اور بعض اوقات ایک ہوتا ہے وہ بھی ادھورا۔

وہی اللہ پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے، یہ بات قابل ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں کیونکہ کائنات میں ذرّے کے برابر بھی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے غائب نہیں ہے، اس کے علم میں تو ہر چھوٹی بڑی چیز ہے۔

فرمایا: جو کوئی تم میں سے پوشیدہ طور پر کوئی بات کرتا ہے یا ظاہراً کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے لئے سب برابر ہے، وہ ظاہر و باطن سب کو جانتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تو سینوں کے رازوں کو بھی جانتا ہے اور جو رات کے وقت چھپنے والا ہے اس کو بھی جانتا ہے بعض لوگوں کا کاروبار رات کے وقت شروع ہوتا ہے، چور اور بدکار لوگ اپنا کام رات کے وقت کرتے ہیں تاکہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل رہ سکیں، یہ رات کے وقت چھپنے والے لوگ ہیں اور دن کے وقت چلنے والے بھی اللہ کے ہاں برابر ہیں، جو لوگ دن کے وقت کاروبار کرتے ہیں، گلی کوچوں اور بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں، وہ بھی اللہ کے علم میں ہیں، گویا اس کی نظروں سے رات اور دن میں کوئی بھی غائب نہیں، وہ سب کو جانتا ہے، انسان کسی بھی حالت میں ہوں اللہ کے نزدیک برابر ہیں، وہ ان پر نظر رکھتا ہے اور ان کا ضرور حساب لیا جائے گا۔

احکام ومسائل

"غیب" سے مراد وہ چیز ہے جو نہ آنکھوں سے دیکھی جاسکے نہ کانوں سے سنی جاسکے، نہ ناک سے سونگھی جاسکے نہ زبان سے چکھی جاسکے نہ ہاتھوں سے چھو کر معلوم کی جاسکے۔

"شہادت" اس کے بالمقابل وہ چیزیں ہیں جن کو انسان دیکھ کر معلوم کر سکے، معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص صفت یہ ہے کہ وہ ہر غیب کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح حاضر و موجود کو جانتا ہے۔

"اَلْكَبِيْرُ" کے معنی بڑا اور "مُتَعَالِ" کے معنی بلند، مراد ان دونوں لفظوں سے یہ ہے کہ وہ مخلوقات کی صفتوں سے بلند و بالا اور بہت بڑا ہے، کافر اور مشرک اللہ تعالیٰ کیلئے اجمالی طور پر بڑائی کا تو اقرار کرتے تھے مگر اپنی ناسمجھی سے اللہ تعالیٰ کو بھی عام انسانوں کی طرح سمجھ کر اللہ کے لئے ایسی صفتیں ثابت کرتے تھے جو اس کی شان سے بہت دور ہیں، جیسے: یہودیوں اور عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی اور بیٹا ثابت کیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے بالکل پاک وصاف ہیں۔

قومی پستی

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ

واسطے اسی کے پہرے دار ہیں سے آگے اس کے اور سے پیچھے اس کے جو حفاظت کرتے ہیں اس کی سے حکم

اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ؕ

اللہ تحقیق اللہ نہیں بدلتا جو کسی قوم کے پاس ہے یہاں تک کہ وہ بدلیں جو کچھ پاس ہے ان کے

وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ

اور جب ارادہ کرتا ہے اللہ ساتھ کسی قوم کے برائی کا تو پھر نہیں ٹلنا واسطے اس کے اور نہیں واسطے ان کے سے

دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ﴿۱۱﴾

سوا اس کے کوئی والی (۱۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بندہ کے آگے پیچھے اس کے پہرے والے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی نگہبانی کرتے ہیں اللہ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک وہ نہ بدلیں جو ان کے جیوں میں ہے، اور جب اللہ کسی قوم پر آفت لانی چاہتا ہے تو پھر (وہ) اس سے نہیں پھرتی اور اللہ تعالیٰ کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں۔(۱۱)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: ہر شخص کے لئے آگے پیچھے آنے والے مقرر ہیں، اس کے آگے بھی اور پیچھے بھی، اس سے مراد اللہ کے فرشتے ہیں جو اس نے ہر آدمی کے لئے بطور نگران مقرر کر رکھے ہیں، وہ اللہ کے حکم کے مطابق اس شخص کی حفاظت کرتے ہیں، ہر انسان کے ساتھ ایسے فرشتے مقرر ہیں جو اسے نقصان پہنچانے والے جانوروں، جنوں اور شیطانوں کے شر اور ہر قسم کے حادثوں سے محفوظ رکھتے ہیں۔

"صحیح بخاری" کی حدیث میں ہے کہ فرشتوں کی دو جماعتیں حفاظت کے لئے مقرر ہیں ایک رات کے لئے دوسری دن کے لئے، اور یہ دونوں جماعتیں صبح اور عصر کی نمازوں میں جمع ہوتی ہیں صبح کی نماز کے بعد رات کے محافظ کام سنبھال لیتے ہیں، اور عصر کی نماز کے بعد یہ رخصت ہو جاتے ہیں، رات کے فرشتے آ جاتے ہیں۔

"ابوداؤد" کی ایک اور حدیث میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ہر انسان کے ساتھ کچھ حفاظت کرنے والے فرشتے مقرر ہیں جو سوتے جاگتے میں اس کی حفاظت کرتے رہتے ہیں کہ اس کے اوپر کوئی دیوار وغیرہ نہ گر جائے، یا کسی گڑھے اور غار میں نہ گر جائے، یا کوئی جانور یا انسان اس کو تکلیف نہ پہنچائے، البتہ جب اللہ تعالیٰ کا حکم کسی انسان کو بلا و مصیبت میں مبتلا کرنے کے لئے ہو جاتا ہے تو محافظ فرشتے وہاں سے ہٹ جاتے ہیں۔

حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: اگر انسان سے یہ حفاظتِ خداوندی کا پہرہ ہٹا دیا جائے تو جنات ان کی زندگی وبال کر دیں، لیکن یہ سب حفاظتی پہرے اسی وقت کام کرتے ہیں جب تک اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں ان کی حفاظت منظور ہوتی ہے، اور جب اللہ تعالیٰ ہی کسی بندے کو مصیبت میں ڈالنا مبتلا چاہیں تو یہ حفاظتی پہرہ ہٹ جاتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ! اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی حفاظت کے لئے فرشتوں کا پہرہ لگا رہتا ہے، لیکن جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر اور اس کی فرمانبرداری چھوڑ کر بد عملی، بدکرداری اور سرکشی اختیار کر لے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا حفاظتی پہرہ اٹھا لیتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کا قہر و عذاب ان پر آتا ہے جس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں رہتی۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں حالت بدلنے سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی قوم اطاعت اور شکر گذاری چھوڑ کر اپنے حالات میں بری تبدیلی پیدا کرے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی حفاظت اور رحمت اٹھا لیتے ہیں۔

جو شخص خود اپنی حالت کی اصلاح کا ارادہ نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کی امداد و نصرت کا وعدہ نہیں، بلکہ یہ وعدہ اسی حالت میں ہے جب کوئی خود بھی اصلاح کی فکر کرے جیسے کہ آیت "وَ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا

فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہدایت کے راستے جب ہی کھلتے ہیں جب خود ہدایت کی طلب موجود ہو، البتہ انعامات کا وعدہ بغیر اپنی کوشش کے حاصل نہیں ہوتا، اور کسی قوم کو بغیر عمل کے انعامات کا انتظار کرتے رہنا خود کو دھوکہ دینے کی طرح ہے۔

خوف اور اُمید

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ يُنْشِئُ السَّحَابَ
وہی ہے جو دکھاتا ہے تمہیں بجلی ڈرانے اور طمع دلانے کیلئے اور اٹھاتا ہے بادل

الثِّقَالَ ﴿۱۲﴾ وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ
بوجھل (۱۲) اور تسبیح کرتا ہے رعد ساتھ حمد اس کی کے اور فرشتے سے ڈر اس کے

وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَ هُمْ يُجَادِلُوْنَ
اور بھیجتا ہے کڑک دار بجلیاں پس گراتا ہے ان کو جس پر چاہے اور وہ جھگڑتے ہیں

فِي اللّٰهِ وَ هُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾
بارے میں اللہ کے اور وہ سخت ہے گرفت کرنے میں (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ: اللہ وہی ہے جو تمہیں بجلی دکھاتا ہے ڈرانے اور طمع دلانے کیلئے اور بھاری بادل اٹھاتا ہے۔ (۱۲) اور سبحان اللہ کہتا ہے اس کی حمد کو ساتھ ملا کر رعد فرشتہ، اور دوسرے فرشتے اس کے خوف سے، وہ کڑک دار بجلیاں بھیجتا ہے، پھر وہ جس پر چاہے ڈالتا ہے اور یہ لوگ اللہ کی بات میں جھگڑتے ہیں اور اس کی پکڑ سخت ہے۔ (۱۳)

تفسیر

اس آیت میں توحید کی دلیلوں کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جو تم کو خوف اور

امید دلانے کے لئے بجلی دکھلاتا ہے، جب بادل گرجتا ہے اور بجلی چمکتی ہے تو اس سے نقصان کا خوف بھی آتا ہے، اور اس سے خوشحالی کی امید بھی ہوتی ہے کہ بارش برسے گی، سبزیاں اناج اور پھل پیدا ہوں گے، جس سے انسان اور جانور فائدہ اٹھائیں گے، اللہ تعالیٰ اس طرف انسانوں کی توجہ کرانا چاہتا ہے کہ ایمان کا صحیح مقام خوف اور امید کے درمیان ہی ہے، انسان نہ تو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بے خوف ہو جائے اور نہ ہی اس کی رحمت سے مایوس ہو، اسی میں ہی کامیابی ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ: اللہ وہ ذات ہے جو بڑے بوجھل بادلوں کو اٹھاتا ہے، یہ بادل پانی سے بھرپور ہوتے ہیں اور ہوائیں انہیں اس طرف لے جاتی ہیں جہاں بارش برسانا مقصود ہوتا ہے، بارش کا کم یا زیادہ ہونا اور اس کا فائدہ یا نقصان پہچانے والا ہونا اللہ تعالیٰ کی چاہت اور ارادے کے ساتھ ہوتا ہے، گویا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ایک برحق معبود ہونے کی دلیلیں ہیں، فرمایا: اور رعد فرشتہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے اس کی تعریف کے ساتھ "وَالۡمَلٰٓئِكَةُ مِنۡ خِيۡفَتِهٖ" اور دوسرے فرشتے بھی خدا تعالیٰ کے خوف سے اس کی تسبیح اور حمد بیان کرتے ہیں۔

رعد: لغوی طور پر گرج کو بھی کہا جاتا ہے، یہاں پر ایک فرشتہ مراد ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الرعد ملک مؤکل" "رعد" ایک فرشتہ ہے جو بادلوں پر مقرر ہے، اس کے ہاتھ میں کوڑا ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ بادلوں کو ہانکتا ہے۔

فرمایا: اللہ کی ذات وہ ہے جو کڑک کو بھیجتا ہے، جب کسی کو نقصان پہنچانا مطلوب ہوتا ہے تو اس پر بجلی بھیجی جاتی ہے جو اللہ کی چاہت کے مطابق تھوڑا یا زیادہ نقصان پہنچاتی ہے، بعض اوقات یہ بجلی پہاڑوں، درختوں یا جانوروں پر گرتی ہے تو اس کے مطابق نقصان ہوتا ہے۔

اس کے بعد فرمایا کہ: یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی توحید کے معاملہ میں جھگڑتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کافروں اور مشرکوں کو سخت عذاب دینے والا ہے ان کے شریک ان کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتے۔

پکارنا کسے چاہئے؟

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ
لیے اسی کے پکارنا ٹھیک اور جن کو پکارتے ہیں سے سوا اس کے وہ نہیں جواب دیتے

لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَ مَا
انہیں کچھ مگر مثل پھیلانے والے دونوں ہتھیلیوں کا طرف پانی کی تاکہ پہنچ جائے منہ اس کے تک اور نہیں

هُوَ بِبَالِغِهٖ ؕ وَ مَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾
وہ پہنچنے والا اسے اور نہیں پکار کافروں کی مگر میں گمراہی (۱۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اسی کا پکارنا حق ہے اور جن کو (یہ لوگ) اس (اللہ) کے سوا پکارتے ہیں وہ ان کے کچھ کام نہیں آتے، جیسے کسی نے دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلائیں کہ پانی اٹھ کر اس کے منہ تک آ پہنچے اور وہ اس تک کبھی نہ پہنچے گا۔ اور کافروں کی سب پکار بیکار ہے۔ (۱۴)

تفسیر

جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ فائدہ اور نقصان صرف اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کے سوا کچھ کسی کے بس میں نہیں، ساری چیزوں کا جاننے والا صرف وہی ہے اور چھپے کھلے سارے حالات سے وہی واقف ہے، اسی میں لینے دینے کی طاقت، نقصان اور دکھ، سکھ پہنچانے کی قدرت ہے تو پھر اب دوسروں کو اپنا معبود کیوں بناتے ہو اور ضرورت کے وقت کسی اور کے آگے ہاتھ کیوں پھیلاتے ہو۔

ارشاد ہوتا ہے: "لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ" اس کی دعوت برحق ہے، دعوت حق سے مراد وہ دعوت ہے جو ایمان اور توحید کی طرف دی جائے، جو لوگ اس کے علاوہ دوسروں کو پکارتے ہیں دوسروں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں

وہ کفر اور شرک کرتے ہیں، وہ پکارنے والوں کو کوئی جواب نہیں دے سکتا، اللہ کے سوا کوئی کسی کے کام نہیں آسکتا، نہ کسی کی کوئی مشکل حل کرسکتا ہے۔ جیسے: کوئی شخص اپنے ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے اور پانی کو بلائے تاکہ وہ اس کے منہ تک پہنچ جائے مگر وہ اس تک پہنچنے والا نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص لاکھ آوازیں دے پانی کی طرف ہاتھ بھی بڑھائے اور چاہے کہ پانی خود بخود اٹھ کر اس کے منہ تک پہنچ جائے، فرمایا: ایسا نہیں ہوگا، جس طرح یہ ناممکن ہے اسی طرح اللہ کے سوا پکارنا بھی بے فائدہ ہے، اس کی حاجت کبھی پوری نہیں ہوگی، اور کافروں کی پکار گمراہی کے سوا کچھ نہیں ہے، مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کو پکارنا نری گمراہی ہے، جن کو کچھ اختیار ہی نہیں، ان کو پکارنا بے وقوفی ہے، قرآن کریم میں اس مضمون کو مختلف انداز سے خوب کھول کر بیان کیا گیا ہے۔

خلاصۂ کلام

اس سورت میں شروع سے یہ بیان کیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پہچان عقلمند کے لئے آسان ہے، کیونکہ اس جہاں میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہونے کی گواہی دے رہی ہے، سورج، چاند کا ایک خاص رفتار سے چلنا دنیا کا نظام یہ سب انسان کے سامنے ہے، پھر یہ کشادہ زمین جو دور دراز تک لاکھوں میل پھیلی ہوئی ہے جس میں اونچے اونچے پہاڑ جمے ہوئے کھڑے ہیں، دریا بہہ رہے ہیں، مختلف پھل مختلف مزوں کے میوے پیدا ہورہے ہیں، کبھی دن ہے کبھی رات ہے، یہ سب بجائے خود اپنے بنانے والے کا پتہ دے رہے ہیں، ہر قسم کی سبزی اور پھل اور غلے اپنے اپنے موسموں میں موجود ہوتے ہیں۔ پھر ختم ہوجاتے ہیں۔ اس کے بعد پھر پیدا ہوتے ہیں، اس سے عقلمند یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اللہ تعالیٰ یقیناً موجود ہے، اور وہی سب نظام کا چلانے والا ہے اور یہ سب اسی کی قدرت کے کرشمے ہیں، قرآن مجید ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے ہونے کی قطعی علامتیں بتاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّ

اور خالص اللہ کو سجدہ کرتا ہے جو کوئی میں ہے آسمانوں اور زمین خوشی سے اور ناخوشی سے اور

ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ۝۱۵

پرچھائیاں ان کی صبح اور شام (۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے خوشی سے اور ناخوشی سے، اوران کے سائے صبح وشام اللہ کو سجدے کرتے ہیں۔(۱۵)

تفسیر

آسمانوں میں فرشتے اور زمین میں مؤمنین اللہ تعالیٰ کو"طَوْعًا" سجدہ کرتے ہیں، یعنی: اپنی خوشی سے، اور منافق لوگ اللہ تعالیٰ کو"کَرْھًا" یعنی: مومنین کے دباؤ اور ڈر سے ناچاہتے ہوئے سجدہ کرتے ہیں اوران کے سائے اور خالص کافروں کے سائے بھی صبح وشام اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں یہ ان سب کا فطری سجدہ ہے۔

احکام ومسائل

سجدہ تلاوت ادا کرنے کے لئے بھی وہی شرطیں ہیں جو نماز کے لئے ہیں، یعنی: انسان باوضو ہو، اس کے کپڑے اور جسم پاک ہوں اور وہ قبلہ رخ ہو، اس سجدہ کی دو تکبیریں ہوتی ہیں،"اللہ اکبر" کہتے ہوئے سجدہ میں جائے، تسبیح پڑھے، اور پھر"اللہ اکبر" کہتا ہوا اٹھ کھڑا ہو، اس میں ہاتھ کانوں تک اٹھانے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

ایک ضروری مسئلہ یہ بھی ہے کہ سجدہ تلاوت صرف اس وقت واجب ہوگا جب قرآن پاک کے اصل الفاظ پڑھے یا سنے گا، اگر کوئی شخص آیت سجدہ کا محض ترجمہ پڑھے یا سنے گا تو اس پر سجدہ واجب نہیں ہوگا، اگر کسی نے گراموفون، ٹیپ ریکارڈر، ریڈیو یا ٹیلی ویژن پر سجدہ کی آیت سنی تو اس پر سجدہ واجب نہیں ہوگا، مگر صحیح بات یہی ہے کہ اگر قرآن مجید کے الفاظ کسی بھی ذریعے سے سنے تو اس پر سجدہ کر لینا ہی بہتر ہے۔

توحید

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ

کہہ دیں کہ کون ہے رب آسمانوں کا اور زمین کا کہہ دیں اللہ ہے کہہ دیجیے کیا پس بناتے ہو تم

مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا ؕ

سے سوا اس کے حمایتی جو نہیں مالک واسطے اپنی جانوں کے نفع کا اور نہ نقصان کا

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَ الْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ

کہہ دیجیے کیا برابر ہے اندھا اور آنکھوں والا یا کیا برابر ہیں اندھیرے

وَ النُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ

اور اجالا یا بنائے ہیں واسطے اللہ کے شریک کہ پیدا کیا انہوں نے طرح مخلوق اس کی پس مل جل گئی مخلوق

عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑯

پر ان کہہ دیجیے اللہ پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی ہے یکتا غالب (۱۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ آپ پوچھیں کہ آسمان اور زمین کا رب کون ہے؟ کہہ دیں! اللہ ہے، (پھر) آپ (ان سے) کہیں کہ کیا تم نے اس کے سوا ایسے حمایتی پکڑے ہیں جو اپنے بھلے اور برے کے مالک نہیں؟ آپ کہہ دیجئے کہ! کیا اندھا اور دیکھنے والا برابر ہوتا ہے؟ یا اندھیرے اور اجالا کہیں برابر ہوسکتے ہیں؟ کیا انہوں نے اللہ کے لئے ایسے شریک ٹھہرائے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی طرح کوئی مخلوق پیدا کر لی ہے؟ پھر ان کی نظر میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور ان کے شریکوں کی مخلوق آپس میں گڈمڈ ہوگئی، آپ کہہ دیں! اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی اکیلا زبردست ہے۔ (۱۶) (انکے شریکوں کی کوئی مخلوق نہیں جو اللہ کے شریکوں کے ساتھ گڈمڈ ہوگئی ہو؛ اس لئے کہ سب مخلوق کا پیدا کرنے والا صرف اللہ ہے۔)

تفسیر

اندھیروں سے مراد کفر کے اندھیرے ہیں اور نور سے مراد ایمان کی روشنی ہے، اندھے سے مراد کافر ہے اور آنکھوں والے سے مراد مومن ہے، ان سوالات کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح اندھیرا اور روشنی برابر نہیں، اسی طرح کفر اور ایمان بھی برابر نہیں؛ اس لئے کہ کافر کی سزا دوزخ ہے، اور ایمان کا بدلہ جنت ہے، اور جس طرح اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں، اسی طرح کافر اور مومن برابر نہیں؛ اس لئے کہ کافر اللہ تعالیٰ کا دشمن اور مومن اللہ تعالیٰ کا دوست ہے، کافر کا ٹھکانہ دوزخ اور مومن کا ٹھکانہ جنت ہے۔

کوڑا کرکٹ

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ

اتارا اس نے سے آسمان پانی پس بہے ندی نالے سے اپنے اپنے انداز پھر اٹھایا

السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًاؕ وَ مِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ فِی النَّارِ ابْتِغَآءَ

نالے کی روانی جھاگ جمع ہونے والا اور سے اس کہ جلاتے ہیں پر جس میں آگ حاصل کرنے کو

حِلْیَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗؕ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَ

زیور یا سامان جھاگ ہیں اسی جیسے اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ سچے اور

الْبَاطِلَ۬ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءًۚ وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ

جھوٹے کو پس لیکن جھاگ سو! جاتا رہتا ہے بیکار کر اور لیکن جو نفع دیتا ہے لوگوں کو

فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِؕ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَؕ۝۱۷

پس ٹھہر جاتا ہے میں زمین اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ مثالیں (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اس نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اپنی اپنی مقدار کے موافق نالے بہنے لگے، پھر وہ نالا پھولا ہوا جھاگ اوپر لے آیا اور جس کو آگ میں زیور یا اسباب کے واسطے دھونکتے ہیں اس میں بھی ویسا ہے جھاگ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ حق اور باطل کو یوں بیان کرتا ہے، سو! وہ جھاگ تو سوکھ کر جاتا رہتا ہے، اور وہ جو لوگوں کے کام آتا ہے وہ زمین میں باقی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس طرح مثالیں بیان کرتا ہے۔ (۱۷)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کی کشمکش کی یہ مثال بیان فرمائی ہے کہ جب یہ آپس میں ٹکراتے ہیں تو باطل جھاگ کی مانند اوپر آجاتا ہے، تھوڑی دیر کے لئے اس میں جوش وخروش پیدا ہوتا ہے مگر وہ آخر کار مٹ جاتا ہے، اور کارآمد پانی کی مثال حق کی ہے جو باقی رہتا ہے اور جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، جب انسان کے دل میں حق اترتا ہے تو بعض اوقات وہم اور شک وشبہ بھی پیدا ہوتے ہیں مگر جھاگ کی طرح یہ بھی کچھ وقت کے بعد ختم ہوجاتے ہیں اور انسان کے دل میں حق بات ٹھہر جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ باطل کے وقتی جوش وخروش کو دیکھ کر گھبرانا نہیں چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد برحق ہے کہ باطل تو بالآخر مٹ جانے والی چیز ہے، کفر، شرک کتنا بھی زور ماریں وہ بالآخر ختم ہونگے اور ایمان ہی باقی رہے گا، باطل کی عمر زیادہ سے زیادہ اس عارضی دنیا کی زندگی تک ہوسکتی ہے، مگر ایمان، نیکی، توحید اپنی جگہ پر قائم رہیں گے، اور یہی چیزیں لوگوں کو ہمیشہ فائدہ دینے والی ہیں۔

انجام

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا

لیے ان لوگوں کے جنہوں نے بات مانی رب اپنے کی بھلائی ہے اور وہ جنہوں نے نہ مانی بات

لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ

اس کی اگر یہ ہوکہ واسطے ان ہو جو میں ہے زمین سب کے سب اور اتنا ہی ساتھ اس کے تو بدلے میں دے دیں اسکے

وقف النبی ﷺ

ع ۲ ۱۱ ۸

أُولَٰئِكَ لَهُمْ سُوءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۞۱۸

وہی ہیں واسطے ان کے برا حساب ہے اور ٹھکانہ ان کا دوزخ ہے اور وہ برا بستر ہے (۱۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جنہوں نے اپنے رب کا حکم مانا ان کے لئے بھلائی ہے اور جنہوں نے ان کا حکم نہ مانا اگر ان کے پاس جو کچھ زمین میں ہے سارا ہو اور اتنا ہی ان کے ساتھ اور بھی ہو تو سب دے ڈالیں اپنے بدلے میں (پھر بھی) ان لوگوں کے لئے برا حساب ہے اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بُرا بچھونا ہے۔ (۱۸)

تفسیر

جو لوگ پیغمبروں کے کہنے اور قرآن کی آیت پر غور کرنے سے اصل بات کو مان لیتے ہیں اور اپنے رب کے فرمان کے مطابق عمل کرتے ہیں یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے حق کو پہچان لیا، اب یہ ان کو دنیا اور آخرت دونوں میں بڑا نفع پہنچائے گا لیکن جنہوں نے اپنے رب کی بات نہ مانی مرنے کے بعد وہ خالی ہاتھ ہونگے وہاں انہیں دنیا کے سازوسامان کی حقیقت معلوم ہوگی۔ کہ وہ محض کوڑا کرکٹ اور میل کچیل تھا جو اصلی باتوں کے گرد جمع ہو گیا تھا، اس دن اگر وہ سارے کا سارا ان کے پاس ہو، بلکہ اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہوتا تو وہ اس کو اپنی جان عذاب سے چھڑانے کے لئے فوراً دے ڈالیں گے۔

دوسری جگہ ہے کہ سونے چاندی اور روپے پیسے سے پوری زمین بھری ہوئی ہو اور اس سے ڈبل بھی ہو، اور اگر وہ شخص جان خلاصی کے لئے پوری کی پوری زمین فدیہ دینا چاہے تو وہ قبول نہیں کی جائے گی، حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت والے دن فرمائے گا اے آدم کے بیٹے! اگر یہ ساری زمین سونے سے بھری ہوئی ہو، تو کیا تو اسے عذاب سے اپنی جان بچانے کیلئے دے دے گا؟ وہ آدمی عرض کرے گا، پروردگار! ہاں میں تیار ہوں، اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو جھوٹا ہے تو ابھی باپ کی پشت میں تھا جب میں نے تجھ سے مطالبہ کیا تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا، مگر تو نے میرا حکم نہ مانا، اب یہ ساری زمین اور اس سے دگنی بھی تیرے لئے جان

چھڑانے کا بدلہ نہیں بن سکتی۔

ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا: یہ لوگ برے حساب والے ہیں، ظاہر ہے کہ بُرے حساب کی وجہ سے ہی پکڑ آئے گی، بچاؤ کی کوئی صورت نہیں ہوگی، ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا جو رہنے کی بہت بُری جگہ ہے، وہاں آرام نہیں بلکہ دکھ ہی دکھ ہوگا۔

مؤمن اور کافر ہرگز برابر نہیں

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ

کیا پس وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو اتارا گیا طرف آپ کی سے طرف رب آپ کے حق ہے اس جیسا ہے جو

اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ

اندھا ہو؟ بات یہ ہے کہ سمجھتے عقل والے ہی ہیں (۱۹) وہ جو پورا کرتے ہیں عہد

اللّٰهِ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ﴿۲۰﴾ وَ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ

اللہ کا اور نہیں توڑتے قول و قرار (۲۰) اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں اس کو حکم دیا اللہ نے

بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ يَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ؕ

جسے ملانے کا اور ڈرتے ہیں رب اپنے سے اور خوف کرتے ہیں برے حساب کا (۲۱)

وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ

اور وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا طلب کرنے کیلئے خوشی رب اپنے کی اور قائم رکھا نماز کو اور

اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ

خرچ کیا میں سے اس جو دیا ہم نے انہیں چھپے اور کھلے اور ٹال دیتے ہیں ساتھ نیکی کے

السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾

برائی کو یہی ہیں وہ واسطے ان کے آخرت کا گھر ہے (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بھلا! کیا وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے وہ حق ہے اس کے برابر ہو سکتا ہے جو اندھا ہو (ہرگز نہیں) بلاشبہ عقل والے ہی نصیحت پکڑتے ہیں۔(۱۹) یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور پھر اس عہد کو توڑتے نہیں۔(۲۰) اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں جس کو اللہ نے ملانے کو فرمایا اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور برے حساب سے ڈرتے ہیں۔(۲۱) اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی خوشی کے لئے صبر کیا اور نماز قائم رکھی، اور ہمارے دیئے میں سے پوشیدہ اور ظاہری طور پر خرچ کرتے ہیں اور وہ برائی کے مقابلے میں بھلائی کرتے ہیں ان لوگوں کے لئے آخرت کا گھر، یعنی: جنت ہے۔(۲۲)

تفسیر

یعنی: جو شخص جانتا اور مانتا ہے کہ جو تیرے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے وہ حق ہے، اس شخص کی طرح نہیں وہ سکتا جو اندھا (منکر) ہے۔

خدا تعالیٰ کے "وحدہ لاشریک" ہونے کا خالی جان لینا کافی نہیں، کیونکہ یہ جاننا تو یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی حاصل تھا مگر وہ اس کو مانتے نہیں تھے، لہٰذا ان کا صرف جاننا مفید نہیں ہے، اور جس شخص کے پاس نہ تو علم ہے کہ قرآن پاک برحق ہے اور نہ وہ اس کے حق ہونے پر یقین رکھتا ہے اسے قرآن پاک کے اتارنے کا علم نہیں، وہ نابینا آدمی کی طرح ہے جسے کچھ نظر نہیں آتا۔ ایسا آدمی تو حق و باطل، روشنی اور اندھیرا، صحیح اور غلط میں فرق ہی نہیں کر سکتا، گویا ایمان دار آدمی آنکھوں والے کی طرح ہے اور مشرک، کافر اور منافق اندھے کی طرح اور ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

اس کے بعد ایمان والے اور کافر و منافق لوگوں کی صفتوں کو بیان کیا گیا ہے، فرمایا کہ: ایمان والے اور اللہ کے فرمانبردار لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرتے ہیں، مراد اس سے وہ تمام عہد اور وعدے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے لئے ہیں، جن میں سب سے پہلا وہ اقرار ہے جو ازل میں تمام

روحوں سے لیا گیا تھا، "اَلَسْتُ بِرَبِّكُم " یعنی: کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟" جس کے جواب میں سب نے یک زبان ہو کر کہا تھا، "بَلٰی " "یعنی: کیوں نہیں"، آپ ضرور ہمارے رب ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے تمام حکموں کی پیروی تمام فرائض کی ادائیگی اور ناجائز چیزوں سے بچ کر زندگی گذارنا اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو پورا کرنا ہے کیونکہ اس کے رب ہونے کے اقرار میں اس بات کا اقرار ہو گیا کہ جو کچھ آپ ہمیں حکم دیں گے ہم اسے مانیں گے۔

"میثاق" سے مراد وہ عہد اور وعدے ہیں جو امت کے لوگ اپنے پیغمبروں سے کرتے ہیں، اور وہ معاہدہ بھی جو ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ کرتا ہے۔

"ابوداوٗدؒ" نے بروایت عوف ابن مالک رضی اللہ عنہ یہ حدیث نقل کی ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے اس پر عہد اور بیعت لی کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے، اور پانچ وقت نماز پابندی سے ادا کریں گے اور اپنے امراء کی اطاعت کریں گے، اور کسی انسان سے کسی چیز کا سوال نہ کریں گے۔

جو لوگ اس بیعت میں شریک تھے ان کے عہد کی پابندی کا حال یہ تھا کہ اگر گھوڑے پر سواری کے وقت ان کے ہاتھ سے کوڑا اگر جاتا تو کسی سے سوال نہ کرتے تھے کہ یہ کوڑا اٹھا دو، بلکہ خود سواری سے اُتر کر اٹھاتے تھے۔

تیسری صفت اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار لوگوں کی یہ بتلائی گئی "وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ " یعنی: یہ لوگ ایسے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جن تعلقات کو ملا کر رکھنے کا حکم دیا ہے ان کو ملا کر رکھتے ہیں" اس کی مشہور تفسیر تو یہی ہے کہ رشتہ داری کے تعلقات قائم رکھنے اور ان کے تقاضوں پر عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے جو حکم دیا ہے یہ لوگ ان تعلقات کو قائم رکھتے ہیں، بعض مفسرین نے فرمایا کہ: اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان کے ساتھ عمل صالح کو یا پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پر ایمان کے ساتھ پچھلے پیغمبروں اور ان کی کتابوں پر ایمان کو ملا دیتے ہیں۔

چوتھی صفت یہ بیان فرمائی "وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ" یعنی: یہ لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہیں، خشیت اسی خوف کو کہا جاتا ہے جو عظمت و محبت کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے؛ اسی لئے اگلے جملے میں جہاں حساب کتاب کی سختی کا خوف بیان کیا گیا ہے وہاں خشیت کا لفظ نہیں، بلکہ خوف ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے، ارشاد فرمایا: "وَ يَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ" "یعنی: یہ لوگ بُرے حساب سے ڈرتے ہیں" بُرے حساب سے مراد حساب میں سختی ہے۔

چھٹی صفت یہ بیان فرمائی: "وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ" "یعنی: وہ لوگ جو خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صبر کرتے ہیں"۔

صبر کے معنی ثابت قدمی کے ساتھ اپنے کام پر لگے رہنا ہے، اسی لئے صبر کی دو قسمیں بیان کی جاتی ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کو پورا کرنے پر ثابت قدم رہنا، دوسرے گناہوں سے بچنے پر ثابت قدم رہنا، کافروں اور مشرکوں کی ایذا رسانی کی وجہ سے دین کا دامن نہ چھوڑنا، بلکہ دین پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہنا صبر ہے، صبر کے ساتھ "اِبْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ" ذکر فرما کر یہ بتادیا کہ صبر اس وقت فائدہ مند ہے جبکہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو۔

ساتویں صفت "اَقَامُوا الصَّلٰوةَ" ہے، اقامتِ صلاۃ کے معنی نماز کو ان کے وقت میں پورے آداب و شرائط اور خشوع و خضوع سے ہمیشہ ادا کرنا ہے۔

آٹھویں صفت "اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً" ہے "یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق میں سے کچھ اللہ کے نام پر بھی خرچ کرتے ہیں"۔

مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے ساتھ "سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً" کے ذکر کرنے سے معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات میں ہر جگہ چھپا کر دینا ضروری نہیں بلکہ بعض اوقات اس کا ظاہر کر دینا بھی صحیح ہوتا ہے؛ اسی لئے علماء نے فرمایا کہ زکوۃ اور صدقات واجبہ کی ادائیگی اعلانیہ طور پر ہونی چاہئے تاکہ دوسرے لوگوں کو بھی تلقین و ترغیب ہو، البتہ نفلی صدقات کا خفیہ طور پر دینا افضل و بہتر ہے، جن کا احادیث میں دینے کی فضیلت آئی ہے وہ نفلی صدقات ہی

کے متعلق ہے۔

نویں صفت " وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ " یعنی: یہ لوگ بُرائی کو بھلائی سے دشمنی کو دوستی سے، ظلم کو عفوودرگذر سے دفع کرتے ہیں، بُرائی سے پیش نہیں آتے، اور بعض حضرات نے اس کے یہ معنی بیان فرمائے ہیں کہ گناہ کو نیکی سے دفع کرتے ہیں، یعنی: اگر کسی وقت کوئی خطاء وگناہ سرزد ہوجاتا ہے تو اس کے بعد طاعت و عبادت کر کے گناہ کو دفع کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں کی یہ نو صفتیں بیان کرنے کے بعد ان کی جزاء یہ بیان فرمائی " أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ " ان کے لیے دنیا اور آخرت کے گھر میں اچھا انجام ہے۔

بھلائی کا پھل

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ

باغات ہمیشہ کے داخل ہوں گے وہ ان میں اور جو نیک تھے سے بزرگوں ان کے اور بیویوں ان کی میں

وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ

اور اولاد ان کی میں اور فرشتے داخل ہوں گے پر ان سے ہر دروازے سے (۲۳) سلام

عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾

پر تم بدلے اس کے کہ تم نے صبر کیا پس خوب ہے پچھلا گھر (۲۴)

بامحاورہ ترجمہ: رہنے کے لئے باغ ہیں جن میں وہ لوگ داخل ہونگے اور جو ان کے باپ دادوں میں اور بیویوں میں اور اولاد میں نیک ہوئے (وہ بھی اس میں داخل ہونگے) اور ان کے پاس ہر دروازے سے فرشتے یہ کہتے ہوئے آئیں گے۔ (۲۳) سلامتی ہو تم پر! تمہارے صبر کے بدلے، سو! آخرت کا گھر خوب ملا۔ (۲۴)

تفسیر

فرمایا: جن لوگوں میں یہ خوبیاں پائیں جائیں گی یہی لوگ ہیں جن کے لئے آخرت کا گھر ہے، جن میں باغات ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے یہ نیک بندے ان باغوں میں داخل ہوں گے اور ان کے ساتھ ان کے باپ دادا اور بیویوں اور اولادوں میں سے نیک لوگ بھی جنت میں داخل ہوں گے، ایک مومن کو یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ ان کے خاندان کے افراد اگرچہ عمل میں ان سے کم تر ہوں گے، مگر ان کی وجہ سے وہ بھی ان کے ساتھ جنت کے بلند مقام میں ہوں گے، جنت کے اعلیٰ مقام میں رہنے والے جب اپنے رشتے داروں کے متعلق اللہ کے آگے تشویش ظاہر کریں گے اور پوچھیں گے کہ وہ کس درجے میں ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ ان کے رشتہ داروں کو بھی ان کے ساتھ ملادیں گے، دوسری جگہ پر ہے اگر ایمان اور نیکی ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے اولادوں کو بھی ان کے ساتھ ملادیں گے، اور ان پر ہر دروازے سے فرشتے داخل ہونگے اور کہیں گے کہ تم پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے سلامتی ہو اس وجہ سے کہ تم نے اس دنیا میں صبر کیا آخرت کا گھر کیا ہی اچھا ہے، جو صبر کی برکت سے حاصل ہوا، فرشتے مبارکباد دیں گے جس سے ایمان والوں کی خوشی میں اضافہ ہوگا، یہ نیک لوگوں کا انجام بیان ہوا، اب اگلی آیت میں بُرے لوگوں کا حال بیان ہوگا۔

دوسرا گروہ

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ

اور جو لوگ توڑتے ہیں عہد اللہ کا سے بعد پختہ ہونے اس کے اور کاٹتے ہیں اس کو

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰٓئِكَ

جسے حکم دیا اللہ نے ساتھ اس کے جوڑنے کا اور فساد کرتے ہیں میں زمین یہی لوگ ہیں

لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾

واسطے ان کے لعنت ہے اور واسطے ان کے برا گھر ہے (۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جولوگ اللہ تعالیٰ کو مضبوط عہد دے کر توڑتے ہیں اور اس چیز کو جسے اللہ نے جوڑنے کو کہا توڑتے ہیں اور زمین میں فساد مچاتے ہیں ان لوگوں کے لئے لعنت ہے اور ان کے لئے بُرا گھر ہے۔(۲۵)

تفسیر

اس سے پہلی آیتوں میں نیک لوگوں کی نشانیاں بتلا کر فرمایا تھا کہ ان کو مرنے کے بعد آخرت میں چین و آرام نصیب ہوگا، اس آیت میں دوسری قسم کے لوگوں کا ذکر ہے جو ان کے اُلٹ ہیں۔

اور جولوگ اللہ کے ساتھ پکا عہد کرنے کے بعد توڑتے ہیں اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ یہ عہد ہے کہ بندے اس کو اپنی ذات اور صفات میں ایک جانیں اور ایک مانیں، اس کے حکموں کی پابندی کریں، اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے رکیں۔

اور یہ نافرمان لوگ اس چیز کو جسے اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے توڑتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے رشتہ داری نبھانے کا حکم فرمایا مگر یہ لوگ رشتہ داریاں توڑتے ہیں، ایسے بے عقل لوگ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں، کفر، شرک، منافقت کرنا زمین میں فساد مچانا ہے جبکہ اس کے برعکس ایمان اور توحید درستگی اور اصلاح ہے، جس طرح شیطان مردود خدا کی رحمت سے محروم ہے اسی طرح یہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہیں، "سورہ ہود" میں اللہ تعالیٰ نے نافرمان قوموں کا حال بیان کرکے فرمایا کہ اس دنیا میں بھی ان پر لعنت بھیجی جاتی ہے اور آخرت میں بھی وہ اسی میں پھنسے رہیں گے۔

احکام ومسائل

ان آیتوں میں انسانی زندگی کے متعلق خاص خاص حکم اور ہدایتیں آئی ہیں، بعض واضح اور بعض اشارے کے طور پر، مثلاً:

مسئلہ(۱):...."اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ" سے ثابت ہوا کہ

جو معاہدہ کسی سے کرلیا جائے اس کی پابندی فرض اور اس کی خلاف ورزی حرام ہے، خواہ وہ معاہدہ اللہ اور پیغمبر سے ہو جیسے ایمان کا عہد کرنا یا مخلوقات میں کسی سے ہو، خواہ مسلمان سے یا کافر سے، عہد کی خلاف ورزی کرنا بہر حال حرام ہے۔

مسئلہ (۲):..... "وَ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ" سے معلوم ہوا کہ اسلام کی تعلیم تعلقات کو جوڑنے کی ہے توڑنے کی نہیں، بلکہ ضروری تعلقات کو قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کی ہے، ماں باپ کے حقوق، اولاد، بیوی اور بہن بھائیوں کے حقوق، دوسرے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر لازم کئے ہیں، ان حقوق کو ادا کرنا اور تعلقات کو جوڑ کر رکھنا ہر انسان پر لازم کیا ہے۔

صلہ رحمی اور رشتہ داری کے تعلقات کو قائم رکھنے اور ان کی خبر گیری اور حقوق ادا کرنے کی تاکید قرآن کریم کی بے شمار آیتوں میں آئی ہے۔

اور "بخاری و مسلم" کی حدیث میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے رزق میں وسعت اور کاموں میں برکت عطا فرمادیں تو اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے، صلہ رحمی کے معنی یہی ہیں کہ جن سے رشتہ داری کے خصوصی تعلقات ہیں ان کی خبر گیری اور اپنی حیثیت کے مطابق مدد کرے۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک گاؤں والا دیہاتی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر حاضر ہوا، اور سوال کیا کہ مجھے یہ بتلا دیجئے کہ وہ عمل کونسا ہے جو مجھے جنت سے قریب اور جہنم سے دور کردے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، اور نماز قائم کرو، زکوۃ ادا کرو اور صلہ رحمی کرو، یعنی: شریعت کے حدود میں رہتے ہوئے رشتہ داریاں نبھاؤ، کیونکہ شریعت کی خلاف ورزی کرکے رشتہ داریاں نبھانا نہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور نہ اس میں کوئی اجر و ثواب ہے بلکہ الٹا گناہ ہے۔

اور "صحیح بخاری" میں حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: صلہ رحمی اتنی بات کا نام نہیں کہ تم دوسرے عزیز کے احسان کا بدلہ ادا کرو، اور اس نے تمہارے ساتھ کوئی احسان کیا ہے تو تم اس

پر احسان کرو، کیونکہ یہ تو بدلہ ہے، اصل رحمی یہ ہے کہ تمہارا رشتہ دار عزیز تمہارے حقوق میں کوتاہی کرے، تم سے تعلق نہ رکھے، تم پھر بھی محض اللہ کے لئے اس سے تعلق قائم رکھو، اور اس پر احسان کرو۔

رشتہ داروں کے حقوق ادا کرنے اور ان کے تعلقات کو نبھانے ہی کے خیال سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے نسب ناموں کو محفوظ رکھو، جن کے ذریعے تمہاری اپنی رشتہ داریاں محفوظ رہ سکیں، اور تم ان کے حقوق ادا کر سکو، پھر ارشاد فرمایا کہ: صلہ رحمی کے فائدے یہ ہیں کہ اس سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے اور مال میں برکت اور زیادتی ہوتی ہے، اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔

اور "صحیح مسلم" کی ایک حدیث میں ہے کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بڑی صلہ رحمی یہ ہے کہ آدمی اپنے باپ کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں سے وہی تعلقات قائم رکھے جو باپ کے سامنے تھے۔

مسئلہ (۳):..... "وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ " سے معلوم ہوا کہ صبر کی جو فضیلتیں قرآن وحدیث میں آئی ہیں کہ صبر کرنے والے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہوتی ہے اور بے حساب اجر وثواب ملتا ہے وہ سب اسی وقت ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صبر اختیار کیا ہو، ورنہ یوں تو ہر شخص کو کبھی نہ کبھی صبر آ ہی جاتا ہے۔

دنیا وآخرت

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ ؕ وَ فَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ

اللہ کشادہ کرتا ہے روزی جس کے لئے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے اور خوش ہیں وہ سے زندگی

الدُّنْيَا ؕ وَ مَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ۝۲۶ ع ۸/۳ ۹

دنیا کی حالانکہ نہیں زندگی دنیا کی میں مقابلے آخرت کے مگر تھوڑی سی پونجی (۲۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ جس کے لئے چاہے روزی کشادہ کرتا ہے اور جس کیلئے چاہے تنگ کرتا ہے

اور وہ دنیا کی زندگی سے خوش ہیں، حالانکہ آخرت کے آگے دنیا کی زندگی معمولی سامان کے سوا کچھ نہیں۔(۲۶)

تفسیر

ایک شبہ ہوسکتا ہے کہ کافر دنیا میں خوش حال کیوں نظر آتے ہیں اور اکثر ایمان دار تنگی کے ساتھ زندگی بسر کرتے ہیں، اس آیت میں اس شبہ کا جواب دیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کی خوشحالی اور تنگ دستی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول یا غیر مقبول ہونے کی نشانی نہیں ہے، دنیا میں مال و دولت، عزت و منصب اور رتبہ کے لئے اللہ نے الگ قاعدے مقرر کر رکھے ہیں، ان کی رُو سے وہ جس کو چاہے ڈھیروں مال دیدے، جس کو چاہے نپا تلا رزق عطا فرمائے، ان کا دنیا کی خوشحالی پر پھول جانا اور بدحالی پر ناک منہ چڑھانا اس وجہ سے ہے کہ یہ دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، اور آخرت کی زندگی کو یا تو بالکل نہیں مانتے یا کچھ زیادہ اہمیت نہیں دیتے، حالانکہ آخرت کی زندگی کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کچھ بھی نہیں، اس زندگی کا کیا بھروسہ ہے، آج مرے کل دوسرا دن؛ اس لئے یہاں کے مال و دولت کے انبار کی جنت کے ناز و نعمت کے مقابلے میں کوئی حقیقت نہیں، انسان کے لئے اتنا ہی کافی ہے جس سے اس کی ضرورت پوری ہوجائے، زیادہ دولت جمع کرے گا تو وہ کس کام آئے گا، آخر ایک دن مرجائے گا اور سب کچھ یہیں چھوڑ جائے گا، آخرت کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہے؛ اس کے لئے سامان کرنا چاہیے۔

دنیا کی خوشحالی اور بدحالی

ارشاد ہوتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہی جس کی روزی چاہتا ہے کشادہ کرتا ہے اور جس کی چاہتا ہے تنگ کردیتا ہے، خوشحالی اور تنگی انسانوں کی عقل اور پلان کے مطابق نہیں ہوتی، یہ کسی انسان کا اپنا کمال نہیں ہوتا ہے بلکہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی حکمت، چاہت، اور مصلحت کے مطابق ہوتی ہیں، وہ اپنی حکمت کے مطابق کشادگی یا تنگی کا فیصلہ کرتا ہے، اپنے اندازے کے مطابق جو کچھ چاہتا ہے نازل فرماتا ہے، کسی کو زیادہ دیتا ہے اور کسی کو کم، بعض اوقات

نافرمانوں کو بھی رزق میں بڑی وسعت عطا کرتا ہے لیکن یہ بھی ضروری نہیں کہ تمام بُرے لوگ آرام آسائش میں ہوں، بہت سے کافر بھی تنگی میں وقت گزارتے ہیں، کفر اور تنگی اگر دونوں چیزیں ایک ساتھ جمع ہو جائیں تو بہت ہی کم بختی ہوگی مگر بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں، لیکن بہت سے نافرمان، بداخلاق اور بدعقیدہ لوگ آرام وراحت میں بھی ہیں اس کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی حکمت اور چاہت پر ہے، فضیلت کا معیار دنیا کا مال ودولت نہیں بلکہ نیکی، تقویٰ اور ایمان ہیں، لہٰذا کسی منکر کی خوشحالی دیکھ کر یہ نہ سمجھو کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہے۔

وہی ربّ

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ

اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہوئے کیوں نہ اتاری گئی پر اس نشانی سے رب اس کے کہہ دیں

اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿٢٧﴾

تحقیق اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور راہ دکھاتا ہے طرف اپنی اسے جو رجوع کرتا ہے (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کافر کہتے ہیں اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہ اتاری گئی، آپ ان سے کہدیں کہ! بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گمراہ رکھتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرے اس کو اپنی طرف راہ دکھاتا ہے۔ (۲۷)

تفسیر

وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ کہتے ہیں کہ کیوں نہ اتاری گئی اس پر نشانی اس کے رب کی طرف سے، اس نشانی سے وہ نشانی مراد ہے جس کا کافر لوگ مطالبہ کرتے تھے، حالانکہ نشانیاں تو ہزاروں اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر ظاہر فرمائیں، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ بے شک اللہ تعالیٰ گمراہ رکھتا ہے جس کو چاہے اور ہدایت دیتا ہے اپنی طرف جو رجوع کرے، ہدایت اور گمراہی دونوں چیزوں کے

اسباب ہیں، جو شخص ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو گمراہ رکھتا ہے وہ ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ "سورہ نساء" میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے جس کی وجہ سے حق کو قبول نہیں کرتے اور کفر پر جمے ہوئے ہیں، "سورہ بقرہ" میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے ہدایت کے لئے طلب کا ہونا ضروری ہے، جو شخص ہدایت کی خواہش رکھے گا، اسے حاصل ہوگی اور جو عناد اور ضد رکھے گا، اسے ہدایت نصیب نہیں ہوگی بلکہ وہ گمراہی میں ہی بھٹکتا رہے گا۔

مکہ کے مشرک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ مانگی نشانیاں طلب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ ان پہاڑوں کو یہاں سے چلادے تاکہ ہم یہاں پر کھیتی باڑی کرسکیں، کبھی کہتے ان پہاڑوں کو سونے کا بنادے، اس قسم کی بیہودہ فرمائشیں کرتے مگر مانتے نہیں تھے، یہ ساری فرمائشیں نا ماننے کا ایک بہانا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ یہ نشانیاں دکھا سکیں گے اور نہ ان کو ایمان لانا پڑیگا۔

رجوع کی نشانی

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ

وہ لوگ جو ایمان لائے اور مطمئن ہوتے ہیں دل ان کے ساتھ یاد اللہ کی سنو! ساتھ یاد اللہ کی

تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ ۞۲۸ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ

چین پاتے ہیں دل ان کے (۲۸) جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے انہوں نے اچھے خوشخبری ہے واسطے ان کے

وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ۞۲۹

اور اچھائی ٹھکانے کی (۲۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں سنو! کہ دل اللہ کی یاد ہی سے اطمینان پاتے ہیں۔ (۲۸) جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے ان کے واسطے

خوشخبری اور اچھا ٹھکانہ ہے۔(۲۹)

تفسیر

کافروں کے بیان کے بعد اب ایمان والوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اطمینان پاتے ہیں، ایمان کا یہ تقاضہ ہے کہ جو بھی ایماندار آدمی اللہ کا ذکر کریگا اس کے دل میں سکون پیدا ہوگا، ساتھ یہ بھی فرمایا کہ: آگاہ رہو اور سن لو! اللہ کی یاد کے ساتھ ہی دلوں کو اطمینان حاصل ہوسکتا ہے، دلوں کے اطمینان کے لئے کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب اللہ کا نام لیا جائے یا اس کا کلام پڑھا جائے یا کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو دل سے یاد کرے یا زبان سے تو اس کے دل میں خاص قسم کی محبت پیدا ہوتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے دل میں سکون پیدا ہوتا ہے جس سے وہ خاص قسم کا لطف محسوس کرتا ہے، برخلاف دنیا کے آرام وراحت کے تمام سامان بھی اکٹھے کر لئے جائیں، جسم کو آرام تو مل سکتا ہے مگر دل کو سکون حاصل نہیں ہوسکتا، دنیا کا عیش وآرام تو ایسی چیز ہے کہ اس سے کسی انسان کا کبھی پیٹ نہیں بھرتا بلکہ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری سہولت کے لئے ہاتھ پیر مارتا ہے، اس کی حرص بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور وہ دل کے اطمینان سے محروم رہتا ہے، بڑے بڑے دولت مند حتیٰ کہ سلطنتوں کے مالک بھی اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دوری کی وجہ سے بے چین ہی رہتے ہیں، اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے غریب کو بھی دل کا سکون حاصل ہوجاتا ہے، غرضیکہ دل کے اطمینان کا واحد ذریعہ اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔

ذکر کی مختلف صورتیں ہیں، عام طور پر ذکر زبان سے ہوتا ہے، انسان نماز پڑھتا ہے، قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے یا دیگر ذکر واذکار کرتا ہے، یہ سب زبانی ذکر ہے اور کبھی زبان کے بجائے دل سے ذکر ہوتا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نشانیوں اور نعمتوں میں غور وفکر کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے تو یہ بھی اللہ کا ذکر ہے۔

ارشاد ہوتا ہے کہ: ایمان لانے کے بعد جن لوگوں نے اچھے کام انجام دیے ان کے لئے خوشخبری ہے اور اچھا ٹھکانا ہے۔

پیغمبروں کے بھیجنے کا سلسلہ پرانا ہے

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاْ

اسی طرح بھیجا ہم نے آپ کو میں ایک امت کہ گزر چکی ہے سے پہلے اس امتیں تاکہ پڑھیں آپ

عَلَيْهِمُ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَ هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ ۭ قُلْ

پر ان وہ جو وحی کی ہم نے طرف آپ کی اور وہ کفر کرتے ہیں ساتھ رحمٰن کے کہہ دیجیے

هُوَ رَبِّيْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَيْهِ مَتَابِ ۝۳۰

وہی رب ہے میرا نہیں کوئی معبود مگر وہ پر اسی بھروسہ کیا میں نے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے میرا (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ: اسی طرح ہم نے آپ کو ایک امت میں بھیجا کہ جس سے پہلے امتیں گذر چکی ہیں تاکہ جو حکم ہم نے آپ کی طرف بھیجا آپ ان کو سنادیں اور وہ رحمٰن سے منکر ہوتے ہیں، آپ کہہ دیں کہ! میرا رب وہی ہے اسکے سوا کسی کی بندگی نہیں، میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (۳۰)

تفسیر

پہلی امتوں کی طرف بھی انسانوں میں سے ہی پیغمبر بنا کر بھیجے گئے، انہوں نے بھی خدا کا پیغام اس کا حکم اور شریعت لوگوں کے سامنے پیش کی مگر نہ ماننے والے اسی طرح ضد اور ہٹ دھرمی کرتے رہے، یہ کوئی نیا سلسلہ نہیں بلکہ پیغمبر بنا کر بھیجنا اور لوگوں کا انکار پُرانے سلسلے کی ہی آخری کڑی ہے، اس سے پہلے بھی بہت سی امتیں گزر چکی ہیں، اور پچھلے پیغمبروں کی طرح ہم نے آپ کو بھی پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تاکہ آپ ان کو وہ چیز پڑھ کر سنادیں جو ہم نے آپ کی طرف وحی کی ہے۔

عرب کے مشرک اللہ تعالیٰ کی صفت رحمٰن کو نہیں مانتے تھے مگر قرآن پاک نے صاف صاف بتلایا ہے کہ رحمٰن اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے، "سورۃ بنی اسرائیل" میں موجود ہے "قُلِ ادعُوا اللّٰهَ اَوِ ادعُوا الرَّحمٰن" آپ کہہ دیں کہ اے لوگو! اللہ تعالیٰ کو اللہ کے نام سے پکارو" یا رحمٰن " کے نام سے، جس نام سے بھی پکارو اسکے سارے کے سارے نام اچھے ہیں۔

حکم اللہ تعالیٰ کا ہی ہے

وَ لَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ

اور اگر ہوتا قرآن ایسا کہ چلادیئے ذریعے اسکے پہاڑ یا ٹکڑے ٹکڑے کردی جائے اس سے زمین یا

كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ

کلام کرادی جاتی ذریعے اسکے مردوں سے بلکہ واسطے اللہ کے ہے کام سارا کیا پس نہیں معلوم ان کو

اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ وَ لَا يَزَالُ

جو ایمان لائے کہ اگر چاہتا اللہ تو ہدایت کرتا لوگوں سارے کو اور ہمیشہ

الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا

وہ لوگ جو کافر ہوئے پہنچے گی ان کو اس پر جو انہوں نے کیا سخت مصیبت یا اترے گی نزدیک

ع ۵ ۱۰ مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۳۱﴾

سے گھر ان کے یہاں تک کہ آجائے وعدہ اللہ کا تحقیق اللہ نہیں خلاف کرتا وعدے کے (۳۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اگر قرآن کریم کے ذریعہ پہاڑ اپنی جگہ سے چلا دیے جاتے یا اس سے زمین کے ٹکڑے کردئے جاتے یا اس کے ذریعہ مردوں سے باتیں کرادی جاتیں تو یہ پھر بھی ایمان نہ لاتے بلکہ سارے کام تو اللہ کے ہاتھ میں ہیں، سو! کیا ایمان والوں کو معلوم نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہے تو سب لوگوں کو راہ پر لے آئے

اور منکروں کو ان کے کرتوت پر برابر صدمہ پہنچتا رہے گا، یا وہ صدمہ اور مصیبت ان کے گھر کے قریب نازل ہو پڑے جب تک کہ اللہ کا وعدہ آ پہنچے، بے شک اللہ اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔ (۳۱)

لفظی تحقیق: قبیلہ نخع کی زبان میں "یَایْئَسِ" کا معنی: علم، یعنی: جاننا بھی ہے اور جملے کا مطلب یہ ہے کہ کیا ایمان والوں نے اس بات کو نہیں جانا کہ اگر اللہ چاہے تو سب کو سیدھے راستے پر لے آئے؟

تفسیر

اس آیت میں پہاڑوں کو اپنی جگہ سے چلا دینے سے مراد یہ ہے کہ مکہ کے پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیا جائے تاکہ کھیتی باڑی کرنے کے لئے زمین خالی ہو جائے، اور زمین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دینے سے مراد یہ ہے کہ مختصر وقت میں بڑی مسافت طے کرنا اور "کُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰی" سے مردوں کو زندہ کر کے باتیں کرنا مراد ہیں۔

اور معنیٰ یہ ہے کہ اگر قرآن کے ذریعے بطور معجزہ ان کے یہ مطالبات پورے کر دیے جائیں تب بھی وہ ایمان لانے والے نہیں، کیونکہ وہ ان مطالبات سے پہلے ایسے معجزات آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں جو ان کے مانگے ہوئے معجزوں سے بہت زیادہ بڑھ کر ہیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا، پہاڑوں کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے سے اور ہواؤں کو تابع کر دینے سے کہیں زیادہ حیرت کی بات ہے، اسی طرح بے جان کنکریوں کا آپ کے ہاتھ میں بولنا اور تسبیح کرنا، کسی مردہ انسان کے دوبارہ زندہ ہو کر بولنے سے کہیں زیادہ بڑا معجزہ ہے، معراج کی رات میں مسجد اقصیٰ اور پھر وہاں سے آسمانوں کا سفر اور بہت مختصر وقت میں واپسی، ہوا کو تابع کرنے اور سلیمان علیہ السلام کے تخت اڑنے کے معجزے سے زیادہ بڑا معجزہ ہے، مگر یہ ظالم یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی جب ایمان نہ لائے تو اب ان مطالبات سے بھی ان کی نیت معلوم ہوتی ہے کہ محض ایمان نہ لانے کے لئے بہانہ بازی ہے، کچھ ماننا اور کرنا نہیں ہے، مشرکوں کے ان مطالبات کا مقصد چونکہ یہی تھا کہ ہمارے مطالبات پورے نہ کئے جائیں، تو ہم کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو ان کاموں پر قدرت نہیں، یا پھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی بات

اللہ تعالیٰ کے یہاں نہیں سنی جاتی (نعوذ باللہ) جس سے سمجھا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے پیغمبر نہیں، اس لئے اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: اگر قرآن کے ذریعہ ان کے مطالبات مان بھی لئے جائیں پھر بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے۔

مفسرین فرماتے ہیں کہ جب کافر ومشرک طرح طرح کی فرمائشیں کرتے تو بعض مسلمانوں کے دلوں میں بھی خیال پیدا ہوتا کہ اگر ان کی خواہش پوری کردی جائے تو شاید یہ ایمان لے آئیں؛ اس لئے بطور معجزہ کے یہ مطالبات پورے کردیئے جائیں تو بہتر ہے، سارے مکہ والے مسلمان ہوجائیں گے اور اسلام کو بڑی قوت حاصل ہوجائے گی اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں اللہ نے ایمان والوں کو تنبیہ فرمائی کہ دل میں ایسا خیال نہ لائیں، یہ ضدی اور ہٹ دھرم لوگ ہیں، اگر ان کی فرمائشیں پوری کر بھی دی جائیں تو یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

کیا ایمان والوں کو معلوم نہیں ہوا کہ اگر اللہ چاہے تو سب کے سب لوگوں کو ہدایت دیدے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، وہ چاہے تو تمام انسانوں کو ہدایت کے راستے پر ڈال دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: "قَارِعَةٌ" کے معنیٰ مصیبت اور آفت کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ: ان مشرکوں کے مطالبات تو اس لئے منظور نہیں کئے گئے کہ ان کی بدنیتی اور ہٹ دھرمی معلوم تھی کہ ان کے مطالبات پورے کرنے پر بھی یہ ایمان لانے والے نہیں، یہ تو اللہ کے نزدیک اسی کے مستحق ہیں کہ ان پر دنیا میں بھی آفتیں اور مصیبتیں آئیں جیسا کہ مکہ والوں پر کبھی قحط کی مصیبت آئی، کبھی اسلام جہاد، بدر واُحد وغیرہ میں ان پر قتل اور قید ہونے کی آفت نازل ہوئی، کسی پر بجلی گرگئی، کوئی اور کسی بلا میں مبتلا ہوا، یعنی: کبھی ایسا بھی ہوگا کہ مصیبت براہِ راست ان پر نہیں آئے گی، بلکہ ان کے قریب والی بستیوں پر آئے گی، جس سے ان کو عبرت حاصل ہو، اور ان کو اپنا برا انجام بھی نظر آنے لگے۔

حَتّٰى يَاْتِيَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ: یعنی: ان مصیبتوں اور آفتوں کا یہ سلسلہ چلتا ہی رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوجائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ کبھی ٹل نہیں سکتا، مراد اس وعدہ سے

فتح مکہ کا وعدہ ہے، مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں پر مختلف قسم کی آفتیں آتی رہیں گی، یہاں تک کہ آخر میں مکہ مکرمہ فتح ہوگا، اور یہ سب لوگ مغلوب ہوجائیں گے۔

آیت میں "اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ" سے معلوم ہوا کہ جس قوم اور بستی کے آس پاس کوئی عذاب یا مصیبت آتی ہے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بھی ہوتی ہے کہ آس پاس کی بستیوں کو بھی تنبیہ ہوجائے، اور دوسروں سے عبرت حاصل کر کے اپنے عمل درست کرلیں، تو یہ دوسروں کا عذاب ان کے لئے رحمت بن جائے، ورنہ پھر ایک دن ان کا بھی وہی انجام ہونا ہے جو دوسروں کا دیکھ چکے ہیں۔

پیغمبروں کا مذاق اڑانے پر بُرا انجام

وَ لَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اور البتہ تحقیق مذاق اڑایا گیا پیغمبروں کا سے پہلے آپ کے پھر ڈھیل دی میں نے ان کو جنہوں نے کفر کیا

ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

پھر پکڑا میں نے ان کو پس کیسا تھا میرا بدلہ لینا (۳۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ سے پہلے کتنے ہی پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا، سو! میں نے کافروں کو ڈھیل دی، پھر ان کو پکڑ لیا، سو! کیسا تھا میرا بدلہ لینا۔ (۳۲)

تفسیر

اس دنیا کی بناوٹ کے مطابق اس کی امید فضول ہے کہ سارے آدمی ایمان لے آئیں گے اور سیدھا راستہ اختیار کرلیں گے، دنیا میں خواہشوں کے پورا کرنے کی دھن بہت سے لوگوں کو اس بات سے محروم کر چکی ہے کہ وہ پیغمبروں کی باتوں پر دھیان دیں، پہلے پیغمبروں سے بھی لوگ اسی قسم کا سلوک کر چکے ہیں، انہوں نے ان کی باتیں سننے سے انکار کیا، انہیں طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں، کھلم کھلا ان کی باتوں کا مذاق اڑایا۔

کافروں کے ان کے بے ہودہ سوالات سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ تھا؛ اس لئے اس آیت میں آپ کی تسلی کے لئے فرمایا گیا کہ یہ حالات جو آپ کو درپیش ہیں صرف آپ ہی کو پیش نہیں آئے، آپ سے پہلے پیغمبروں کو بھی اسی طرح کے حالات سے واسطہ پڑتا رہا ہے کہ کافروں اور مشرکوں کو ان کے جرم پر فوراً نہیں پکڑا، بلکہ جب ان کا انکار انتہا کو پہنچ گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ان کو عذاب میں پکڑ لیا اور کیسا رہا میرا عذاب؟

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کا مذاق اڑایا گیا، پھر میں نے کفر کرنے والوں کو مہلت دی، پھر ایک مدت تک ڈھیل دینے کے بعد ان کو پکڑ لیا، یعنی: یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، بلکہ ان کو دی گئی مہلت میں اگر وہ نہیں سدھرتے تو ہم انہیں بھی عذاب میں پکڑ لیں گے، مہلت مل جانے سے ان کو مغرور نہیں ہو جانا چاہیئے کہ وہ دندناتے پھرے، اللہ کا قانون یہ ہے کہ وہ مجرموں کو پہلے مہلت دیتا ہے، پھر جب وہ اپنی نافرمانیوں سے باز نہیں آتے تو ان کو پکڑ لیتا ہے، فرمایا: میں نے مذاق اڑانے والوں کو پکڑ لیا، پھر دیکھو! میری پکڑ کیسی تھی، میں نے ان کو کیسی سزا دی؟

مشرکوں کی بیوقوفی

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ

کیا پس وہ جو کھڑا ہے پر ہر شخص ساتھ اس کے جو اس نے کمایا اور ٹھہراتے ہیں لئے اللہ کے

شُرَكَآءَ ؕ قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ

شریک کہہ دیجئے نام لو ان کا کیا خبر دیتے ہو تم اس کو اس کی جو نہیں جانتا وہ میں زمین

اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ

یا ساتھ ظاہر سے بات نہیں، بلکہ سجا دیا گیا ہے واسطے ان لوگوں کے جو کافر ہوئے مکر و فریب ان کا اور

صُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ ؕ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ۝۳۳

روک دیے گئے وہ سے راستے اور جس کو گمراہ کرے اللہ پس نہیں ہے واسطے اس کے کوئی راہ بتانے والا (۳۳)

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَ مَا

واسطے ان کے عذاب ہے میں زندگی دنیا کی اور البتہ عذاب ہے آخرت کا زیادہ سخت اور نہیں ہے

لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۳۴

ان کو سے اللہ کوئی بچانے والا (۳۴)

با محاورہ ترجمہ:۔ بھلا جو ہر کسی کے سر پر جو کچھ اس نے کیا ہے لئے کھڑا ہے (اوروں کے برابر ہو سکتا ہے) اور اللہ کے لئے شریک مقرر کرتے ہیں، کہہ دیجئے! ان کا نام لو، کیا تم لوگ اللہ تعالیٰ کو وہ بات بتانے چلے ہو جس کو وہ نہیں جانتے اس زمین میں؟ یا تم لوگ (بغیر کسی دلیل وسند کے) یونہی جو منہ میں آتا ہے کہہ دیتے ہو؟ (نہیں) بلکہ (اصل حقیقت یہ ہے) کہ کافروں کے لئے ان کی مکاریوں کو خوشنما بنا دیا گیا ہے اور ان کو سیدھے راستے سے روک دیا گیا ہے (زبدۃ القرآن) اور جس کو اللہ گمراہ کرے اس کو کوئی راہ بتانے والا نہیں۔(۳۳) ان کو مار پڑتی ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت کی مار تو بہت سخت ہے ان کو اللہ سے بچانے والا کوئی نہیں۔ (۳۴)

تفسیر

ان آیتوں میں مشرکوں کی جہالت اور بے عقلی کو اس طرح واضح فرمایا ہے کہ یہ کیسے بیوقوف ہیں کہ بے جان و بے شعور بتوں کو اس پاک ذات کے برابر ٹھہراتے ہیں جو کہ ہر شخص پر نگران اور اس کے عملوں کا حساب لینے والی ہے، پھر فرمایا کہ: اصل سبب اس کو یہ ہے کہ شیطان نے ان کی اس جہالت کو ان کی نظروں میں خوبصورت بنا رکھا ہے، اور وہ اسی جہالت پر قائم رہنے کو اپنا بڑا کمال سمجھتے ہیں، پھر فرمایا: اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں ان شریکوں کے نام تو لو، بھلا! بتلاؤ تو سہی کہ وہ کون ہیں جنہیں تم نے خدا کے ساتھ شریک کر رکھا ہے؟

پھر یہ بھی بتاؤ کہ ان شریکوں کو کیا اختیار حاصل ہے؟ اور وہ لوگوں کے نفع نقصان کے کہاں تک مالک ہیں؟ یہ کتنی بیوقوفی کی بات ہے کہ لوگوں نے ایسی چیزوں کو خدا کا شریک بنا رکھا ہے جو ہر اعتبار سے ناقص اور عاجز ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے کیسے شریک ہوسکتے ہیں؟

اس آیت میں ارشاد ہے کہ ان عقل کے اندھوں سے پوچھو کہ کیا تم دانشمندی میں اور سمجھ بوجھ میں اتنے بڑھ گئے ہو کہ تم ہر چیز کے جاننے والے اللہ کو ایسی بات بتانے چلے ہو جو اسے معلوم نہیں، تمہیں تو زمین کی پوری چیزوں کا بھی علم نہیں اوپر کے جہاں کا تو ذکر ہی کیا، اب یہ بتاؤ کہ زمین کے ذرہ ذرہ سے واقف اللہ کو تم یہ بتانے چلے ہو کہ اسی زمین میں اس کے برابر کا شریک بھی موجود ہے جسے وہ نہیں جانتا؟ یا سرسری سی بات بنا رہے ہو جس کے تحت کوئی حقیقت نہ ہو، یہ شریک بنانے والی بات محض فضول سی ہے جس میں کوئی سچائی نہیں، کسی کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شریک بنایا جائے یہ ایک فضول بات ہے۔

یہ کوئی بات نہیں ہے بلکہ کافروں کے مکروفریب ان کے لئے خوشنما بنادیئے گئے ہیں شیطان نے ان کے کفریہ اور شرکیہ کاموں کو خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے کہ تم بہت اچھا کام کررہے ہو جس کی وجہ سے وہ ان کفریہ کاموں کو مرتے دم تک کرتے رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اس طرح کے کام کرنے والے حق کے راستے سے روک دیے گئے ہیں، ظاہر ہے کہ جو غلط کام کو اچھا سمجھ کر کرنے لگے، اس کے نزدیک جھوٹ اور سچ کا فرق ختم ہو جائے تو وہ سیدھے راستے پر کیسے آسکتا ہے؟ گویا اس کے برے عمل اسے حق کے راستے سے روک رہے ہیں۔

جس کو اللہ گمراہ رکھے، اس کو ہدایت دینے والا کوئی نہیں، اللہ تعالیٰ انسان کو قوت، توانائی، عقل، اور سمجھ عطا کرکے اختیار دے دیتا ہے کہ وہ حق و باطل میں سے جونسا راستہ چاہے اختیار کرلے، اس کے بعد جو شخص سیدھے راستے کے بجائے غلط راستے پر چل نکلتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم اس کو اسی طرف پھیر دیتے ہیں، جس طرف وہ جانا چاہتا ہے اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ ہم اسے دوزخ میں داخل کردیتے ہیں جو کہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے، غرضیکہ جو کوئی شخص پیغمبر کی مخالفت کرتا ہے اور ایمان والوں کے راستے سے علیحدہ ہو جاتا ہے تو

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جدھر جانا چاہتے ہو، چلے جاؤ، ہم تمہیں نہیں روکیں گے، ایسا شخص غلط راستے پر چل کر آخر کار دوزخ میں پہنچ جاتا ہے۔

ان لوگوں کے لئے دنیا میں بھی سخت عذاب ہے، عرب کے مشرک آٹھ نو سال تک ایمان والوں سے لڑتے رہے، شکست کھاتے رہے، تباہ و برباد ہوئے اور آخر کار سارا ملک کفر و شرک سے پاک ہو گیا، جب مکہ فتح ہو گیا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اب یہ امن و سلامتی کا گھر بن گیا ہے، جنگ کے علاوہ بھی یہ لوگ کبھی وبائی بیماریوں میں مبتلا ہوئے، کبھی قحط پڑ گیا، طوفان آ گیا، زلزلے آئے اور نہایت خوف کی زندگی گذارتے رہے، فرمایا: یہ تو ان کی زندگی کا حال ہے اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے، اور پھر انہیں اللہ کے سامنے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا۔

جنت اور دوزخ

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

حال اس | جنت کا | جس کا وعدہ کیا گیا ہے پرہیزگاروں سے | بہتی ہیں | سے | نیچے اس کے | نہریں

اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى

پھل اس کا | دائمی ہے | اور | سایہ اس کا | وہ جنت | انجام ہے | ان کا | جو بچتے رہے | اور | انجام

الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾

کافروں کا | آگ ہے (۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اس جنت کا حال جس کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں، پھل اس کا ہمیشہ کا ہے اور سایہ بھی ان کا ہمیشہ کا ہے، یہ ان کا بدلہ ہے جو ڈرتے رہے اور انکار کرنے والوں کا بدلہ آگ ہے۔ (۳۵)

تفسیر

کافروں کی سزا کے بعداب مسلمانوں اورنیک لوگوں کے انعامات کا ذکر ہورہا ہے،اس جنت کی مثال جس کا وعدہ اللہ نے ڈرنے والے نیک اور کفر وشرک کے گناہوں سے بچنے والوں سے کیا ہے،اس کی صفت یہ ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہتی ہیں،اس میں ایسے باغات ہونگے کہ ان کے پھل ہمیشہ کے لئے ہوں گے،جو کبھی ختم نہیں ہوں گے،جونہی جنتی کے دل میں کوئی پھل کھانے کی خواہش ہوگی،وہ پھل فوراً اس کے قریب آجائے گا۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب مؤمن کسی درخت سے پھل حاصل کرلے گا،تو اس درخت پر اسی وقت پہلے کی جگہ دوسرا پھل پیدا ہوجائیگا،غرضیکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایک ایسا انعام ہوگا جو کبھی ختم نہیں ہوگا۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: جنت کی کیفیت یہ ہوگی کہ وہاں پر نہ دھوپ ہوگی اور نہ بادل،وہاں کا موسم نہایت خوشگوار ہوگا،جس میں کوئی تکلیف محسوس نہیں ہوگی،یہ ان لوگوں کا انجام ہوگا جو اللہ سے ڈرتے رہے اور کفر وشرک سے بچتے رہے،فرمایا: یادرکھو! کافروں کا انجام دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور وہاں سے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

پیغمبر کی شان

وَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مِنَ

اور وہ لوگ کہ دی ہم نے انکو کتاب خوش ہوتے ہیں اس سے جو اتارا گیا طرف آپ کی اور بعض

الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ

گروہ ہیں جو انکار کرتے ہیں بعض اس کے کا کہہ دیجئے بات یہی ہے کہ حکم دیا گیا ہے مجھے یہ کہ عبادت کروں اللہ کی

وَ لَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَيْهِ مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

اور نہ شریک کروں ساتھ اس کے طرف اسی کی بلاتا ہوں اور طرف اسی کی لوٹنا ہے میرا(۳۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی اس سے جو آپ پر اتارا گیا خوش ہوتے ہیں اور بعض گروہ اس کے کچھ حصے کا انکار کرتے ہیں (آپ ان سے کہہ دیجئے) مجھ کو یہی حکم ہوا ہے کہ اللہ کی بندگی کروں اور اس کا شریک نہ کروں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا لوٹنا ہے۔(۳۶)

تفسیر

قرآن مجید کے اترنے کے وقت مکہ کے لوگوں میں سے کچھ تو پہلے ہی سے کفر اور شرک سے بیزار تھے، وہ تو سننے کے ساتھ ہی اس کے ماننے کو تیار ہو گئے، ان کے علاوہ یہودیوں اور عیسائیوں میں بھی پاک طبیعت کے لوگ قرآن مجید کی آیتیں سن کر خوش ہوئے اگر چہ بعض لوگ قرآن مجید کی بعض باتوں کو ماننے کے لئے تیار نہ تھے کیوں کہ وہ اپنا بنا بنایا کھیل بگڑتا دیکھتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اس میں سے وہ باتیں جو ان کے عقیدے کے خلاف ہیں نکال دی جائیں تو یہ بہت اچھی کتاب ہے، ان سے کہہ دو کہ! مجھے تو یہ حکم ملا ہے کہ خالص اللہ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں، میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور میرا سہارا وہی ہے وہی میری مدد کریگا۔

وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس چیز پر خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے۔

"اَلْكِتٰبَ" سے مراد یہاں پر خود قرآن کریم بھی ہوسکتا ہے اور پہلی آسمانی کتابیں بھی، اگر اس سے مراد قرآن کریم ہے تو مطلب یہ ہے کہ قرآن اترنے پر آپ کے ماننے والے خوش ہوتے ہیں، ان لوگوں کا خوش ہونا قدرتی بات ہے کہ انہیں قرآن پاک کی صورت میں دین و دنیا کی کامیابی کا راستہ مل گیا، لہٰذا اس پر خوشی منانا ایمان والوں کے لئے قدرتی بات ہے۔

اور اگر "اَلْكِتٰبَ" سے مراد "تورات" اور "انجیل" ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جن لوگوں کو اللہ نے پہلی کتابیں عطا فرمائی تھی، وہ لوگ بھی قرآن کے اترنے پر خوش ہوتے ہیں، قرآن مجید اترنے کے زمانے میں جتنی بھی پہلی کتابیں موجود تھیں ان سب میں اگر چہ تبدیلی کر دی گئی تھی مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ اصلیت باقی تھی، اور ان کے ماننے والے یہودی اور عیسائی بھی موجود تھے جو قرآن مجید کے اترنے پر خوش ہوتے تھے، اور ان گروہوں میں سے

بعض وہ تھے جو اس کے بعض حصے کا انکار کرتے تھے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ مجھے تو یہی حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤں، مکہ کے مشرک آپ سے کہتے تھے کہ تم ہمارے معبودوں کی مذمت نہ کرو، ہم جو کچھ کرتے ہیں، ہمیں کرنے دو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: آپ صاف کہہ دیں کہ یہ بے جان بت بے معنیٰ ہیں میں تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہوں کسی دوسرے کو معبود نہیں مانتا۔

فرمایا: اے پیغمبر! آپ یہ بھی کہہ دیں میں اسی ایک اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں جس کا کوئی شریک نہیں، نہ عبادت میں نہ صفت میں اور نہ خدائی حقوق میں، اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے، مجھے بہر حال اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

قرآن کا فیصلہ

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ

اور اسی طرح اتارا ہم نے اس کو فیصلہ بنا کر عربی میں اور البتہ اگر پیروی کریں آپ خواہشوں ان کی کی بعد اس کے کہ

ع ۵/۶ ۱۱ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾

کہ آ چکا آپ کے پاس میں سے علم نہیں واسطے آپ کے سے اللہ کے کوئی مددگار اور نہ بچانے والا (۳۷)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور اسی طرح ہم نے یہ کلام عربی زبان میں فیصلہ کرنے والا بنا کر اتارا ہے، اور اگر آپ ان کی خواہش کے مطابق چلے، اس علم کے بعد جو آپ کو پہنچ چکا تو آپ کا اللہ کے مقابلے میں کوئی ساتھ دینے والا اور کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ (۳۷)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ ہماری طرف سے قرآن مجید کا یہ فیصلہ ہے جو آپ کو سنا دیا گیا، قرآن مجید ایسے

ہی فیصلے کرنے کے لئے عربی زبان میں آپ کی طرف اور آپ کے ذریعے آپ کی قوم کی طرف اتارا گیا ہے، عربی میں اس لئے ہے کہ خود آپ اور آپ کی قوم کی زبان عربی ہے، ارشاد ہوتا ہے: "وَ كَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا" اور اسی طریقے سے ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں ایک فیصلے کے طور پر اتارا ہے "كَذٰلِكَ" سے پہلی آسمانی کتابوں کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ہم پہلے پیغمبروں پر وحی بھیجتے رہے ہیں، اسی طرح ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی ہے، قرآن پاک میں یہ اصول بیان کر دیا گیا ہے "وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ" (ابراہیم)، ہم نے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم "سریانی" یا "عبرانی" زبان بولتی تھی تو "انجیل" بھی اسی زبان میں اتاری گئی، یہودی "عبرانی" زبان بولتے تھے تو "تورات" عبرانی زبان میں بھیجی گئی، دوسرے صحیفے بھی ہر پیغمبر کی قوم کی زبان میں ہی اتارے گئے، پھر سب سے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر کو عربوں میں پیدا کیا تو قرآن پاک بھی عربی زبان میں اتارا۔

ان لوگوں کا ذکر ہی کیا ہے، اگر آپ خود بھی ان کی بے جا خواہشوں کا خیال کرنے لگے اور ان کی رعایت کر کے سچی بات کو چھپانے یا دبانے لگے تو پھر اللہ تعالیٰ کے غضب سے آپ کو نہ کوئی چھڑا سکتا ہے نہ بچا سکتا ہے، اس سے معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صرف ان کے ساتھ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار ہیں اور اپنی یا کسی کی خواہشوں کی پرواہ نہیں کرتے۔

پیغمبروں کا سلسلہ

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ
اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے پیغمبر سے پہلے آپ کے اور کیں ہم نے واسطے ان کے بیویاں اور

ذُرِّيَّةً ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ
بچے اور نہیں ہوا کسی پیغمبر کے لئے کہ لائے کوئی نشانی مگر ساتھ اجازت کے اللہ کی واسطے ہر

اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿٣٨﴾ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ ۚۖ وَ عِنْدَهٗٓ
مدت کے حکم ہے لکھا ہوا(۳۸) مٹاتا ہے اللہ جو چاہتا ہے اور باقی رکھتا ہے اور پاس اسی کے

اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿٣٩﴾
اصل کتاب ہے(۳۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم کتنے پیغمبر آپ سے پہلے بھیج چکے ہیں اور ہم نے ان کو بیویاں اور اولاد عطا فرمائی تھی اور کسی پیغمبر کے بس میں نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی لے آئے مگر اللہ کے حکم سے، ہر ایک وعدہ لکھا ہوا ہے۔ (۳۸) اللہ تعالیٰ مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور باقی رکھتا ہے اور اسی کے پاس اصل کتاب (لوح محفوظ) ہے۔(۳۹)

تفسیر

ان آیتوں میں یہ سمجھایا گیا ہے کہ ہم نے شروع سے انسانوں کی ہدایت کے لئے پیغمبر بھیجے جو اور انسانوں کی طرح رہتے سہتے تھے، ان کی بیویاں بھی تھیں، اولاد بھی تھی، پہلے اہل کتاب سے کہا جا رہا ہے کہ تم پیغمبروں کے سلسلے سے واقف ہو محمد ﷺ بھی انہی کی طرح پیغمبر ہیں، پھر انہیں کیوں نہیں مانتے، تمہیں جاننا چاہئے کہ پیغمبر لوگوں کی خواہشوں کے مطابق ان کی فرمائشیں پوری کرنے نہیں آتے، وہ سچی باتیں بتانے آتے ہیں، بغیر اللہ کے حکم کے وہ کوئی نشانی اپنی طرف سے نہیں دکھا سکتے، ان کا کام تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس زمانے کے لئے جو احکام مقرر کئے ہیں، وہ اس زمانے والوں کو پہنچا دیں اور سمجھا دیں، اور یہ واقعہ ہے کہ ہر زمانے کے لئے جو حکم اور وعدے مقرر ہیں وہ اللہ کے ہاں الگ الگ لکھے ہوئے موجود ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: ہم نے آپ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے ہم نے ان کے لئے بیویاں بنائیں اور اولاد بھی بنائی، بیوی بچوں کا ہونا پیغمبروں کی شان کے خلاف نہیں، پیغمبروں نے نکاح بھی کئے اور ان کی اولادیں بھی ہوئیں، اگر یہودیوں اور عیسائیوں کو آپ ﷺ کے لئے بیویاں اور بچے ہونے پر اعتراض ہے تو وہ حضرت

ابراہیم علیہ السلام کو کیسے پیغمبر مانتے ہیں، جو اہل کتاب کے پیغمبروں کے بھی دادا ہیں، آپ کی پانچ یا سات بیویاں تھیں اوران سے اولاد بھی تھی، بلکہ خلاف توقع اللہ نے آپ کو بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی، آپ کا پہلا بچہ چوراسی سال کی عمر میں پیدا ہوا جب کہ دوسرا سو سال کے قریب عمر میں، حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق یہ مشہور ہے کہ ان کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں، آپ کی سلطنت بھی بے مثال تھی، اس کے باوجود آپ عظیم الشان پیغمبر تھے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی سو بیویاں تھیں، بعض دوسرے پیغمبروں کی بھی کئی کئی بیویاں تھیں اور خود موسیٰ علیہ السلام کی بھی بیوی تھی جو حضرت شعیب علیہ السلام کی صاحبزادی تھیں، لہذا اعتراض کرنے والوں کا یہ اعتراض بیکار اور بے بنیاد ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رخصت ہوئے تو آپ کے نکاح میں نو بیویاں موجود تھیں جب کہ دو بیویاں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور زینب رضی اللہ عنہا وفات پا چکی تھیں، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا نکاح حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا، جو کہ اس سے پہلے دو خاوندوں سے بیوہ تھیں اوران کی عمر چالیس سال تھی جب کہ آپ کی عمر اس وقت پچیس سال تھی، چنانچہ آپ نے جوانی کا بہترین زمانہ (تقریباً پچیس سال) اسی کے ساتھ گزارے، اور سوائے آپ کے بیٹے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ساری اولاد اسی سے پیدا ہوئی، پھر اس بیوی کی وفات کے بعد جب آپ کی عمر مبارک باون یا ترپن سال ہوئی تو آپ نے دوسرا نکاح کیا، اس کے بعد اور عورتوں سے بھی آپ نے نکاح فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف خاندانوں میں نکاح کئے۔

انکار کرنے والے اپنی منہ مانگی نشانیوں کا بار بار مطالبہ کرتے تھے اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا کہ کسی پیغمبر کے اختیار میں یہ بات نہیں کہ وہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ یا نشانی لائے، معجزے کا ظاہر کرنا اللہ کی قدرت اور اختیار میں ہوتا ہے اور پیغمبر اپنی مرضی سے کوئی معجزہ پیش نہی کرسکتا۔ آگے ارشاد ہوتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ تقدیر میں سے جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو باقی رکھنا چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اوراسی کے پاس اصل کتاب، یعنی: "لوح محفوظ" ہے، کائنات کی ساری باتیں اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں لکھی ہوئی ہیں اوراس کے

باوجود تقدیر کا ردوبدل اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ کسی چیز کو مٹانا چاہے یا کسی چیز کو باقی رکھنا چاہے تو اس کے چاہنے میں کسی کو دخل نہیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں تقدیر کے جس مٹانے یا باقی رکھنے کا ذکر ہے اس سے مراد تقدیر کی تمام چیزیں ہیں، اللہ تعالیٰ جس تقدیر کو چاہے مٹادے اور جس کو چاہے باقی رکھے۔

کوئی زبردستی نہیں

وَ اِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا

اور اگر دکھادیں ہم آپ کو کچھ اس کا جو ہم نے وعدہ کیا ان سے یا ہم وفات دیں آپ کو پس بات تو یہی ہے کہ

عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اَوَ لَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ

پر ہے آپ پہنچادینا اور پر ہے ہم حساب (۴۰) کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ ہم آرہے ہیں زمین کو

نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ۭ وَ

گھٹاتے ہوئے اسے سے کناروں اس کے اور اللہ حکم کرتا ہے نہیں کوئی پیچھے ڈالنے والا حکم اس کے کو اور

هُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾

وہ جلد لینے والا ہے حساب (۴۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر ہم آپ کو دکھادیں کوئی وعدہ جو ہم نے ان سے کیا ہے یا آپ کو وفات دیدیں، سو! آپ کے ذمہ پہنچادینا ہے اور ہمارے ذمہ حساب لینا ہے۔ (۴۰) کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ہم زمین کو اس کے کناروں سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں اور اللہ (جو چاہے) فیصلہ کرتا ہے اور اس کے حکم کو یعنی: فیصلے کو پیچھے ڈالنے والا کوئی نہیں اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (۴۱)

تفسیر

وَ اِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ: اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے اور مطمئن رکھنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے آپ سے کئے ہیں کہ مسلمانوں کو مکمل فتح حاصل ہوگی، اور کفر مٹ کر رہے گا اور کافر ذلیل وخوار ہوں گے، یہ تو ہو کر رہے گا، مگر آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ یہ فتح مکمل کب ہوگی، ممکن ہے کہ آپ کی زندگی میں ہو جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ ہم آپ کو وفات دیں اور یہ کام آپ کی وفات کے بعد ہو، اور آپ کے اطمینان کے لئے تو یہ بھی کافی ہے کہ آپ برابر دیکھ رہے ہیں کہ ہم کافروں کی زمینوں کو ان کے اطراف سے گھٹاتے چلے آتے ہیں، یعنی: یہ اطراف مسلمانوں کے قبضہ میں آجاتے ہیں، اس طرح ان کی مقبوضہ زمین گھٹتی جاتی ہے، اور مسلمانوں کے لئے کشادگی ہوتی جاتی ہے، اس طرح ایک نہ ایک دن یہ فتح مکمل ہو جائے گی۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مکے کے مشرکوں کو آپ کی زندگی میں ہی مغلوب کر دیا، "سورۂ قمر" میں ہے "سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَ يُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ" آج یہ مشرک بڑے جتھے اور طاقت کے مالک ہیں، مسلمانوں کا جینا تنگ کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور ان کے ماننے والوں کے جانی دشمن ہیں مگر ایک وقت جلد آنے والا ہے جب یہ پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے، یہ وعدہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بدر کے موقع پر ہی پورا کر دیا، مشرکوں کی جماعت تتر بتر ہوگئی اور وہ مغلوب ہوگئے، ستر سرداران کے مارے گئے اور ستر سردار گرفتار کئے گئے، اور باقی لوگ بھاگ گئے اس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا کہ مکہ کے مشرکوں کا یہ گروہ شکست کھائے گا اور یہ لوگ پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے۔

اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا: اس آیت میں مشرکوں کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ سمجھ رہے ہیں کہ ہم مٹھی بھر مسلمانوں کو ختم کر دیں گے اور خود غالب آجائیں گے، مگر یہ لوگ اپنے اگرد گرد کے علاقوں کی طرف نہیں

دیکھ رہے ہیں کہ ہم کس طرح ان کے ہاتھوں سے زمین کو نکال رہے ہیں یعنی: ان کے قبضے سے عرب کے مختلف خطے نکلتے جارہے ہیں اور وہاں پر مسلمان غالب آرہے ہیں۔ چنانچہ سنہ ۸ھ میں جب مکہ فتح ہوگیا تو وہ سرزمین بھی مشرکوں کے قبضے سے نکل گئی اور وہ سب مسلمانوں کے ہاتھوں میں آگئی، اس سے پہلے مسلمانوں کو مدینہ پر غلبہ حاصل ہوا، اور یہودیوں کو وہاں سے نکال دیا گیا، پھر وہ خیبر میں جمع ہوگئے اور بالآخر انہیں وہاں سے بھی نکال دیا گیا اور وہ سارا علاقہ مسلمانوں کے قبضے میں آگیا، مدینہ کے گردوپیش کی صفائی کے ساتھ ساتھ نجران اور یمن والے لوگ خود بخود ایمان لے آئے، کافروں اور مشرکوں کی شکست اور اسلام کا غلبہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک مسلسل جاری رہا اور پھر آپ کے اس دنیا سے رخصت ہوجانے کے بعد بھی دین پھیلتا چلا گیا یہاں تک کہ عرب کی پوری زمین پر مسلمانوں کو غلبہ حاصل ہوگیا، دوسرے مقام پر اسی مضمون کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ ہم کافروں کے قبضے سے زمین نکالتے چلے جارہے تھے "اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ" کیا اب بھی انہیں امید ہے کہ وہ ایمان والوں پر غالب آجائیں گے؟ ہرگز نہیں۔

وَ اللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ: اس آیت میں صاف طور پر انسانوں کو سمجھایا گیا کہ ہر بات جو اس دنیا میں ہورہی ہے، آخری فیصلہ اللہ کا ہے، اگر کسی کام کے ہونے کے سارے اسباب مہیا ہوجائیں تب بھی کام کا ہونا یا نہ ہونا اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر ہے، انسان کے فیصلے ٹل سکتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ٹلنے والا نہیں، اس نے قانون مقرر کردیا ہے کہ انسانوں کے عملوں کا حساب ضرور لیا جائے گا اور آخری حساب کتاب کے لئے قیامت کا دن مقرر کردیا ہے، اگر کسی عمل کی جزا سزا میں دنیا میں دیر لگے تو اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ پیچھا چھوٹ گیا ہے، وقت آنے کی دیر ہے جب آئے گا دم بھر میں حساب لیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کو وقت آنے کے بعد حساب لینے میں دیر نہیں لگتی۔

اللہ تعالیٰ کی تدبیر

وَ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ

اور تحقیق تدبیر کی انہوں نے جو تھے سے پہلے ان کے سو! اللہ ہی کی ہے تدبیر تمام وہ جانتا ہے

مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ وَ سَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾

جو کماتا ہے ہر جی اور عنقریب جان لیں گے اللہ کے منکر کس کا ہے پچھلا گھر (۴۲)

وَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا

اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہوئے نہیں آپ بھیجے ہوئے پیغمبر کہہ دیجیے کافی ہے اللہ گواہ

بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ ۙ وَ مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾

درمیان میرے اور درمیان تمہارے اور وہ کہ پاس اس کے ہے علم کتاب کا (۴۳)

ع ۶ ۶ ۱۲

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جو ان سے پہلے تھے تدبیر کر چکے ہیں، سو! سب تدبیر اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جانتا ہے جو ہر شخص کماتا ہے اور کافر ابھی معلوم کیے لیتے ہیں کہ پچھلا گھر کس کا ہوتا ہے۔ (۴۲) اور کافر کہتے ہیں کہ آپ پیغمبر نہیں؟ آپ (ان سے) کہہ دیں! اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جس کے پاس کتاب کا علم ہے میرے اور تمہارے درمیان گواہی کے لئے کافی ہے۔ (۴۳)

تفسیر

ساری کی ساری خفیہ تدبیریں اللہ ہی کے قبضے میں ہیں، اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کی کسی خفیہ چال کو کامیاب نہیں ہونے دیگا، وجہ یہ ہے وہ جانتا ہے ہر اس شخص کو جو کوئی اچھائی یا برائی کماتا ہے، گویا ہر شخص کا ہر کام اس کی نگاہوں میں ہے، جب اللہ تعالیٰ ہر ایک کے ہر کام سے واقف ہے، تو اس کی خفیہ چالوں سے بھی واقف ہے، اس قسم کی چالیں جبھی کامیاب ہوسکتی ہیں، جب کوئی دوسرا اس سے بے خبر ہو، مگر اللہ تعالیٰ تو ذرّے ذرّے سے واقف ہے، لہٰذا اس کے سامنے کسی کی کوئی خفیہ تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی، اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے عمل کے مطابق

جزا و سزا دے گا، اور کافر لوگ عنقریب جان لیں گے کہ آخرت کا گھر کس کے لئے ہے کافروں کے لئے یا ایمان والوں کے لئے۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کافر کہتے تھے کہ آپ اللہ کے پیغمبر نہیں ہیں، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اے پیغمبر! آپ ان سے کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ اور وہ شخص جس کے پاس اللہ کی کتاب کا علم ہے اس بات کی گواہی کے لئے کافی ہیں کہ میں اس کا پیغمبر ہوں، کتاب سے مراد پہلی کتابیں "تورات، انجیل" وغیرہ مراد ہیں، اور جو شخص ان کتابوں کا صحیح علم رکھتا ہے، وہ بھی گواہی دیگا کہ میں اللہ کا سچا پیغمبر ہوں کیونکہ ان کتابوں میں میری تمام نشانیاں موجود ہیں، جنہیں دیکھ کر علم والے لوگ میری سچائی کی گواہی دیں گے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ جو یہودی عالم تھے، انہوں نے پہلی ہی ملاقات میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی کتاب کے علم سے پہچان لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے، آپ رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں آپ کو یقین کے ساتھ اس طرح پہچانتا ہوں جس طرح اپنے بیٹے کو پہچانتا ہوں، اور یہ قرآن اسی کا کلام ہے اس قرآن کو پڑھو اور سمجھو۔

آیاتھا ۵۲　　سُوْرَۃُ اِبْرٰاھِیْمَ مَکِّیَّۃٌ　　رکوعاتھا ۷

سورۃ ابراہیم مکی ہے، اس میں باون آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

قرآن کا مقصد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى

الٓرٰ　یہ ایک کتاب ہے　کہ اتارا ہم نے اس کو　طرف آپ کی　تاکہ نکالیں آپ　لوگوں کو　سے　اندھیروں　طرف

النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝١ اللّٰهِ الَّذِيْ
روشنی کیساتھ حکم رب ان کے کے طرف راستہ زبردست خوبیوں والے کے (۱) اللہ وہ

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَ وَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ
اسی کا ہے جو میں ہے آسمانوں اور جو میں ہے زمین اور خرابی ہے واسطے کافروں کے سے

عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝٢ الَّذِيْنَ يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ
ایک عذاب سخت (۲) وہ جو پسند کرتے ہیں زندگی دنیا کی بڑھ کر آخرت سے

وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۗ اُولٰٓئِكَ فِيْ
اور روکتے ہیں سے راستے اللہ کے اور ڈھونڈتے رہتے ہیں اس میں ٹیڑھ پن وہ میں ہیں

ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ ۝٣
گمراہی دور کی (۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف اتاری، تا کہ آپ لوگوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں ان کے رب کے حکم سے، اس زبردست خوبیوں والے اللہ کے راستے کی طرف۔(۱) اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور کافروں کیلئے مصیبت ہے ایک سخت عذاب کی۔(۲) جو کہ دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اس میں ٹیڑھ پن تلاش کرتے ہیں وہ راستہ بھول کر دور جا پڑے ہیں۔(۳)

تفسیر

ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ اے پیغمبر! ہم آپ کو یہ عظیم کتاب دے رہے ہیں تا کہ آپ انسانوں کو اندھیروں میں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئیں اور ہمارے حکم سے اسے صحیح راستہ پر ڈال دیں، تا کہ اس کو وہ راستہ نظر آنے لگے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیلئے اس دنیا میں بسر کرنے کا مقرر کر رکھا ہے، اللہ تعالیٰ زبردست

قوت والا ہے اور ساری خوبیاں اسی میں جمع ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ کو واضح کتاب، یعنی: قرآن مجید دے کر بھیجا کہ وہ اس کی روشنی پھیلا کر انسانوں کی رہنمائی کریں تاکہ وہ اللہ اور اس کی قدرت کو سمجھیں اور اسی کو ساری کائنات کا خالق اور مالک مانیں، اور اس کے آگے جھکیں، جو کوئی اس کے بعد نہ مانے وہ کافر ہے اور اللہ کے سیدھے راستے سے جو ادھر اُدھر ٹیڑھے راستے نکلتے ہیں ان کی طرف مڑ گیا ہے، اور وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کا کچھ برا نتیجہ نہ ہوگا، اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کافروں کے لئے بڑی دردناک مصیبت اور سخت عذاب تیار ہے۔

کفر کی غلط کاریاں

يَسْتَحِبُّوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا: کافروں کو یہ دنیا ہی سب کچھ نظر آتی ہے اور وہ یہیں کی چہل پہل، کھیل کود، عیش وعشرت اور مال ودولت کے جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

ایسے لوگ دنیا ہی کو پسند کر کے بیٹھ جاتے ہیں اسی کیلئے آپس میں چھینا جھپٹی کرتے ہیں، دوسروں کے حقوق دبانے میں انہیں بڑا مزہ آتا ہے اور وہ اس کو اپنی دنیا کی عظیم الشان کامیابی سمجھتے ہیں کہ دوسرے کے حق کو دبا کر اس سے سب کچھ چھین لیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کو نہ پہچاننے اور اس کی قدرت سے ناواقف ہونے کا نتیجہ ہے، وہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی پر یقین نہیں رکھتے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ نقد چیز کو چھوڑ کر اس امید میں پھنس کر بیٹھ جانا کہ مرنے کے بعد اس سے اچھی چیز ملے گی، انتہائی نادانی ہے۔

یہ کافر لوگ ایسی وہمی باتوں کو بنا سجا کر لوگوں کو سناتے ہیں اور اپنی جھوٹی شان وشوکت، مالداری دکھا کر اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو روکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی باتیں صاف اور سچی ہیں لیکن کافر لوگوں کو بہکانے کیلئے ان میں پیچیدگیاں پیدا کرتے ہیں اور دین کے سیدھے راستے کو ٹیڑھا بنا کر پیش کرتے ہیں، کافروں کو سیدھی

بات یہ نظر آتی ہے کہ دنیا میں ایسے ذرائع حاصل کریں کہ ان کی بدولت جس چیز کو دل چاہے وہ مل جائے، اور اس بات کو وہ ٹیڑھا سمجھتے ہیں کہ اللہ کا حکم مان کر یہاں کا ناجائز آرام چھوڑ دیں اور فرمانبرداری کی زندگی بسر کریں۔

فرمایا: یہ ایک عظیم کتاب ہے جسے ہم نے آپ کی طرف اتارا ہے اور اس کا مقصد یہ ہے "لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ" کہ آپ لوگوں کو کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لے آئیں، ان کے پروردگار کے حکم سے ہے۔ جس انسان کے متعلق اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوگی وہ حق کو پالے گا اور آپ اسے روشنی کی طرف لے آئیں گے اور جو ضدی آدمی ہوگا وہ اس روشنی سے فائدہ حاصل نہ کر سکے گا بلکہ وہ کفر کے اندھیروں میں ڈوبا رہے گا، اور یہ روشنی کیا ہے؟ قدرت کے مالک اور تعریفوں والے پروردگار کی طرف لے جانے والا راستہ ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے "لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ"، اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے کہ اسی کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے ہر چیز کا خالق اور مالک وہی ہے، حقیقت میں کوئی دوسری ہستی کسی چیز کی مالک نہیں، جو کوئی عارضی طور پر کسی چیز کا مالک بنتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بنانے سے بنتا ہے۔

وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ: وہ خدا کے راستے سے روکتے ہیں دوسری جگہ فرمایا کہ خود تو دین کے راستے سے دور ہوتے ہیں دوسروں کو بھی روکتے ہیں، یہودیوں اور عیسائیوں کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی ہے کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے روک دیا جائے، اس مقصد کے لئے انہوں نے ہمیشہ بڑے بڑے جال بچھائے ہیں، کبھی طاقت استعمال کر کے، کبھی سازش کر کے اور کبھی مکر و فریب کے ذریعے لوگوں کو اللہ کے راستے سے دور کرنے کی کوشش کی ہے، قرآن مجید کے اترنے کے زمانے میں یہ کام مکہ کے کافر کرتے تھے، کبھی رُعب کے ذریعے اور کبھی لالچ کے ذریعے لوگوں کو اسلام سے دور رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔

وَ يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا: یہ لوگ اللہ کے راستے میں ٹیڑھ پن تلاش کرتے ہیں، اسلام کی تعلیمات کو توڑ

مروڑ کراس طرح پیش کرتے ہیں کہ جس سے لوگوں کو اسلام کا راستہ ٹیڑھا نظر آئے اور وہ اسے چھوڑ دیں، کافر، مشرک، منافق سب ایسا ہی کرتے ہیں۔

غرض ہدایت ہے

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ؕ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝۴

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی پیغمبر مگر میں زبان قوم اس کی تا کہ بیان کرے واسطے ان کے پس بھٹکا تا ہے اللہ جسے چاہتا ہے اور راہ پر ڈالتا ہے جسے چاہے اور وہ زبردست ہے حکمت والا (۴)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور ہم نے جو بھی پیغمبر بھیجا اس کی قوم کی زبان میں بھیجا تا کہ ان کو سمجھائے، پھر اللہ جس کو چاہتا ہے راستہ بھلا دیتا ہے اور جس کو چاہے دکھاتا ہے اور وہ زبردست حکمت والا ہے۔ (۴)

تفسیر

آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہاں قاعدہ مقرر ہے کہ جس قوم میں بھی پیغمبر بھیجا جائے وہی زبان بولتا ہو جو اس کی ساری قوم بولتی ہے کیوں کہ پیغمبر بھیجنے سے غرض یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام لوگوں کو سمجھا دے، سمجھ لینے کے بعد اگر ان کی قسمت اچھی ہے تو ان کے دل میں تابعداری کا شوق پیدا ہوگا اور اگر ضدی لوگ ہیں تو نہیں مانیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسی بات کا سامان کر دیا جاتا ہے جس کا کسی کی طبیعت تقاضا کرتی ہے، کسی انسان پر زبردستی کوئی چیز ایسی نہیں تھوپی جاتی جس کی صلاحیت اس کے اندر موجود نہ ہو، یہ قانون اس دنیا میں رائج ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا ہے جو سب پر غالب ہے اور ہر چیز کی حکمت سے واقف ہے، اس نے جہان کے نظام کو قائم رکھا ہے یہاں سے سمجھ میں آتا ہے کہ اصل چیز اللہ کا پیغام سمجھنا ہے، زبان اس کے لئے محض ذریعہ ہے صرف الفاظ

پڑھ لینے اور دہرانے سے قرآن مجید کی اصل غرض پوری نہیں ہوتی، ضرورت ہے کہ اس کے معانی کو سمجھا جائے اور اگر خود سمجھ میں نہ آئے تو سمجھانے والوں سے پوچھ پوچھ کر مطلب معلوم کیا جائے، اور پھر اس کے مطابق عمل کر کے زندگی گزاری جائے۔

پیغمبر کی مثال

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ
اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے موسیٰ کو ساتھ نشانیوں اپنی کے کہ نکال لیے قوم اپنی کو سے اندھیروں

اِلَى النُّوْرِ ۙ۬ وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ
طرف روشنی کے اور یاد دلائیے انہیں دن اللہ کے بے شک میں اس البتہ نشانیاں ہیں واسطے ہر

صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۵
صابر شاکر کے (۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے موسیٰ کو بھیجا تھا اپنی نشانیاں دے کر کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالئے اور ان کو اللہ کے دن یاد دلایئے، البتہ اس میں نشانیاں ہیں اس کے لئے جو صبر کرنے والا شکر گذار ہے۔ (۵)

تفسیر

اس آیت میں پہلے پیغمبروں میں سے ایک عظیم الشان پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا گیا ہے کہ دیکھو! ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان سے کہا کہ ان کو غلط اور بیکار عقیدوں سے چھڑا کر صاف اور سیدھے راستے پر چلنے کا حکم دیں اور کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان اور نیک کاموں کی روشنی میں لے آئیں اور پہلی قوموں پر جو مصیبتیں ان کے گناہوں کی وجہ سے آئیں یا جنہیں اچھے کاموں کی وجہ

سے نجات ملی ان کا حال سنائیں اس لئے کہ ان کے حالات سے ان کو بہت سے سبق حاصل ہوں گے اور مصیبت میں صبر کرنا اور ہر نعمت کا شکرادا کرنا سیکھیں گے اور انہیں معلوم ہوگا کہ صبر اور شکر اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے ذریعے ہیں۔

وَ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ: کافر اور مشرک قوموں کو سزا دینے کے دن مراد ہیں، جیسے: "عاد اور ثمود اور لوط علیہ السلام" کی قوم، اور فرمانبردار قوم پر انعام واحسان کے دن مراد ہیں کہ جنہوں نے پیغمبروں کی فرمانبرداری کی ان کو اللہ تعالیٰ نے انعام واحسان سے نوازا اور کافروں کے ظلم سے جنات دی۔

موسیٰ علیہ السلام کا طرزِ عمل

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ
اور جب کہا موسیٰ نے سے قوم اپنی یاد کرو احسان اللہ کا اوپر اپنے جب نجات دی تم کو

مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَ يُذَبِّحُوْنَ
سے قوم فرعون کی پہنچاتے تھے وہ تم کو برا عذاب اور ذبح کرتے تھے

اَبْنَآءَكُمْ وَ يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَ فِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ
بیٹوں تمہارے کو اور زندہ چھوڑتے تھے عورتوں تمہاری کو اور میں اس امتحان تھا سے

رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۟ (۶) ع ۱۳
رب تمہارے کی بڑا (۶)

بامحاورہ ترجمہ: اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو، جب تم کو فرعون کی قوم سے چھڑایا وہ تم کو برا عذاب پہنچاتے تھے اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔ (۶)

تفسیر

یہ آیت بنی اسرائیل کے ذکر کے اندر "سورۃ البقرہ" اور پھر "سورۃ الاعراف" میں گذر چکی ہے اور وہاں اس کی تشریح کی جا چکی ہے یہاں اس سلسلہ میں اس کا ذکر پھر کیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہونے کی حیثیت سے اپنے فرائض کس طرح انجام دیے، بنی اسرائیل فرعون کے ہاتھوں سے بڑی تکلیفیں اٹھا چکے تھے ذرا ذرا سے بہانوں سے انہیں ہر وقت ستایا جاتا تھا جس کی وجہ سے دو بیماریاں ان میں پیدا ہوئیں کہ ایک طرف تو ان کے دل میں فرعونیوں کا خوف پیدا ہو گیا جبکہ دوسری طرف غلامی کی زندگی میں اپنے اخلاق اور تربیت کی درستگی کا موقع بھی نہ ملا؛ اس لئے اب موسیٰ علیہ السلام کو دو کام کرنے تھے، ایک تو یہ کہ بنی اسرائیل کے دل سے فرعون اور اس کی قوم قبط کا خوف نکال کر اللہ تعالیٰ کا خوف ان کے دل میں بٹھانا، اور اس کی رحمت کا امیدوار بنانا اور دوسرے اخلاق کی درستگی۔

شکر کا پھل

وَ اِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَ لَىِٕنْ كَفَرْتُمْ

اور جب سنا دیا رب تمہارے نے البتہ اگر شکر کیا تم نے تو ضرور زیادہ دوں گا تم کو اور البتہ اگر ناشکری کی تم نے

اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۝۷ وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَ

تحقیق عذاب میرا بڑا سخت ہوگا (۷) اور کہا موسیٰ نے اگر ناشکری کرو تم اور

مَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ۝۸

جو میں ہیں زمین سب کے سب پس تحقیق اللہ بے نیاز خوبیوں والے ہیں (۸)

با محاورہ ترجمہ: اور جب تمہارے رب نے سنا دیا اگر احسان مانو گے تو تم کو اور بھی دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو البتہ میرا عذاب سخت ہے۔ (۷) اور موسیٰ نے کہا اگر تم اور سارے لوگ جو زمین میں ہیں کفر

کریں تو اللہ تعالیٰ کو کوئی پرواہ نہیں، اللہ تعالیٰ بے نیاز ساری خوبیوں والا ہے۔(۸)

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کہا کہ جس پر احسان کیا جائے اس پر فرض بنتا ہے کہ وہ اپنے پر احسان کرنے والے کا دل سے شکرادا کرے اور اسے یہ فرض پچھلی مہربانی کے بدلے بغیر کسی آئندہ کی توقع کے ادا کرنا لازم ہے، لیکن اللہ تعالیٰ جو انسان پر سب سے زیادہ احسان کرنے والا ہے اپنا شکرادا کرنے پر آئندہ کے لئے بھی زبردست امید دلاتا ہے، وہ اپنی رحمت اور مہربانی سے اعلان کرتا ہے کہ پچھلی نعمتوں کا شکرادا کرنے سے تمہارا نام شکرگذاروں میں لکھا جائے گا لیکن اسی پر بس نہیں آئندہ شکرگذاروں کے لئے اور نعمتیں بھی تیار ہیں، پچھلی نعمتوں کے بدلے شکر کرنے سے آگے اور زیادہ نعمتیں ملیں گی اور جو ناشکری کریں گے ان کو سخت عذاب ملے گا۔

آگے ارشاد ہے کہ: اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہارے شکر کا محتاج ہے، اسے تو کسی کے شکر کی ضرورت ہی نہیں وہ تمام خوبیوں کا مالک ہے اور ان کا ظاہر ہونا اس بات پر موقوف نہیں کہ کوئی اس کے گن گائے اور زبان سے اس کی تعریف کرے اور دل اور ہاتھ پاؤں سے اس کی خدمت بجالائے ان باتوں سے اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں، البتہ شکر کرنے اور اس کی تابعداری میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے وہ اس شکرگذاری کی وجہ سے کہیں سے کہیں پہنچ سکتا ہے اور دنیا و آخرت کی نعمتوں سے مالا مال ہوسکتا ہے۔

وَ قَالَ مُوْسٰۤى اِنْ تَكْفُرُوْۤا اَنْتُمْ وَ مَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ:

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا کہ: اگر تم سب اور جتنے آدمی زمین پر آباد ہیں وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے لگیں، تو یاد رکھو کہ! اس میں اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں وہ تو سب کی حمد وثناء اور شکر و ناشکری سے بے نیاز اور بالاتر ہے اور وہ اپنی ذات میں حمید، یعنی: تعریف کا حقدار ہے اس کی تعریف تم نہ کرو تو اللہ

کے سارے فرشتے اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ اس کی تعریف کر رہا ہے، شکر کا فائدہ جو کچھ ہے وہ تمہارے ہی لئے ہے۔

گذشتہ سے عبرت

رکوع عند المتقدمین ۱۲

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ

کیا نہیں آئی تمہارے پاس خبر ان کی جو تھے سے پہلے تم قوم نوح کی اور عاد اور

ثَمُوْدَ ۬ؕ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ

ثمود کی اور جو لوگ سے بعد ان کے نہیں جانتا ان کو مگر اللہ آئے ان کے پاس

رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فِيْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا اِنَّا

پیغمبر ان کے ساتھ نشانیوں کے پس دے لیے انہوں نے ہاتھ اپنے میں منہ اپنے کے اور کہا انہوں نے تحقیق

كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَيْهِ

ہم انکار کرتے ہیں اس کا کہ بھیجے گئے تم ساتھ جس کے اور تحقیق ہم البتہ میں ہیں شک سے اس بلاتے ہو تم ہم کو طرف جس کی

الثلثۃ

مُرِيْبٍ ۝۹

کھٹکنے والا ہے (ایسا شک جو حیرانگی میں مبتلا کرنے والا ہے) (۹)

بامحاورہ ترجمہ: کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے تھے، نوح کی قوم اور عاد اور ثمود، اور ان کے پیچھے ایسی امتیں بھی گزری ہیں جن کی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خبر نہیں، ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے اپنے ہاتھ منہ میں دے لئے اور بولے ہم نہیں مانتے اسے جو تم کو دے کر بھیجا گیا ہے اور ہمیں تو اس میں جس طرف تم بلاتے ہو شبہ ہے خلجان میں ڈالنے والا ہے۔ (۹)

تفسیر

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مثال بیان کرنے کے بعد اس آیت میں عرب سے کہا جا رہا ہے کہ تمہارے پاس

نوح کی قوم، عاد اور ثمود کی خبریں کیا نہیں پہنچیں، پچھلے لوگوں کے حالات کو صرف قصہ کہانی کی طرح سن کر چھوڑ دینا نہیں چاہئے، بلکہ ان سے اپنے لئے مفید سبق حاصل کرنا چاہئے۔

فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ : کا پہلا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی ہی خواہشوں میں لگے رہے اور جب ان کے پاس ہمارے پیغمبر سیدھی اور صاف باتیں لے کر آئے تو ان کو سن کر بعض فتنہ پیدا کرنے والے لوگ تو آپے ہی سے باہر ہو گئے اور مارے غصے کے اپنا ہاتھ منہ میں دے کر کاٹنے لگے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ کچھ لوگ منہ پر ہاتھ رکھ کر حقارت کی ہنسی ہنسنے لگے۔

تیسرا مطلب یہ ہے کہ کچھ گستاخ لوگوں نے پیغمبروں کو اپنے ہاتھ منہ پر رکھ کر اشارہ کیا کہ ایسی باتیں مت کرو، خاموش رہو تم یہ جو کچھ لے کر ہمارے بڑے بن کر ہمیں سمجھانے آئے ہو ہم اس کو ماننے والے نہیں، صاف صاف یہ ہے کہ ہمارے دل ان باتوں کا یقین ہی نہیں کرتے، ہمیں ان میں اتنے شک اور شبہے ہیں کہ ہم ان کی وجہ سے اور خلجان میں پڑ جاتے ہیں ہمارا تو انہی رسم ورواج میں جی لگتا ہے جو ہمارے باپ دادا کے وقت سے چلے آتے ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام نے یاددہانی کے لئے قوم سے فرمایا "اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ" کیا تمہارے پاس نہیں آئی خبر ان لوگوں کی جو تم سے پہلے گزرے ہیں، انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی تو ان کا کیا حشر ہوا؟ فرمایا: وہ لوگ کون ہیں؟ وہ نوح کی قوم، عاد اور ثمود کے لوگ تھے، نوح کی قوم کا حال "سورہ ہود" میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کے ذریعے ایمان اور توحید کا پیغام بھیجا، یہ اللہ کا بہت بڑا احسان تھا مگر قوم نے اس کی ناقدری کی تو اس کے نتیجے میں غرق ہو گئے، عاد کی قوم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے بڑی جسمانی قوت عطا کر رکھی تھی مگر یہ لوگ کفر، شرک، سرکشی اور تکبر میں مبتلا تھے، ثمود کی قوم کے سترہ سو شہر اور بستیاں تھیں یہ بڑے ماہر کاریگر تھے ان کے باغات تھے، ان کے پہاڑوں کو کاٹ کر بنائے گئے مکانات لوگ آج بھی دیکھ کر دنگ رہ جاتے ہیں، ان قوموں کی تباہی کے حالات بھی "سورہ اعراف، سورہ یونس اور سورہ ہود" میں

گزر چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے عاد کی قوم کو ہوا کے ذریعہ تباہ کیا اور ثمود کی قوم کو چیخ اور زلزلے نے دبوچ لیا ان لوگوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری کی اور برے انجام کو پہنچے۔

ان کے علاوہ "وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ" وہ لوگ جو اوپر ذکر کردہ قوموں، یعنی: نوح کی قوم، عاد اور ثمود کے بعد آئے "لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ" جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون لوگ تھے؟ ان کی شخصیت کیسی تھی؟ یہ پوری تفصیل اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، بعض قوموں کے مختصر حالات کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے مگر تفصیلی حالات اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آخر کار ان نافرمان قوموں نے پیغمبروں کی باتوں کا صاف طور پر انکار کردیا اور کہنے لگے ہم اس چیز کا انکار کرتے ہیں جو تمہیں دے کر بھیجا گیا ہے تمہارا عقیدہ، شریعت ہمیں منظور نہیں، ہم نہ تمہاری توحید کو مانتے ہیں نہ رسالت کو اور نہ قیامت کے آنے کو، جس چیز کی طرف تم ہمیں بلاتے ہو ہمیں اس میں کھٹکنے والا شک ہے، ہمیں تمہاری باتوں پر یقین ہی نہیں آتا، جن پرانی قوموں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے انہوں نے اپنے پیغمبروں کو اس قسم کا جواب دیا کہ ان کے پورے دین کا ہی انکار کردیا تاکہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر انہیں اس دین کی طرف بار بار دعوت دینا بند کردیں۔

پیغمبروں کا جواب

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ

کہا پیغمبروں ان کے نے کیا بارے میں اللہ کے شک ہے پیدا کرنے والا آسمانوں کا اور زمین کا

يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ

بلاتا ہے تم کو تاکہ بخش دے لیے تمہارے کچھ گناہ تمہارے اور مہلت دے تم کو تک ایک مدت مقرر

بامحاورہ ترجمہ:۔ ان کے پیغمبر بولے کیا تمہیں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے

بارے میں شک ہے؟ وہ تم کو بلاتا ہے تا کہ تم کو تمہارے کچھ گناہ بخش دے اور تم کو ایک مقرر مدت تک ڈھیل دے۔

تفسیر

پیغمبروں نے جواب دیا کہ ہم تو تمہیں اسی اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں، کیا اللہ کے بارے میں بھی کوئی شک کسی عقلمند کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے؟ اس کی بنائی ہوئی بے مثل چیزیں آنکھوں کے سامنے موجود ہیں، آسمان، چاند، سورج، ستارے اور زمین سب ایک نظام کے مطابق چل رہے ہیں۔

ہم تو تمہیں اللہ کی طرف توجہ دلا رہے ہیں جس کی قدرت کی نشانیاں تمہارے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں ان نشانیوں کے ہوتے ہوئے سوچنے والوں کے دلوں میں ان کے بنانے والوں کی طرف سے شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں، اور ہم کیا بلا رہے ہیں خود اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی طرف بلا رہا ہے اس کی سنو، اس کی بات مانو، تو وہ مہربانی فرما کر تمہارے پچھلے گناہ جو تم سے غفلت کی حالت میں سرزد ہوئے معاف فرمائے گا اور اس پر ایمان لانے کے بعد تم کو موقع دے گا کہ تم اچھے کام کرو۔

وَ یُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى: اور پھر تمہیں مہلت دے ایک مقررہ مدت تک، اللہ تعالیٰ کے علم میں تمہاری جتنی عمر مقرر ہے اسے گزارنے کے لئے تمہیں مہلت دے تا کہ گناہوں کی معافی کے بعد تم اچھی زندگی بسر کر سکو۔

انکار کی وجہ

قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا

بولے نہیں تم مگر آدمی جیسے ہمارے ارادہ کرتے ہو تم یہ کہ روک دو تم ہمیں سے اس

كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝۱۰

جسے تھے پوجتے باپ دادا ہمارے پس لاؤ! ہمارے پاس کوئی دلیل واضح (۱۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کہنے لگے تم تو ہمارے جیسے آدمی ہو، تم چاہتے ہو کہ تم ہم کو ان چیزوں سے روک دو جنہیں ہمارے باپ دادا پوجتے رہے، سو! (ان سے منع کرنے کے لئے) کوئی روشن دلیل لاؤ۔ (۱۰)

تفسیر

کافروں نے کہا تم تو ہمارے جیسے ہی آدمی ہو، پھر ہم تمہاری بات کیسے مان لیں؟

حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، اور حضرت شعیب علیہ السلام کی قوموں نے بھی ان سے یہی کہا تھا کہ تم ہمیں ہمارے خداؤں سے دور رکھنا چاہتے ہو، حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے تو خاص طور پر کہا تھا " لَا تَذَرُنَّ اٰلِھَتَکُمْ " (نوح) لوگو! نوح کے کہنے پر اپنے معبودوں کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔

فَأْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ: کافروں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ اگر تم واقعی اللہ کے پیغمبر ہو تو ہمارے پاس اپنے پیغمبر ہونے کی کوئی کُھلی سند لے آؤ، اس سے ان کی مراد یہ تھی کہ ہماری مرضی کی کوئی نشانی یا معجزہ پیش کرو، تب ہم آپ کو اللہ کا پیغمبر مانیں گے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر پیغمبر کے ہاتھ پر بیشمار معجزات ظاہر فرمائے، مگر کافر لوگ محض ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انہیں نہیں مانتے تھے بلکہ ان کے مطالبات اس قسم کے ہوتے تھے کہ ہمارے سامنے سیڑھی لگا کر آسمان پر چڑھ جاؤ، وہاں سے لکھی لکھائی کتاب لے کر آؤ، یا فرشتے آکر آپ کے پیغمبر ہونے کی گواہی دیں یا خود اللہ تعالیٰ سامنے آکر کہے کہ ہاں! میں نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے کُھلی سند سے وہ اس قسم کی نشانیاں مراد لیتے تھے کہ ان کے بغیر ہم آپ کو پیغمبر نہیں مانیں گے۔

سہارا سب کا اللہ تعالیٰ ہے

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ

کہا | سے ان | پیغمبروں ان کے نے | نہیں | ہم | مگر | انسان | جیسے تمھارے | اور | لیکن | اللہ

يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ

احسان کرتا ہے پر جس کو چاہے سے بندوں اپنے اور نہیں ہے ہمارے بس میں یہ کہ لائیں ہم تمہارے پاس

بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

سند مگر سے حکم اللہ کے اور پر اللہ پس چاہیئے کہ بھروسہ کریں ایمان والے (۱۱)

وَ مَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَ قَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ؕ وَ لَنَصْبِرَنَّ

اور کیا ہوا ہمیں کہ نہ بھروسہ کریں پر اللہ اور تحقیق دکھادیئے ہمیں راستے ہمارے اور تحقیق ہم صبر کریں گے

عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۱۲﴾ ع ۲ ۶ ۱۴

پر اس جو تم تکلیف دیتے ہو ہمیں اور پر اللہ ہی پس چاہیئے کہ بھروسہ کریں بھروسہ کرنے والے (۱۲)

با محاورہ ترجمہ:۔ ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا ہم تو تمہارے جیسے ہی آدمی ہیں اور لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان کرتا ہے اور یہ کام ہمارے بس میں نہیں کہ تمہارے پاس سند لے آئیں مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے، اور اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے ایمان والوں کو۔ (۱۱) اور ہمیں کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کریں جبکہ وہ ہم کو ہماری راہیں بتا چکا ہے اور جو تم تکلیف دیتے ہو اس پر ہم صبر کریں گے بھروسہ کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے۔ (۱۲)

تفسیر

پیغمبروں نے جواب دیا کہ یہ ٹھیک ہے کہ ہم تمہارے جیسے آدمی ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے احسان فرماتا ہے، یعنی: اس کو پیغمبری کے لئے چن لیتا ہے، یہ جو تم کہتے ہو کہ کوئی منہ مانگی نشانی اپنے پیغمبر ہونے کی دکھاؤ، تو یہ ہمارے بس کی بات نہیں ہم تو صرف اس کا پیغام پہنچانے کے لئے بھیجے گئے ہیں ہمیں حکم ہے کہ انسانوں کو اللہ کا راستہ دکھا دیں۔

اللہ کے پیغمبروں نے کہا کہ ہمارے تو ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہر بات میں اللہ تعالیٰ ہی کی طرف دیکھیں

اور اسی پر بھروسہ کریں اور ہم پر ہی کیا دارومدار ہے ہر ایمان والے کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اگر تم ہمیں تکلیف پہنچاؤ گے تو ہم اس پر صبر کریں گے، یہ نہ ہوگا کہ ان سے گھبرا کر ان راستوں کو چھوڑ بیٹھیں جو اس نے ہمیں دکھادیے ہیں، اور حق تو یہ ہے کہ جسے بھروسہ کرنا ہو وہ اللہ پر بھروسہ کرے۔

کافروں کی دھمکی

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ

اور کہا انہوں نے جو کافر ہوئے کو پیغمبروں اپنے ضرور نکال دیں گے ہم تم کو سے زمین اپنی یا

لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ

تمہیں لوٹ کر آنا پڑے گا میں دین ہمارے

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کافروں نے اپنے پیغمبروں سے کہا کہ ہم ضرور بضرور تمہیں نکال دیں گے، یا پھر تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ گے یعنی: ہمارے جیسے ہو جاؤ گے۔

تفسیر

کافروں کا یہ کہنا کہ ہمارے دین میں لوٹ آؤ گے اس کی وجہ یہ تھی کہ پیغمبروں کو پیغمبری ملنے سے پہلے توحید کی دعوت نہ دینے کی وجہ سے کافر انہیں اپنے دین پر سمجھتے تھے، لہٰذا انہوں نے اپنے خیال کے مطابق کہہ دیا کہ تم ہمارے دین پر تھے اب بھی اسی میں لوٹ آؤ۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر کو تسلّی

فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٣ وَ لَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ

پس وحی بھیجی طرف ان کی رب ان کے نے ہم ہلاک کر کے رہیں گے ظالموں کو (۱۳) اور بسا کے رہیں گے تم کو اس زمین میں

مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَ خَافَ وَعِيْدِ ⑭

سے بعد ان کے یہ واسطے ان کے ہے جو ڈرے کھڑے ہونے میرے سامنے اور ڈرے ڈراوے میرے سے (۱۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پس ان کے رب نے انہیں حکم بھیجا ہم ظالموں کو غارت کریں گے، اور ان کے پیچھے اس زمین میں تم کو آباد کریں گے یہ اس کو ملتا ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا ہے اور میرے عذاب کے ڈراوے سے ڈرتا ہے۔ (۱۴)

تفسیر

مشرکوں کی دھمکی کے بعد اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں! ہم ظالموں کو ہلاک کردیں گے اور ان کی جگہ تمہیں اور تمہارے ماننے والوں کو بسا دیں گے، اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے سامنے کھڑے ہو کر حساب دینے کا خوف اپنے دل میں رکھتے ہوں گے اور اس کے وعدوں پر اعتماد کرتے اور وعیدوں سے ڈرتے ہوں گے۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ: یہ چیز اس شخص کو حاصل ہوگی جو میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈر گیا جس شخص کو اعمال کے حساب کتاب کا خوف ہے ظاہر ہے کہ وہ اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک ہوگا، اور وہی اس زمین میں خلافت کا حق دار ہوگا۔ فرمایا: وہ شخص بھی حقدار ہے، "وَ خَافَ وَعِيْدِ" جو میرے ڈراوے سے ڈرا، ہم ایسے شخصوں کو زمین میں نائب اور خلیفہ بناتے ہیں اور ان کے مخالفین کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

ہمیشہ کا عذاب

وَ اسْتَفْتَحُوْا وَ خَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ⑮ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَ

اور فیصلہ مانگا انہوں نے اور نامراد ہوا ہر سرکش ضدی (۱۵) سے پیچھے اس کے ہے دوزخ اور

يُّسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ يَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَ يَاْتِيْهِ

پلایا جائے گا اسے پانی پیپ کا (۱۶) گھونٹ گھونٹ پئے گا اسے اور نہ ہوگا کہ حلق سے اتار سکے اس کو اور آئے گی اس کے پاس

الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾

موت سے ہر جگہ اور نہ ہوگا وہ مرنے والا اور سے پیچھے اس کے عذاب ہے سخت (۱۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور پیغمبر فیصلہ مانگنے لگے اور ہر ایک سرکش ضدی نامراد ہوا۔(۱۵) اس کے پیچھے دوزخ ہے اور پلایا جائیگا اسے پیپ کا پانی۔(۱۶) اس کو گھونٹ گھونٹ پیئے گا اور گلے سے نہیں اتار سکے گا، اور موت اس پر ہر طرف سے چلی آئے گی اور وہ مرے گا نہیں اور اس کے پیچھے سخت عذاب ہے۔(۱۷)

تفسیر

یہاں پیغمبروں اور ان کے مخالفین کا ذکر ہو رہا ہے، فیصلہ طلب کیا، یہ فیصلہ کس نے طلب کیا؟ پیغمبروں نے یا ان کے مخالفین نے؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: فیصلہ مانگنے والے سے مراد پیغمبر بھی ہو سکتے ہیں اور کافر بھی ہو سکتے ہیں، کافر اس طرح کہ جب بھی اللہ کے پیغمبر انہیں اللہ کا پیغام سناتے تھے تو وہ انکار کر دیتے تھے اور اللہ تعالیٰ سے فیصلہ طلب کرتے تھے "اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ " (سورہ انفال)، اے اللہ! اگر یہ قرآن تیری سچی کتاب ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسا، یا ہم پر کوئی دردناک عذاب بھیج دے ہم تو اس کتاب کو ماننے کیلئے تیار نہیں جو ہمارے معبودوں کی مذمت کرتی ہے۔نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ سے یہی کہا تھا "فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ" (سورہ ہود)، جس چیز سے ہمیں ڈراتے ہو اس کو لے آؤ، حضرت شعیب علیہ السلام سے بھی اسی قسم کا فیصلہ طلب کیا گیا، "فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ " (سورۃ الشعراء)، اگر تو اپنے دعوے میں سچا ہے تو ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دے۔

اور فیصلہ مانگنے والوں سے پیغمبر اس طرح مراد ہو سکتے ہیں کہ اکثر پیغمبروں کے واقعات میں ملتا ہے کہ ان کی پوری کوشش کے باوجود جب قوم ہدایت کے راستے پر نہ آئی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے آخری فیصلہ طلب کیا، چنانچہ نوح علیہ السلام نے تنگ آکر اللہ تعالیٰ سے دعا کی "فَافْتَحْ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهُمْ فَتْحًا" پروردگار میرے اور ان کے درمیان اب فیصلہ کردے "وَّ نَجِّنِيْ وَ مَنْ مَّعِيَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" (سورۃ الشعراء) اور مجھے اور میرے ایماندار ساتھیوں کو نجات دے دے۔ لوط علیہ السلام نے بھی یہی عرض کیا تھا کہ اے اللہ! میں ان ظالموں سے تنگ آچکا ہوں اب تو اپنا فیصلہ کردے "رَبِّ نَجِّنِيْ وَ اَهْلِيْ مِمَّا يَعْمَلُوْنَ" مجھے اور جو میرے ساتھ ہیں ان کو ان کافروں کے گندے کاموں سے نجادت دے، یہ بھی فیصلے کی درخواست تھی۔ شعیب علیہ السلام نے بھی ان الفاظ کیساتھ فیصلہ طلب کیا "رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَ اَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ" (سورۃ الاعراف) پروردگار! ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان حق کے ساتھ فیصلہ کردے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ "سورہ یونس" میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی آتا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس طرح دعا کی، اے پروردگار! تو نے فرعون اور اس کے حواریوں کو مال و دولت دیا ہے یہ تو نعمت ہے کیا یہ لوگوں کو گمراہ کرنے کیلئے عطا کیا ہے؟ "رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَ اشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" پروردگار! ان کے مالوں کو مٹادے اور ان کے دلوں کو سخت کردے اور پھر یہ دردناک عذاب کا شکار بن جائیں۔

بہرحال! فیصلہ طلب کرنے والے پیغمبر بھی ہو سکتے ہیں اور ان کے مخالفین کافر بھی۔

فرمایا: "وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ" پلایا جائے گا وہ شخص پیپ ملا ہوا پانی۔ دوزخیوں کو زرد رنگ کا بدبودار پانی پینے کیلئے دیا جائے گا، جو دوزخیوں کے زخموں سے نکلے گا جب پیاس کی شدت ہوگی تو اس کو گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا اور قریب نہیں کہ اس کو حلق سے نیچے اتار سکے۔ مطلب یہ ہے کہ دوزخی آدمی اس پیپ ملے پانی کو آسانی کے ساتھ حلق سے نیچے نہیں اتار سکے گا، یہ پانی اس قدر گرم ہوگا کہ منہ کے قریب آکر اسے جلا ڈالے گا، ایسے شخص کے متعلق اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا: اس کو ہر طرف سے موت آئے گی، موت سے مراد موت کے

اسباب ہیں، یعنی: ایسی سخت سزائیں ملیں گی کہ ہر سزا موت کا سبب ہوسکتی ہے مگر وہ شخص مرے گا نہیں، اور اس شخص کو موت نہیں آئے گی بلکہ وہ ہمیشہ موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہے گا، اور اس کے آگے سخت قسم کا عذاب ہوگا جس کا اس دنیا میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

کافروں کے عملوں کی مثال

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اِشْتَدَّتْ بِهِ
مثال ان کی جنہوں نے کفر کیا ساتھ رب اپنے کے کام ان کے مثل راکھ کے ہیں کہ تیز چلے پر جس

الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ
ہوا میں دن آندھی والے نہ قدرت رکھیں گے میں سے اس جو کمایا انہوں نے پر کسی چیز

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ⑱
یہ ہے وہ گمراہی دور کی (۱۸)

با محاورہ ترجمہ:۔ان لوگوں کا حال جو اپنے رب کے منکر ہوئے ان کے عمل ایسے ہیں جیسے کہ وہ راکھ کہ جس پر آندھی والے دن زور کی ہوا چلے، جو کمایا وہ کسی کے کام نہیں آئے گا، یہی وہ دور کی گمراہی ہے۔(۱۸)

تفسیر

مطلب یہ ہے کہ کافروں کے عمل راکھ کے ڈھیر کی طرح ہیں کہ جب تیز ہوا چلے تو سارا ڈھیر اڑ جائے اور ان کے پاس کچھ نہ رہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ: یہ سب کچھ دور کی گمراہی ہے، کافر لوگ اپنے غلط خیال میں مبتلا ہیں کہ وہ انسانی ہمدردی کے کام کر رہے ہیں مگر حقیقت میں وہ بھٹک کر دور جا پڑے ہیں وہ اپنے آپ کو کتنا بھی مہذب،

شائستہ اور ترقی یافتہ سمجھیں حقیقت میں وہ دوزخ میں داخل ہونے والے ہیں۔

بعض لوگوں کے دل میں یہ خیال گذر سکتا ہے کہ ہم تو محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، بے کسوں کی فریاد پر ان کی مدد کو پہنچتے ہیں، لوگوں میں فساد نہیں ہونے دیتے، ان کے آپس کے جھگڑے انصاف کے ساتھ نمٹاتے ہیں اور اپنے طریقے سے عبادت گزار بھی ہیں، کیا ہم جیسے اچھے اچھے کام کرنے والوں کو دوزخ میں ڈالا جائے گا؟ اس آیت میں اس بات کا فیصلہ کر دیا گیا اور اچھی طرح سمجھا دیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے، اور اللہ تعالیٰ کا انکار کر کے کسی اور کی عبادت کرتے ہیں ان کے عمل قیامت کے دن کسی کام نہیں آئیں گے اور سب اسی طرح ختم ہو جائیں گے، جیسے: تیز ہوا میں راکھ کا ڈھیر اڑ جاتا ہے، وہ خوش خلقی، خیرات، صدقات اور نیک کاموں کی بدولت دنیا میں اچھی طرح زندگی تو بسر کر سکتے ہیں لیکن بغیر ایمان کے ان کا کوئی عمل بھی آخرت میں ان کو دوزخ سے نہیں بچائے گا۔

دوبارہ اٹھنے کی حقیقت

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ اِنْ

کیا نہ دیکھا آپ نے کہ اللہ نے پیدا کئے آسمان اور زمین ٹھیک ٹھیک اگر

یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ﴿۱۹﴾ وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى

چاہے لے جائے تمہیں اور لے آئے مخلوق نئی (۱۹) اور نہیں ہے یہ پر

اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ﴿۲۰﴾

اللہ کچھ مشکل (۲۰)

با محاورہ ترجمہ: کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے آسمان اور زمین بنائے ٹھیک ٹھیک اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تمہیں لے جائے اور کوئی نئی مخلوق لے آئے۔ (۱۹) اور یہ اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ (۲۰)

تفسیر

یہ آسمان اور زمین موجود ہیں ان کی بناوٹ ہی سے ظاہر ہے کہ انہیں نہایت کاری گری سے بنایا اور بڑے سلیقہ سے سجایا گیا ہے، پھر جس نے عجیب وغریب چیزوں کو پیدا کیا وہ یہ نہیں کرسکتا کہ انہیں ختم کر کے پھر نئے سرے سے بنادے یا ان کی جگہ اور نئی چیزیں پیدا کردے۔

انسانوں میں بھی مختلف قسم کی چیزیں ایک ساتھ رکھ کر انہیں ایک نظام کے تحت ایک دوسرے سے جوڑ دیا گیا ہے، کیا وہ مکمل قدرت والا رب ان کو کھول کر اور بکھیر کر دوبارہ جمع نہیں کرسکتا؟ کیا ایک انجن بنانے والا عام انسان اس کے تمام پرزوں کی بناوٹ اور ان کے جگہوں سے واقف نہیں، کیا وہ انہیں الگ الگ کر کے دوبارہ نہیں جوڑ سکتا، پھر کیا سارے جہان اور انسانوں کا پیدا کرنے والا رب کوئی مشکل محسوس کرسکتا ہے؟ نہیں ہرگز نہیں، اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسان کے مرجانے اور اس کے اجزاء کے بکھر جانے کے بعد اس کا دوبارہ پیدا کردینا کوئی بڑی بات نہیں، جس نے پہلی بار بغیر نمونے کے بنایا وہ دوبارہ بھی بنا سکتا ہے۔

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ: اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہاری جگہ کوئی دوسری مخلوق لے آئے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں گزری ہوئی قوموں کی مثالیں بیان فرمائی ہیں کہ وہ کیسے کیسے ترقی یافتہ اور بڑی بڑی بادشاہتوں کے مالک اور طاقتور، ماہرانہ صلاحیتوں کے مالک تھے لیکن نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں مٹادیا۔

فرمایا: "وَّ مَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ" اور ایسا کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے وہ سب کچھ کرنے پر قادر ہے، اس میں ایمان والوں کے لئے بھی عبرت ہے کہ اگر خدانخواستہ دین پر قائم نہ رہے تو ان کا حشر بھی ان قوموں جیسا ہوگا، اور اللہ تعالیٰ کیلئے یہ کوئی مشکل نہیں ہے کہ وہ ایک نافرمان قوم کو ختم کر کے اس کی جگہ کوئی دوسری فرمانبردار قوم لے آئے۔

نفسانفسی

وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا
اور کھڑے ہوں گے سامنے اللہ کے سب پس کہیں گے کمزور سے ان جو بڑے بنتے تھے یقیناً

كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ
تھے ہم تمہارے تابعدار پس کیا تم کچھ کم کرتے ہو سے ہم سے عذاب اللہ کے

مِنْ شَيْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ
کسی قدر وہ کہیں گے اگر راہ دکھاتا ہمیں اللہ تو البتہ ہم راہ دکھاتے تم کو برابر ہے لیے ہمارے

اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿٢١﴾ ع ۳ ۹ ۱۵
خواہ ہم گھبرائیں یا صبر کریں نہیں لیے ہمارے کوئی چھٹکارا (۲۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور سارے اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے، پھر کمزور اپنے بڑوں سے کہیں گے ہم تو تمہارے پیچھے چلنے والے تھے، سو! کیا بچاؤ گے تم ہم کو اللہ کے عذاب سے کچھ؟ وہ کہیں گے اگر اللہ ہم کو ہدایت کرتا تو البتہ ہم تم کو ہدایت کرتے، اب ہمارے لئے برابر ہے کہ ہم بے قراری کریں یا صبر کریں، ہم کو خلاصی نہیں۔ (۲۱)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ جو اللہ کو نہ مانتے تھے ان کو سخت عذاب میں مبتلا کیا جائے گا، یہاں تک کہ عذاب کی سختی سے گھبرا کر وہ لوگ جو دنیا میں نیچے درجہ کے کمزور اور ضعیف تھے اونچے درجے والے معزز لوگوں سے کہیں گے کہ دنیا میں ہم تمہارے تابع تھے تمہارے اشاروں پر چلتے تھے تمہاری خدمت کرتے تھے، آج

تمہیں چاہئے کہ تم اس مشکل وقت میں ہمارے کام آؤ، سب نہیں تو کچھ نہ کچھ ہمارا عذاب کم کرادو، وہ کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں ہدایت کرتا تو ہم تمہیں بھی ہدایت کرتے، آج ہم تم سے بھی زیادہ مصیبت میں ہیں، نہ چیخ و پکار سے کچھ ہوتا ہے اور نہ چپ چاپ رہنے سے کچھ بنتا ہے، کوئی صورت نجات کی نظر نہیں آتی۔

شیطان کا جواب

وَ قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ

اور کہا شیطان نے جب نمٹ چکا کام بے شک اللہ نے وعدہ کیا تم سے وعدہ

الْحَقِّ وَ وَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَ مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ

سچا اور وعدہ کیا میں نے تم سے پھر خلاف کیا میں نے تم اس کے اور نہ تھا واسطے میرے پر تم کوئی

سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ

زور مگر یہ کہ پکارا میں نے تم کو پس کہا مانا تم نے میرا

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب حساب کا کام نمٹایا جاچکا تو شیطان بولا بیشک اللہ تعالیٰ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے تم سے وعدہ کیا، پھر میں نے تم سے وعدہ خلافی کی، اور میرا تم پر کوئی زور نہ تھا میں نے تم کو بلایا، پھر تم نے میری بات مان لی۔

تفسیر

قیامت کا دن بڑا ہیبت ناک دن ہوگا، اس دن وہ باتیں جنہیں وہ یہاں کچھ نہ سمجھتا تھا صاف صاف نظر آنے لگیں گی، اچانک لوگوں کو شیطان نظر آئے گا اسے سب کہیں گے کہ آج تو ہمارے کام آ، اور ہمیں عذاب سے بچالے؟ شیطان کہے گا آج میں تم کو کھری کھری سناتا ہوں دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر بھیج کر تمہیں صحیح باتوں سے آگاہ کیا اور بالکل سچے وعدے کیے، میں نے تو کچھ بھی نہیں کیا صرف تمہیں دنیا کی چمکدار چیزیں دکھا کر اتنا کہا

کہ ان کی طرف کیوں نہیں جھکتے ؟ اتنا کہتے ہی تم اس پر جھک پڑے جو درحقیقت گمراہی کے سوا کچھ نہ تھیں میرا تم پر کوئی زور نہ تھا۔

شیطان کا کورا جواب

فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَ لُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَ مَآ اَنْتُمْ

پس نہ ملامت کرو مجھے اور ملامت کرو اپنے آپ کو نہیں میں مدد کرنے والا تمہارا اور نہ تم

بِمُصْرِخِيَّ ؕ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ

مددگار میرے پس میں انکار کرتا ہوں سے اس جو تم نے شریک ٹھہرایا مجھ کو سے پہلے اسکے بیشک ظالموں

لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾

واسطے ان کے عذاب ہے دردناک (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔سو! مجھ کو الزام نہ دو اور اپنے آپ کو الزام دو، میں تمہاری مدد کرنے والا نہیں اور تم میری مدد کرنے والے نہیں، تم نے جو اس سے پہلے مجھ کو شریک بنایا تھا میں اس سے بیزار ہوں، البتہ جو ظالم ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔(۲۲)

تفسیر

شیطان کہے گا تم میرے پاس آ کر کیا لوگے؟ جاؤ! اپنے کئے کو روؤ اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتو، سنو جی! آج نہ میں تمہارے کام آسکتا ہوں اور نہ تم میرے کام آسکتے ہو، دنیا میں تم نے مجھے اللہ کا شریک ٹھہرایا، بھلا! میری کیا مجال کہ میں اس قادر وقہار کے سامنے ذرا بھی دم مار سکوں، میں تمہارے اس بیہودہ کام سے سخت نفرت کا اظہار کرتا ہوں، میں نے اس کی نافرمانی کی آج اس کی سزا میں پکڑا ہوا ہوں، تم نے خواہ مخواہ میرا کہا مانا اور

اللہ تعالیٰ کے صاف صاف حکموں کو پیٹھ پیچھے پھینک ڈالا،تم بھی آج اس جرم میں پکڑے ہوئے ہو، دونوں نے اپنی جان پر ظلم کیا، آج صاف معلوم ہورہا ہے کہ ظالموں کیلئے عذاب تیار ہے،کاش! دنیا میں اس کو سمجھ لیتے تو آج اس عذاب میں مبتلا نہ ہوتے۔

ایمان اور نیکی

وَ اُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ

اور داخل کئے گئے وہ جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے ایسے باغوں میں بہتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ

سے نیچے جن کے نہریں ہمیشہ رہیں گے میں ان سے حکم رب اپنے کے تحفہ ملاقات ان کا

فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾

میں اس سلام ہے(۲۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جولوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے تھے داخل کیے گئے ایسے باغوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اپنے رب کے حکم سے وہاں ان کی ملاقات کا تحفہ سلام ہے۔(۲۳)

لفظی تحقیق: "تَحِيَّةٌ": تحفہ۔ باہم ملاقات میں جو لفظ پہلے نکلے وہ گویا ایک تحفہ ہے، یہ سب سے اچھا لفظ ہونا چاہئے مسلمانوں میں اس کے لئے بہترین لفظ "سلام" ہے، جس کے معنٰی یہ کہ تم دنیا وآخرت میں سلامتی کے ساتھ رہو۔

تفسیر

فرمایا کہ: جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر ہمیشہ اس کے بتائے ہوئے نیک کام کئے، انہیں رہنے

کیلئے باغوں میں داخل کردیا جائے گا، یہ باغ سرسبز وشاداب ہوں گے یہ اوپر کی منزلوں میں رہیں گے، نیچے صاف وشفاف نہریں جاری ہوں گی، دل کو آرام اور آنکھوں کو ٹھنڈک ہوگی، اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوگا، ایک بار داخل ہونے کے بعد پھر اس میں سے نہ نکلیں گے، اور عیش وآرام کے ساتھ ہمیشہ وہاں رہیں گے، ہر طرف امن وامان ہوگا، ملتے وقت ہر شخص ایک دوسرے سے "سلام" ہی "سلام" کہے گا۔

نیک عملوں میں نماز، روزہ، زکوۃ اور حج بنیادی عبادات شامل ہیں اور باقی تمام نیک کام انہی کے تابع ہیں وہ باغات یا جنت ایسی ہوں گی جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، یہ باغات ہر وقت سرسبز وشاداب اور پھلوں سے لدے ہوئے ہوں گے۔

اور پھر یہ ہے کہ یہ نعمتیں عارضی نہیں ہوں گی اور نہ جنتیوں کو کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے نکال دیا جائے گا، بلکہ اپنے پروردگار کے حکم سے جنتی وہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے، جنت کی نعمتیں ایسی ہیں جو کبھی ختم نہ ہوں گی یہاں پر تو نہریں خشک ہو جاتی ہیں پھل اپنے اپنے موسم میں لگتے ہیں مگر جنت کی نہریں اور اس کے پھل سدا بہار ہوں گے جو سارا سال قائم ودائم رہیں گے، جونہی ایک پھل توڑ کر استعمال کیا جائے گا اس کی جگہ فوراً دوسرا پھل آجائے گا۔

اچھا کلمہ

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

کیا نہیں دیکھا آپ نے کیسی بیان کی اللہ نے مثال کلمہ ستھرا جیسے درخت ستھرا

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ

جڑ اس کی جمی ہوئی اور شاخیں اس کی میں آسمان (۲۴) دیتا ہے وہ پھل اپنا ہر وقت ساتھ حکم

رَبِّهَا ؕ وَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾

رب اپنے کے اور بیان کرتا ہے اللہ مثالیں واسطے لوگوں کے تاکہ وہ سوچیں (۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی کس طرح مثال بیان فرمائی کہ وہ کلمہ طیبہ ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے جس کی جڑیں زمین میں گڑی ہوئی ہوں اور شاخیں آسمان کی طرف جا رہی ہوں۔(۲۴) اپنے رب کے حکم سے ہر وقت اپنا پھل لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے واسطے مثالیں بیان کرتا ہے تا کہ وہ سوچیں۔(۲۵)

تفسیر

تمہارے سمجھانے کیلئے اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان کرتا ہے تمہیں اس پر غور کرنا چاہئے ایمان اور نیک عمل دونوں کا مجموعہ دین ہے، یہ دین اسلام اس پاکیزہ اور صاف ستھرے درخت کی طرح ہے جس کی جڑ زمین کی گہرائی میں جمی ہوئی ہو، اور جسے کوئی بیرونی آفتیں اور تیز ہوائیں وغیرہ جگہ سے نہ ہلا سکیں، اس کی شاخیں اوپر آسمان کی طرف اُٹھ کر ہر طرف پھیل رہی ہوں اور اس سے ہر وقت مزے دار پھل حاصل ہو رہے ہوں اور اللہ کے حکم سے اس کی برکتیں پھیل رہی ہوں۔

گندا کلمہ

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ اِجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ

اور مثال کلمہ گندے کی جیسے درخت گندا اکھاڑ لیا جائے سے اوپر زمین کے

مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ

نہ ہو اس کو کچھ جماؤ (۲۶) مضبوط رکھتا ہے اللہ ان کو جو ایمان لائے ساتھ کلمہ مضبوط کے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ وَ

میں زندگانی دنیا کی اور میں آخرت اور بھٹکاتا ہے اللہ ظالموں کو اور

ع ۴ ۱۶

يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿٢٧﴾

کرتا ہے اللہ جو چاہے (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور گندی (کفر و شرک کی) بات کی مثال ایسے گندے درخت جیسی ہے جسے زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ لیا گیا ہو اور اسے کوئی زمین میں مضبوطی نہیں (مضبوط جڑ نہ ہونے کی وجہ سے اسے زمین پر جماؤ نہ ہو)۔(۲۶) اللہ ایمان والوں کو مضبوط کرتا ہے مضبوط بات سے دنیا اور آخرت میں اور اللہ ظالموں (کافروں) کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ جو چاہے کرتا ہے۔(۲۷)

تفسیر

"کلمہ طیبہ" کے مقابلے میں "کلمہ خبیثہ" ہے جس میں وہ بول اور باتیں داخل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور شرک ظاہر ہوتا ہو، اور اس کا انکار ٹپکتا ہو، یہ اس درخت کی طرح ہے جس کی کوئی جڑ ہی نہ ہو جس کا جی چاہے اسے ہاتھ مار کر اکھاڑ پھینکے، پائیداری کا نام نہ ہو اور اس کے پھل بدذائقہ، کڑوے، تلخ اور کانٹے دار ہو۔

اس آیت میں دنیا کے غافل انسانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ اصل قوت ایمان میں ہے، ایمان والے اپنی جگہ سے نہیں ہلتے، اللہ ان کو دنیا و آخرت دونوں میں ثابت قدم رکھتا ہے، ہاں! جو سمجھنا ہی نہ چاہے ان کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا، اس میں ہر طرح کی قدرت ہے وہ جو چاہے کر سکتا ہے، جو اللہ کی باتیں نہ مانے گا وہ گمراہی میں ادھر ادھر ٹھوکریں کھاتا پھرے گا۔

فرمایا: "وَ مَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ" اور گندے کلمہ کی مثال گندے درخت کی ہے جسے زمین کے اوپر سے اکھاڑ دیا گیا ہو، اس درخت کی جڑ بھی مضبوط نہیں اور یہ بدبودار اور کڑوہ بھی ہے۔ مفسرین کرام نے خبیث درخت سے مختلف درخت مراد لیے ہیں، تاہم زیادہ مشہور یہ ہے کہ اس سے اندرائن، یعنی: تنبہ (حنظل) کا پودا مراد ہے، اس کی بیل زمین پر پھیلی ہوئی ہوتی ہے، جڑ بالکل کمزور جو ذرا سا کھینچنے سے اکھڑ جائے

اور مزہ کڑوا۔

فرمایا: خبیث پودا ایسا ہے جس کو کوئی مضبوطی حاصل نہیں ہوتی، حق کو مضبوطی حاصل ہوتی ہے، اس کے برخلاف کفر وشرک وقتی طور پر دنیا میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے اس کی تہہ میں بڑا شور وشغب اور ہنگامہ ہوتا ہے مگر یہ ناپائیدار ہوتا ہے، کیونکہ اس کی بنیاد مضبوط نہیں ہوتی، جب اگلا جہان آئے گا تو اس کی حقیقت معلوم ہوگی، الغرض! اللہ تعالیٰ نے کلمہ توحید کی مثال پاک درخت سے دی ہے جبکہ کفر وشرک کو بدبودار اور بدذائقہ درخت کے مشابہ قرار دیا ہے دونوں کا فرق واضح کر دیا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت پکڑیں۔

مضبوط بات سے مراد کلمہ توحید ہے اور توحید کی بدولت اللہ تعالیٰ انہیں اس دنیا میں ثابت قدم رکھتا ہے، کفر، شرک اور گمراہی کے ہر گڑھے میں گرنے سے بچاتا ہے ایسے لوگ کفر، شرک اور گمراہی سے بچے رہتے ہیں اگر دل میں شک، تردد یا نفاق ہوگا تو انسان ثابت قدم نہیں رہ سکتا اور شرور اور فتنوں میں مبتلا ہو جاتا ہے، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر آخرت سے مراد قبر کی منزل ہے۔ صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اس کلمہ توحید کی بدولت مومن آدمی کو اللہ تعالیٰ قبر میں منکر نکیر کے سوالوں کا جواب دینے میں ثابت قدم رکھتا ہے، اور وہ صحیح جواب دیتا ہے قبر آخرت کی منزلوں میں پہلی منزل ہے۔

"ترمذی شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب قبرستان جاتے تو اتنا روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی، جب لوگوں نے اس کی وجہ دریافت کی تو فرمایا: قبر آخرت کی منزلوں میں سے پہلی منزل ہے اگر آدمی اس امتحان میں بچ گیا تو آگے بھی بچتا چلا جائے گا اور اگر یہاں پھنس گیا تو اگلی منزلیں اور زیادہ مشکل ہوں گی، آپ نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ میں جب قبر کا حال سنتا ہوں یا اسے دیکھتا ہوں تو مجھے بے اختیار رونا آجاتا ہے۔

"صحیح بخاری" اور "صحیح مسلم" کی روایت میں ہے کہ جب قبر میں کسی مومن سے سوال کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل کو مضبوط رکھتا ہے اور وہ صحیح جواب دے پاتا ہے اور اسے آرام وسکون حاصل ہوتا ہے۔

فرمایا: "وَ يَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ" اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کا ہر کام اس کی حکمت اور

مصلحت کے مطابق ہوتا ہے، وہ حکمت والا ہے اپنی حکمت کے مطابق جس کو چاہے ہدایت دے اور جس کو چاہے گمراہی میں رکھے، اور پھر اس کے نتیجے میں جس کو چاہے راحت دے اور جس کو چاہے سزا میں مبتلا کر دے۔

ناشکرے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ

کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان کی جنہوں نے بدلہ دیا نعمت کا اللہ کی کفر کے ساتھ اور اتارا قوم اپنی کو

دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلَوْنَهَا ۗ وَ بِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾

گھر تباہی کے (۲۸) دوزخ میں داخل ہوں گے وہ اس میں اور برا ہے وہ ٹھکانا (۲۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کیا آپ نے ان کو نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا بدلہ ناشکری سے دیا، اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا۔ (۲۸) وہ اس دوزخ میں داخل ہوں گے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے۔ (۲۹)

تفسیر

اس آیت میں اس بات پر تعجب کا اظہار ہے کہ یہ مکہ کے بڑے بڑے اور بااثر لوگ اسلام کو اچھا مانتے ہوئے بھی ضد میں آ کر اس کے ماننے سے انکار کر بیٹھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو قریش کا سردار بنایا، عرب کے تمام لوگوں پر انہیں عزت اور دبدبے والا کیا۔ ان کی ہدایت کے لئے انہی میں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا، اور انہیں ان کے لئے اور ساری دنیا کے لئے رہبر مقرر کیا، اگر سوچیں تو یہ کتنی بڑی نعمت ہے۔ افسوس! ان تمام نعمتوں کا بدلہ کفر اور ناشکری سے دیا، قرآن مجید نے اچھوں کے لئے جنت اور بروں کے لئے دوزخ کا وعدہ کیا ہے، انہوں نے ضد میں آ کر دوزخ کو پسند کیا اب یہ دوزخ میں داخل ہوں گے ان سے پھر کہا جاتا ہے کہ دوزخ برا ٹھکانا ہے اچھی طرح سمجھ لو۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا" اے مخاطب! کیا آپ نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت کو ناشکری کے ساتھ تبدیل کر دیا، ان کے لئے لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکریہ ادا کرتے، مگر انہوں نے ناشکری اور ناقدری اختیار کی، پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اپنی قوم اور برادری کو ہلاکت کے گھر، یعنی: دوزخ میں اتار دیا، وہ خود تو سیدھے راستے سے ہٹ چکے تھے اس کے ساتھ ساتھ دوسروں کی گمراہی کا ذریعہ بھی بنے اور انہیں بھی اپنے ساتھ دوزخ میں لے گئے۔

اس سوال کے جواب میں کہ وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے نعمت کی ناشکری کی؟ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مکہ کے قریش مراد ہیں، یہی لوگ قرآن پاک کی مخالفت اور کفر و شرک کی حمایت میں پیش پیش تھے، پھر ان کے بعد سارے عرب تھے جو کفر و شرک کے پروگرام کو ہی غالب کرنا چاہتے تھے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی نعمت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر بطور خاص ذکر فرمایا ہے اور جس کی لوگوں نے قدر نہیں کی۔ مفسرین کرام نے اس کی بہت سی وجہیں ذکر کی ہیں، بعض فرماتے ہیں کہ: اس نعمت سے اللہ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اس کا ذکر اگلی سورۃ میں آئے گا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے مگر مکہ کے قریش نے ان دونوں نعمتوں کی قدر نہ کی، اللہ تعالیٰ کی ایک اور بڑی نعمت یہ تھی کہ اس نے قریش کو خانہ کعبہ اور حرم کا نگران بنایا۔

اللہ تعالیٰ نے قریش مکہ کو پورے عرب میں ان کی عزت و وقار کی وجہ سے مانوس کر دیا تھا، لوگ ان کی عزت و احترام کرتے تھے، چنانچہ موسم گرما یا سرما میں جب بھی قریش تجارتی سفر پر جاتے تھے تو لوگ ان سے مانوس تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ عزت بیت اللہ شریف کا متولی ہونے کی بنا پر ہی عطا کی تھی؛ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا "فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ" اس گھر کے رب کی عبادت کرو جس کی وجہ سے اس نے تمہیں عزت بخشی ہے، بہر حال یہ بھی اللہ کی عظیم نعمت تھی مگر قریش نے اس کی بھی قدر نہ کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس نعمت سے مراد ایمان اور توحید لیا ہے مگر

ان لوگوں نے اس سے انکار کیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود بھی دوزخ میں گئے اور دوسروں کو بھی وہیں لے گئے۔

سخت نادانی

وَ جَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ

اور مقرر کیے انہوں نے لئے اللہ کے شریک تاکہ گمراہ کریں سے راستہ اس کے کہہ دیجئے فائدہ اٹھالو پس تحقیق

مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝۳۰

لوٹنا تمہارا طرف آگ کی ہے (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ: اور ٹھہرائے انہوں نے اللہ کے لئے شریک تاکہ اس کے راستے سے لوگوں کو بہکائیں، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ مزے اڑالو، پھر تم کو اس آگ کی طرف لوٹنا ہے۔ (۳۰)

تفسیر

قریش کے سرداروں کی ہٹ دھرمی کا بیان ہو رہا ہے ان پر اللہ تعالیٰ کے بہت سے احسانات تھے، انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کے برابر دوسروں کو معبود بنا رکھا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ لوگ بھی ان کے اثر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ بیٹھے ہیں، اور اس کے مقرر کئے ہوئے راستے سے ہٹ گئے ہیں، ان سے کہہ دو کہ اس بت پرستی سے تمہیں کچھ نذر و نیاز کی صورت میں ضرورت کی چیزیں تو مل رہی ہیں، لیکن خیر تم کچھ دن مزے کرلو آخر تو تمہیں دوزخ کی دہکتی ہوئی آگ میں جانا ہی ہے۔ کیوں کہ جو کام تم کر رہے ہو، یعنی: اللہ تعالیٰ کا انکار اور اس کی ناشکری، اس کا نتیجہ مرنے کے بعد اس کے سوا اور کچھ نہیں، دنیا میں جو مصیبت اس کی وجہ سے آنے والی ہے وہ الگ رہی، قریش کے سرداروں کے دو جرم تھے، ایک تو خود بہکنا، دوسرے اور لوگوں کو بہکانا۔ دوسرے کی سزا انہیں دنیا میں بھی ملی اور آخرت میں بھی ملے گی، باا ثر لوگوں کو اس سے سبق سیکھنا چاہیے۔

فرمایا: "وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا" اور ٹھہرائے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے شریک۔ شریک مدمقابل کو کہتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی مدمقابل نہیں ہوسکتا، نہ ذات میں نہ صفات میں، اور نہ عبادت میں، مگر انہوں نے انسانوں اور جنوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا، کسی نے درختوں اور پتھروں کی عبادت شروع کردی، اور کوئی ستاروں اور سیاروں کو خدا مان کر ان کے سامنے جھک گئے، یہ سب شرکیہ کام ہیں اور اس کا مقصد یہ ہے تاکہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ کردیں۔ "سورہ بقرہ" میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی گزر چکا ہے کہ اللہ کے شریک نہ بناؤ، حالانکہ تم جانتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس برائی کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: اے پیغمبر! آپ کہہ دیں مزے اڑالو، چند دن تک اس زندگی میں فائدہ اٹھالو، کیونکہ بالآخر تمہارا لوٹنا دوزخ ہی کی طرف ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: تم دنیا میں عیش و آرام کرلو، کفر، شرک اور ناشکری کرلو تم اپنے انجام کو پہنچنے والے ہو، اسی سورت کے دوسرے رکوع میں گزر چکا ہے اگر تم میری دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کروگے، تو میرا عذاب بھی سخت ہے، اللہ تعالیٰ کا قانون مہلت اور ڈھیل دینے کا ہے، "سورہ اعراف" میں اس کا فرمان ہے میں ایسے لوگوں کو مہلت دیتا رہتا ہوں میری پکڑ بڑی سخت ہے، جب چاہتا ہوں ان کو پکڑ لیتا ہوں، مہلت دینا اللہ تعالیٰ کی مصلحت ہے ورنہ وہ فوراً پکڑنے پر بھی قادر ہے۔

مسلمانوں کا کام

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ يُنْفِقُوْا مِمَّا

کہہ دیجئے کو بندوں میرے جو ایمان لے آئے ہیں قائم کریں نماز اور خرچ کرتے رہیں سے اس جو

رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ

دیا ہم نے ان کو چھپا کر اور کھلے طور پر سے پہلے اس کے کہ آپہنچے وہ دن کہ نہ سوداگری ہوگی

فِيْهِ وَ لَا خِلٰلٌ ﴿۳۱﴾

میں اس اور نہ دوستی ہوگی (۳۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ کہہ دیجئے! میرے بندوں سے جو ایمان لائے ہیں کہ نماز قائم رکھیں، اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے چھپے اور کھلے خرچ کریں، اس سے پہلے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید وفروخت ہوگی اور نہ دوستی ہوگی ۔(۳۱)

تفسیر

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ میرے حکم بردار بندوں سے کہہ دو کہ روزانہ باقاعدہ نماز کے وقت حاضر ہوکر اپنی بندگی کا میرے سامنے اظہار کریں، اور اپنی حلال کی کمائی میں سے حاجت مندوں کو چپکے سے کچھ نہ کچھ دیتے رہیں، اور بعض موقعوں پر ظاہر کر کے بھی دیں، تم دنیا میں یہ کام کرتے رہوگے تو قیامت میں ان کا پھل پاؤ گے ورنہ خالی ہاتھ رہ جاؤ گے۔

یاد رکھو! اس دن خرید وفروخت نہ ہوگی کہ کبھی یہ سمجھو کہ کچھ قیمت دیکر دوسروں کی نیکیاں خرید لیں گے یہ بھی نہ ہوسکے گا اور دوستی بھی کام نہ آئے گی، یہاں سے معلوم ہوتا ہے کہ بزرگوں سے دوستی اور محبت کا اظہار اپنے طریقوں سے چاہے جتنا کیا جائے جب تک شریعت کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق نیک عمل کی کوشش نہ کی جائے گی وہ بزرگ نجات نہ دلوا سکیں گے۔

وَ لَا خِلٰلٌ: اس آیت میں جو یہ ارشاد ہے کہ قیامت کے روز کسی کی دوستی کسی کے کام نہ آئے گی، اس کا مطلب یہ ہے کہ محض دنیاوی دوستیاں اس روز کام نہ آئیں گی، لیکن جن لوگوں کی دوستی اور تعلقات اللہ تعالیٰ کے لئے اور اس کے دین کے کاموں کے لئے ہوں، ان کی دوستی اس وقت بھی کام آئے گی کہ اللہ کے نیک اور مقبول بندے دوسروں کی شفاعت کریں گے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے اور قرآن مجید میں ارشاد ہے ’’اَلْاَخِلَّآءُ

يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ" یعنی: وہ لوگ جو دنیا میں ایک دوسرے کے دوست تھے اس روز ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے، اور یہ چاہیں گے کہ دوست پر اپنا گناہ ڈال کر خود بری ہو جائیں، مگر وہ لوگ جو پرہیزگار ہیں دوست رہیں گے، اور ایک دوسرے کے کام آئیں گے کیونکہ متقی وہاں بھی ایک دوسرے کی مدد شفاعت کے ذریعہ کر سکیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
اللہ وہ ہے جس نے پیدا کئے آسمان اور زمین اور اتارا سے آسمان

مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ
پانی پھر نکالے ساتھ اس کے سے پھل روزی واسطے تمہارے اور کام میں لگایا تمہارے

الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ﴿۳۲﴾
کشتی کو تاکہ چلے میں دریا ساتھ حکم اس کے اور کام میں لگایا واسطے تمہارے ندیوں کو (۳۲)

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ ۚ وَ سَخَّرَ لَكُمُ
اور کام میں لگایا واسطے تمہارے سورج کو اور چاند کو جو ہمیشہ کام میں لگے رہتے ہیں اور کام میں لگایا واسطے تمہارے

الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ﴿۳۳﴾
رات کو اور دن کو (۳۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ وہ ہے جس نے آسمان و زمین بنائے، اور آسمان سے پانی اتارا، پھر اس سے تمہاری روزی اور میوے نکالے، اور کشتیوں کو تمہارے کام میں لگا دیا، تاکہ دریا میں اس کے حکم سے چلے، اور کام میں لگائیں تمہارے لئے ندیاں۔ (۳۲) اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگایا، کہ رکے بغیر دونوں لگاتار

ایک طریقے پر چلتے ہیں، اور دن اور رات کو تمہارے کام میں لگایا۔ (۳۳)

اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں

وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا

اور دیا تم کو سے ہر چیز جو تم نے مانگی اور اگر شمار کرنے لگو نعمتیں اللہ کی تو نہ

تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ﴿۳۴﴾ ع۵ ۱۷

پوری گن سکو گے ان کو تحقیق انسان البتہ بڑا ظالم ناشکر گزار ہے (۳۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی، دیا اور اگر اللہ تعالیٰ کے احسان گننا چاہو تو پورے نہ گن سکو گے، بے شک انسان بڑا ظالم اور ناشکرا ہے۔ (۳۴)

تفسیر

مسلمان ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھتا ہے اور کافر کو کبھی اللہ کا خیال بھی نہیں آتا، وہ بعض چیزوں کو اپنی ہی کوششوں کا نتیجہ سمجھتا ہے اور بعض کو دوسروں کی مہربانی جانتا ہے، اسلام اسے سکھاتا ہے کہ تیری کوششیں کچھ بھی نہیں، فقط سوال کی صورتیں مختلف ہیں ایک آدمی صبح سے لیکر شام تک روزی کمانے کیلئے بدنی محنت کرتا ہے دوسرا کسی کی خدمت کرتا ہے کوئی اپنی دماغی قوتیں کسی نئی چیز کی ایجاد میں لگاتا ہے، غرض! کوئی کچھ کرتا ہے کوئی کچھ، یہ سب اصل میں اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کر رہے ہوتے ہیں، ہر شخص بلکہ ہر چیز کسی نہ کسی طریقے سے اسی کے آگے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں، اور وہ ہر ایک کو اس کی قابلیت یا اپنی مصلحت کی بنیاد پر جتنا چاہے دیتا ہے لوگ یہ ظلم کرتے ہیں کہ اللہ کا نام بھی نہیں لیتے اپنی محنت یا دوسرے کی مہربانی ہی کو کمائی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اصلی دینے والے کی برابر ناشکری ہوتی رہتی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِيْ وَ

اور جب کہا ابراہیم نے اے رب میرے! کردے اس شہر کو پرامن اور بچا مجھ کو اور

بَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾

بیٹوں میرے کو کہ پوجیں ہم مورتیوں کو (۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جس وقت ابراہیم نے کہا اے رب! اس شہر کو امن والا کردے، اور مجھ کو اور میری اولاد کو اس بات سے دور رکھ کہ ہم مورتوں کو پوجیں۔ (۳۵)

تفسیر

اس آیت میں قریش کو بتایا جارہا ہے کہ تمہارے دادا ابراہیم علیہ السلام تو یہی دعائیں کرتے کرتے چل بسے کہ مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا، ان کی آخری دعائیں سنو اور کچھ غور وفکر کرو کہ ایسے توحید پسند اللہ کے بندے کی اولاد ہو کر بت پرستی کرتے ہو، انہوں نے آخری موقع پر جب اپنے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام سے ملاقات کی تو پہلی دعا جو مانگی وہ یہ تھی کہ اے اللہ! اس مکہ کے شہر کو امن کی جگہ بنا اور جیسے تو نے مجھے اپنی رحمت سے بت پرستی سے بچایا، میری اولاد کو بھی اس آفت سے بچا۔

بتوں سے نفرت

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ

اے میرے رب! تحقیق انہوں نے گمراہ کیا بہت سوں کو سے لوگوں میں پس جو تابعدار میرا رہا تحقیق وہ

مِنِّیْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾

میرا ہے اور جو میرا نافرمان ہوا پس تحقیق آپ بخشنے والے مہربان ہیں (۳۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے میرے رب! ان مورتیوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں ڈالا، وہ لوگ جو میرے راستے پر چلے وہ میرے ہیں اور جس نے میرا کہنا نہ مانا تو آپ بخشنے والے مہربان ہیں۔ (۳۶)

تفسیر

آپ اپنی رحمت سے ان کو کفر و شرک سے توبہ کی توفیق نصیب فرمادیں اور اپنی مغفرت اور رحمت کے ذریعے ان کو ایمان اور اسلام کی طرف ہدایت نصیب فرمادیں۔

خوشحالی

رَبَّنَاۤ اِنِّیْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ

اے رب ہمارے! تحقیق میں نے بسایا ہے اولاد اپنی سے میں میدان جو نہیں والا کھیتی نزدیک گھر آپ کے

الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ

حرمت والے کے اے رب ہمارے! تاکہ وہ قائم کریں نماز پس کر دیجئے کچھ دل لوگوں کے

تَهْوِیْۤ اِلَیْهِمْ وَ ارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾

مائل ہوتے ہوئے طرف ان کی اور روزی دے انہیں سے میووں کی امید ہے کہ وہ شکر کریں (۳۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد کو آپ کے قابلِ احترام گھر کے پاس ایسے میدان میں بسا دیا ہے جہاں کوئی کھیتی باڑی نہیں ہوتی، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم رکھیں، اور کچھ لوگوں کے دل ایسے بنادے جو ان کی طرف مائل رہیں اور ان کو میووں سے روزی دے امید ہے کہ وہ شکر گزاری کریں گے۔ (۳۷)

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو اسماعیل سمیت "وادیٔ فاران" کے ایک چٹیل میدان میں چھوڑ آئے، اس وقت اپنی دعا میں اس واقعہ کا ذکر اللہ تعالیٰ کے سامنے کر رہے ہیں، کہہ رہے ہیں کہ اے اللہ! میں اپنی بیوی اور بچے کو اس بنجر میدان میں اس جگہ چھوڑ گیا تھا جو تیرے گھر کعبہ کے قریب ہے اس غرض سے کہ اس برکت والی جگہ میں یہ آپ کا نام بلند کریں اور آپکی عبادت کے لئے نماز قائم کریں اے اللہ! ان کی طرف کچھ لوگوں کی طبیعت مائل فرمادے، اور اپنی قدرت سے ان کو کھانے کے لئے میوے عطا فرمادے، تاکہ وہ تیرے شکر گزار بندے بنیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خیر خبر لینے کے لئے شام سے اس جگہ تشریف لائے اور دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں زم زم کا چشمہ جاری فرمادیا ہے، قبیلہ جرہم وہاں آکر آباد ہوگیا ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی انہی میں ہوگئی، کعبہ جوان دونوں نے مل کر بنایا تھا مخلوق کی زیارت کرنے کی جگہ بن چکا ہے میوے کثرت سے کھچے چلے آرہے ہیں۔

یہاں پر بظاہر کشش کا کوئی سامان موجود نہیں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے عزت والے گھر کے لئے اسی خطہ کو منتخب کیا اب اسی بیت اللہ شریف کی کھچاوٹ کشش کی یہ حالت ہے کہ پوری دنیا سے لوگ کھچ کھچ کر یہاں پہنچ جاتے ہیں سخت گرمی ہو یا سردی، بارش ہو رہی ہو یا آندھی چل رہی ہو، چوبیس گھنٹے میں کوئی ایک لمحہ بھی ایسا نہیں آتا جب کہ اس گھر کا طواف نہ ہو رہا ہو، ایک دفعہ جا کر جی نہیں بھرتا اور ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ وہاں کی حاضری کا بار بار موقع ملتا رہے۔

عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ: آپ کے عزت والے گھر کے پاس، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے جس دن سے زمین کو پیدا کیا ہے اسی دن سے زمین کے اس حصے کو عزت والا بنایا ہے یہاں پر لڑائی، جھگڑا، بیہودہ باتیں بالکل حرام ہے۔

اللہ تعالیٰ کا علم

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَ مَا نُعْلِنُ ؕ وَ مَا يَخْفٰى عَلَى
اے رب ہمارے! بیشک آپ جانتے ہیں جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم دکھاتے ہیں اور نہیں چھپی ہوئی پر

اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَ لَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾
اللہ کوئی چیز میں زمین اور نہ میں آسمان (۳۸)

بامحاورہ ترجمہ: اے ہمارے رب! ہم جو کچھ چھپا کر اور جو کچھ دکھا کر کرتے ہیں آپ سب جانتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے نہ زمین میں اور نہ آسمان میں۔ (۳۸)

تفسیر

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا بھی کی اے ہمارے پروردگار! بیشک آپ جانتے ہیں جس چیز کو ہم دل میں چھپاتے ہیں، اور جس کو ہم زبان سے ظاہر کرتے ہیں، زمین میں، کوئی چیز آپ کی نگاہوں سے چھپی ہوئی نہیں ہے آپ ہماری نیت اور ارادے کو بھی جانتے ہیں۔

دل میں چھپانے سے مراد وہ رنج وغم اور فکر ہے جو ان کو دودھ پیتے بچے اسماعیل اور بیوی کو ایک میدان میں بے سروسامان تنہا چھوڑنے اور ان کی جدائی سے فطری طور پر محسوس ہو رہا تھا۔

زبان ظاہر کرنے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت ہاجرہ کے وہ الفاظ مراد ہیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خبر سن کر کہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہمیں یہاں تنہاء چھوڑنے کا حکم دیا ہے تو اللہ تعالیٰ ہمارے لئے کافی ہے وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

آیت کے آخر میں فرمایا: ہمارا ظاہر و باطن ہی کیا تمام زمین و آسمان میں کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔

شکر کی ادائیگی

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ وَهَبَ لِیۡ عَلَی الۡكِبَرِ اِسۡمٰعِیۡلَ وَ اِسۡحٰقَ ؕ
تمام خوبی واسطے اللہ کے جس نے دیا مجھ کو میں عین بڑھاپے اسماعیل اور اسحاق

اِنَّ رَبِّیۡ لَسَمِیۡعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾
تحقیق رب میرا البتہ سننے والا ہے دعا کو (۳۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے مجھے اتنی بڑی عمر میں اسمٰعیل اور اسحاق عطا فرمائے، بے شک میرا رب دعا کو سنتا ہے۔ (۳۹)

تفسیر

اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا ہے کہ اس نے بڑھاپے میں اولاد عطا فرمائی۔

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت کے مطابق جب ابراہیم علیہ السلام کی عمر ننانوے برس کی ہوئی تو اسماعیل علیہ السلام کی ولادت ہوئی، یہ آپ کی دوسری بیوی ہاجرہ سے پیدا ہوئے تھے، پھر جب آپ کی عمر مبارک ۱۱۲ سال ہوئی تو پہلی بیوی حضرت سارہ سے اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے انہوں نے آپ کے ساتھ عراق سے ہجرت بھی کی تھی، آپ کو ساری عمر اولاد کی خواہش رہی مگر اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا کہ اس نے جوانی کے بعد بڑھاپے میں بیٹا عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ کی یہ بھی خاص مہربانی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کے دونوں بیٹے یعنی اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام بڑے مرتبے کے پیغمبر ہوئے اور پھر انہی کی نسل سے پیغمبروں کا سلسلہ آگے بھی چلا۔

مغفرت

رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ مُقِیۡمَ الصَّلٰوةِ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلۡ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾
اے رب میرے! کردے مجھ کو قائم رکھنے والا نماز کا اور سے میری اولاد میں اے رب ہمارے! اور قبول کر دعا میری (۴۰)

ع ۶ ۱۸

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ وَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

اے رب ہمارے! بخش دیجیے مجھ کو اور ماں باپ میرے کو اور تمام ایمان والوں کو جس دن قائم ہو حساب (۴۱)

بامحاورہ ترجمہ: اے ہمارے رب! مجھے اور میری اولاد کو نماز کا قائم کرنے والا بنا، اے ہمارے رب! ہماری دعا کو قبول فرما۔ (۴۰) اے ہمارے رب! مجھ کو اور میرے ماں باپ اور سب ایمان والوں کو حساب کے دن بخش دے۔ (۴۱)

تفسیر

رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَ لِوَالِدَيَّ: اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کے لئے بخشش کی دعا فرمائی ہے حالانکہ آپ کے باپ آزر کے کافر ہونے کا ذکر قرآن میں موجود ہے، اور کافر کے لئے بخشش کی دعا کرنا جائز نہیں؟ جواب اس کا یہ ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ دعا اس وقت کی ہو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کافروں کی سفارش اور مغفرت کی دعاء سے منع نہیں کیا گیا تھا۔

احکام ومسائل

آیاتِ مذکورہ سے دعا کے آداب یہ معلوم ہوئے کہ بار بار نہایت عاجزی کے ساتھ دعا کی جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء بھی کی جائے اس طرح دعا کی قبولیت کی بڑی امید ہوجاتی ہے۔

مہلت ملی ہوئی ہے

وَ لَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۚ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ

اور مت گمان کر ہرگز اللہ کو بے خبر سے اس جو کرتے ہیں ظالم لوگ بات یہی ہے کہ مہلت دیتا ہے ان کو

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا

اس دن تک کہ کھلی رہ جائیں گی میں اس آنکھیں (۴۲) لپکے جارہے ہوں گے اٹھائے سروں اپنے کو نہ

يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَ اَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ؕ﴿۴۳﴾

پھرے گی طرف ان کی آنکھ ان کی اور دل ان کے اُڑے ہوئے ہوں گے (۴۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہرگز مت خیال کر کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں سے غافل ہے جو ظالم لوگ کرتے ہیں ان کو تو اس دن تک کیلئے ڈھیل دے رکھی ہے جب آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی۔ (۴۲) اپنے سر اوپر اٹھائے دوڑتے ہوں گے، ان کی آنکھیں ان کی طرف پھر کر نہیں آئیں گی، اور ان کے دل اُڑ گئے ہوں گے۔ (۴۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والے خوب سوچ لیں ان کو اس دنیا میں مہلت دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو پہچان کر اس کی طرف رجوع کریں، قیامت کے دن ان کا یہ حال ہوگا کہ پاگلوں کی طرح حیران و پریشان ہو کر دوڑے چلے جا رہے ہوں گے، سر اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے، آنکھیں ان کی اوپر اٹھی کی اٹھی رہ جائیں گی، اِدھر اُدھر یا نیچے نہ مڑ سکیں گی، دل خوف کے مارے اڑے جا رہے ہوں گے۔

تنبیہ!

وَ اَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

اور ڈرایئے لوگوں کو اس دن سے کہ آئے گا ان پر عذاب پس کہیں گے وہ جنہوں نے ظلم کیا

رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ

اے رب ہمارے! ڈھیل دے ہم کو تک ایک مدت قریبی تک کہ قبول کریں ہم دعوت آپ کی اور پیروی کریں ہم پیغمبروں کی

اَوَ لَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۙ﴿۴۴﴾

کیا نہ تھے تم قسمیں کھاتے سے پہلے اس کے نہیں واسطے تمہارے سے کوئی زوال (۴۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور لوگوں کو اس دن سے ڈرائیں کہ ان پر عذاب آئے گا، تب ظالم کہیں گے، اے

ہمارے رب! ہم کو تھوڑی سی مدت تک مہلت دے کہ ہم تیرا بلاوا قبول کریں اور پیغمبروں کی پیروی کریں؟ ان سے کہا جائے گا کیا تم پہلے قسم نہ کھاتے تھے کہ تم کو دنیا سے نہیں جانا؟ (۴۴)

تفسیر

انسان اپنی تندرستی، قوت اور مال پر مغرور ہو جاتا ہے اور خواہشوں کو لگام دینے کی بجائے ان کے پورا کرنے کا سامان اکٹھا کرنا کہیں بہتر مشغلہ سمجھتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے اس طرزِ عمل کو بیکار مشغلہ قرار دیتے ہیں اور اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو ڈرا دیں اور کہہ دیں کہ اگر اسی خیال میں پھنسے رہے تو ایک نہ ایک دن عذاب تم کو آ گھیرے گا اس وقت تم بے اختیار چلاؤ گے کہ اے رب! واقعی ہم نے دھوکا کھایا اب کے ہمیں اور مہلت دے ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اب ہم تیرے حکموں کو دل وجان سے پورا کریں گے اور آپ کے پیغمبروں کا کہنا مانیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ تم کو بہت مہلت دی جا چکی ہے لیکن تم دنیا کی رنگ رلیوں میں ایسے مست ہوئے کہ موت کو بھول ہی گئے اور کبھی کہتے کہ ہماری یہ خوش حالی ہم سے کوئی نہیں چھین سکتا؟ کون ہے جو ہمیں نیچا دکھا دے؟

حالِ زار

وَ سَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَيَّنَ لَكُمْ

اور رہے تم میں گھروں انہی کے جنہوں نے ظلم کیا جانوں اپنی پر اور کھل چکا ہے تم پر کہ

كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَ قَدْ مَكَرُوْا

کیسا سلوک کیا ہم نے ساتھ ان کے اور بتا دیے ہم نے تم کو سارے قصے (۴۵) اور بیشک وہ داؤ کر چکے

مَكْرَهُمْ وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ۭ وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ

داؤ اپنا اور پاس اللہ کے ہیں داؤ ان کے اور نہیں ہیں داؤ ان کے کہ ٹل جائیں

مِنۡهُ الۡجِبَالُ ﴿۴۶﴾

سے ان پہاڑ (۴۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تم انہی لوگوں کی بستیوں میں آباد تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا، اور تم پر کھل چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیسا سلوک کیا؟ اور ہم نے تم کو سب قصے سنائے۔(۴۵) اور یہ اپنے داؤ بنا چکے تھے، اور ان کا داؤ اللہ کے سامنے ہے اور ان کا داؤ ایسا نہیں کہ جن سے پہاڑ ٹل جائیں۔(۴۶)

تفسیر

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ جب تمہیں دنیا میں کام کرنے کی پوری سہولتیں حاصل تھیں تم سے یہی تو کہا گیا تھا کہ اس فرصت کو غنیمت سمجھو، اور اللہ کے حکموں پر چلو، اور پیغمبروں کا کہنا مانو تمہارے لئے پہلی امتوں کے حال پر غور کرنے اور اس سے عبرت حاصل کرنے کا موقع میسر تھا، اور تمہیں اچھی طرح معلوم تھا کہ ہم نے ان کے برے کاموں کی انہیں کیسی زبردست سزا دی، پھر ہم نے ان کی حالات بھی اچھی طرح تمہیں سنا دیے انہوں نے اپنے اپنے منصوبے پورے کرنے کیلئے بڑے بڑے داؤ لڑائے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی کچھ نہ چلی، بھلا! کہیں نادان انسان کی کمزور چالیں ایسی ہو سکتی ہیں جن سے پہاڑ اپنی جگہ سے ہل جائیں۔

وعدہ پورا ہو کر رہے گا

فَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ مُخۡلِفَ وَعۡدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيۡزٌ ذُو

پس نہ گمان کر ہرگز اللہ کو خلاف کرنے والا وعدہ اپنا پیغمبروں اپنے سے تحقیق اللہ زبردست والا ہے

انۡتِقَامٍ ﴿۴۷﴾ يَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَيۡرَ الۡاَرۡضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ

بدلہ لینے (۴۷) جس دن بدل دی جائے گی زمین سے زمین اور آسمان بھی اور

بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ وَ تَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ
نکل کھڑے ہونگے آگے اللہ کے جو یکتا ہے زبردست (۴۸) اور دیکھیں گے آپ مجرموں کو اس دن

مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾
ملا کر جکڑے ہوئے میں زنجیروں (۴۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ کو ہرگز یہ گمان نہ کر کہ وہ اپنے پیغمبروں سے وعدہ خلافی کرے گا بے شک اللہ تعالیٰ زبردست بدلہ لینے والا ہے۔(۴۷) جس دن اس زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا، اور آسمان بھی بدل دیئے جائیں گے، اور لوگ اکیلے زبردست اللہ کے سامنے نکل کھڑے ہوں۔(۴۸) اور گناہگاروں کو آپ اس دن آپس میں زنجیروں میں جکڑے ہوئے دیکھیں گے۔(۴۹) یعنی ہر جرم کے مجرم الگ الگ کر کے ایک زنجیر سے باندھ دیئے جائیں گے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ اے انسان! ہرگز یہ خیال مت کر بیٹھنا کہ اللہ تعالیٰ ان وعدوں کو جو اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعے انسانوں سے کیے ہیں پورے نہ کرے گا، وہ دن آنے والا ہے کہ زمین یہ زمین نہ رہے گی، اور نہ ہی آسمان ایسے رہیں گے جیسے ہیں، یہ سب کچھ بدل کر کچھ کا کچھ ہو جائے گا، اس وقت لوگ اس حالت میں نظر آئیں گے کہ ان کے گروہ بنا کر ایک ساتھ زنجیروں میں جکڑ دیے جائیں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ: بیشک اللہ تعالیٰ قدرت کا مالک اور غالب ہے، وہ انتقام لینے والا بھی ہے وہ مہلت دیتا ہے مگر مجرموں کو چھوڑتا نہیں، وہ ان سے ضرور انتقام لے گا کیونکہ وہ حق کی مخالفت کرتے ہیں، اگر دنیا میں پوری زندگی بھی ان کی پکڑ نہیں ہوئی تو آخرت میں ضرور پکڑے جائیں گے، اور انہیں اپنے برے عملوں کی سزا بھگتنی ہوگی۔

اس کے بعد انسان کو یہ تنبیہ کی گئی کہ وہ یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں سے جو وعدے فتح و نصرت

اور کامیابی کے کئے ہیں وہ ان کے خلاف کرے گا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ زبردست اور انتقام لینے والا ہے، وہ ضرور اپنے پیغمبروں کے دشمنوں سے انتقام لے گا اور پیغمبروں سے جو وعدے فتح ونصرت کے کئے ان کو پورا کرے گا۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ الخ: زمین وآسمان کے بدل دینے کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ ان کی صفات اور شکل وصورت بدل دی جائے، جیسا کہ قرآن مجید کی دوسری آیات اور حدیث میں ہے کہ پوری زمین ایک برابر سطح بنادی جائے گی، جس میں نہ کسی مکان کی آڑ ہوگی نہ درخت وغیرہ کی، نہ کوئی پہاڑ اور ٹیلہ رہے گا نہ غار اور گہرائی۔

اور زمین وآسمان تبدیل کرنے کے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ بالکل ہی اس زمین اور آسمان کے بدلے دوسری زمین اور آسمان بنادیے جائیں، حدیث کی روایات جو اس کے متعلق آئی ہیں ان میں بعض سے صرف صفات کی تبدیلی معلوم ہوتی ہے اور بعض سے خود زمین اور آسمان کی تبدیلی۔

مجرمو! سمجھ جاؤ

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ لِيَجْزِيَ
کرتے ان کے سے گندھک اور ڈھانکے گی چہروں کو ان کے آگ (۵۰) تاکہ بدلہ دے

اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ هٰذَا
اللہ ہر شخص کو جو اس نے کیا تحقیق اللہ جلد حساب لینے والا ہے (۵۱) یہ

بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَ لِيَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ
پہنچا دینا ہے لوگوں کو اور تاکہ وہ ڈرائے جائیں اس سے اور تاکہ جان لیں کہ درحقیقت وہی معبود ہے یکتا اور

لِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ ع ۱۱ ۱۹
تاکہ نصیحت حاصل کریں والے عقل (۵۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ان کے کرتے گندھک کے ہوں گے، اوران کے چہروں کو آگ ڈھانک لیتی ہے۔ (۵۰) تاکہ اللہ تعالیٰ ہر مجرم کو اسکے عمل کا بدلہ دے جو اس نے کمایا، بے شک اللہ تعالیٰ جلدی حساب لینے والا ہے۔(۵۱) یہ خبر لوگوں کو پہنچادینی ہے اور تاکہ ان کو عذاب سے ڈرایا جائے، اور تاکہ جان لیں کہ معبود وہی ہے ایک اور تاکہ عقل والے سوچ لیں۔(۵۲)

تفسیر

نافرمانوں کے جسم پر جو کرتے ہوں گے وہ ایک بہت جلد آگ پکڑنے والے کالے روغن سے لتھڑے ہوئے ہوں گے، آگ کی لپٹ سے ان کے چہرے اوران کا سارا بدن سلگ اٹھے گا، یہ اس لئے کہ ہر شخص اپنے کئے کی سزا بھگت لے، یہ قرآن انسانوں کو یہی پیغام دینے کے لئے اتارا گیا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے جزا سزا کا قانون لوگوں پر اچھی طرح واضح ہوجائے، اورقرآن مجید کی آیتوں پر غور کر کے یقین کرلیں کہ عبادت کے قابل صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جو اپنی ذات اور صفات میں تنِ تنہا ہے، اس سے وہ لوگ فائدہ اٹھائیں گے جو اللہ کی دی ہوئی عقل سے ٹھیک ٹھیک کام لینا چاہتے ہیں۔

اختتام سورت

اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر میں ساری دنیا کے انسانوں کے لئے بھیجا گیا قرآن مجید نے انہیں بتایا کہ پہلے زمانے میں لوگوں نے اپنے اپنے پیغمبروں کو نہ پہچانا، اوراگر پہچانا بھی تو ان کا کہنا نہ مانا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے کفر کا وبال ان کے سر پر پڑا، دنیا میں بھی تباہ وبرباد ہوئے اور آخرت کا عذاب بھی انہوں نے اپنے سر مول لیا، اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کی اوران کے ماننے والوں کی وقت آنے پر دنیا میں مدد کی، اوران کے دشمنوں کو تباہ کیا، تم لوگ بھی ان لوگوں کے حالات سے عبرت حاصل کرو، ورنہ قیامت کے دن یہ لوگ تمہارے کسی کام نہ آئیں گے جن کے پیچھے تم آج چل رہے ہو، اور جن کی خاطر تم نے اللہ تعالیٰ کے حکموں اوراس کے پیغمبر کی نصیحتوں کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا۔

تمہیں اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے رویہ کی پیروی کرنی چاہئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے خانہ کعبہ تعمیر کیا، اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے اچھی اچھی دعائیں مانگیں، آج دنیا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی دین کو لیکر آئے ہیں، اگر ان کا کہنا نہ مانا تو مرنے کے بعد ایسے ہولناک حادثوں سے پالا پڑے گا کہ جن کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

سورۃ الحجر کا تعارف

ترتیب کے لحاظ سے یہ سورت قرآن مجید کی پندرہویں سورت ہے، اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے کئی قوموں کے حالات بیان کئے ہیں جن کو مہلت دی گئی، یہ سورت مکہ میں اتری، اس کا نام "الحجر" کے نام پر رکھا گیا ہے جو وادیٔ قریٰ میں مدینہ سے شام جانے والی سڑک پر ایک بستی تھی، جس کے رہنے والوں کا ذکر اس سورت کے آخری رکوع کے شروع میں ہے، یہاں پہلے زمانے میں ثمود کی قوم آباد تھی جن کے سترہ سو بڑے بڑے شہر اور قصبے تھے، یہ لوگ تہذیب وتمدن میں بہت آگے تھے، سن ۹ ہجری میں تبوک جاتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مسلمانوں کا لشکر یہاں سے گزرا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: یہاں سے جلدی سے گزرو، یہ وہ جگہ ہے جہاں نافرمانوں پر اللہ کا عذاب اترا تھا۔

اس سورت میں دوسری مکی سورتوں کی طرح انسان کو اس کی زندگی اور موت دونوں کے بارے میں یاد دلایا گیا ہے اور تاکید کی گئی ہے کہ دنیا کی زندگی کی طرف اتنا ہی دھیان دینا چاہئے جتنا کہ زندگی کے رہنے کیلئے ضروری ہے اور فرصت نکال کر قرآن مجید کا مطالعہ اور ذکر وفکر اپنا شغل بنالینا چاہئے۔

انسان کی پیدائش کا حال بتا کر توجہ دلائی گئی ہے کہ اس کا ایک دشمن شیطان ہے، جس نے اس کو بہکانے اور ہر طرح سے برباد کرنے کی قسم کھائی ہوئی ہے، اس سے خبردار رہنا چاہئے، جو اس کے بہکاوے میں آکر سیدھے راستے سے ہٹ جائیں گے، مرنے کے بعد ان کا ٹھکانہ دوزخ ہوگا اور وہ بہت بری جگہ ہے، لیکن جو

شیطان سے منہ موڑ کر تقویٰ اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کریں گے، ان کے واسطے جنت تیار ہے، جہاں انہیں ہر طرح کا آرام اور چین نصیب ہوگا، وہاں وہ آپس میں مل جل کر ہنسی خوشی کی زندگی بسر کریں گے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار نیک بندوں کے کچھ حالات سنا کر ان جیسا عمل اپنانے کی تعلیم دی ہے اور کچھ نافرمانوں کے قصے سنا کر ان سے عبرت حاصل کرنے کی نصیحت کی ہے، تا کہ کہیں انہی جیسا انجام نہ ہو جائے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کا ذکر ہے جس نے اپنے فضل سے انسانوں کی ہدایت کیلئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا آخری پیغمبر بنایا، اور انہیں قرآن کریم عطا کیا تا کہ وہ اس کے ذریعے انسانوں کے لئے سیدھا راستہ بتائیں۔

اٰیاتُها ـ ۹۹ سُوْرَۃُ الحِجْرِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعَاتُها ـ ۶

سورۃ الحجر مکی ہے، اس میں ننانوے آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

کتاب اور قرآن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

الٓرٰ۔ یہ آیتیں ہیں بڑی کتاب کی اور قرآن صاف اور روشن کی (۱)

بامحاورہ ترجمہ: ۔الٓرٰ۔ یہ ایک عظیم الشان کتاب اور واضح قرآن کی آیتیں ہیں۔(۱)

تفسیر

ارشاد ہوتا ہے یہ آیتیں ہیں کتاب کی اور کتاب سے مراد قرآن ہے جو کھول کر بیان کرنے والا ہے، صحیح

معنوں میں کتاب کہلانے کی حقدار صرف یہی کتاب، یعنی: قرآن مجید ہے جو پڑھ کر سنائی جارہی ہے اور جس کی یہ آیتیں اتری ہیں، یہی وہ کتاب ہے جس میں پوری انسانیت کی کامیابی اور نجات ہے، جہاں تک قرآن مجید کے "مُّبِيْنٍ" (کھول کر بیان کرنے والا) ہونے کا تعلق ہے تو اس کی یہ صفت خود اسی قرآن مجید میں کئی مرتبہ ذکر ہوئی ہے، قرآن مجید اپنا مقصد کبھی براہِ راست خود بیان کرتا ہے کہ اگر کسی ایک جگہ پر مختصر کر کے کوئی چیز بیان کی گئی تو دوسری جگہ تفصیل کے ساتھ اس کو بیان کر دیا جاتا ہے۔

پچھتاوا

الجزء ١٤

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝٢ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوْا

بسا اوقات چاہیں گے وہ لوگ جو کافر ہوئے کاش ہوتے وہ مسلمان (۲) چھوڑیئے ان کو کھالیں

وَ يَتَمَتَّعُوْا وَ يُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝٣ وَ مَاۤ اَهْلَكْنَا

اور موج اڑالیں اور بہلائے ان کو آرزو پس عنقریب جان لیں گے وہ (۳) اور نہیں ہلاک کیا ہم نے

مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝٤ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ

کسی بستی کو مگر تھی واسطے اسکے لکھی ہوئی مدت مقرر (۴) نہیں آگے بڑھتی کوئی امت

اَجَلَهَا وَ مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝٥

وقت اپنے سے اور نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں (۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اکثر اوقات کافر لوگ جو منکر ہیں آرزو کریں گے کیا اچھا ہوتا جو وہ مسلمان ہوتے۔ (۲) (اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبروں کو فرمایا: کہ) ان کو چھوڑو، کھالیں اور فائدہ اٹھالیں اور اُمید میں لگے رہیں، سو! آئندہ جان لیں گے۔ (۳) اور ہم نے جو کوئی بستی ہلاک کی اس کا وقت لکھا ہوا تھا۔ (۴) کوئی امت اپنے وقت مقررہ سے نہ آگے بڑھتی ہے اور نہ پیچھے ہٹتی ہے۔ (۵)

تفسیر

ارشاد ہے: کہ اس وقت یہ عقل سے کام نہیں لے رہے آگے چل کر بہت سے موقعے ایسے آئیں گے کہ یہ اسلام قبول نہ کرنے پر پچھتائیں گے، جب قیامت کے دن حشر نشر کے میدان میں کافروں پر طرح طرح کا عذاب ہوگا تو کافر بار بار تمنا کریں گے، کاش! کہ ہم مسلمان ہوتے؟ بار بار اس لئے کہ جب کوئی نیا عذاب دیکھیں گے تو ہر مرتبہ اسلام نہ لانے پر حسرت تازہ ہوتی رہے گی۔

ہم ان سے پہلے بہت سی قوموں کو ان کی ضد اور کفر کی وجہ سے ہلاک کر چکے ہیں، لیکن ہماری پکڑ فوراً نہیں ہوتی، ہمارے ہاں ہر ایک امت کو تباہ کرنے سے پہلے پوری مہلت دی جاتی ہے اور ان کی بربادی کا ایک لکھا ہوا وقت مقرر ہوتا ہے، مہلت اس لئے دی جاتی ہے کہ جس کی قسمت سیدھی ہو وہ حق بات مان کر سیدھے راستے پر آجائے اور جس کی شامت آنی ہو وہ پوری طرح اپنے عملوں کی وجہ سے اور زیادہ سزا کا حق دار بن جائے، اور یہ قانون ان ہلاک ہونے والی امتوں کیلئے ہی نہیں، بلکہ دنیا میں جو بھی امت آئی ہے اس کے لئے جزا سزا کا ایک وقت مقرر ہے کہ جس سے وہ نہ آگے بڑھ سکتی ہے اور نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے، ان کیلئے ضروری ہے کہ اس قاعدے کو اچھی طرح سمجھ لیں اور نافرمانی کی سزا فوراً نہ ملنے سے یہ نہ سمجھ لیں کہ یہ جزا سزا کی بات من گھڑت ہے۔

ہمارے لئے سبق

ان شروع کی آیتوں میں آج کل کے زمانے کے مسلمانوں کے لئے بہترین سبق ہے، یہ آیتیں سب سے پہلے مکہ کے سرداروں کو سنائی گئیں، جن کی سمجھداری زندگی کے معاملوں میں کافی تیز تھی، ان سے کہا گیا کہ اگر عقل سے کام لو تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ یہ دنیا کی خوشحالی ہمیشہ رہنے والی نہیں، ان کو بتایا گیا کہ انسان کو غفلت کی نیند سے بیدار کرنے کیلئے اللہ تعالیٰ کے پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا پیغام لے کر تمہارے پاس تشریف لائے، یہ

تمہیں اللہ تعالیٰ کا کلام سنائیں گے۔

قرآن مجید تمہیں بتاتا ہے کہ اگر تم نے صحیح راستہ اختیار نہ کیا تو عنقریب تم پر مصیبتیں اترے گی، مکہ کے سرداروں نے یہ سب باتیں ایک کان سے سنیں اور دوسرے کان سے نکال دیں، وجہ صرف یہ تھی کہ ان کے پاس مال تھا، عیش وعشرت کے سامان تھے، لوگ ان کا کہنا مانتے تھے، ان کی عزت کرتے تھے، ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ سب چیزیں ان سے چھن جائیں گی اور وہ مصیبت میں پڑ جائیں گے، نتیجہ کیا ہوا کہ جس مصیبت سے ان کو ڈرایا جارہا تھا وہ آخر ان پر آہی پڑی، دولت چھنی، عزت گئی، یار و مددگار دیکھتے دیکھتے چل بسے، آخر کار وہ خود بھی چلتے بنے اور آخرت کے عذاب کی مصیبت الگ مول لی۔

اس میں پیغمبر ﷺ اور آپ کے ماننے والوں کے لیے تسلی کا مضمون بھی ہے کہ کافروں کے جوش وجذبے اور ان کے غلبے کو دیکھ کر گھبرانا نہیں چاہیے، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ مہلت سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں اور آخرت میں ان کا انجام بہت برا ہونے والا ہے، ان کو دنیا کے مزے لوٹنے دیں، ان کی ہلاکت کا مقرر وقت آنے والا ہے، جب اللہ تعالیٰ ان کو پکڑیں گے، اگر دنیا میں سزا نہ بھی دی گئی تو اگلے جہان میں یقینی طور پر سزا میں پکڑے جائیں گے۔

کافروں کی کم عقلی

وَ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ﴿٦﴾ لَوْ

اور کہا انہوں نے | اے | وہ کہ | اُتارا گیا | پر جس | قرآن | یقیناً تو | دیوانہ ہے | (٦) کیوں

مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧﴾

نہیں لے آتا پاس ہمارے | فرشتوں کو | اگر | ہے تو | میں سے | سچوں | (٧)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور لوگ کہتے ہیں اے وہ شخص جس پر قرآن اُتارا گیا ہے تو بیشک دیوانہ ہے۔(٦) ہمارے پاس فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا اگر تو سچا ہے۔(٧)

تفسیر

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی بعض ناشائستہ باتوں کا ذکر کیا ہے، وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے تھے کہ تُو تو دیوانہ ہے وہ لوگ اپنے تعصب، دشمنی اور بیوقوفی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مذاق کرتے تھے کہ آپ تو دیوانوں اور پاگلوں جیسی باتیں کرتے ہیں، مثلاً آپ کہتے ہیں کہ خدا ایک ہے اور وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، بھلا یہ بھی کوئی عقلمندی والی بات ہے؟ یا آپ کہتے ہیں کہ قیامت آئے گی، حساب و کتاب ہوگا اور پھر جزا سزا کا فیصلہ ہوگا؟ بھلا یہ بھی کوئی یقین کرنے کی بات ہے؟ اور مرنے کے بعد سارے کے سارے انسان کیسے جی اٹھیں گے؟ یہ تو پاگلوں جیسی باتیں ہیں، ہم ان کو نہیں مانتے۔

کہنے لگے: اگر آپ پیغمبری کا دعویٰ کرتے ہیں تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لے آتے اگر آپ سچے ہیں؟ اللہ کے فرشتے ہمارے سامنے آکر گواہی دیں کہ آپ اللہ کے سچے پیغمبر ہیں تو پھر ہم مانیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی آپ کو ہماری طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، اور آپ پر قرآن بھی اُتارا ہے۔

فرشتوں کا کام

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَ مَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ﴿۸﴾

نہیں اُتارتے ہم فرشتوں کو مگر ساتھ حق کے اور نہ ہوں گے وہ اس وقت مہلت دیے گئے (۸)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۹﴾

تحقیق ہم نے اُتارا ہے یہ قرآن اور تحقیق ہم ہی ہیں اس کے نگہبان (۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہم فرشتوں کو حق دے کر اُتارتے ہیں (حق سے مراد عذاب ہے) اس وقت ان کو مہلت نہ ملے گی۔ (۸) یہ نصیحت ہم نے خود اُتاری ہے اور ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔ (۹)

تفسیر

کافروں نے جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کرنے پر فرشتوں کو لانے کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا: کہ ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ یعنی عذاب کے فیصلے کے ساتھ اتارتے ہیں، جب اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہوتا ہے تو فرشتے اُتارے جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ جب فرشتے اُتریں گے تو پھر انہیں مہلت بھی نہیں ملے گی، فوری پکڑ ہوگی اور عذاب میں مبتلا کیے جائیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ یہ لوگ قرآن مجید میں شک کرتے ہیں اور اسے اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں مانتے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ہم ہی نے اس ذکر (قرآن) کو اُتارا ہے، اور بیشک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، مطلب یہ کہ انکار کرنے والے اللہ کی اس کتاب کو مٹانے کی جتنی بھی کوشش کرلیں، ہم خود اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اس قرآن کو کوئی نقصان نہیں پہنچاسکتا، اور یہ اپنی اصلی حالت میں قیامت تک محفوظ رہے گا، مشرکوں نے جنگ وجدل کے ذریعے قرآن مجید کو ختم کرنے کی کوشش کی جبکہ یہودیوں نے سازشوں کے ذریعے ایمان والوں اور ان کی کتاب کو مٹانا چاہا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھایا ہے۔

گناہ کی نحوست

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٠﴾ وَ مَا يَاْتِيْهِمْ

اور یقیناً ہم بھیج چکے ہیں پیغمبر سے پہلے آپ کے میں گروہوں پہلے لوگوں کے (۱۰) اور نہیں آتا پاس ان کے

مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿١١﴾ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ

کوئی پیغمبر مگر تھے وہ ساتھ اس کے ہنسی کرتے (۱۱) اسی طرح چلاتے ہیں ہم اس کو میں

قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٢﴾

دلوں گنہگاروں کے (۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور ہم آپ سے پہلے اگلے گروہوں میں پیغمبر بھیج چکے ہیں۔(۱۰)اور ان کے پاس جو بھی پیغمبر آتا تھا وہ اس کی ہنسی اُڑاتے تھے۔(۱۱)اسی طرح ہم گنہگاروں کے دل میں اس کو چلادیتے ہیں۔(۱۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ انسان فوری اور وقتی فائدوں کی طرف بہت جلد جھک جاتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ ان عارضی فائدوں کو چھوڑ دینے سے بہت سے ہمیشہ باقی رہنے والے فائدے مل سکتے ہیں، انہی عارضی اور ہمیشہ کی فائدوں کے فرق کو صاف صاف بتادینے کے لئے ہم نے پہلی امتوں میں بھی پیغمبر بھیجے، مگر پہلی امتوں کی طرح یہ بھی انہی جھگڑوں میں پڑے ہوئے ہیں کہ دنیا کے وقتی فائدوں سے اوپر ان کی نظر ہی نہیں جاتی، یعنی جو پیغمبر بھی ان کے پاس آیا وہ لوگ ان کی ہنسی اڑاتے رہے، مجرموں کے دل میں ہم یہی بٹھادیتے ہیں اور یہ ان کے کفر اور بے دینی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

اور اے پیغمبر! آپ ان کے جھٹلانے سے غم نہ کیجئے کیونکہ یہ معاملہ پیغمبروں کے ساتھ ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے، چنانچہ ہم نے آپ سے پہلے بھی پیغمبروں کو اگلے لوگوں کے بہت سے گروہوں میں بھیجا تھا اور ان کی حالت یہ تھی کہ جو کوئی پیغمبر ان کے پاس آیا انہوں نے اس کا مذاق اڑایا جو کہ جھٹلانے کی بدترین قسم ہے، لہٰذا جس طرح ان لوگوں کے دل میں یہ مذاق پیدا ہوا تھا اسی طرح ہم یہ مذاق ان مجرم لوگوں، یعنی: مکہ کے کافروں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں جس کی وجہ سے یہ قرآن پر ایمان نہیں لاتے اور یہ پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے۔

برے عملوں کی نحوست

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ قَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَ لَوْ فَتَحْنَا

نہ ایمان لائیں گے پر اس اور تحقیق گذر چکی ہے رسم پہلوں کی (۱۳) اور اگر کھول دیں ہم

عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا

پر ان دروازہ سے آسمان پھر رہیں دن بھر میں اس چڑھتے (۱۴) البتہ کہیں گے ہوا یہ کہ

سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾

باندھ دی گئی ہیں آنکھیں ہماری بلکہ ہم لوگ جادو میں پھنسے ہوئے ہیں (۱۵)

ع ۱۵

بامحاورہ ترجمہ:۔ یہ لوگ اس پر ایمان نہیں لائیں گے، اور گذر چکی ہے رسم ہلاک کئے جانے میں پہلوں کی۔ (۱۳) اور اگر ہم ان پر آسمان سے دروازہ کھول دیں اور دن بھر اس میں چڑھتے رہیں۔ (۱۴) تو بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے نہیں بلکہ ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے۔ (۱۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ جیسے پہلے لوگ پیغمبروں پر ایمان نہیں لائے، ایسے ہی یہ لوگ بھی آپ کی بات نہ مانیں گے، جس طرح پہلے لوگ ہلاک کر دیئے گئے اسی طرح یہ لوگ بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے، بالفرض! ہم آسمان سے ایک دروازہ بھی کھول دیں اور یہ سارے دن چڑھتے ہی چلے جائیں، تب بھی یہی کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کردی گئی ہے جو ہم اپنے آپ کو اوپر چڑھتا ہوا دیکھ رہے ہیں، نہیں بلکہ ہم پر بڑا زبردست جادو کردیا گیا ہے جس کے اثر سے ہمارے ہوش گم ہو گئے ہیں اور کچھ کا کچھ دکھائی دینے لگا ہے۔

قدرت کے کرشمے

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱٦﴾

اور البتہ تحقیق بنائے ہم نے میں آسمان برج اور زینت دی ہم نے انہیں واسطے دیکھنے والوں کے (۱٦)

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ

اور محفوظ کیا ہم نے ان کو سے ہر شیطان مردود (۱۷) مگر جو چوری کرے سننے کی

فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ۝١٨

پس پیچھے لگتا ہے اس کے انگارہ چمکتا (۱۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے آسمان میں برج بنائے ہیں اور دیکھنے والوں کی نظر میں ان کو رونق دی۔(۱۶) اور ہم نے اس کو ہر شیطان مردود سے محفوظ کیا۔(۱۷) مگر جو بات چُرا کر بھاگا تو چمکتا ہوا انگارہ اس کا پیچھا کرتا ہے۔(۱۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ جہان میں بہت سی نشانیاں موجود ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے اور اس کی قدرت کی طرف اشارہ کررہی ہیں، رات کو نگاہ اوپر اٹھاؤ تو ساری فضا چمکتے ستاروں سے بھری ہوئی نظر آئے گی، ان کے بڑے بڑے گچھے پھیلے ہوئے ہیں اور وہ دیکھنے والوں کو بہت اچھے معلوم ہوتے ہیں۔ آخر سوچو کہ یہ لمبی چوڑی فضا ایسے روشن قمقموں سے کس نے سجائی ہے؟ اور اس کی حفاظت کون کرتا ہے؟ شریر اور فسادی شیطان ادھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں مگر اس کے پاس نہیں پھٹک سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار فرشتے اس فضا میں اللہ کے حکم کے منتظر رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے جو حکم اوپر سے اترتے ہیں ان کی تعمیل کرتے ہیں، شیطان چاہتے ہیں کہ ان حکموں کو سُن لیں، لیکن ان کے پیچھے آگ کے شعلے اور انگارے لپکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ بھاگتے ہیں، اگر جلنے سے بچ بھی گئے تو بھاگتے بھاگتے جو آواز ان کے کان میں پڑتی ہے اس میں اپنی طرف سے مرچ مصالحہ لگا کر کاہنوں تک پہنچا دیتے ہیں۔

"صحیح مسلم" کی ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: کہ ایک مجمع میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ تشریف فرما تھے کہ ستارہ ٹوٹا، آپ نے صحابہ سے پوچھا کہ تم جاہلیت کے زمانے میں، یعنی: اسلام سے پہلے اس ستارہ ٹوٹنے کو کیا سمجھتے تھے؟ صحابہ نے کہا: کہ ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی

بڑا حادثہ ہونے والا ہے، یا کوئی بڑا آدمی پیدا ہوگا یا مرے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: کہ یہ غلط خیال ہے، اس کا کسی کے جینے مرنے سے کوئی تعلق نہیں، یہ انگارے ہیں کہ شیطانوں کو مارنے کیلئے جوان کا پیچھا کرتے ہیں۔

زمین کا انتظام

وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِيْهَا

اور زمین پھیلایا ہم نے اس کو اور ڈالے ہم نے میں اس پہاڑ اور اُگائی ہم نے میں اس

مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ

سے ہر چیز اندازہ کی ہوئی (۱۹) اور بنائے واسطے تمہارے میں اس زندگی گزارنے کے سامان

وَ مَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾

اور ان (کے زندگی گزارنے کے سامان) کہ نہیں ہو تم ان کو روزی دینے والے (۲۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور رکھ دیے اس پر بوجھ اور اس میں ہر چیز اندازے سے اُگائی گئی۔ (۱۹) اور تمہارے واسطے اس میں جینے کے اسباب بنادیے اور ان کے جینے کے سارے اسباب بھی بنادیئے جن کو تم روزی دینے والے نہیں۔ (۲۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اول تو زمین کی وسعت ہی حیرت انگیز ہے، اس کو چاروں طرف دور دور تک پھیلا دینا ہی کوئی آسان کام نہیں، پھر اس کی ہموار سطح چونکہ مٹی کی ہے؛ اس لیے اس میں مضبوطی نہیں، اس کی مضبوطی کے لئے اس میں اونچے اونچے پہاڑ گاڑ دیے تاکہ ان کی سختی اور بوجھ کی وجہ سے زمین ڈگمگانے سے بچ جائے۔

پھر زمین سے طرح طرح کی چیزیں اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے، اور ان میں سے بہت سی چیزیں انسانوں کی زندگی گزارنے کی ضرویات مہیا کرتی ہیں اور بہت سی جاندار چیزیں چوپائے وغیرہ ایسے ہیں کہ جن کا رزق تمہارے ذمے نہیں ہے، ان کی زندگی گزارنے کے سامان بھی ہم نے پیدا کیے ہیں۔

آخر یہ زبردست زمینی نظام کیا خود بخود ہو گیا، نہیں بلکہ یہ سب ایک اللہ کے بنانے سے ہے جو سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے، جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر کھڑا کیا ہے اور اس کے باقی رہنے کا ایک مقررہ مدت تک انتظام کر دیا، کیا ایسی چیزوں کو دیکھ کر تم ان کے پیدا کرنے والے اور قائم رکھنے والے کو سمجھ نہیں سکتے۔

فرمایا: وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ: اور ہم نے اس زمین میں ہر چیز ایک اندازے کے مطابق اُگائی ہے، انسان اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پودوں کی ہر قسم کو بڑے ہی مناسب طریقے سے بنایا ہے، اناج کا دانہ ہو یا ٹہنیاں اور پتے، چھوٹی سی بیل ہو یا بڑے درخت، ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص اندازے سے پیدا فرمایا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر اُگنے والی چیز میں مختلف قسم کے رنگ، خوشبو اور تاثیر رکھی ہے جو انسان کی بے شمار ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ان کو دیکھ کر دل اور نگاہ خوش ہو جاتے ہیں، ذرا غور فرمائیں کہ جس قسم کا بیج بوئیں گے، ہزار دفعہ بھی اُگائیں تو اسی قسم کا پودا، درخت اور پھل پیدا ہوں گے اور ان میں کوئی تبدیلی نہیں آئے گی، وہی رنگ، وہی ذائقہ اور وہی شکل وصورت ہوگی، مگر حیرت کا مقام ہے کہ اتنی بڑی بڑی قدرت کی نشانیاں دیکھ کر بھی لوگ کفر اور شرک کو چھوڑ کر اللہ کو ایک ماننے پر تیار نہیں ہوتے، یہ ان کی ناشکری کی نشانی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی حکمت اور

روزمرہ زندگی کی ضرورتوں میں تناسب

مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ: کا ایک مفہوم تو وہی ہے جو اوپر بیان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے

مطابق ہر اُگنے والی چیز کی ایک طے شدہ مقدار اُ گائی ہے، جس سے کم ہوتی تو زندگی میں مشکلیں پیدا ہو جاتیں اور زیادہ ہو جاتی تو اس کا سنبھالنا اور بھی مشکل ہو جاتا ہے، انسانی ضرورت کے لئے گندم اور چاول وغیرہ اور بہتر سے بہتر عمدہ پھل اگر اتنے زیادہ پیدا ہو جائیں جو انسانوں اور جانوروں کے کھانے پینے کے بعد بھی بہت زیادہ بچ جائیں تو ظاہر ہے کہ وہ گل سڑ جائیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں تو یہ بھی تھا کہ جن غلہ جات اور پھلوں پر انسانوں کی زندگی کا دارومدار ہے ان کو اتنا زیادہ پیدا کر دیتے کہ ہر شخص کو ہر جگہ مفت مل جایا کرتے اور مکمل سیر ہو کر استعمال کرنے کے بعد بھی ان کے ذخیرے بھرے پڑے رہتے، تو یہ انسان کے لئے عذاب ہو جاتا؛ اس لئے ایک خاص مقدار میں ان غلہ جات اور پھلوں کو پیدا کیا گیا کہ ان کی قدر و قیمت بھی باقی رہے اور وہ بے کار بھی نہ بچیں۔

اور دوسرا مطلب اس کا یہ ہو سکتا ہے کہ تمام اُگنے والی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے ایک خاص تناسب کے ساتھ پیدا کیا ہے جس سے ان میں حسن اور دل کشی پیدا ہوتی ہے، مختلف درختوں کے تنے، شاخیں، پتے، پھول اور پھل، مختلف سائز اور مختلف رنگ اور ذائقے پیدا کیے گئے جس کے تناسب اور حسین منظر سے تو انسان فائدہ اٹھاتا ہے مگر ان کی حکمتوں کو پورے طور پر جاننا کسی انسان کے بس کی بات نہیں۔

چیزوں کی پیدائش

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ ؗ وَ مَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ

اور نہیں کوئی چیز مگر پاس ہمارے خزانے ہیں اس کے اور نہیں اتارتے ہم اس کو مگر ساتھ ایک اندازے

مَّعْلُوْمٍ ۝۲۱ وَ اَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

مقرر کے (۲۱) اور بھیجا ہم نے ہواؤں کو پانی سے پُر پھر اُتارا ہم نے سے آسمان پانی

فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ ۚ وَ مَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ۝۲۲

پھر پلایا ہم نے تم کو وہ اور نہیں تم اس کو ذخیرہ کرنے والے (۲۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہیں اور ہم مقرر اندازے پر اتارتے ہیں۔(۲۱) اور ہم نے رس بھری ہوائیں چلائیں پھر ہم نے آسمان سے پانی اُتارا پھر وہ تم کو پلایا اور تمہارے پاس اس کا خزانہ نہیں۔(۲۲)

تفسیر

فرمایا: پانی ایسی چیز ہے کہ بنیادی ضرورت ہونے کے باوجود تم اس کو ذخیرہ نہیں کر سکتے، تم چند دن کے لئے تو پانی جمع کر سکتے ہو لیکن سالوں تک اس کی سپلائی جاری رکھنے کیلئے تمہارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے، یہ تو اللہ تعالیٰ نے چشموں، دریاؤں، ندی نالوں اور برف کے تودوں کی صورت میں ایسا بہترین نظام قائم کر دیا ہے کہ تمام دنیا کے انسان، جانور اور پودے اپنی سال بھر کی ضروریات پوری کرتے رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہ خزانے ختم نہیں ہوتے، موجودہ دور میں پانی ذخیرہ کرنے کیلئے بڑے بڑے ڈیم بنائے گئے ہیں مگر پھر بھی سال میں کئی ایسے موقعے آتے ہیں کہ ضرورت کے مطابق پانی میسر نہیں آتا، جس کا اثر نہ صرف کھیتی باڑی پر پڑتا ہے، بلکہ پانی کے ذریعے چلنے والے بجلی گھر کی پیداوار میں بھی کمی آجاتی ہے۔

میڈیکل سائنس کا کہنا ہے کہ انسان کی رگوں میں گردش کرنے والے خون پر زندگی کا دارومدار ہے اور اس خون میں اسّی فیصد پانی جبکہ باقی دوسری غذا ہوتی ہے، اگر پانی جیسی عظیم نعمت نہ ہو تو نہ کوئی انسان زندہ رہ سکے، نہ کوئی جانور اور نہ ہی پودے اور نہ درخت وغیرہ پیدا ہو سکیں۔

تمام مخلوق کے لئے پانی پہنچانے کا بندوبست

"وَاَرۡسَلۡنَا الرِّیٰحَ" سے "وَمَاۤ اَنۡتُمۡ لَهٗ بِخٰزِنِیۡنَ" تک اللہ تعالیٰ کی قدرت کے اس حکمت والے نظام کی طرف اشارہ ہے جس کے ذریعہ زمین پر بسنے والے تمام انسان اور جانور، چرند، پرند اور درندوں

کے لئے ضرورت کے مطابق پانی پہنچانے کا ایسا مضبوط بندوبست کیا گیا ہے کہ ہر شخص کو ہر جگہ ہر حال میں اپنی ضرورت کے مطابق پینے، نہانے، دھونے اور کھیتوں، درختوں کو سیراب کرنے کیلئے پانی بغیر کسی قیمت کے مل جاتا ہے اور جو کچھ کسی کو کنواں بنانے یا پائپ لگانے پر خرچ کرنا پڑتا ہے وہ اپنی سہولتیں حاصل کرنے کی قیمت ہے، پانی کے ایک قطرے کی قیمت بھی کوئی نہیں ادا کرسکتا، نہ کسی سے مانگی جاتی ہیں۔

اس آیت میں پہلے تو اس کا ذکر کیا گیا کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی قدرت نے سمندر کے پانی کو پوری زمین پر پہنچانے کا عجیب وغریب نظام بنایا ہے کہ سمندر میں بخارات بنائے جن سے بارش کا مواد (مون سون) پیدا ہوا، اوپر سے ہوائیں چلائیں جو اس کو بادل کی شکل میں تبدیل کر کے پانی سے بھرے ہوئے بادل بنا دیتی ہیں، پھر پانی سے بھرے ہوئے ان بادلوں کو دنیا کے ہر کونے میں جہاں جہاں پہنچانا ہے پہنچا دیتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق جس زمین پر جتنا پانی برسانے کا حکم ہے اس کے مطابق یہ پانی برسا دیتے ہیں، اس طرح یہ سمندر کا پانی زمین کے ہر کونے میں بسنے والے انسانوں اور جانوروں کو گھر بیٹھے مل جاتا ہے۔

اسی بندوبست میں ایک عجیب وغریب تبدیلی پانی میں ذائقے اور دوسری خاصیتیں پیدا کر دیتی ہیں، کیونکہ سمندر کے پانی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے انتہائی کھارا اور ایسا نمکین بنا دیا ہے کہ ہزاروں ٹن نمک اس سے نکالا اور استعمال کیا جاتا ہے، حکمت اس میں یہ ہے کہ یہ پانی کا عظیم الشان "کرّہ" جس میں کروڑوں قسم کے جانور رہتے ہیں اور اسی میں مرتے اور گلتے رہتے ہیں اور ساری زمین کا گندہ پانی بالآخر اسی میں جا کر گرتا ہے، اگر یہ پانی میٹھا ہوتا تو ایک دن میں سڑ جاتا اور اس کی بدبو اتنی شدید ہوتی کہ خشکی میں رہنے والوں کی زندگی مشکل ہو جاتی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا تیزابی کھارا بنا دیا ہے کہ دنیا بھر کا گندہ پانی اس میں مل کر اس کے کھارے پن کی وجہ سے ختم ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی شان

وَ اِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ نُمِيْتُ وَ نَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ۝۲۳ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا

اور تحقیق ہم ہی زندگی دیتے ہیں اور مارتے ہیں اور ہم وارث ہیں (۲۳) اور البتہ تحقیق جان رکھا ہے ہم نے

الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ۝۲۴ وَ اِنَّ

اگلوں کو سے تم اور البتہ تحقیق جان رکھا ہے ہم نے پچھلوں کو (۲۴) اور تحقیق

ع ۲ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ۝۲۵

رب آپ کا وہ اکٹھا کرے گا ان کو تحقیق وہ حکمت والا جاننے والا ہے (۲۵)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اور ہم ہی زندگی دینے والے اور مارنے والے ہیں اور ہم ہی باقی رہنے والے ہیں، اور ہم نے تم میں آگے بڑھنے والوں اور پیچھے رہنے والوں کو جان رکھا ہے۔ (۲۴) اور آپ کا رب ہی انہیں اکٹھا کرلائیگا، بے شک وہی حکمتوں والا جاننے والا ہے۔ (۲۵)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ ہم ہی زندگی دینے والے ہیں اور ہم ہی موت دینے والے ہیں اور انسانوں کے مرنے کے بعد اس کے وارث بھی ہم ہی ہیں، ان کا کیا دھرا سب کچھ ہمارے پاس ہی جمع رہتا ہے، ہم سارے اگلے پچھلے لوگوں کے حالات سے باخبر ہیں، کون آگے بڑھتا ہے کون پیچھے ہٹتا ہے، کون نیک کاموں میں دوسروں سے آگے نکل جاتا ہے اور کون بہانہ بازیاں کر کے پیچھے رہتا جاتا ہے؟ ہمیں سب معلوم ہے، ہم ان تمام انسانوں کو ایک دن جمع کردیں گے اور اپنے علم اور حکمت کے مطابق ہر ایک کو اس کے عملوں کا بدلہ انصاف کے ساتھ دیں گے۔

اس کے بعد فرمایا: اور ہر چیز کے وارث بھی ہم ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے وارث ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص مر جاتا ہے تو اس کی چھوڑی ہوئی ہر چیز زندہ انسانوں کو مل جاتی ہیں اور جب سب انسان مر جائیں گے تو ان کی سب چیزیں اللہ تعالیٰ کے پاس چلی جائیں گی، گویا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ سب مخلوق کے وارث ہیں۔

"مُسْتَقْدِمِيْنَ" اور "مُسْتَأْخِرِيْنَ" کی تفسیر

مفسرین کرام نے "مُسْتَقْدِمِيْنَ" اور "مُسْتَأْخِرِيْنَ" کی تفسیر مختلف طریقے سے بیان فرمائی ہے
بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "مُسْتَقْدِمِيْنَ" سے پہلی اُمتوں کے لوگ مراد ہیں اور "مُسْتَأْخِرِيْنَ" سے
پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت، یعنی: آخری امت کے لوگ مراد ہیں، فرمایا: ہم تمام اگلوں اور پچھلوں کے حالات کو اچھی
طرح جانتے ہیں، سب کے حالات اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "مُسْتَقْدِمِيْنَ" سے وہ لوگ مراد ہیں جو نیکی میں آگے بڑھنے والے ہیں؛
اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے: فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ۔ (سورۃ البقرۃ: آیت: ۱۴۸۔ سورۃ المائدۃ: آیت:
۴۸) نیکی کے کاموں میں آگے بڑھو، اور "مُسْتَأْخِرِيْنَ" سے وہ لوگ مراد ہیں جو گناہ کر کے آخرت کے
معاملے میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔

انسان کی پیدائش

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾

اور البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے انسان کو سے بجنے والی سے کالی مٹی سڑی ہوئی (۲۶)

وَ الْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾

اور جانّ کو ہم نے بنایا سے پہلے اس سے آگ لو کی (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور ہم نے انسان کو کھنکھناتے سنے ہوئے پتلے گارے سے بنایا ہے۔(۲۶) اور جانّ
کو اس سے پہلے ہم نے لُو کی آگ سے بنایا۔(۲۷)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے پانی اور مٹی سے گارا بنایا اور گارے کو خوب سڑنے دیا اور پھر اس سے آدم کا پتلا بنایا، پھر گرم

ہواؤں نے اسے سکھایا، اس کے بعد حرارت کی تیزی سے وہ پک گیا اور ہوا کے لگنے سے کھن کھن بجنے لگا، اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جنوں کے باپ جانّ کو بھی پیدا کیا، اس میں ہوا کی حرارت کی تیزی نے سب کچھ جلادیا تھا اور شعلہ نکلنے لگے تھے، اسی شعلہ جیسی لپٹ سے اس کا جسم بنایا گیا جس سے زیادہ جلنے کی وجہ سے مٹی کا اثر نکل چکا تھا، لیکن آدم کے پتلے کو حرارت بالکل نہ جلاسکی، صرف اسے پکا ٹھیکرا بناگئی۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ: بعض حضرات کہتے ہیں کہ "جانّ" سے مراد جنوں کا باپ ابلیس ہے اور بعض کہتے ہیں کہ وہ ان میں شامل نہیں بلکہ الگ کوئی اور مخلوق ہے، تاہم ابلیس کی ساری اولاد نافرمان ہے مگر جنات میں سے فرمانبردار بھی ہیں اور نافرمان بھی، بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی پیدائش میں مٹی کا اثر غالب ہے جبکہ جنات اور شیاطین میں آگ کا اثر غالب ہے۔

فرشتوں کو حکم

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓـئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ

اور جب کہا رب آپ کے نے فرشتوں سے تحقیق میں بنانے والا ہوں ایک بشر سے بجنے والی سے

حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ

کالی مٹی گندھی ہوئی (۲۸) پس جب ٹھیک کرلوں اس کو اور میں پھونک دوں میں اس سے روح اپنی

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾

پس گر پڑو آگے اس کے سجدہ کرتے ہوئے (۲۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک بشر بناؤں گا کھنکھناتے سنے ہوئے گارے سے۔ (۲۸) پھر جب اس کو ٹھیک کرلوں اور اس میں اپنی روح میں سے پھونک دوں تو اس کے آگے سجدہ میں گر جاؤ۔ (۲۹)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ میں ایک انسان مٹی سے بنا رہا ہوں، جب اس کا بدن ٹھیک ٹھیک تیار ہو جائے گا تو اس میں اپنے حکم سے روح داخل کروں گا، اس وقت تم سب اس کے آگے سجدہ میں گر پڑنا۔

ابلیس کی سرکشی

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ

پس سجدہ کیا فرشتوں سب نے مل کر (۳۰) مگر ابلیس نہ مانا وہ کہ ہو

مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ

ساتھ سجدہ کرنے والوں کے (۳۱) فرمایا اے ابلیس! کیا ہوا تجھے کہ نہ ہوا تو ساتھ

السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ

سجدہ کرنے والوں کے (۳۲) بولا نہیں میں کہ سجدہ کروں آگے ایک بشر کے کہ بنایا تو نے اسے سے

صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

کھنکھناتے سے سیاہ کیچڑ (۳۳)

بامحاورہ ترجمہ: پس ان سب فرشتوں نے مل کر سجدہ کیا۔ (۳۰) مگر ابلیس اکڑ گیا اور سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ (۳۱) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے ابلیس! تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا۔ (۳۲) بولا میں وہ نہیں کہ ایک بشر کو سجدہ کروں جس کو تو نے کھنکھناتے سنے ہوئے سیاہ کیچڑ سے بنایا۔ (۳۳)

تفسیر

جب وہ مٹی کا بدن ہر طرح سے درست ہو گیا اور اس میں ہم نے اپنی روح داخل کر دی تو سارے فرشتے

مل کر اس کے سامنے ہمارے حکم کے مطابق سجدہ میں گر پڑے، مگر ابلیس فرشتوں کے ساتھ آدم کو سجدہ کرنے میں شریک نہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ اے ابلیس! کیا وجہ ہے کہ تو نے فرشتوں کے ساتھ آدم کو سجدہ نہیں کیا؟ ابلیس بولا کہ اس ادنیٰ مخلوق کے سامنے میں سجدہ کروں؟ جس کو آپ نے سڑی ہوئی مٹی کے کالے گارے سے بنایا؟ میں اسے اپنے سے افضل کیسے مان لوں؟ کمبخت یہ نہ سمجھا کہ میرا پہلا فرض اپنے رب کا حکم ماننا ہے، اللہ تعالیٰ کے واضح حکم کے بعد کسی کی مجال نہیں کہ فرمانبرداری میں چون وچرا کرے۔

اللہ تعالیٰ نے جس سجدے کا حکم فرشتوں اور ابلیس کو دیا تھا وہ "تعظیم" کے طور پر سجدہ کرنا تھا، عبادت کے طور پر سجدہ کرنا تو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لئے جائز نہیں ہے، اگر کوئی کرے گا تو کفر لازم آئے گا، یہ تکریم اور تعظیم کا سجدہ ایسا ہی ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کے سامنے کیا تھا، پرانے زمانے کے لوگ تعظیمی سجدہ بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے سامنے بھی کرتے تھے، اس کو ملاقات کا سجدہ بھی کہتے ہیں، اور یہ پہلی امتوں میں منع نہیں تھا مگر اس آخری امت کے لیے تعظیمی سجدہ کرنا بھی حرام ہے۔

یہاں پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں ہے کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم فرشتوں کو ہوا تھا شیطان کو نہیں، پھر "اِلَّآ اِبْلِیْسَ" کہہ کر اس کو مستثنیٰ کرنے کے کیا معنی ہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سجدہ کا حکم فرشتوں کے ساتھ شیطان کو بھی ہوا تھا، جیسے "سورہ اعراف" میں ابلیس کو خطاب کر کے فرمایا گیا کہ کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا جب میں نے تجھے حکم دیا تھا۔

سجدہ نہ کرنے پر سزا

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ وَّ اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى

فرمایا پس نکل سے اس جگہ پس تحقیق تو مردود ہے (۳۴) اور تحقیق پر تجھ لعنت ہے تک

يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ قَالَ

دن بدلے کے (۳۵) بولا اے رب میرے! پس مہلت دے مجھے تک اس دن کہ لوگ زندہ کیے جائیں گے (۳۶) فرمایا

فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿٣٧﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿٣٨﴾

اچھا تو میں سے ہے مہلت دیے ہوؤں (۳۷) تک دن وقت متعین (۳۸)

بامحاورہ ترجمہ: فرمایا: تو یہاں سے نکل جا، تجھ پر مار ہے۔ (۳۴) اور تجھ پر پھٹکار ہے بدلے والے دن تک۔ (۳۵) بولا: اے میرے رب! مجھے اس دن تک ڈھیل دے کہ مردے زندہ ہوں۔ (۳۶) فرمایا: اچھا تجھ کو ڈھیل دی۔ (۳۷) اسی وقت مقرر کے دن تک۔ (۳۸)

تفسیر

ارشاد ہوتا ہے کہ: اے مردود! تو اس بلند مقام اور رتبہ کے قابل نہیں اس لیے یہاں سے نکل جا، تجھ پر قیامت تک پھٹکار پڑتی رہے گی، سوچا کہ آدم کی وجہ سے مجھے یہ ہمیشہ کی ذلت ملی ہے اس لئے اس سے اور اس کی اولاد سے نمٹوں گا، جھٹ بول پڑا، اے میرے رب! مجھے اس دن تک مہلت دے جس دن لوگ کھڑے کیے جائیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تجھے ایک مقررہ دن کے وقت تک مہلت ہے۔

شیطان نے تکبر میں آ کر اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے مردود ٹھہرا دیا اور فرمایا: کہ قیامت تک تجھ پر لعنت ہی برستی رہے گی۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے شیطان جیسی بدترین مخلوق کی دعا فوراً قبول کر لی، جس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جس کی دعا قبول کر لی جائے وہ ضرور کوئی مقبول ہستی ہوتا ہے، یعنی: دعا کا قبول ہونا دعا کرنے والے کے مقبول ہونے کی شرط نہیں، اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی بدترین مخلوق کی دعا بھی قبول کر لیں، اس کا دارومدار اس کی حکمت اور مصلحت پر ہے، مومن کی دعا کا قبول ہونا تو اس کی نیک بختی کی بات ہے مگر ہو سکتا ہے کہ دنیاوی فائدے کے لئے کسی نافرمان کی دعا بھی قبول کر لے، وہ مالک الملک اور ہر چیز کا مختار ہے، اس کے راستے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی، مگر یہ اس کی نیک بختی کی علامت نہیں سمجھی جائے گی۔

یہاں غور کے قابل نکتہ یہ ہے کہ شیطان نے دوبارہ اٹھائے جانے کے دن تک اپنی زندگی کی مہلت طلب کی، جس سے اس کی مراد یہ تھی کہ قیامت کے دن تک تو اسے ویسے ہی زندگی حاصل ہو جائے گی اور اس دن سب کو پھر جی اٹھنا ہے اس طرح وہ موت کی سخت گھاٹیوں سے بچ جائے گا، اللہ نے فرمایا: کہ تجھے مہلت دے دی ہے مگر وہ قیامت تک نہیں بلکہ ایک مقررہ دن کے وقت تک، یعنی اس دن تک جس دن قیامت قائم ہوگی، گویا اسے قیامت کے اعلان کے ساتھ باقی رہ جانے والی مخلوق کی طرح موت آئے گی، قرآن وحدیث میں صاف موجود ہے کہ قیامت سے پہلے دو دفعہ صور پھونکا جائے گا، جب پہلا صور پھونکا جائے گا تو ہر چیز فنا ہو جائے گی، ہر زندہ ہستی پر موت طاری ہوگی اور کوئی چیز بھی باقی نہیں رہے گی، پھر چالیس سال کے بعد دوبارہ صور پھونکا جائے گا تو سب لوگ زندہ ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ نے شیطان کو پہلے صور پھونکے جانے تک مہلت دی تا کہ موت اس کو بھی آئے۔

بے کار خیال

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ

بولا اے رب میرے! بدلے میں اغوا کرنے تیرے مجھ کو البتہ آراستہ کروں گا واسطے ان کے میں زمین اور البتہ گمراہ کردوں گا ان کو

اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ

سب کو (۳۹) مگر بندے تیرے سے ان چنے ہوئے (۴۰) فرمایا یہ راستہ ہے

عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾

میرے پاس آنے کا سیدھا (۴۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بولا: اے میرے رب! جیسے تو نے مجھ کو راستے سے بہکا دیا ہے میں بھی ان سب کو زمین میں بہاریں دکھاؤں گا اور ان سب کو راستے سے بھٹکا دوں گا۔(۳۹) مگر ان کو نا بھٹکا سکوں گا جو تیرے

چنے ہوئے بندے ہیں۔(۴۰) فرمایا: یہ راستہ ہے مجھ تک سیدھا۔(۴۱)

تفسیر

ابلیس کا حال اس وقت وہی ہوا جو کسی مجرم کا اپنے خلاف فیصلہ سن کر ہوسکتا ہے فیصلے کرنے والے کا تو وہ کچھ نہیں بگاڑ سکتا، لیکن اپنے مقابلے میں جیتنے والے فریق کی جان کا دشمن ہوجاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ آپ نے مجھے جس کی خاطر نامراد کیا ہے میں اس کی اولاد کو تباہ کرنے میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا، آپ کے چنے ہوئے نیک بندوں پر تو میرا بس نہیں چلے گا، لیکن دوسرے عام لوگوں کو آپ کی سیدھی راہ سے ہٹانے کی پوری کوشش کروں گا، میں ان کے سامنے اس فانی دنیا کی چیزوں کو اتنا سجا سنوار کر پیش کروں گا کہ لوگ ان پر ٹوٹ پڑیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ (اخلاص) مجھ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے۔

بروں کا انجام

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

تحقیق بندے میرے نہیں تیرا پر ان کچھ زور مگر جو پیروی کریں تیری میں سے

الْغٰوِیْنَ ﴿۴۲﴾ وَ اِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۴۳﴾ لَهَا سَبْعَةُ

بہکے ہوؤں (۴۲) اور تحقیق دوزخ البتہ جگہ ہے ان سب کی (۴۳) اس کے سات

۳ ع ۱۹ ۴ اَبْوَابٍ ؕ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ﴿۴۴﴾

دروازے ہیں کے لئے ہر دروازے ان کا ایک حصہ ہے بٹا ہوا (۴۴)

بامحاورہ ترجمہ: جو بندے میرے ہیں تیرا ان پر کچھ زور نہیں، مگر بہکے ہوؤں میں سے جو تیری راہ پر چلے (ان پر تیرا زور چلے گا)۔(۴۲) اور بے شک ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔(۴۳) اس کے

سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ان میں سے، یعنی: شیطان کے پیروکاروں میں سے ایک حصہ مخصوص کردیا گیا ہے۔ (۴۴)

تفسیر

دوزخ کے سات دروازے ہیں، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ، ابن جریر طبری رحمۃ اللہ علیہ اور بیہقی نے بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ لکھا ہے کہ دوزخ کے سات دروازے، اوپر نیچے سات طبقوں کے اعتبار سے ہیں، اور بعض حضرات نے ان کو عام دروازوں کی طرح قرار دیا ہے، ہر دروازہ خاص قسم کے مجرموں کے لئے مخصوص ہوگا۔

پرہیزگاروں کے لئے انعامات

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾

تحقیق پرہیزگار ہوں گے میں باغوں اور چشموں (۴۵) داخل ہو ان میں ساتھ سلامتی کے بے خوف وخطر (۴۶)

وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ

اور نکال ڈالا ہم نے جو میں تھا دلوں ان کے سے کینہ بھائی ہیں پر تختوں

مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾

آمنے سامنے (۴۷) نہ چھوئے گی ان کو میں اس کوئی پریشانی اور نہ وہ سے اس نکالے جائیں گے (۴۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پرہیزگار لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ (۴۵) (ان سے کہہ دیا جائے گا) ان میں سلامتی کے ساتھ بے خوف وخطر داخل ہو جاؤ۔ (۴۶) اور ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے جو خفگی تھی وہ ہم نے نکال ڈالی، بھائی بھائی ہو کر تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے۔ (۴۷) وہاں انہیں کچھ تکلیف نہ پہنچے گی اور نہ انہیں وہاں سے کوئی نکالے گا۔ (۴۸)

تفسیر

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے پرہیز گاروں کیلئے جنت اور وہاں ملنے والے انعاموں کا ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: بے شک پرہیز گار لوگ باغوں اور چشموں میں ہوں گے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ متقی وہ لوگ ہیں جو کفر، شرک اور کبیرہ گناہوں سے بچتے ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ نے جنت والوں کے بارے میں فرمایا: کہ ہم ان کے سینے سے کھوٹ، کینہ، دشمنی وغیرہ نکال دیں گے، کوئی شخص دل میں اس قسم کی بات لے کر جنت میں داخل نہیں ہوگا، جنت میں کدورت کو کوئی دخل نہیں، وہاں ہر ایک کا سینہ صاف ہوگا، تمام جنتی ایک دوسرے کے ساتھ بھائیوں کا سا سلوک کریں گے، اور ان کی حالت یہ ہوگی کہ تختوں پر ایک دوسرے کے آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے۔

چند علمی باتیں

(۱)۔۔۔۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہ جب جنت والے جنت میں داخل ہوں گے تو سب سے پہلے ان کے سامنے پانی کے دو چشمے پیش کئے جائیں گے، پہلے چشمہ سے وہ پانی پئیں گے تو ان سب کے دلوں سے باہمی رنجش جو کبھی دنیا میں پیش آئی تھی، اور طبعی طور پر آخر تک موجود رہی، وہ سب دھل جائے گی، اور سب کے دلوں میں آپس کی الفت ومحبت پیدا ہو جائیگی، کیونکہ آپس کی رنجش بھی ایک تکلیف وعذاب ہے، اور جنت ہر تکلیف سے پاک ہے۔

صحیح حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کینہ کسی اور مسلمان کے لئے ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا، اس سے مراد وہ کینہ اور بغض ہے جو دنیاوی غرض سے اور اپنے قصد واختیار سے ہو اور اس کی وجہ سے یہ شخص اس کے درپے رہے کہ جب موقعہ پائے اپنے دشمن کو تکلیف اور نقصان پہنچائے، غیر ارادی رنجش اس میں داخل نہیں۔

(۲)....لَا يَمَسُّهُمْ فِيهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِينَ: اس آیت سے جنت کی دو خصوصیات معلوم ہوئیں، **اول:** یہ کہ کسی کو کبھی ضعف اور تھکاوٹ محسوس نہ ہوگی، بخلاف دنیا کے یہاں محنت و مشقت کے کاموں سے تو ضعف و تکان ہوتا ہی ہے، خالص آرام اور تفریح سے بھی کسی نہ کسی وقت آدمی تھک جاتا ہے اور تکان محسوس کرنے لگتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی لذیذ کام اور مشغلہ ہو۔

دوسری بات: یہ معلوم ہوئی کہ جو نعمتیں وہاں کسی کو مل جائیں گی پھر وہ نعمتیں کبھی کم نہ ہوں گی اور نہ ان میں سے اس شخص کو نکالا جائے گا، "سورۂ ص" میں ارشاد ہے: یہ ہمارا رزق ہے جو کبھی ختم نہیں ہوگا، اور اس آیت میں فرمایا کہ: ان کو کبھی ان نعمتوں اور راحتوں سے نکالا نہیں جائے گا، بخلاف دنیا کے معاملوں کے، کہ یہاں اگر کوئی کسی کو بڑے سے بڑا انعام و راحت دے بھی دے تو یہ خطرہ ہر وقت لگا رہتا ہے کہ جس نے یہ انعام دیے ہیں وہ کسی وقت ناراض ہو کر یہاں سے نکال دے گا۔

ایک تیسرا احتمال: جو یہ تھا کہ نہ جنت کی نعمتیں ختم ہوں اور نہ اس کو وہاں سے نکالا جائے مگر وہ خود ہی وہاں رہتے رہتے اکتا جائے اور باہر جانا چاہے تو قرآن مجید نے اس احتمال کو بھی ایک جملہ میں ان الفاظ سے ختم کر دیا ہے کہ یہ لوگ کبھی وہاں سے پلٹ کر کہیں جانے کی خواہش نہ کریں گے۔

رحمت اور عذاب

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَ اَنَّ عَذَابِيْ هُوَ

خبر دے | بندوں میرے کو | کہ میں | ہی | بخشنے والا | مہربان ہوں (۴۹) | اور | یہ کہ | عذاب میرا | وہ

وقف لازم

الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾

عذاب | دردناک ہے (۵۰) | اور | خبر سنا دے انکو | سے | مہمانوں | ابراہیم کے (۵۱)

با محاورہ ترجمہ:۔ خبر سنا دے میرے بندوں کو میں ہی اصل بخشنے والا مہربان ہوں۔ (۴۹) اور یہ بھی کہ میرا عذاب بہت دردناک عذاب ہے۔ (۵۰) اور ان کو ابراہیم کے مہمانوں کا حال سنا دے۔ (۵۱)

تفسیر

ان آیتوں میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ارشاد ہے کہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور غضب دونوں صفات کی طرف متوجہ کریں اور ان کو بتادیں کہ تم نے دیکھا اللہ کی رحمت معمولی سی چیز کو بھی بڑے مرتبہ والا بنا سکتی ہے اور اس کا غضب اُونچے مرتبے والے کو ذرا سی دیر میں نیچے گرا سکتا ہے، وہ چاہے تو اپنے بندں کے گناہ بخش دے اور اپنی رحمت سے مالا مال کر دے اور چاہے تو ان کے جرم کی کڑی سزا دے، رحم کرنے والا بھی اس کے سوا کوئی نہیں اور سزا دینے والا بھی اس جیسا کوئی نہیں۔

اگر دنیا میں وہ اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت اور شانِ غضب کو سامنے دیکھنا چاہیں تو ان کو ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ سنادیں جو اصل میں فرشتے تھے، انہوں نے ایک طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خوشخبری دے کر اللہ کی رحمت کا نمونہ دکھادیا اور دوسری طرف قوم لوط کو ہلاک کر کے اللہ کے بے پناہ غضب کی تصویر پیش کر دی۔

مہمانوں کا قصہ

اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۝ قَالُوْا

جب داخل ہوئے وہ پر اس پھر کہا سلام فرمایا تحقیق ہم سے تم ڈرنے والے ہیں (۵۲) بولے

لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ۝

مت ڈر تحقیق ہم خوشخبری دیتے ہیں آپ کو ایک لڑکے علم والے کی (۵۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جب فرشتے حضرت ابراہیم کے گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو سلام کرتے ہیں، ابراہیم نے کہا ہم کو تم سے ڈر لگتا ہے۔ (۵۲) فرشتے بولے ڈرو مت، ہم آپ کو ایک علم والے لڑکے کی خوشخبری سناتے ہیں۔ (۵۳)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب مہمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھر پہنچے اور ان سے ملے تو گفتگو سے پہلے اسلام کے دستور کے مطابق سلام کیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سلام کا جواب دیا اور مہمانوں کے لئے بُھنا ہوا بچھڑا لے آئے، مگر انہوں نے کھانے کے لئے ہاتھ نہیں بڑھایا، جیسا کہ "سورہ ہود" میں گزر چکا ہے، تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا ہمیں تم سے ڈر لگ رہا ہے، کیونکہ ان کا کھانا نا کھانا اس علاقے کے رواج کے مطابق اس بات کی علامت تھی، کہ یہ کوئی دشمن ہیں، مہمان کہنے لگے: خوف نہ کھاؤ، ہم تمہیں ایک علم والے بچے کی خوشخبری دیتے ہیں، یہ خوشخبری حضرت اسحاق علیہ السلام کے متعلق تھی جو حضرت سارہ سے پیدا ہوئے، بہر حال مہمانوں نے اپنا تعارف خود کرا دیا اور کہا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں، ہم اللہ کے فرشتے ہیں اور آپ کو بیٹے کی خوشخبری دینے کیلئے آئے ہیں۔

اچانک خوشی

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰٓی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾ قَالُوْا

کہا کیا خوشخبری دیتے ہو تم مجھے اس حالت میں کہ آ پکڑا مجھے بڑھاپے نے پس کس بات کی خوشخبری دیتے ہو تم (۵۴) بولے

بَشَّرْنٰکَ بِالْحَقِّ فَلَا تَکُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ ﴿۵۵﴾ قَالَ وَ مَنْ یَّقْنَطُ

ہم نے بشارت دی ہے آپ کو ٹھیک پس نہ ہوں آپ میں سے ناامید ہونے والوں (۵۵) فرمایا اور کون ناامید ہوتا ہے

مِنْ رَّحْمَۃِ رَبِّہٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

سے رحمت رب اپنے کی مگر گمراہ لوگ (۵۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: کیا تم مجھ کو خوشخبری سناتے ہو جب کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں، کس چیز کی خوش خبری سناتے ہو؟ (۵۴) فرشتوں نے کہا ہم نے آپ کو سچی خوشخبری سنائی آپ ناامیدوں میں سے مت ہوں۔ (۵۵) ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: اپنے رب کی رحمت سے وہ ناامید ہونگے جو گمراہ ہوں۔ (۵۶)

تفسیر

کسی شخص کو اگر کوئی ایسی خوشخبری سنائی جائے جس کی اسے توقع نہ ہو اور وہ شخص یقین کرے تب بھی کرید کرا سے پوچھے جاتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ خوش خبری دینے والا اس کی تفصیل سناتا ہی جائے تا کہ اس کے دل میں اور خوشی پیدا ہو، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خوش خبری سن کر جو کچھ فرشتوں سے کہا اس سے بھی کچھ ایسی ہی بات ظاہر ہوتی ہے، جب انہیں معلوم ہوا کہ یہ فرشتے ہیں اور مجھے خوش خبری دے رہے ہیں تو اپنی حالت پر نظر کر کے انہیں خوشی کے ساتھ تعجب بھی ہوا اور حیرت بھی، انہوں نے کہا: کیا سچ مچ ایسا ہوگا؟ کیا بوڑھوں کے ہاں بھی اولاد ہوسکتی ہے؟ کیا یہ خوشخبری تم سوچ سمجھ کر دے رہے ہو؟ فرشتے ان احساسات کو بھانپ گئے اور کہا یہ بشارت بالکل سچی ہے اور جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں، ہو کر رہے گا، تمہارے الفاظ میں ناامیدی کی جھلک پائی جاتی ہے اسے دور کرو، اور اللہ کی رحمت پر یقین رکھو، حضرت ابراہیم علیہ السلام یہ سن کر چونکے اور کہا: نہیں نہیں، میں اللہ کی رحمت سے ناامید نہیں ہوں، یہ ناامیدی تو گمراہوں کو ہوا کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتے ہیں، میں تو اپنے رحیم وکریم رب پر پورا یقین اور بھروسہ رکھتا ہوں۔

فرشتوں کے آنے کی غرض

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى

کہا بس کیا اصل کام ہے تمہارا اے بھیجے ہوؤ! (۵۷) کہا انہوں نے ہم بھیجے گئے ہیں طرف

قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا

ایک قوم کے گنہگاروں کی (۵۸) مگر گھر والے لوط کے ہم البتہ بچائیں گے ان کو سب کو (۵۹) سوا

امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾

عورت اس کی ہم نے ٹھہرالیا تحقیق وہ البتہ میں سے ہے پیچھے رہ جانے والوں (۶۰)

ع ۴

بامحاورہ ترجمہ:۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا اے اللہ کے بھیجے ہوؤ! تمہارا اصل کام کیا ہے؟ (۵۷) فرشتوں نے جواب دیا ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ (۵۸) مگر لوط کے گھر والوں سب کے سب کو۔ (۵۹) سوا اس کی عورت کے ہم بچالیں گے، ہم نے اس کی عورت کے بارے میں طے کرلیا کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔ (۶۰)

تفسیر

ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ اب آگے انہیں کیا کام کرنا باقی ہے؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ اب ہمیں لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف جانا ہے، وہ ایک بہت بری عادت میں مبتلا ہیں اور لوط علیہ السلام کا کہنا نہیں مانتے، ہم اس قوم کو جاکر ہلاک کریں گے، مگر لوط علیہ السلام اور ان کے سب گھر والوں کو بچالیں گے، سوا ان کی بیوی کے کہ وہ نہ بچ سکے گی اور اس کی بابت اللہ تعالٰی نے ہمیں فیصلہ سنادیا ہے کہ وہ ان سے پیچھے رہ کر ہلاک ہونے والوں میں ہوجائیگی۔

لوط علیہ السلام کی قوم کے شہر

یادرہے کہ! بحرِ مردار کے کنارے جہاں یہ قوم آباد تھی، وہاں ان کے پانچ چھ بڑے بڑے شہر تھے جن میں "سدوم" سب سے نمایاں تھا، امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ اس قوم کی کل آبادی چار لاکھ سے زیادہ تھی، لوط علیہ السلام کو اسی قوم کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا گیا، یہیں آپ نے شادی کی، آپ کے ہاں بچیاں بھی پیدا ہوئیں جو آپ پر ایمان لائیں، مگر آپ کی بیوی آپ پر ایمان نہ لائی، وہ اپنی قوم کے مذہب پر رہی۔

حضرت لوط علیہ السلام اور فرشتے

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾

پس جب آئے پاس گھر والے لوط کے بھیجے ہوئے فرشتے (۶۱) بولا بیشک تم لوگ ہو اجنبی (۶۲)

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ وَ اَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ

بولے بلکہ ہم لائے ہیں آپ کے پاس وہ چیز کہ تھے وہ میں اس جھگڑتے (۶۳) اور آئے ہیں ہم پاس آپ کے ساتھ حق بات کے

وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾

اور ہم البتہ سچے ہیں (۶۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر جب وہ بھیجے ہوئے فرشتے لوط کے گھر پہنچے۔(۶۱) بولا لوط نے تم لوگ اجنبی ہو؟ (۶۲) فرشتوں نے کہا ہم آپ کے پاس وہ چیز (عذاب) لے کر آئے ہیں جس میں وہ (آپ کی قوم کے لوگ) جھگڑا کرتے تھے۔(۶۳) اور ہم آپ کے پاس پکی بات لائے ہیں اور ہم سچ کہتے ہیں۔(۶۴)

تفسیر

پہلے پیغمبروں کے زمانوں میں فرشتے مجرموں کو عذاب دینے کے لیے آتے تھے، فرشتوں کے آدمی کی شکل میں ہونے کے باوجود فرشتوں کی صفتیں باقی رہتی ہیں، جب لوط علیہ السلام کے پاس یہ فرشتے پہنچے تو اگرچہ نہایت حسین و ٹھتی شکل میں تھے، پھر بھی ان کو دیکھ کر حضرت لوط علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح بول اٹھے کہ تم تو کچھ نرالے ہی لوگ معلوم ہوتے ہو، حضرت لوط علیہ السلام کو فکر ہوئی کہ اگر یہ لوگ آئے ہوئے مہمانوں کو ستانے لگے تو مجھے تکلیف ہوگی، چونکہ یہ فرشتے نوجوان اور حسین و ٹھتی لڑکوں کی شکل میں تھے، لوط علیہ السلام نے انہیں انسان ہی سمجھا تھا۔

جب لوط علیہ السلام مہمانوں کا دفاع کرتے کرتے، بہت ہی تنگ ہوگئے، آپ کی پریشانی میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا تو پھر مہمانوں نے مداخلت کی، لوط علیہ السلام سے کہا کہ آپ پیچھے ہٹ جائیں، ہم فرشتے ہیں اور ان سے خو دہی نبٹ لیں گے، اب فرشتے کھل کر سامنے آگئے، کہنے لگے: اے لوط! ہم آپ کے پاس وہ چیز لے کر آئے ہیں جس کے متعلق یہ لوگ جھگڑتے تھے، یعنی: ہم ان کے لیے عذاب لے کر آئے ہیں اور ہم آپ کے پاس حقیقی بات لائے ہیں اور بیشک ہم سچے ہیں۔

لوط علیہ السلام کو بستی سے چلے جانے کا حکم

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَ اتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَ لَا يَلْتَفِتْ

پس چلیئے گھر والوں اپنے کو لیکر ایک ٹکڑے سے رات اور خود چلیئے پیچھے پیچھے ان کے اور نہ مڑکر دیکھے

مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّ امْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ وَ قَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ

میں سے تم کوئی اور چلے جاؤ جہاں حکم کیے گئے ہو تم (۶۵) اور فیصلہ کردیا ہم نے طرف اس کی اس

الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾

بات کا کہ جڑ ان لوگوں کی کٹی ہوئی ہوگی صبح ہوتے ہی (۶۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔پس اپنے گھر والوں کو رات کے ایک حصے میں لیکر نکل جائیں، اور آپ ان کے پیچھے چلیں اور کوئی لوگوں میں سے مڑ کر نہ دیکھے اور چلے جائیں جہاں آپ کو حکم ہے۔ (۶۵) اور طے کر کے بھیج دی ہم نے اس کے پاس یہ بات کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہی کٹ جائے گی۔ (۶۶)

تفسیر

یہ سن کر حضرت لوط علیہ السلام راتوں رات اپنے گھر والوں کو لے کر اس بستی سے نکل گئے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ بستی سے نکلتے وقت آپ کے ساتھ آپ کی بیٹیاں تھیں، آپ کی بیوی آپ کے ساتھ روانہ ہی نہیں ہوئی تھی بلکہ اپنی قوم کے ساتھ بستی میں ہی رہی۔

پیچھے پلٹ کر نہ دیکھنے میں یہ حکمت تھی کہ قوم پر عذاب آرہا تھا اور کہیں پیچھے دیکھنے والے بھی اس کی زد میں نہ آجائیں۔

تباہی کی وجہ

وَ جَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ۝۶۷ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ
اور آئے والے شہر خوش ہوتے (۶۷) کہا کہ یہ لوگ مہمان ہیں میرے

فَلَا تَفْضَحُوْنِ۝۶۸ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لَا تُخْزُوْنِ۝۶۹ قَالُوْٓا اَوَ لَمْ
پس مت رسوا کرو مجھ کو (۶۸) اور ڈرو اللہ سے اور نہ بے آبرو کرو مجھ کو (۶۹) بولے کیا نہیں

نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ۝۷۰ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۝۷۱
روکا تھا ہم نے تجھ کو سے جہان والوں (۷۰) کہا یہ ہیں بیٹیاں میری اگر ہو تم کرنے والے (۷۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور لوط کی قوم کے لوگ خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔(۶۷) لوط نے کہا یہ لوگ میرے مہمان ہیں سو مجھ کو رسوا مت کرو۔(۶۸) اور اللہ سے ڈرو اور مجھے بے آبرو نہ کرو۔(۶۹) قوم کے لوگوں نے کہا کیا ہم نے تجھ کو جہان کی حمایت سے منع نہیں کیا تھا۔(۷۰) لوط نے کہا: اگر تم کو کرنا ہے تو یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں۔(۷۱)

تفسیر

حضرت لوط علیہ السلام نے کہا کہ حاجت پوری کرنی ہے تو حلال طریقے سے کرو، یہ تمہاری بیویاں جو میری بیٹیوں کے برابر ہیں تمہارے پاس اسی لیے ہیں کہ تم ان سے اپنی جائز حاجت پوری کرو۔

اچانک عذاب

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۝۷۲ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ
قسم ہے جان آپ کی کہ وہ البتہ میں نشے اپنے مست ہیں (۷۲) پس آ پکڑا ان کو چیخ نے

مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَ اَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً
سورج نکلتے (۷۳) پس کر دیا ہم نے اوپر کا حصہ اس کا اس کے نیچے کا حصہ اور برسائے ہم پر ان پتھر

مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٧٤﴾
سے کھردرے (۷۴)

بامحاورہ ترجمہ: قسم ہے آپ کی جان کی! وہ لوگ اپنی مستی میں بے ہوش ہیں۔(۷۲) پس ان کو چنگھاڑ نے سورج نکلتے ہی آ پکڑا۔(۷۳) پھر ہم نے اس بستی کے اوپر کا حصہ کر کے نیچے کا حصہ بنادیا اور ان پر کھنگر کے پتھر برسائے۔(۷۴)

تفسیر

اللہ تعالیٰ نے ان پر تین قسم کے عذاب بھیجے۔ایک یہ کہ سورج نکلتے ہی ایک سخت چیخ نے آ پکڑا جس سے ان کے دل پھٹ گئے، دوسرے یہ کہ ان کے شہروں کو الٹ دیا گیا، تیسرا یہ کہ ان پر کھنگروں کی بارش برسائی گئی۔

عبرتناک واقعات

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿٧٥﴾ وَ اِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿٧٦﴾
تحقیق میں اس البتہ نشانیاں ہیں واسطے پرکھنے والوں کے (۷۵) اور وہ بستیاں ایک راستہ پر ہیں چالو (۷۶)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَ اِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ
تحقیق میں اس البتہ نشانی ہے واسطے ایمان والوں کے (۷۷) اور تحقیق تھے بن کے لوگ

لَظٰلِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَ اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٩﴾ ع ۱۹ ۵ وقف لازم
البتہ ظالم (۷۸) پس بدلہ لیا ہم نے سے ان اور یہ دونوں راستے پر ہیں کھلے (۷۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بے شک اس میں دھیان کرنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔(۷۵) اور وہ بستی ایک چالو راستے پر ہے (جس پر لوگ ہمیشہ چلتے رہتے ہیں)۔(۷۶) البتہ اس میں ایمان والوں کے لیے نشانی ہے۔(۷۷) اور تحقیق بن کے رہنے والے گنہگار تھے۔(۷۸) سو! ہم نے ان سے بدلہ لیا اور دونوں بستیاں ایک نمایا راستے پر واقع ہیں۔(۷۹)

تفسیر

لوط علیہ السلام کی قوم کے قصے میں بہت سی نشانیاں ہیں جنہیں غور سے دیکھ کر وہ اس نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں کہ اپنی بری خواہش کے پیچھے پڑ کر اللہ تعالیٰ کو بھول جانا اور اس کے پیغمبر کے سمجھانے کے باوجود نہ سمجھنا، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا سبب ہوتا ہے۔ اسی طرح شعیب علیہ السلام کی قوم کا انجام بھی یاد دلاتا ہے کہ غلط راستہ اختیار کرنے والے ظالم ہیں اور ظالموں کو ان کے کرتوتوں کی سزا ملتی ہے ان دونوں قوموں کی بستیوں کے کھنڈر "حجاز" سے "شام" کے راستے پر ہیں اور سبق آموز ہیں۔

ارشاد ہوتا ہے: اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ: تو "تَوَسِّم" کا معنیٰ تاڑنا، دیکھنا، دھیان کرنا اور غور کرنا ہے۔ اصل میں یہ لفظ کسی علامت کے مشاہدے کے لیے استعمال ہوتا ہے، اور یہاں پر فراست کے معنوں میں آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ صاحبِ فراست (عقل والے) لوگ سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کی قوم کو ان کے جرم کی عبرتناک سزا دی، ہر فرد اور قوم کو جان لینا چاہیے کہ اگر اس قسم کے جرم ان میں بھی ہوں گے تو یہ لوگ بھی اللہ تعالیٰ سے نہیں بچ سکیں گے۔

ارشاد ہوتا ہے: یہ شہر آباد راستوں پر واقع ہیں، یعنی: عبرت کے نشانات ایسے راستے پر ہیں جہاں لوگوں کی آمدورفت جاری رہتی ہے؛ اسی لیے ان میں مومنوں کے لیے بھی نشانی ہے، جب وہاں سے گزرتے ہیں اور ان شہروں کے کھنڈرات کو دیکھتے ہیں تو انہیں بھی عبرت حاصل کر کے ایسی برائیوں سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیے،

انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے باغیوں کو کیسی عبرت ناک سزا دیتا ہے؟

"مدین" اور "ایکہ والے" ایک ہی قوم کے افراد تھے، "مدین" شہر تھا اور "ایکہ" اس کے مضافات میں جنگل تھا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ دو مختلف قومیں تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی طرف حضرت شعیب علیہ السلام کو بھیجا تھا۔

فرمایا: پھر ہم نے ان سے ان کی سرکشی کا بدلا لیا، لوط علیہ السلام کی قوم اور "ایکہ والے" دونوں بڑی اہم شاہراہ پر واقع تھے، عراق سے مصر جانے والے لوگ بھی اسی راستے سے ہو کر گزرتے تھے اور "حجاز" سے "شام" اور "فلسطین" کے مسافروں کو بھی اسی شاہراہ سے گزرنا ہوتا تھا اور وہ ان اجڑی ہوئی بستیوں کے کھنڈرات کو دیکھتے تھے، مکہ کے لوگ بھی اس راستے سے گزرتے تھے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی یاد دلایا کہ وہ ان ویران بستیوں سے عبرت حاصل کریں۔

جغرافیائی لحاظ سے بھی بحر میت کا علاقہ سطح سمندر سے کافی نیچے واقع ہے، اس کے بعض خطوں کا پانی اس قدر زہریلا ہے کہ اس میں کوئی مینڈک، مچھلی یا کیڑا مکوڑا زندہ نہیں رہ سکتا، تبوک کے سفر کے دوران جب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وادی سے گزر ہوا تو آپ نے سر پر چادر ڈال لی اور جلدی جلدی گزرنے کی کوشش کی، فرمایا: مجھے ڈر ہے کہ جو عذاب ان قوموں پر آیا تھا، کہیں ہم بھی اس میں گرفتار نہ ہو جائیں مگر کس قدر افسوس کا مقام ہے کہ! جس خطہ کو اللہ تعالیٰ نے عبرت کی جگہ قرار دیا ہے، اس جدید روشنی والوں نے تفریح گاہ بنالیا ہے، وہاں پر عجائب گھر قائم کر دیا گیا ہے، ساتھ ہوٹل بھی ہیں، جہاں لوگ تفریح کے لیے آتے ہیں، حالانکہ ایسے مقامات سے عبرت حاصل ہونی چاہیے تھی۔

ثمود کا حال

وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ وَ اٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا

اور البتہ تحقیق جھٹلایا حجر کے رہنے والوں نے بھیجے ہوؤں کو (۸۰) اور دیں ہم نے انہیں اپنی نشانیاں

فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ وَ كَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا

پس تھے وہ سے ان منہ پھیرتے (۸۱) اور تھے وہ تراشتے سے پہاڑوں گھر

اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ

بےخوف وخطر (۸۲) پس آپکڑا ان کو چیخ نے صبح ہوتے ہی (۸۳) پس نہ نفع دیا ان کو

مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

اس نے جو تھے وہ کمایا کرتے (۸۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بیشک حجر والوں نے پیغمبروں کو جھٹلایا۔(۸۰) اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں سو! وہ ان سے منہ پھیرتے رہے۔(۸۱) اور وہ امن کے ساتھ پہاڑوں کو تراش کر مکان بناتے تھے۔(۸۲) پھر ان کو صبح کے وقت چنگھاڑ نے پکڑ لیا۔(۸۳) پھر ان کے کام نہ آیا جو کچھ کمایا تھا۔(۸۴)

تفسیر

مدینہ سے شمال کی جانب ایک اور بستی تھی جس کا نام "حجر" تھا، یہاں ایک قوم آباد تھی، یہ تبوک کی وادی سے لیکر قریٰ کی وادی تک آباد تھی، جسے "ثمود" کہتے تھے، یہ لوگ پہاڑوں کو کاٹ کر گھر بناتے تھے، جو بڑے کشادہ و مضبوط ہوتے تھے، یہ بڑے قد والے مضبوط لوگ تھے اور اپنے مقابلے میں کسی کو کچھ نا سمجھتے تھے۔

ان کے پاس حضرت صالح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبر بنا کر بھیجا، انہوں نے کہا کہ غرور و تکبر چھوڑ دو، اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اسی نے یہ نعمتیں تم کو دی ہیں، اس کا شکر ادا کرو، انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کا کہنا نہ مانا، ان پر زلزلہ اور ہیبت ناک چنگھاڑ کا عذاب آیا، پھر ان کی قوت کچھ کام نہ آئی اور نہ ان کے مضبوط مکانوں نے انہیں بچایا، اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی کی تدبیر نہیں چلتی۔

یہ کائنات کھیل نہیں

وَ مَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ مَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ

اور نہیں بنائے ہم نے آسمان اور زمین اور جو درمیان ان دونوں کے مگر ساتھ حکمت کے

وَ اِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ

اور تحقیق قیامت کی گھڑی البتہ آنے والی ہے پس درگذر کر درگذر کرنا اچھا (۸۵) تحقیق رب آپ کا

هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾

وہی پیدا کرنے والا جاننے والا ہے (۸۶)

بامحاورہ ترجمہ: اور ہم نے آسمان اور زمین اور جو ان کے بیچ میں ہے بغیر حکمت کے نہیں بنائے اور قیامت بے شک آنے والی ہے آپ اچھے طریقے سے ان سے درگزر کریں۔ (۸۵) اور بیشک آپ کا رب خوب پیدا کرنے والا اور خوب جاننے والا ہے۔ (۸۶)

تفسیر

زمین پر بسنے والوں کو دو ہی چیزیں نظر آتی ہیں: ایک اوپر کی فضا جو سر پر دائیں بائیں اور ہر طرف پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے، دوسرے زمین جس پر وہ چلتے پھرتے لیٹتے بیٹھتے ہیں، آسمان اور زمین اور ان کے درمیان جو کچھ بھی ہے یہ ساری کائنات اپنے آپ ہی نہیں بنی ہے اس کا پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے، یہ کوئی کھلونا نہیں ہے، بلکہ خوب سمجھ کر اس نے اپنے علم اور حکمت سے اس کے اجزاء کو اپنی اپنی جگہ بٹھایا ہے، تم نے پچھلی امتوں کا حال سنا کہ جس کسی نے نافرمانی اختیار کی اس کو مٹا دیا گیا۔

تم لوگ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سنو ورنہ انجام تباہی ہوگا، ادھر پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ اپنا پیغام پہنچا دیں اور سرکشوں کی زیادتی پر صبر کریں اور وقار کے ساتھ درگذر کریں، اس جہان کو آپ کے رب نے بڑی حکمت

سے بنایا ہے اور وہ اس سے بخوبی واقف ہے، یہاں سرکش اور فسادی لوگ زیادہ دیر نہیں ٹک سکتے، ان کو مہلت ضرور دی جاتی ہے لیکن قیامت تو لازمی طور پر آنے ہی والی ہے، وہاں سب پورے طور اپنی اپنی سزا بھگتیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا انعام

وَ لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَ الْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا

اور البتہ تحقیق دیں ہم نے آپ کو سات آیتیں سے بار بار پڑھنے کو اور قرآن بڑے درجے کا (۸۷) مت

تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَ لَا تَحْزَنْ

بڑھا ہرگز آنکھیں اپنی طرف اس کی جو برتنے کو دیا ہم نے کئی قسم کے لوگوں کو سے ان اور مت غم کر

عَلَيْهِمْ وَ اخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

پر ان اور نیچے کر بازو اپنے واسطے ایمان والوں کے (۸۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دی ہیں اور بڑے درجے کا قرآن۔(۸۷) اپنی آنکھیں ان چیزوں پر مت ڈالیں جو ہم نے ان میں سے کئی طرح کے لوگوں کو برتنے کے لیے دی ہیں اور ان پر غم نہ کھائیے اور ایمان والوں کے واسطے اپنے بازو جھکائیے۔(۸۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے آپ کو بار بار پڑھی جانے والی آیتیں، یعنی: "سورہ فاتحہ" اور "قرآن عظیم" عطا کیا۔

ارشاد ہوتا ہے: اے پیغمبر! ہم نے کافروں اور مشرکوں کو جو سامان دیا ہے آپ اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھیں، کیونکہ یہ عارضی چیزیں ہیں، اس کے مقابلے میں اللہ نے جو چیز آپ کو عطا کی ہے وہ اس سے بہت بہتر ہے۔

دعویٰ مع دلیل

وَ قُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ ﴿۸۹﴾ كَمَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ ﴿۹۰﴾
اور کہہ دیں تحقیق میں بالخصوص ڈرانے والا ہوں صاف (۸۹) جیسے اتارا ہم نے پر تقسیم کرنے والوں (۹۰)

الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾
وہ کہ جنہوں نے کردیا قرآن کو ٹکڑے ٹکڑے (۹۱) پس قسم رب آپ کے کی البتہ ضرور پوچھیں گے ہم ان سب سے (۹۲)

عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَ اَعْرِضْ عَنِ
سے بارے میں اس کے جو تھے وہ کرتے (۹۳) پس صاف اعلان کردیں جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور منہ پھیر لیں سے

الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۹۴﴾ اِنَّا كَفَیْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِیْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ
مشرکوں (۹۴) تحقیق ہم کافی ہیں آپ کی طرف سے ہنسی کرنے والوں کے لیے (۹۵) جو بناتے ہیں

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾
ساتھ اللہ کے معبود اور پس عنقریب وہ جان لیں گے (۹٦)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ کہہ دیں کہ میں صاف طور پر ڈرانے والا ہوں۔(۸۹) قرآن مجید کے ذریعے یہ تنبیہ اسی طرح اُتاری گئی ہے۔(۹۰) جیسا کہ ہم نے کتاب کے حصے اور بخرے کرنے والوں پر اتارا جنہوں نے اپنی کتاب کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے۔(۹۱) سو! آپ کے رب کی قسم! ہم کو پوچھنا ہے ان سب سے جو وہ کرتے تھے۔(۹۲) سو! آپ کھول کر سنادیں جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اور مشرکوں کی پروانہ کریں۔(۹۳) ہم آپ کی طرف سے ٹھٹھہ کرنے والوں سے نبٹنے کے لیے کافی ہیں۔(۹۴) جو اللہ کے ساتھ ساتھ اور معبود ٹھہراتے ہیں، سو! عنقریب وہ جان لیں گے۔(۹۵)

تفسیر

پیغمبر ﷺ کو ارشاد ہے: کہ آپ کا کام انہیں سمجھا دینا ہے اگر یہ نہیں مانتے تو یہ جانیں، جب آپ سمجھا چکے تو ان سے الگ ہو جائیں اور کافروں سے کہدیں کہ میں تمہیں صاف صاف ڈراتا ہوں، کوئی لگی لپٹی بات نہیں ہے، جلد ہی تم دیکھ لو گے کہ جن کافروں نے اسلام سے روکنے کے کام آپس میں بانٹ لیے ہیں اور اللہ کی کتاب کے الگ الگ ٹکڑے کر دیے ہیں کہ بعض کو مانیں گے اور بعض کو نہ مانیں گے، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مشرکوں نے درّے اور راستے آپس میں تقسیم کر رکھے تھے تاکہ پیغمبر ﷺ کے پاس جانے والوں کو راستے ہی میں روک لیا جائے، مراد اس سے یہودی اور عیسائی ہیں، ان پر وہی عذاب آپڑا ہے جس سے میں ڈرا رہا ہوں، تیرے رب کی قسم! ہم ان کے کرتوتوں کے بارے میں ضرور ان سے پوچھ گچھ کریں گے، اور کہیں گے کہ آج بتاؤ کہ تم نے ہمارے پیغمبر کا کہنا کیوں نہیں مانا؟

آگے ارشاد ہے کہ: ایمان کی دعوت بے خوف ہو کر سب کو پہنچاتے رہو، یہ بتوں کے پجاری مشرک لوگ خود تو اس سے محروم ہوتے ہی ہیں، ان کی شرارتوں سے قطع نظر کرو اور حق بات کہنے میں ان کی وجہ سے کوتاہی نہ کرو، یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ہم تمہاری طرف سے ان سے نبٹنے کے لیے کافی ہیں، ان سے زیادہ نادان کون ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، انہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ پیغمبر ﷺ کی باتوں کی ہنسی اڑانے اور ان کے ساتھ گستاخی سے پیش آنے کا اور اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو پوجنے کا انجام برا ہے۔

دل کی تنگی کا علاج

وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ فَسَبِّحْ

اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ بیشک تنگ ہوتا ہے سینہ آپ کا سے اس جو وہ کہتے ہیں (۹۷) پس بیان کر

بِحَمْدِ رَبِّكَ وَ كُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ وَ اعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى

حمد رب اپنے کی اور ہو میں سے سجدہ کرنے والوں (۹۸) اور عبادت کر رب اپنے کی یہاں تک کہ

يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ ع ۶

آئے پاس آپ کے یقینی بات (یعنی: وفات) (۹۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور ہم جانتے ہیں کہ آپ کا جی ان کی باتوں سے تنگ ہوتا ہے جو وہ کہتے ہیں۔(۹۷) سو! آپ اپنے رب کی خوبیاں بیان کریں اور سجدہ کرنے والوں میں سے رہیں۔(۹۸) اور اپنے رب کی بندگی کیے جائیں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقینی بات (وفات) آجائے۔(۹۹)

تفسیر

اللہ تعالیٰ کے تمام کام حکمت سے بھرے ہوتے ہیں، ان کے سزا دینے میں کسی مصلحت سے کچھ دیر بھی ہوسکتی ہے، ہم جانتے ہیں کہ ان کی بدزبانیوں اور گستاخیوں کا اثر آپ کے دل میں ہوتا ہے اور آپ کا دل ان کی باتوں کی وجہ سے تنگ ہوتا ہے، اس کا علاج یہ ہے کہ آپ اللہ کی حمد وثناء میں لگے رہیں اور اللہ تعالیٰ کے آگے سجدہ کرنے والوں کے ساتھ شامل رہیں اور اپنے رب کی عبادت میں جب تک دم میں دم ہے مشغول رہیں، اس سے آپ کے دل سے وہ بوجھ ہٹ جائے گا جو ان کی زبان درازیوں کی وجہ سے پڑتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ہر وقت ذکر، نماز، سجدہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت یہ ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے دل کا سکون حاصل ہوتا ہے اور لوگوں کے لعن طعن سے دل میں تنگی پیدا نہیں ہوتی۔

"ترمذی" اور "ابوداؤد شریف" کی روایت میں آتا ہے کہ جب کبھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت پریشانی پہنچتی تو آپ فوراً نماز کی طرف متوجہ ہوتے، پریشانی کا علاج نماز ہے، کیونکہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوتا ہے، اور جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم ہوتا ہے اتنی ہی اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور دل میں سکون پیدا

ہوتا ہے کہ دل کا سکون تو اللہ کے ذکر ہی میں ہے۔

فرمایا: اپنے پروردگار کی عبادت میں لگے رہیں یہاں تک کہ آپ کے پاس یقین آ جائے، عربی زبان میں یقین کا لفظ موت پر بھی بولا جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی یقینی چیز ہے؛ اس لیے یہاں یقین سے مراد موت ہے۔

سورت کے شروع میں قرآن پاک کے سچ اور حق ہونے کا ذکر تھا، پھر توحید اور اس کے دلائل بیان ہوئے ، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی شان رحمت اور شان غضب کا ذکر ہوا، پھر نافرمان قوموں کی سزا کی طرف اشارہ کیا اور آخر میں کافروں کی شرارتوں اور زبان درازیوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچنے والی تکلیف کو دور کرنے کے لیے دی جانے والی تسلی کے مضمون پر اس سورت کو ختم کیا۔

سورۃ الحجر پر ایک نظر

اس مکی سورت میں لوگوں کو بتایا گیا کہ جو آیتیں تم کو پڑھ پڑھ کر سنائی جارہی ہیں یہ ایک مکمل کتاب ہے، اپنی دونوں جہان کی زندگی کے تمام راستے طے کرنے کے لیے ضروری ہدایات اس سے حاصل کرو، اس سے منہ پھیرنے والے اپنی نادانی کی سزا بھگتیں گے۔

یہ کتاب ہم نے اپنے پیغمبر کے ذریعے بھیجی ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور اس کتاب کو اتارنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کو گمراہی سے بچایا جائے، کیونکہ اس کو گمراہ کرنے کے لیے اس کے دشمن شیطان اور نفس بھی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر اور اس کی کتاب کی ہدایات کو مان کر چلو گے تو دنیا میں عزت و آرام سے رہو گے اور مرنے کے بعد بھی جنت میں عیش و آرام کی زندگی ملے گی، قرآن جیسی عظیم نعمت تمہیں ملی ہے تم اس کو مضبوطی سے تھامے رکھو اور اگر کافروں سے کسی قسم کی تکلیف پہنچے تو تم اللہ کی حمد و ثناء اور اس کی عبادت میں لگے رہو، مرتے دم تک اسی طریقے پر قائم رہو۔

سورۃ النحل

یہ سورت ترتیب کے لحاظ سے قرآن مجید کی سولہویں سورت ہے، مکی زندگی کے آخری دنوں میں اتری، بعض آیتیں ہجرت کے بعد مدینہ میں شروع کے دنوں میں اتریں، اس کا نام "سورۃ النحل" اس وجہ سے ہوا کہ نحل "شہد کی مکھی" کو کہتے ہیں اس میں شہد کی مکھی کا ذکر ہے، اوراس کے محنت کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہنے اور دوسروں کے لیے مفید ہونے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

ایاتها-۱۲۸ سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ رُكُوْعَاتُهَا-۱۶

سورۃ النحل مکی ہے، اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع ہیں

قیامت قریب ہے

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①

آ گیا حکم اللہ کا پس مت جلدی کرو اس کی اس میں پاک ہے وہ ذات اور بلند ہے سے اس جو وہ شریک کرتے ہیں (۱)

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ

اُتارتا ہے فرشتوں کو روح دے کر سے حکم اپنے پر جس چاہتا ہے سے بندوں اپنے

اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ

کہ ڈرا دو کہ کوئی نہیں معبود سوا میرے سو مجھ سے ڈرو (۲) پیدا کیے آسمان اور

الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ
زمین ٹھیک ٹھیک بلند ہے وہ سے اس جو وہ شریک بناتے ہیں (۳) پیدا کیا انسان کو سے

نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ۝
ایک بوند پس اچانک وہ جھگڑنے والا ہوا کھلم کھلا (۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ کا حکم آپہنچا سو اس کی جلدی مت کرو، وہ پاک ہے اور بلند ہے ان چیزوں سے جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرتے ہیں۔(۱) وہ فرشتوں کو اپنے حکم سے بھیجتا ہے روح کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے کہ خبردار کردو کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہیں سو مجھ ہی سے ڈرو۔(۲) آسمان اور زمین ٹھیک ٹھیک بنائے اور وہ بلند ہے ان چیزوں سے جن کو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں۔(۳) آدمی کو ایک بوند پانی سے بنایا پھر اچانک وہ کھلم کھلا جھگڑنے والا ہو گیا۔(۴)

تفسیر

مکہ والوں کی حالت یہ تھی کہ جب اللہ کے پیغمبر نے انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا تو وہ پہلی نافرمان قوموں کا حشر سن کر بھی ٹس سے مس نہ ہوئے، اس پر انہیں یہ بتایا گیا کہ اللہ کا حکم اب آیا ہی چاہتا ہے بلکہ یوں سمجھو کہ آچکا، کیونکہ کسی قوم پر عذاب آنے سے پہلے ان کے سمجھانے کے لئے پیغمبر بھیجا جاتا ہے، اگر وہ پیغمبر کی نہیں سنتے اور اس کو ستاتے ہیں تو ان پر پہلے دنیا میں ہی عذاب آجاتا ہے، اس کے بعد قیامت کا نمبر ہے۔

پیش گوئی

اس آیت میں ایک پیش گوئی ہے اور اس قدر یقین اور وثوق کے ساتھ ہے جو قرآن مجید کی آیتوں کے سوا کسی جگہ نہیں ملتی، ایسے ماحول میں جہاں دشمنوں نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر رکھا ہوا اور ہر طرح کی تکلیف

دینے پر تلے ہوئے ہوں، اس طرح بے دھڑک ان سے کہہ دینا پیغمبر کے سوا کسی کا کام نہیں کہ عنقریب تم دنیا ہی میں اپنی سزا کو پہنچنے والے ہو، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ تم سب فنا ہو جاؤ گے اور سارے عرب پر اسلام پھیل جائے گا، جس وقت یہ آیتیں اتر رہی تھیں اس کا وہم وگمان بھی نہیں تھا کہ یہ تھوڑے سے مسلمان مکہ کے سارے طاقتور لوگوں پر غالب آجائیں گے، لیکن قرآن مجید نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہونے والے ہو، وہ سمجھے کہ اب آفت آئی، لیکن جب چند دن انتظار کرنے کے بعد کچھ نہ ہوا تو کہنے لگے کہ یہ صرف باتیں ہیں، ہونا ہوانا کچھ نہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی یہی کہہ دیا، آپ نے صبر سے سنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا وہاں سے حکم آیا، "فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ" ان سے اسی اطمینان کی شان کے ساتھ جو قرآن مجید کا خاصہ ہے کہہ دیا گیا کہ جلدی مت کرو عذاب کے آنے میں کچھ شک نہیں، لیکن ان باتوں میں دیر اس لیے لگ رہی ہے کہ شاید جس کی قسمت میں سنورنا ہو وہ سنور جائے اور دنیا وآخرت کی رسوائی اور عذاب سے بچ جائے۔

بعض مفسرین "اَمْرُ اللّٰهِ" سے مراد اسلام کی فتح، اس دنیا میں مخالفین کی تذلیل اور آگے چل کر سخت عذاب ہے جو کہ آگے فتح مکہ کے موقع پر سامنے آیا۔

ارشاد ہوتا ہے: يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ: وہ فرشتوں کو وحی کے ساتھ اپنے حکم سے اُتارتا ہے، یہاں پر "روح" سے مراد وحی ہے، جیسے قرآن پاک، خود قرآن کو بھی وحی کہا گیا ہے اور ایک "روح" وہ بھی ہے جس پر انسانی زندگی کا مدار ہے، اگر انسان کے جسم سے "روح" نکل جائے تو اس کی موت ہو جاتی ہے، تو جس طرح "روح" کی وجہ سے انسان کو ظاہری زندگی حاصل ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے کلام اور وحی کے ذریعے انسانوں کے دل زندہ ہوتے ہیں اور ان میں توحید اور نیکی پیدا ہوتی ہے۔

انسان پر انعامات

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّ مَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۵

اور　چوپائے　پیدا کیا ان کو　واسطے تمہارے　میں ان　گرم سامان ہے　اور بہت سے فائدے ہیں　اور　سے ان کھاتے ہو تم　(۵)

وَ لَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَ حِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝۶

اور　واسطے تمہارے　میں ان　خوبصورتی ہے　جس وقت　شام کو انہیں گھر لاتے ہو　اور　جس وقت　انہیں چرانے لے جاتے ہو (۶)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور اس نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کر دیے، تمہارے واسطے ان میں گرم کپڑے اور کتنے ہی فائدے ہیں اور بعض کو تم کھاتے ہو۔(۵) اور ان سے تمہاری عزت ہے جب شام کو چرا لاتے ہو، اور جب چرانے لیجاتے ہو۔(۶)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور تمہارے کام میں لگا دیا اب تم ان کی اُون، بال، کھال ہڈی اور چربی وغیرہ سے سردی سے بچنے کا سامان وغیرہ تیار کرتے ہو، ان کا دودھ پیتے ہو، کسی کو ہل میں چلاتے ہو، دودھ سے مکھن، گھی اور پنیر وغیرہ بناتے ہو اور صبح کو جب انہیں جنگل میں چرانے لے جاتے ہو اور پھر دن بھر چرا کر جب شام کو واپس لاتے ہو تو کیسی رونق اور چہل پہل ہوتی ہے اور اس سے تمہیں کتنی عزت حاصل ہوتی ہے کہ تم اتنے مویشیوں کے مالک ہو، انہی میں سے حلال جانوروں کا گوشت بھی کھاتے ہو، آخر کبھی سوچا بھی ہے کہ جس مالک نے تمہارے لئے یہ جانور بنا دیے اور ان سے فائدہ اٹھانے کے لئے تمہیں عقل اور قوت دی اس کو پہچان کر اس کا شکر ادا کرنا لازم ہے۔

ترتیب کے لحاظ سے پہلے جانوروں کا گھر سے چرنے کے لئے جانے کا بیان ہونا چاہئے تھا اور پھر واپس آنے کا ذکر ہونا چاہئے تھا مگر اس آیت میں پہلے واپس آنے اور بعد میں گھر سے جانے کا ذکر کیا، ایسا کیوں؟

اس کے جواب میں مفسرین کرام فرماتے ہیں: کہ اللہ تعالیٰ نے زیادہ خوبصورت اور دل کو موہ لینے والی حالت کا ذکر پہلے کیا ہے اور کم خوبصورتی والی حالت کا بعد میں۔ جس وقت جانور گھر سے چرنے کیلئے جنگل کی طرف نکلتے ہیں تو بسا اوقات گوبر سے لتھڑے ہوئے ہوتے ہیں اور بھوکے بھی ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ زیادہ خوبصورت نظر نہیں آتے، البتہ جب جنگل سے چر کر واپس آتے ہیں دن بھر پھرنے سے ان پر لگی غلاظت وغیرہ بھی دور ہو جاتی ہے اور پیٹ بھی بھرے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے وہ پہلے سے زیادہ خوبصورت نظر آتے ہیں تو یہاں پر اللہ تعالیٰ نے زیادہ خوبصورت حالت کا ذکر پہلے کیا ہے۔

مزید انعامات

وَ تَحۡمِلُ اَثۡقَالَکُمۡ اِلٰی بَلَدٍ لَّمۡ تَکُوۡنُوۡا بٰلِغِیۡهِ اِلَّا بِشِقِّ

اور اٹھاتے ہیں تمہارے (جسموں، سامانوں) کے بوجھ تک شہر اس کہ نہ تھے پہنچنے والے میں اس مگر ہلکان کر کے

الۡاَنۡفُسِ ؕ اِنَّ رَبَّکُمۡ لَرَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ۙ﴿۷﴾ وَّ الۡخَیۡلَ وَ الۡبِغَالَ

جان تحقیق رب آپ کا البتہ مہربان ہے رحمت والا (۷) اور (پیدا کیے) گھوڑے اور خچریں

وَ الۡحَمِیۡرَ لِتَرۡکَبُوۡهَا وَ زِیۡنَةً ؕ وَ یَخۡلُقُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸﴾

اور گدھے تاکہ سوار ہو تم ان پر اور سجاوٹ کیلئے اور پیدا کرتا ہے جو نہیں تم جانتے (۸)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور تمہارے بوجھ اٹھا کے چلتے ہیں ان شہروں تک کہ تم وہاں نہ پہنچتے مگر جان مار کر، بے شک آپ کا رب بڑی شفقت والا مہربان ہے۔(۷) اور گھوڑے اور خچریں اور گدھے پیدا کیے کہ تم ان پر سوار ہو اور یہ زینت کے لئے پیدا کیے اور پیدا کرے گا وہ چیزیں جو تم نہیں جانتے۔(۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے جانوروں کو تابع بنادیا اگر یہ نہ ہوتے تو انسانوں کو اپنا سامان

اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے میں سخت تکلیف اور مشقت اٹھانا پڑتی تو انسانوں کو ماننا چاہئے کہ ان کے اوپر اللہ تعالیٰ بڑا مہربان اور بڑا کرم کرنے والا ہے، ان بوجھ اٹھانے والے جانوروں میں سے گھوڑے اور گدھے تو سواری کے کام بھی آتے ہیں، ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ سواری اور بوجھ اٹھانے کے ایسے ذرائع پیدا کردے گا کہ جن کا تمہیں اس وقت وہم و گمان بھی نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کا راستہ

وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَ مِنْهَا جَآئِرٌ ۚ وَ لَوْ شَآءَ

اور اوپر اللہ کے سیدھا راستہ اور سے ان ٹیڑھے ہیں اور اگر چاہتا

لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝۹

البتہ ہدایت دیتا تم سب کے سب کو (۹)

ع ۹

بامحاورہ ترجمہ: اور سیدھی راہ اللہ تک پہنچتی ہے اور بعض ٹیڑھے راستے بھی ہیں اور اگر وہ چاہے تو سب کو سیدھی راہ پر چلا دیتا۔ (۹)

تفسیر

اس آیت کے اندر انسان کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ سیدھی سمجھ والوں کے لیے ان نعمتوں سے اللہ تعالیٰ کی پہچان کے لئے سیدھا راستہ کھلا ہوا ہے، جو اس کو اختیار کرے گا، اور ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے وقت اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا، وہ سیدھا اللہ تعالیٰ تک پہنچ جائے گا، لیکن جو غلط لذتوں میں گم ہو کر اپنے رب سے غافل ہو گیا تو وہ غلط اور ٹیڑھے راستے پر چل پڑا۔

اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو سیدھے راستے پر چلا دیتا، لیکن یہ دنیا اسی طرح بنی ہے کہ اس میں سیدھے اور

ٹیڑھے دونوں راستے ہیں، دونوں کی علامتیں بتادی ہیں اور انسان سے کہہ دیا ہے کہ اپنی عقل سے ان علامتوں کو پہچان کر سیدھا راستہ اختیار کرے اور اس پر چلے۔

رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہے

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ

وہی ہے جس نے اُتارا سے آسمان پانی واسطے تمہارے سے اس پینا ہے اور سے اس

شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ۝۱۰ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّیْتُوْنَ

درخت ہے میں جس چراتے ہو تم (۱۰) اُگاتا ہے واسطے تمہارے سے اس کھیتی اور زیتون

وَ النَّخِیْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً

اور کھجوریں اور انگور اور سے ہر ایک پھل تحقیق میں اس البتہ نشانی ہے

لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۝۱۱

واسطے ان لوگوں کے جو سوچتے ہیں (۱۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی اتارا، اسی سے پیتے ہو اور اسی سے پیدا ہونے والے درختوں سے جانوروں کو چراتے ہو۔(۱۰) تمہارے واسطے اس سے کھیتی اور زیتون اور کھجوریں اور انگور اور ہر قسم کے میوے اُگاتا ہے یقیناً اس میں ان لوگوں کے لیے جو غور کرتے ہیں نشانی ہے۔(۱۱)

تفسیر

اس آیت میں فرمایا: کہ یہ اللہ ہی ہے جس تے آسمان سے بارش برسائی، جس کے ذریعہ زمین سر سبز ہوئی اور تمہیں پینے کا پانی میسر آیا، اس سے اُگنے والے گھاس اور چارے میں تم اپنے جانور چرنے کے لیے چھوڑتے ہو، اور غلوں، ترکاریوں، میووں اور پھلوں سے لذت اٹھاتے اور اپنا پیٹ بھرتے ہو، کبھی سوچا بھی ہے کہ یہ سارا

انتظام کس نے کر رکھا ہے؟ سوچنے والے اس کو دیکھ کر اللہ کو پہچان لیتے ہیں اور اس کا شکر ادا کرتے ہیں جس نے انسان کی خاطر یہ سب کچھ پیدا کیا اور ان سب چیزوں کو انسان کے کام میں لگا دیا۔

فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ اس پانی کے ذریعے تمہارے لیے کھیتی اُگاتا ہے، پہلے پانی کا ذکر بطور انسانی مشروب کے کیا گیا تھا اب اسے انسانی خوراک کا ذریعہ بھی بتلایا گیا ہے کہ پانی کے ذریعے ہی اللہ تعالیٰ کھیتی پیدا کرتے ہیں، اور زیتون بھی پانی ہی کے ذریعے پیدا ہوتا ہے، اس درخت کا پھل تو کارآمد ہے ہی، لیکن اس کا تیل تو بکثرت استعمال ہوتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی زیتون کے درخت کی تعریف فرمائی ہے کہ زیتون کو کھاؤ بھی اور اس کی مالش بھی کرو، انسانی بدن کی جلدی بیماریوں کے لیے زیتون کا تیل بہت فائدہ مند ہے، اس کے علاوہ یہ کھانا پکانے میں گھی کے طور پر بھی استعمال ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے بڑا بابرکت درخت بنایا ہے، جس کے لیے اللہ کے پیغمبروں نے برکت کی دعائیں کی ہیں۔

کھجور کا درخت بھی پانی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے، یہ درخت بڑی لمبی عمر پاتا ہے اور پھل بھی بہت زیادہ دیتا ہے، اس کا پھل جلدی خراب نہیں ہوتا؛ اس لیے اگلا پھل آنے تک سارا سال استعمال ہوتا رہتا ہے، پہاڑی اور ریگستانی علاقوں میں کھجور کا بہت بڑا فائدہ ہے وہاں یہ پھل خوراک کے طور پر بھی استعمال کیا جاتا ہے، کیونکہ اس میں غذائیت ہے اور بطور پھل تو یہ پھل بہر حال کھایا ہی جاتا ہے۔

اور انگور کا ذکر بھی فرمایا: یہ بھی بڑا ہی عمدہ پھل ہے، اس سے رس، مربّہ اور کئی قسم کی چیزیں بنتی ہیں، اور دیر تک محفوظ کر کے رکھی جاسکتی ہیں، الغرض! فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس پانی کے ذریعے ہر قسم کے پھل پیدا کیے، جن کو انسان کھاتے ہیں بلکہ بعض پھل تو انسان کی خوراک کے ہضم ہونے کا ذریعہ بھی بنتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ تمام چیزیں انسان کے لیے پیدا فرمائی ہیں اور ان سب کا دارومدار پانی پر ہے۔

فرمایا کہ: ان سب باتوں میں غور وفکر کرنے والے لوگوں کے لیے نشانی ہے، کہ ایک ہی پانی سے اللہ تعالیٰ بے شمار قسم کے پھل، اناج اور دوسری چیزیں پیدا کرتا ہے، اللہ کے سوا کوئی اور ہستی ان سب چیزوں کو

پیدا کرنے پر قادر نہیں۔

انسان کی خاطر

وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ ؕ وَ النُّجُوْمُ

اور کام میں لگایا واسطے تمہارے رات اور دن اور سورج اور چاند اور ستارے

مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۙ﴿۱۲﴾ وَ مَا

کام میں لگے ہوئے ساتھ حکم اس کے تحقیق میں اس البتہ نشانیاں ہیں واسطے قوم ایسی کے جو عقل رکھتے ہیں (۱۲) اور جو

ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

پیدا کیا واسطے تمہارے میں زمین الگ الگ ہیں رنگ اس کے تحقیق میں اس البتہ نشانی ہے

لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

واسطے قوم ایسی کے جو دھیان کرتے ہیں (۱۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور رات اور دن اور سورج اور چاند کو تمہارے کام میں لگا دیا، اور ستارے اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں اس میں ان لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں نشانیاں ہیں۔ (۱۲) اور جو رنگ برنگی چیزیں تمہارے واسطے دنیا میں پھیلائیں ہیں اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لیے جو سوچتے ہیں۔ (۱۳)

تفسیر

یہ دن رات، سورج و چاند اور ستاروں کا اپنے اپنے وقت پر باقاعدہ آنا اللہ تعالیٰ کی تدبیر اور اس کے حکم سے ہے، عقل والے تو ان چیزوں کو اور ان کے نظام کو دیکھ کر یہ نتیجہ نکالے بغیر نہیں رہ سکتے کہ قرآن مجید کا یہ دعویٰ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے ہیں، بالکل ٹھیک ہے، ان سب کے علاوہ دنیا میں اور بھی رنگ برنگ اور قسم قسم

کی چیزیں پیدا کیں کہ ان سب کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو پہچانو، جو سوچیں گے وہ اسے پہچان کر ہی رہیں گے۔

دن رات اور سورج و چاند یہ چار چیزیں ایسی ہیں جن سے ہر انسان کو ہر وقت واسطہ رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے رات کو انسانوں اور جانوروں کے آرام کا ذریعہ بنایا ہے جب کہ دن کے وقت لوگ کام کرتے ہیں اور روزی کماتے ہیں، جانور، پرندے اور چرندے بھی دن بھر اپنی روزی کے لیے کوشش کرتے ہیں اور رات کو آرام کرتے ہیں، پورے نظام شمسی کا مرکز سورج ہے، سورج تمام انسانوں کے لیے گرمی مہیا کرتا ہے جس سے فصلیں اور پھل پکتے ہیں، اسی طرح چاند کی دھیمی اور ہلکی روشنی رات کے اندھیروں میں بہت حد تک کام آتی ہے، یہی مدھم روشنی پھلوں میں رس پیدا کرنے کا سبب بنتی ہے اور اسی سے سمندروں میں اُتار چڑھاؤ یعنی جوار بھاٹا پیدا ہوتا ہے۔

فرمایا کہ: ستارے بھی اللہ تعالیٰ کے حکم سے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ستاروں اور سیاروں کا بہت بڑا نظام پیدا فرما کر سب کو اپنے اپنے کام پر لگا دیا ہے، اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ ستارے ایک خاص چال سے ایک خاص منزل کی طرف چلتے رہتے ہیں، پرانے زمانے میں لوگ بلکہ کچھ علاقوں میں آج کل بھی سمندری اور صحرائی سفر کے دوران انہی ستاروں سے منزل کی طرف رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

سمندری نعمتیں

وَ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا
اور وہی ہے جس نے کام میں لگایا سمندر کو تاکہ کھاؤ تم سے اس گوشت تازہ اور نکالو تم

مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ۚ وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا
سے اس زیور پہنتے ہو اس کو اور آپ دیکھتے ہیں کشتیاں پانی پھاڑتی ہوئی میں اس اور تاکہ تلاش کرو

مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑭
سے فضل اس کے اور تاکہ تم شکر کرو (۱۴)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور وہی ہے جس نے سمندر کو کام میں لگا دیا کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ، اور اس میں سے زیور جو پہنتے ہو نکالو، اور آپ کشتیوں کو دیکھتے ہیں کہ پانی پھاڑ کر اس میں چلتی ہیں اس واسطے کہ اس کا فضل تلاش کرو اور تاکہ تم احسان مانو۔(۱۴)

تفسیر

سمندروں اور دریاؤں میں انسان مچھلیاں پکڑتا ہے اور ان کا تازہ گوشت کھاتا ہے، دوسرے اس میں سے سیپ، موتی، مونگا وغیرہ ملتا ہے جو انسان کی زیب وزینت کے کام آتا ہے، ایک شکل سمندروں اور دریاؤں سے یہ پیدا ہوگئی کہ زمین کے خشکی کے حصے ایک دوسرے سے ان کی وجہ سے الگ ہوگئے، ایک جگہ کے رہنے والے دوسری جگہ کے رہنے والوں سے نہیں مل سکتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل دی کہ جہاز اور کشتیاں بنائے، تاکہ وہ پانی کو چیرتی اور پھاڑتی ہوئی ایک کنارے پر رہنے والے انسانوں کو دوسرے کنارے والوں تک باآسانی پہنچادیں، انسان کو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا شکرگذار ہونا چاہئے۔

دریاؤں اور سمندروں کے کنارے بعض علاقے کے لوگوں کی روزی مچھلی کا شکار ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کی خاطر پانی میں تازہ گوشت پیدا کردیا ہے جو انسانی خوراک کا ایک اہم حصہ ہے، اس طرح گویا اللہ تعالیٰ نے سمندروں کو بھی انسانوں کی خدمت پر لگا دیا ہے کہ وہ اس کی خوراک کے لیے مچھلی پیدا کریں، مچھلی کے گوشت کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے عجیب نعمت پیدا کی ہے، اس کا ذائقہ دوسرے گوشت سے مختلف ہے۔

احکام و مسائل

چونکہ مچھلی کا گوشت عام گوشت سے مختلف ہے؛ اس لیے اس سے متعلق مسائل میں بھی فقہائے کرام کا اختلاف رہا ہے، مثلاً: اگر کوئی شخص قسم اٹھاتا ہے کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا اور پھر وہ مچھلی کا گوشت کھالیتا ہے تو امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی قسم ٹوٹ جائے گی، کیونکہ مچھلی کا گوشت بھی گوشت ہی ہے، جسے

اللہ تعالیٰ نے "لَحْمًا طَرِيًّا" یعنی: تازہ گوشت فرمایا ہے۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: عرفِ عام میں مچھلی کا اطلاق گوشت پر نہیں ہوتا؛ اس لیے مچھلی کا گوشت کھانے سے اس شخص کی قسم نہیں ٹوٹے گی، مثال کے طور پر فرماتے ہیں کہ: اگر کوئی شخص اپنے خادم کو گوشت لانے کا حکم دے اور وہ مچھلی لے آئے تو وہ قابلِ قبول نہیں ہوگی، کیونکہ عرفِ عام میں گوشت کہنے سے مراد بھیڑ، بکری، یا اونٹ، گائے وغیرہ کا گوشت مراد ہوتا ہے، اور مچھلی کا گوشت مطلوب ہو تو اسے مچھلی کا لفظ بول کر کہا جاتا ہے۔

اس بات میں مزید یقین پیدا کرنے کے لیے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھیجا کہ وہ جا کر ان سے دریافت کرے کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھائے کہ میں "بساط" پر نماز نہیں پڑھوں گا اور پھر وہ زمین پر نماز ادا کرلے تو کیا اس کی قسم ٹوٹ جائے گی؟ انہوں نے جواب دیا کہ قسم نہیں ٹوٹے گی کیونکہ اس شخص نے "بساط" یعنی: دری، قالین یا چٹائی وغیرہ پر نماز نہ پڑھنے کی قسم اٹھائی ہے نہ کہ خالی زمین پر، اس پر امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ نے "سورہ نوح" میں زمین کو بھی "بساط" فرمایا ہے کہ اس نے تمہارے لیے زمین کو "بساط" بنایا ہے، اگر عرفِ عام میں "بساط" کو زمین پر قیاس نہیں کیا جاتا ہے تو مچھلی کو گوشت پر کیسے محمول کیا جائے گا؟

بہرحال اگرچہ مچھلی کا گوشت بھی گوشت ہی ہوتا ہے، تاہم اسے جانور کے گوشت پر محمول نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی ایک مثال اس طرح بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ میں فلاں شخص سے بات چیت نہیں کروں گا، اب اس شخص کے مرنے کے بعد اگر قسم اٹھانے والے نے اس کو مخاطب کرلیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ عرفِ عام میں اس کلام کو کلام ہی نہیں کہا جاتا جو کسی کے ساتھ اس کے مرنے کے بعد کیا جائے۔

اسی طرح ایک شخص دوسرے شخص سے کہتا ہے کہ مجھے بازار سے سری لادو، تو اگر وہ شخص مرغی یا چڑیا کی

سری لے آئے تو وہ قابل قبول نہ ہوگی، بلکہ عرفِ عام کے مطابق سری کو بھیڑ، بکری یا گائے، بھینس کی سری پر محمول کیا جاتا ہے۔

زمینی نعمتیں

وَ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا
اور ڈالے میں زمین بوجھل پہاڑ کہ جھک نہ پڑے تمہیں لے کر اور نہریں اور راستے

لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَ عَلٰمٰتٍ ؕ وَ بِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾
تاکہ تم راستہ پاؤ (۱۵) اور بنائی نشانیاں اور ستاروں ساتھ وہ راستہ پالیتے ہیں (۱۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور زمین پر پہاڑ رکھ دیئے کہ کبھی تم کو لے کر جھک نہ پڑے، اور ندیاں اور راستے بنائے تاکہ تم راہ پاؤ۔ (۱۵) اور علامتیں بنائیں اور لوگ ستاروں سے راستہ پاتے ہیں۔ (۱۶)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ جو زمین پر اُونچے اُونچے پہاڑ کھڑے دیکھتے ہو جانتے ہو یہ کس نے اور کیوں بنائے؟ سنو! اللہ تعالیٰ نے ان بوجھل اور وزنی پہاڑوں کو زمین کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ پانی اندر ہی اندر اپنا کام کرتا رہے اور زمین تمہیں لے کر کسی دن جھک پڑے، یعنی: ڈگمگانے لگے، پہاڑوں کے پتھریلے سخت اور وزنی اجزاء پانی میں نہیں گھلتے اور سمندر کی زبردست ٹکریں جھیلتے ہیں پھر انہی پہاڑوں میں درے اور راستے بھی بنادیے تاکہ یہ انسانوں کے آپس کے ملنے جلنے میں رکاوٹ نہ ڈالیں، یہ پہاڑ، چشمے درے وغیرہ متفرق چیزوں، مقاموں کی جگہیں مقرر کرنے کے لئے علامتوں کا کام بھی دیتے ہیں اسی طرح ستارے بھی رات کے وقت ٹھیک راستے اور سیدھا رخ معلوم کرنے کے بہت کام آتے ہیں۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں

کی مدد کے لئے بنائی ہیں۔

پہاڑوں کے اس بنیادی فائدے کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے ان میں اور بھی بہت سے فائدے رکھے ہیں، پہاڑوں میں موجود بے شمار قسم کی معدنیات نمک، لوہا، تانبہ، سونا، چاندی، تیل، چشمے، اونچے اونچے درخت اور لاتعداد جڑی بوٹیاں اور ایسی چیزیں جو انسان کی روزمرہ زندگی میں استعمال ہوتی ہیں، اگر یہ پہاڑ نہ ہوتے تو میدانی علاقوں کے بسنے والے ان چیزوں سے محروم رہتے اور خود انسانی زندگی پریشانی کا شکار ہو جاتی، تو اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کی خاطر ان پہاڑوں میں ہزاروں قسم کی چیزیں پیدا کر کے انسانی زندگی کو آسان کر دیا ہے۔

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک اور نعمت کا ذکر کیا ہے: اس نے تمہارے لئے دریا اور سمندر پیدا کئے، سمندروں اور ان کے فائدوں کا ذکر پیچھے بھی ہو چکا ہے۔

ستاروں کے ذریعے بھی لوگ رہنمائی حاصل کرتے ہیں، اندھیری راتوں میں جب ریگستان کا سفر ہو یا سمندر کا، تو پرانے زمانے میں لوگ ستاروں کی مدد سے ہی سمت معلوم کر کے چلتے تھے۔

ان گنت نعمتیں

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَ اِنْ تَعُدُّوْا

کیا پس جو پیدا کرے اس جیسا ہے جو کچھ نہ پیدا کرے کیا پس نہیں دھیان کرتے تم (۱۷) اور اگر شمار کرو تم

نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ

نعمت اللہ کی پوری گن نہ سکو گے اس کو تحقیق اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے (۱۸) اور اللہ جانتا ہے

مَا تُسِرُّوْنَ وَ مَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾

جو چھپاتے ہو تم اور جو ظاہر کرتے ہو تم (۱۹)

بامحاورہ ترجمہ: بھلا جو پیدا کرے وہ اس کے برابر ہے جو کچھ بھی نہ پیدا کرے کیا تم سوچتے نہیں۔ (۱۷)

اور اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گنو تو ان کو پورا نہ گن سکو گے، بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔(۱۸) اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو تم چھپاتے ہو اور جو ظاہر کرتے ہو۔(۱۹)

لفظی تحقیق: لَا تُحْصُوْا: حصی کے معنی چھوٹے چھوٹے کنکروں کے ہیں۔"احصاء" کا معنی ان کا گننا یا سمیٹنا ہے۔

تفسیر

پہلے ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان بنائے، زمین بنائی، بارش برسا کر زمین سے قسم قسم کے پھل اور میوے پیدا کیے، لیکن تعجب ہے کہ انسان، پتھر، درخت، سورج، چاند اور نہ جانے کس کس کی پوجا کرنے لگتا ہے اور ان کو اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہراتا ہے، کیا جہان کا پیدا کرنے والا اور اس کی تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا اس مخلوق کے برابر ٹھہرایا جا سکتا ہے جو ایک مکھی بنانے سے عاجز ہیں؟ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں انسان پر اتنی ہیں کہ وہ گننے بیٹھے تو ساری گن نہیں سکتا، پھر سب کا شکر کیسے ادا کرے گا؟ اللہ تعالیٰ اس کی کوتاہیوں اور خطاؤں کو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ لوگو یاد رکھو کہ! اللہ تعالیٰ سے تمہاری کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے، اس کی نافرمانی کر کے سزا سے نہیں بچ سکتے اور اس کو مان کر اچھے بدلے سے محروم نہیں رہ سکتے۔

اللہ تعالیٰ پیدا کرنے والے ہیں جس نے خود انسان کو نطفہ سے پیدا فرمایا ہے، اور پھر اس کے لئے تمام چیزیں پیدا کی ہیں اور دوسری طرف تم نے ایسی چیزوں کو معبود بنا رہے ہو جو پانی کا ایک قطرہ اور درخت کا ایک پتہ تک پیدا نہیں کر سکتی۔ تو کیا یہ چیزیں اللہ کے برابر ہو سکتی ہیں؟ اگر نہیں ہو سکتی اور یقیناً نہیں ہو سکتی، تو پھر تم خالق کو چھوڑ کر مخلوق کو کیسے معبود مانتے ہو؟ کتنے افسوس کی بات ہے! کیا تم ان تمام باتوں سے نصیحت حاصل نہیں کرتے، تم غور و فکر کر کے صحیح نتیجے تک نہیں پہنچتے کہ خالق اور مخلوق میں کتنا فرق ہے؟

اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نعمتوں کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ اگر تم انہیں شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کر سکتے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ دنیا ہی میں تمہاری پکڑ نہیں کرتا، کیونکہ بیشک اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشش کرنے والا اور بے حد

مہربان ہے، وہ اپنے ماننے والوں کے علاوہ نافرمانوں، سرکشوں، مشرکوں اور کافروں کو بھی روزی دے رہا ہے ،اس کی لاتعداد نعمتوں سے وہ بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں، وہ "غفور" بھی ہے اور "رحیم" بھی۔

غیر اللہ کی بے بسی

وَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّ هُمْ

اور جنہیں پکارتے ہیں وہ سے سوا اللہ کے نہیں پیدا کرتے کچھ اور وہ

يُخْلَقُوْنَ ﴿٢٠﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿٢١﴾ ع ۱۲ ۲ ۸

خود پیدا کیے ہوئے ہیں (۲۰) بے جان ہیں نہیں ہیں زندہ اور نہیں جانتے کب اٹھائے جائیں گے (۲۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور (کافر لوگ) جن کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ کچھ پیدا نہیں کرتے اور وہ خود پیدا کیے ہوئے ہیں۔ (۲۰) وہ تو مردے ہیں جن میں جان نہیں، اور وہ نہیں جانتے کہ لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔ (۲۱)

تفسیر

دنیا کی ساری نعمتیں کیا چھوٹی کیا بڑی اللہ تعالیٰ نے پیدا کیں اور انسان کے تابع کر دیں، ان کا جدا جدا حال بیان کرنا تو بڑی بات ہے انسان انہیں گننا بھی چاہے تو نہیں گن سکتا، اب تم ہی بتاؤ کہ پیدا کرنے والا اور پالنے والا جس کو کسی نے پیدا نہیں کیا وہ اچھا ہے یا وہ بے کار گھڑے ہوئے معبود اچھے ہیں جو ایک گھاس کا تنکا تک پیدا نہیں کر سکتے؟ بلکہ خود اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں، (یعنی: یہ بت جن پتھروں سے بنائے گئے وہ پتھر اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہی تو ہیں) ظاہر بات ہے کہ یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔

یہ تو اتنا بھی شعور نہیں رکھتے کہ قیامت کب آئے گی اور وہ اور ان کے پوجنے والے کب اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوں گے؟

مفسرین کرام نے" اموات" کا یہ مطلب بیان فرمایا ہے کہ مشرک لوگ اللہ کے سوا جن کی پوجا کرتے ہیں وہ تین لحاظ سے مردہ ہیں یا تو وہ ہمیشہ کیلئے مردہ ہیں جیسے لکڑی، پتھر یا مٹی کے بت ہوتے ہیں، ان میں زندگی کبھی بھی نہیں پائی گئی۔

یا وہ اس وقت" اموات" ہیں، یعنی: وہ انسان ہیں جو وفات پا چکے ہیں اور لوگ ان کی پوجا کر رہے ہیں، ان سے اپنی حاجتیں طلب کر رہے ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ہر چیز انجام کے لحاظ سے مردہ ہے کہ اسے بہر حال موت کا مزہ چکھنا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سوا تمام پیغمبر اس دنیا سے جا چکے ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنے وقت پر اس منزل سے گزرنا ہے تو فرمایا: کہ ایسی ہستیوں کو معبود بنانا اور ان سے حاجات مانگنا کتنی پستی کی بات ہے؟ انسان خود انسانوں کے آگے سر ٹیک رہا ہے، ایسی ہستیوں کو معبود بنانا کہاں کی عقل مندی ہے؟ جن کی یہ پوجا کر رہے ہیں ان کی حالت یہ ہے، انہیں تو یہ بھی علم نہیں کہ وہ دوبارہ کب اٹھائے جائیں گے؟ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے علم میں ہے" بعث بعد الموت" (مرنے کے بعد جی اٹھنا) کب ہوگا؟ ان میں سے بعض ایسی ہستیاں ہیں جنہیں دوبارہ جی اٹھنے کا بالکل تصور اور شعور ہی نہیں ہے، ان میں سے بعض تو پتھر اور مٹی کے بت ہیں جو نہ کبھی زندہ تھے اور نہ وہ دوبارہ زندہ ہوں گے، البتہ دنیا میں بعض انسان ایسے بھی گزرے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت سے بیگانہ رہے، ان کو دوبارہ زندگی کا کوئی خیال ہی نہیں تھا مگر لوگ ان کی بھی پوجا کرتے رہے، البتہ اللہ کے پیغمبر اور اس کے اطاعت گزار بندوں کو قیامت اور دوبارہ اٹھنے کا شعور رہے، فرشتوں کو بھی معلوم ہے مگر دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت کی کسی کو خبر نہیں ہے، یہ علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کہ کب قیامت قائم ہوگی اور وہ کب سب کو دوبارہ زندہ کرے گا؟ تو فرمایا: اللہ کے سوا ہر چیز" اموات" ہے جنہیں موت کے بعد اٹھائے جانے کا بھی شعور نہیں ہے۔

ایمان کیوں نہیں لاتے؟

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ
معبود تمہارا معبود ہے ایک پس جو لوگ نہیں ایمان لاتے ساتھ آخرت کے دل ان کے

مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا
انکار کرتے ہیں اور وہ تکبر کرنے والے ہیں (۲۲) یقینی بات ہے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ

يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾
چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں تحقیق وہ نہیں پسند کرتا تکبر کرنے والوں کو (۲۳)

بامحاورہ ترجمہ: ۔تمہارا معبود ایک ہے، سو! جن کو آخرت کا یقین نہیں ان کے دل نہیں مانتے اور وہ مغرور ہیں۔(۲۲) یقیناً جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ غرور والوں کو پسند نہیں کرتا۔(۲۳)

تفسیر

شروع سورت ہی سے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور احسانات کا ذکر چلا آرہا ہے جو ٹھنڈے دل سے غور کرے گا، وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ معبود ایک ہے کوئی اس کا شریک ہے نہ مقابل، لیکن جن کے دلوں میں دنیا اور اس کے عارضی ساز وسامان کی محبت بھری ہوئی ہے اور وہ مرنے کے بعد کی زندگی کو نہیں مانتے اور تکبر میں مبتلا ہیں، لیکن وہ جان لیں کہ یہ قطعی اور یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے سارے کاموں کی خبر ہے وہ ان کی ہر بات سے واقف ہے اور وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، یہ سمجھتے ہوں گے کہ ہم سچی باتوں کو جاہیں جتنا جھٹلائیں اور لوگوں کی چاہے جتنی حق ماری کریں، ہم سے کوئی اس کے متعلق پوچھنے والا نہیں، نہ دنیا میں اور نہ آخرت میں، ہم ہی سب سے بڑے طاقت ور ہیں لیکن یہ خیال غلط

ہے اور یہی ان کو ایمان لانے سے روک رہا ہے۔

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے: "ایک فکر آخرت کا انکار" اور "دوسری تکبر کی بیماری" فرمایا: جب اللہ کا پیغمبر یا اس کا ماننے والا اللہ تعالیٰ کے معبود ہونے کو بیان کرتا ہے تو یہ لوگ اللہ کے ایک ہونے کو تکبر اور خود پسندی کی وجہ سے تسلیم نہیں کرتے، اکثر لوگ تکبر ہی کی وجہ سے ہدایت سے محروم رہتے ہیں، کسی کو اس کی غربت کی وجہ سے یا اس کے خاندان کی وجہ سے یا جسمانی کمزوری کی بناء پر حقیر جاننا تکبر میں شامل ہے، کسی معمولی آدمی کی سچی بات کو ٹھکرا دینا بھی تکبر کی نشانی ہے، دنیا میں اکثر مشرکوں نے اللہ کے پیغمبروں کی دنیا کے اعتبار سے معمولی حیثیت کو دیکھتے ہی ان کا انکار کیا، کہتے تھے کہ تو تو ہمارے جیسا کھاتا پیتا اور چلتا پھرتا انسان ہے، تیرے پاس نوکر چاکر اور کوٹھی اور باغات نہیں ہیں تو ہمیں کیسے تبلیغ کرتا ہے؟ کوئی بڑا آدمی ہم سے بات کرتا تو ہم توجہ بھی دیتے، مگر تجھ جیسے معمولی حیثیت کے آدمی کی بات کو کیسے تسلیم کرلیں۔ وہ لوگ اسی تکبر کی بیماری میں مبتلا تھے، اور یہ بیماری اس زمانے میں بھی موجود ہے۔

بہکانے والا وبال

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾

اور جب کہا جائے ان سے کیا ہے یہ جو اُتارا رب تمہارے نے کہا انہوں نے کہانیاں ہیں اگلوں کی (۲۴)

لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَ مِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ

تاکہ اٹھائیں بوجھ اپنے پورے دن قیامت کے اور سے بوجھوں ان کے جنہیں

يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۳ ۹

گمراہ کرتے ہیں بے سمجھے بوجھے خبردار! برا ہے جو وہ اٹھائیں گے (۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب ان سے کہا جائے کہ تمہارے رب نے کیا اتارا ہے؟ تو کہتے ہیں یہ پہلوں

کی کہانیاں ہیں۔(۲۴) تاکہ وہ قیامت کے دن اپنے پورے بوجھ اٹھائیں اور کچھ ان کے بوجھ بھی اٹھائیں جنہیں وہ انجام سوچے بغیر بہکاتے ہیں، سن رکھو! برا بوجھ ہے وہ جو اٹھائیں گے۔(۲۵)

لفظی تحقیق: اَسَاطِیْرُ: "اسطورہ" کی جمع ہے، سطر کے معنی لکھنے کے ہیں، "اسطورہ" کا معنی ہے لکھے ہوئے قصے، کہانیاں۔

تفسیر

قرآن مجید اترنا شروع ہوا تو مکہ کے گھر گھر اس کا چرچہ ہوا، مکہ میں جو لوگ باہر سے آتے تو وہ قرآن مجید کا چرچا سن کر مکہ کے لوگوں سے پوچھتے کہ یہ کیا چیز ہے؟ ان سب کو مکہ کے بڑے لوگ یہ جواب دیتے کہ اس میں کچھ نہیں رکھا یونہی پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں جمع کر دی ہیں، اس طرح وہ دوسروں کو سیدھے راستے سے روکنے کا سبب بنتے ہیں، ان کی اپنی غلط کاریوں کا بوجھ تو ان کے سر پڑے گا ہی، دوسروں کے بہکانے کی وجہ سے ان کی غلط کاریوں کا کچھ بوجھ بھی قیامت کے دن ان کے سر پر لادا جائے گا۔

ان تکبر کرنے والوں کی ایک خصلت یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تمہارے پروردگار نے کیا چیز اُتاری ہے یعنی جب ان سے قرآن مجید کے متعلق پوچھا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں مشرک اور جاہل لوگ ہمیشہ یہی بات کرتے ہیں۔ آج کے بڑے بڑے تعلیم یافتہ غیر مسلم بھی قرآن مجید کی تعلیمات کے متعلق یہی کچھ کہتے ہیں، ان کی طبیعتوں میں تکبر بھرا ہوا ہے، وہ اسلام کو ایک بیکار مذہب خیال کرتے ہیں، اور قرآن اور آخری پیغمبر کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کا آخری پیغمبر ماننے کے لیے تیار نہیں، وہ بھی اللہ کے پاک کلام کو قصے کہانیاں سمجھتے ہیں، بعض مشرک کہتے تھے کہ "محمد" تمہیں عاد اور ثمود کی کہانیاں سناتے ہیں۔ آؤ! ہم تمہیں رستم اور اسفندیار کے کارنامے سناتے ہیں جو "محمد" کی کہانیوں سے بڑھ کر دلچسپ ہیں، بہر حال وہ لوگ قرآن مجید کا انکار کرتے تھے اور اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بیان فرمایا ہے۔

فرمایا: اس انکار کا نتیجہ یہ ہوگا "لِيَحْمِلُوٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ " تاکہ اٹھائیں یہ لوگ اپنا بوجھ پورا پورا قیامت کے دن جب حساب کا وقت آئے گا تو انکار کرنے والوں پر ان کے گناہوں کا پورا پورا بوجھ لادا جائے گا، وہ نہ صرف اپنی کارستانی کا بوجھ اٹھائیں گے بلکہ ان لوگوں کا بوجھ بھی اٹھائیں گے جن کو انہوں نے گمراہ کیا، اس طرح گویا ان پر دوہرا بوجھ، یعنی: عذاب ڈالا جائے گا، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو امام یا پیشوا برائی کا کوئی راستہ مقرر کرتا ہے اس کو اپنے گناہ کا بدلہ بھی ملے گا اور ان تمام لوگوں کے گناہ میں سے بھی حصہ ملے گا جو اس باطل راستے پر چل نکلے، ان لوگوں نے بلا سوچے سمجھے قرآن مجید کو قصے کہانیوں کی کتاب کہہ کر انکار کر دیا ہے۔

پچھلوں سے عبرت

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ

تحقیق داؤ کیا انہوں نے جو تھے سے پہلے ان پس آیا اللہ کا حکم پر گھر ان کے سے بنیادوں

فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰـهُمُ الْعَذَابُ مِنْ

پس گر پڑی پر ان کے چھت سے اوپر انکے اور آیا ان پر عذاب سے

حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

جہاں وہ نہیں جانتے تھے (۲۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ جو اِن مکہ والوں سے پہلے تھے وہ البتہ دغابازی کر چکے ہیں برباد کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان کی عمارتوں کو بنیادوں سے، پھر ان پر چھت اوپر سے گر پڑی اور ان پر عذاب آیا جہاں سے انہیں خبر بھی نہ تھی۔ (۲۶)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: یہ جو ہتھکنڈے کر رہے ہیں کوئی نئے نہیں ہیں، ان سے پہلی قوموں نے بھی انہی کی طرح

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور کتابوں کی ہنسی اڑائی، خود بھی ہدایت سے محروم رہے اور اپنا برا اثر ڈال کر دوسروں کو بھی اس سے محروم رکھا، اللہ تعالیٰ نے ان کی بنیادیں ہلادیں اور ان کی چھتیں ان کے سروں پر گر پڑیں، وہ لوگ بے خوف بیٹھے تھے کہ کوئی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ ہم نے اپنا سب انتظام کرلیا ہے ہم اپنے بچاؤ کے سامان کے ساتھ محفوظ ہیں اگر کوئی ہماری طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھے تو ہم اس کی آنکھیں نکال لیں، یہ خبر نہ تھی کہ اندر ہی اندر ان کی تباہی کے اسباب ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اکٹھے ہو رہے ہیں آخر ان پر اچانک عذاب آیا اور ایسی جگہ سے آیا کہ جس کا انہیں گمان بھی نہ تھا اور وہ پلک جھپکتے دنیا ہی میں تباہ ہو گئے۔

آخرت کا عذاب

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَ يَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ

پھر دن قیامت کے رسوا کرے گا ان کو اور کہے گا کہاں ہیں شریک میرے وہ کہ

كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ

تھے تم لڑتے جھگڑتے بابت جن کی کہیں گے وہ لوگ جو دیے گئے علم تحقیق رسوائی

الْيَوْمَ وَ السُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾

آج کے دن اور برائی پر کافروں کے (۲۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کو رسوا کریں گے اور کہیں گے کہ میرے وہ شریک کہاں ہیں جن کے بارے میں تم لڑنے کھڑے ہو جاتے تھے، وہ لوگ جن کو خبر دی گئی تھی کہیں گے بے شک آج کے دن رسوائی اور برائی کافروں پر ہے۔ (۲۷)

تفسیر

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا اور کہے گا کہ تمہارے جھوٹے معبود جنہیں تم میرا شریک

قرار دیتے تھے اور ان کی حمایت میں لڑنے جھگڑنے کھڑے ہو جاتے تھے، آج کہاں ہیں؟ اس کا جواب وہ کچھ نہ دے سکیں گے، آخر وہی لوگ جنہیں اللہ نے حقیقت سے آگاہ کر دیا تھا اور وہ دنیا میں ان شریروں کو شرک سے منع کرتے تھے بولیں گے کہ آج اللہ تعالیٰ کے انکار کرنے والوں کی برائی اور رسوائی کا دن ہے۔

کفر کا انجام

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۠ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ

وہ جو | جان قبض کرتے ہیں ان کی | فرشتے | ظلم کرتے ہوئے | جانوں اپنی پر | پس ڈالیں گے | صلح کا پیغام

مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ

نہ | تھے ہم | کرتے | سے | کچھ برائی | کیوں نہیں | تحقیق | اللہ | جاننے والا ہے | جو | تھے تم

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ

کرتے | (۲۸) | پس داخل ہو جاؤ | دروازوں میں | دوزخ کے | ہمیشہ رہنے والے | میں اس | پس البتہ برا ہے

مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

ٹھکانا | تکبر کرنے والوں کا | (۲۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جن کی جان فرشتے اس حال میں نکالتے ہیں کہ وہ اپنے حق میں برا کر رہے ہیں، تب وہ اطاعت ظاہر کریں گے کہ ہم تو کچھ برائی نہ کرتے تھے (ان کو کہا جائے گا) کیوں نہیں اللہ خوب جانتا ہے جو تم کرتے تھے۔ (۲۸) سو! داخل ہو جاؤ دوزخ کے دروازوں میں سدا اسی میں رہا کرو، سو! کیا برا ٹھکانا ہے تکبر کرنے والوں کا۔ (۲۹)

تفسیر

ارشاد ہے: کہ کافر لوگ عذاب دیکھ کر صاف مکر جائیں گے کہ ہم نے تو برے کام نہیں کیے یہ وہی داؤ ہوگا

جو مجرم دنیا کے حاکموں کے سامنے کرتے ہیں، یعنی جرم کا اقرار نہیں کرتے اور اگر کوئی گواہ نہ ہوں تو سزا سے بچ جاتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میں تمہاری بدکاریوں سے واقف ہوں، تم واقعی مجرم ہو، جاؤ دوزخ میں اور ہمیشہ وہیں رہو، مغرور لوگوں کا ٹھکانا یقیناً بہت برا ہے۔

نیک لوگ

وَ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ لِلَّذِيْنَ

اور کہا گیا سے ان لوگوں جو پرہیزگار ہوئے کیا اُتارا رب تمہارے نے بولے اچھی بات (اتاری ہے) لیے ان کے جنھوں نے

اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ وَ لَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ وَ

بھلائی کی میں اس دنیا کے بھلائی اور البتہ گھر آخرت کا بہتر ہے اور

لَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾

البتہ اچھا ہے گھر پرہیزگاروں کا (۳۰)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور پرہیزگاروں سے کہا گیا تمہارے رب نے کیا اُتارا بولے نیک بات (اتاری ہے) جنھوں نے اس دنیا میں بھلائی کی ان کے لیے بھلائی ہے اور آخرت کا گھر بہتر ہے اور کیا خوب گھر ہے پرہیزگاروں کا۔(۳۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب متقیوں سے جو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے ہیں پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب کی طرف سے کیا چیز اتری؟ تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہمارے رب نے ایسی کتاب اتاری ہے جس میں وہ ساری باتیں جن میں انسان کی بھلائی ہے درج ہیں، ان لوگوں نے ٹھیک جواب دیا ہے ان کو دنیا کی محبت نے اتنا اندھا نہیں کر دیا تھا کہ وہ سچ بات کو چھپا کر اپنی طرف سے غلط سلط باتیں پھیلائیں، یہ نیکوکار لوگ ہیں اور نیک کام

کرنے والے اس دنیا میں بھی بہت اچھی حالت میں رہیں گے اور آخرت میں تو ان کے لئے چین ہی چین ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ جو لوگ اللہ سے ڈر کر برے کاموں سے بچتے ہیں ان کو آخرت میں بہت اچھا گھر ملے گا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا کے عارضی فائدے حاصل کرنے کے لیے جھوٹ اور دغابازی میں نہیں پڑنا چاہئے اور اللہ سے ڈر کر ساری بری باتیں چھوڑ دینی چاہئیں۔ اس نیک کوشش کے لیے جو قربانی انہیں دینی پڑے گی اس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی قیمت ہے اور اس کا بڑا اجر ملے گا۔

اِتَّقٰى: کی تفسیر میں رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: انسان سب سے پہلے کفر، شرک اور نفاق سے بچے، پھر ہر باطل عقیدے سے پرہیز کرے، پھر کبائر سے اور پھر بتدریج صغائر سے بھی بچ جائے، پرہیزگاروں کی یہی نشانیاں ہیں گویا تقویٰ کی پہلی سیڑھی کفر و شرک سے پرہیز ہے جو شخص ان سے نہیں بچتا وہ پرہیزگار نہیں ہو سکتا۔

متقیوں کا گھر

جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا

باغات ہمیشہ رہنے کے داخل ہوں گے ان میں بہتی ہیں سے نیچے ان کے نہریں واسطے ان کے میں اس کے

مَا يَشَآءُوْنَ ؕ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾

جو وہ چاہیں گے ایسا ہی بدلہ دیتا ہے اللہ پرہیزگاروں کو (۳۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہمیشہ رہنے کے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں ان کے لئے اس میں وہی کچھ ہے جو وہ چاہیں گے، اللہ تعالیٰ ایسا ہی بدلہ دیتا ہے پرہیزگاروں کو۔ (۳۱)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: بڑے خوبصورت باغ ہوں گے جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور کوئی انہیں وہاں سے نکال نہ

سکے گا نہ وہ ان سے کبھی چھینے جائیں گے، انہیں وہاں اچھی سے اچھی چیز جس کی وہ خواہش کریں گے، ملے گی۔

اللہ تعالیٰ کے ہاں نیک لوگوں کے لیے ایسا ہی بدلہ تیار ہے جو اللہ سے ڈر کر ان کاموں سے بچتے ہیں جن سے اس نے روکا ہے اس آیت میں جنت کی دو خاص باتیں بیان کی گئی ہیں اول یہ کہ وہاں کا عیش و آرام کبھی ختم نہ ہوگا اور نہ اس سے دل اکتائے گا۔

اس دنیا میں کبھی انسان کے پاس روپیہ نہیں ہوتا جو وہ آرام کی چیزیں خریدے، بلکہ کبھی ضرورت کی چیزیں باوجود روپیہ کے بھی اسے نہیں ملتیں یا دوسرے لوگ چھین لیتے ہیں یا کوئی مصیبت مثلاً قحط وغیرہ پڑ جاتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جس چیز کو جی چاہے گا وہاں فوراً ہی مل جائے گی، دنیا میں یہ بات کسی کو بھی میسر نہیں، آدمی اکثر ترستا رہ جاتا ہے مگر وہاں جس چیز کو بھی دل چاہا وہ اسی وقت حاضر ہوگی ذرا بھی دیر نہ لگے گی۔

خوب سوچ لو!

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ

وہ جو | لے آتے ہیں ان کو | فرشتے (اس حال میں کہ) وہ پاک ہیں | کہتے ہیں فرشتے | سلام ہو | پر تم

ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٣٢﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ

داخل ہو تم | جنت میں بدلے اس کے جو تھے تم | کرتے | (۳۲) | کیا | انتظار کرتے ہیں وہ | مگر | یہ کہ

تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ

آئیں ان کے پاس | فرشتے | یا | آئے | حکم | رب آپ کے کا

بامحاورہ ترجمہ:۔ جن کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں اور وہ کفر و شرک سے پاک ہیں فرشتے کہتے ہیں سلامتی تم پر بہشت میں جاؤ، یہ اس کا بدلہ ہے جو تم کرتے تھے۔ (۳۲) کیا کافر اب اس کے منتظر ہیں کہ ان پر فرشتے آئیں یا آپ کے رب کا حکم پہنچے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: وہ پرہیزگار لوگ جو مرتے دم تک ایمان پر قائم رہے ہوں گے، جب فرشتے ان کی روح نکالنے آئیں گے تو اس وقت بھی ان کے دل کفر اور شرک سے پاک ہوں گے، فرشتے ان کی روح قبض کرتے وقت خوش خبری دیتے جائیں گے اور ان سے کہیں گے، تم پر سلام ہو، چلو اب جنت میں رہنے کے لیے چلو۔

سزا کا قانون

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰكِنْ

ایسا ہی کیا تھا ان لوگوں نے جو تھے سے پہلے ان اور نہیں ظلم کیا ان پر اللہ نے اور لیکن

كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَ حَاقَ

تھے وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے (۳۳) پس پہنچیں ان کو برائیاں اس کی جو کیا تھا انہوں نے اور گھیر لیا

بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع ۴ ۹ ۱۰

ان کو اس نے کہ تھے جس کے ساتھ وہ ہنسی کرتے (۳۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جو ان سے پہلے تھے انہوں نے اسی طرح کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا، لیکن انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ (۳۳) پھر ان پر ان کے برے عمل آ پڑے یعنی ان پر برے عمل کی سزا آ پڑی، اور اس چیز نے ان کو آ گھیرا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے، یعنی جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے اس عذاب نے ان کو چاروں طرف سے آ گھیر۔ (۳۴)

تفسیر

ان آیتوں میں مکہ والوں کو اور ان کے ذریعے دنیا بھر کے انسانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ پہلی قوموں نے

پیغمبروں کا کہنا نہ مان کر اپنا کام دنیا ہی میں بگاڑ لیا اور آخر ان کی ڈھٹائی اپنا رنگ لائی، ہمارے قانون نے اپنا کام کیا اور انہیں اپنے کرتوتوں کا نتیجہ بھگتنا پڑا۔ ہم نے انہیں پہلے ہی سمجھا دیا تھا کہ دیکھو برے کام کا نتیجہ برا ہے، لیکن انہوں نے کچھ نہ سنا، پیغمبروں کی نصیحت کی باتوں کی ہنسی اڑائی اور عذاب کو خالص دھمکی سمجھا اور اپنی طاقت پر مغرور ہو گئے اور کہا کہ کسی کی کیا مجال ہے جو ہمارا کچھ بگاڑ سکے اور ایمان والوں سے کہنے لگے، تمہاری قسمت ہی میں دنیا کا عیش و آرام نہیں لکھا، یہ دیکھو! کیسی کیسی نفیس چیزیں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں اور تم ان سے محروم ہو، افسوس! آخر کار ان کو اسی عذاب نے آگھیرا جس کی وہ ہنسی اڑاتے تھے۔

اس دنیا میں بھی عذاب میں گرفتار ہوئے اور آخرت کا عذاب بھی ان کے لئے تیار ہے، اللہ تعالیٰ نے پہلے لوگوں میں سے منکروں اور متقیوں کے حالات بیان کر کے ان کے انجام سے آگاہ کیا ہے اور مکہ کے مشرکوں اور بعد میں آنے والوں کو بات سمجھائی ہے کہ کہیں تم بھی منکرین کے نقش قدم نہ پر چل پڑنا ورنہ تمہارا بھی حشر وہی ہوگا جو ان کا ہوا۔

مشرکوں کی اُلٹی بات

وَ قَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ

اور کہا انہوں نے جو مشرک ہوئے اگر چاہتا اللہ نہ عبادت کرتے ہم سوا اس کے

مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَ لَآ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ

کسی چیز کی ہم اور نہ باپ ہمارے اور نہ حرام کرتے ہم بغیر اس کے کوئی چیز

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا

ایسا ہی کیا انہوں نے جو سے تھے پہلے ان پس نہیں پر پیغمبروں کے سوا

الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

پہنچا دینے کے صاف صاف (۳۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور شرک کرنے والے بولے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اس کے سوا ہم کسی چیز کو نہ پوجتے، نہ ہم اور نہ ہمارے باپ اور نہ بغیر اس کے حکم کے ہم کوئی چیز حرام ٹھہرا لیتے، ان سے پہلے لوگوں نے اسی طرح کیا، سو! پیغمبروں کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہی ہے۔ (۳۵)

تفسیر

جب اللہ کے پیغمبروں نے مشرکوں کو شرک سے منع کیا تو کہنے لگے: اگر اللہ چاہتا تو ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے اور نہ ہی ہمارے باپ دادا ایسا کام کرتے اور نہ ہی ہم اس کے حکم کے سوا کسی چیز کو حرام ٹھہراتے، یہ ہے وہ دلیل جو مشرک لوگ شرک کے حق میں پیش کرتے تھے گویا وہ اپنے شرک کو صحیح ثابت کر کے خود بری الذمہ ہو رہے ہیں، مطلب یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارے یہ شرکیہ کام پسند نہ ہوتے تو وہ ہمیں فوراً روک دیتا، ہماری زبانوں کو بند کر دیتا یا ہمارے ہاتھ پاؤں کی طاقت کو ہی چھین لیتا تا کہ ہم ایسا کام نہ کر سکتے اگر اس نے ہمیں ان کاموں سے جبراً نہیں روکا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کاموں پر راضی ہے، لہذا ہم انہیں انجام دینے میں حق پر ہیں۔

حلال و حرام کا مسئلہ بھی ایسا ہی ہے، مشرکوں نے بعض چیزوں کو خود ہی اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نہیں دیا، انہوں نے بعض جانوروں کو بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حامہ کا نام دے کر عام لوگوں کے لیے ان کا گوشت حرام قرار دے دیا تھا، چنانچہ جس مادہ کا دودھ بتوں کے نام کر دیتے اسے کوئی نہیں پی سکتا تھا اس کو وہ حرام سمجھتے تھے اسی طرح جس اونٹ کو بتوں کی نذر کر دیتے تھے، نہ اس پر سواری کرتے تھے اور نہ دوسرے کسی کام میں لاتے تھے، بلکہ وہ اس کا استعمال حرام سمجھتے تھے، نہ اس کا دودھ پیتے نہ گوشت کھاتے اور نہ سواری کے لیے استعمال کرتے، انہوں نے بعض چیزیں عورتوں پر اور بعض مردوں پر حرام کر رکھی تھیں، اسی طرح جو جانور مقررہ تعداد میں بچے دے دیتا اسے کھلا چھوڑ دیتے تھے، اس کی دلیل بھی وہ یہی پیش کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور نہ ہوتا تو ہم کوئی چیز حرام نہ کرتے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسا کرنے سے نہیں روکا اسی لیے یہ

سب کچھ اللہ کی مرضی سے ہے اور درست ہے۔

جہاں تک اللہ کے پیغمبروں کی ذمہ داری ہے، ان کا کام اللہ کے حکموں کو بیان کر دینا ہے، پیغمبروں کا کام کسی کو جبراً منوانا نہیں، اگر لوگ پیغمبر کی بات کو سمجھنے کی کوشش نہ کریں یا اس کی مخالفت پر اتر آئیں تو یہ ان کی ضد اور ہٹ دھرمی ہوگی اور مشرک اسی بیماری میں مبتلا رہے ہیں، اللہ نے ہمارے لئے اپنے پیغمبر بھیج کر اور کتابیں اتار کر برائی سے روکنے کا سامان کر دیا، اگر اب بھی کوئی کفر اور شرک سے باز نہیں آتا بلکہ اس بات کا انتظار کر رہا ہے کہ کوئی اس کا ہاتھ پکڑ کر روک دے تو یہ اس کا غلط خیال ہے اسے آخرت میں جزا و سزا کا سامنا کرنا ہوگا۔

پیغمبر کا کام

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا

اور البتہ تحقیق بھیجا ہم نے میں ہر امت پیغمبر کہ بندگی کرو اللہ کی اور بچتے رہو

الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ

سرکشی سے میں سے بعض ان وہ ہیں کہ ہدایت کی اللہ نے اور بعض وہ ہیں کہ ثابت ہوئی پر اس

الضَّلٰلَةُ ۭ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

گمراہی پس چلو پھرو میں زمین پھر دیکھو کیسا ہے انجام

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ

جھٹلانے والوں کا (۳۶) اگر آپ طمع کریں پر ہدایت ان کی پس تحقیق اللہ نہیں ہدایت کرتا ہے

مَنْ يُّضِلُّ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

جسے وہ گمراہ رکھے اور نہیں لئے ان کے سے مددگاروں (۳۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے ہر امت میں پیغمبر بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو اور بچو سرکشی سے، پھر اللہ نے

ان میں سے بعض کو ہدایت کی اور کسی پر گمراہی ثابت ہوئی، سو! ملکوں میں سفر کرو پھر دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا۔(۳۶) اگر آپ ان کو راہ پر لانے کی طمع کریں تو اللہ تعالیٰ اسے راہ نہیں دکھاتا جسے گمراہ رکھے اور کوئی ان کا مددگار نہیں۔(۳۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے ہر امت میں ایک پیغمبر بھیجا اس غرض سے کہ انہیں سمجھا دے کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت مت کرو خالص اسی کی عبادت کرو، اس کے سوا کسی کے آگے مت جھکو، شیطان کے بھکاوے میں مت آؤ اور ان سب سے بچو جو ان کے پھندے میں پھنس کر تنتے اور اکڑتے پھرتے ہیں، اپنا خراب اثر ڈال کر دوسروں کو سیدھی راہ سے بھٹکاتے ہیں اور ہنکارتے پھنکارتے پھرتے ہیں کہ ہم سب سے بڑے ہیں، سب سے طاقتور اور سب سے زیادہ ہوشیار ہیں ہم سے بڑھ کر کوئی نہیں، ہمارا کہنا مانو اور ہمارے راستہ پر چلو۔

پیغمبروں نے ان سب کے ہتھکنڈوں سے خبردار کیا اور کہا کہ یہ بڑے خطرناک لوگ ہیں ان کے سائے سے بھی بھاگو کبھی ان کے پاس نہ پھٹکو، لیکن ان کی باتوں کو تھوڑے ہی لوگوں نے سنا، بہت سوں نے ان کی بات سنی ان سنی کر دی، گمراہی نے اپنا اثر ان پر جما لیا اور وہ شیطان اور اس کے فریب کے پھندے میں پھنس گئے کیا تم بھی ان گمراہوں کی طرح ہونا چاہتے ہو جو پیغمبر کو اپنا رہنما نہیں مانتے اور اس کی باتوں پر کان بالکل نہیں دھرتے۔

انسان جب برا راستہ اختیار کر لیتا ہے تو اس کو برائی اچھی معلوم ہونے لگتی ہے شیطان پہلے اس کے جذبات کو اُبھارتا ہے ان دونوں میں کش مکش پیدا ہوتی ہے اگر عقل نے جذبات کو دبا لیا تو آدمی انسان بن جاتا ہے اور جذبات کا قابو چل گیا تو پھر آدمی درندہ بن جاتا ہے۔

اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ: عبادت صرف اللہ کی کرو اور طاغوت کی عبادت سے بچتے رہو، گویا اللہ تعالیٰ نے پیغمبروں کے ذریعے لوگوں کو شرک سے روک دیا، اس کے بعد لوگ دو گروہوں میں بٹ گئے بعض کو تو ہدایت نصیب ہوگئی، انہوں نے اللہ کے ایک ہونے کو مان لیا اور طاغوت کو پوجنے سے بچ گئے

،البتہ جس گروہ نے ہٹ دھرمی کا ثبوت دیا اور کفر و شرک پر اڑے رہے، ان پر گمراہی ثابت ہوگئی، پھر اللہ نے فرمایا: ذرا زمین میں چل پھر کر دیکھو، جگہ جگہ اجڑی بستیوں کے کھنڈرات بتائیں گے کہ جن لوگوں نے اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے کفر و شرک کو نہ چھوڑا، ان کا کیا حشر ہوا؟ ان لوگوں پر اللہ کا سخت عذاب آیا ان کی بستیاں تباہ و برباد ہوگئیں اور ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچا، وہ اس دنیا میں بھی ناکام ہوئے اور آخرت میں بھی وہ نامراد ہی رہیں گے۔

ارشاد ہوتا ہے: "اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ " اگر آپ بہت طمع کریں اس بات کی کہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں اللہ کے دین کو قبول کرلیں تو یاد رکھیں!" فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ " تو بے شک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا جس کو گمراہ کرتا ہے آپ کتنی بھی تمنا کریں کہ یہ لوگ ہدایت پا جائیں، مگر جنہیں اللہ نے ان کی ضد، عناد، اور ہٹ دھرمی کی بنا پر گمراہی میں رکھا ہے وہ سیدھے راستے پر نہیں آسکتے، لہٰذا آپ زیادہ فکر مند نہ ہوں، اللہ کے سارے پیغمبروں کا یہی حال رہا ہے اپنی قوم کو کفر اور شرک میں غرق دیکھ کر انہیں سخت تکلیف ہوتی تھی اور وہ ہر طریقے سے لوگوں کو کفر و شرک کی بیماری سے پاک رکھنے کی کوشش اور تمنا کرتے تھے۔

اللہ نے "سورۃ یوسف" میں فرمایا ہے:" وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ " آپ کتنی بھی خواہش کریں مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے، اور وہ ہدایت سے محروم ہی رہیں گے، آگے اللہ تعالیٰ نے اس محرومی کی وجہ بھی بیان فرمائی ہے:"فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ" بے شک اللہ تعالیٰ نہیں راہ دکھاتا ان کو جن کو وہ گمراہ رکھے، اور گمراہ بھی اسی کو کرتا ہے جو پیغمبر کے مقابلہ میں ضدی اور ہٹ دھرم ہوتا، البتہ جس کے دل میں ہدایت کی طلب پیدا ہوجائے، اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ضرور سیدھا راستہ کھول دیتا ہے۔

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ: پھر ان کا کوئی مددگار بھی نہیں ہوگا اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تسلی کا مضمون بھی ہے اللہ تعالیٰ نے یہ مضمون قرآن پاک میں مختلف جگہوں پر بیان فرمایا ہے جب بھی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم قوم کی طرف سے غمگین ہوتے تو اللہ تعالیٰ کا پیغام آجاتا ہے۔

غلط یقین

وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ ۙ لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ ؕ
اور قسم کھائی انہوں نے اللہ کی زوردار قسمیں اپنی نہ اٹھائے گا اللہ اس کو جو مرتا ہے

بَلٰى وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا وَّ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۟ۙ﴿۳۸﴾
کیوں نہیں وعدہ ہے پر اس پکا اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے (۳۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ کے نام کی زوردار قسمیں کھا کر کہتے ہیں، کہ جو مر گیا اللہ تعالیٰ اس کو زندہ نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں یہ اس کا تو پکا وعدہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ (۳۸)

تفسیر

وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب مر کر بدن گل سڑ جائے گا تو پھر دوبارہ زندگی کی کوئی صورت نہیں۔ اس آیت میں بتایا ہے کہ یہ لوگ علم نہیں رکھتے اللہ تعالیٰ نے پکا وعدہ کر لیا ہے، اس کا پورا کرنا اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ وہ ضرور بالضرور انسان کو اس کے مر جانے کے بعد دوبارہ زندہ کرے گا۔

كُنْ فَیَكُوْن

لِیُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِیْ یَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ وَ لِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا
تاکہ بیان کر دے واسطے ان کے کہ وہ اختلاف کرتے ہیں وہ میں اس اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جو کافر ہوئے

اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَاۤ اَرَدْنٰهُ اَنْ
کہ وہ تھے جھوٹے (۳۹) سوا اس کے نہیں کہ کہنا ہمارا واسطے کسی چیز جب ہم ارادہ کریں اس کا یہ ہے کہ

ع۵/۶

نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾

ہم کہتے ہیں اس کو ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے (۴۰)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو اٹھائے گا تا کہ ان پر وہ بات ظاہر کر دے جس میں جھگڑتے ہیں اور تا کہ کافر معلوم کر لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔ (۳۹) ہمارا کہنا کسی چیز کو جب ہم اس کو کرنا چاہیں یہ ہے کہ اس کو کہیں ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ (۴۰)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ دنیا کی زندگی ختم ہونے کے بعد انسان اس لئے دوبارہ اٹھایا جائے گا کہ اس کو اپنے کیے کا پھل ملے گا، دنیا میں ہر انسان کو آزادی دی گئی ہے جو جی چاہے کرے حساب کا دن آنے والا ہے، وہاں غلط عقیدے اور عمل والوں کو ان کی سزا بھگتنی پڑے گی، صحیح عقیدے والوں کو ان کے عقیدے اور عمل کا اچھا بدلہ ملے گا، جب مرنے کے بعد دوبارہ جینا اس غرض کے پورا کرنے کے لئے ضروری ہے تو اب سمجھ لو کہ! ہم اسے کر کے رہیں گے اور ہمارے لئے دوبارہ زندہ کرنا کچھ دشوار نہیں، ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز ہمارے ارادہ کے تابع ہے اس سے باہر نکل کر نہیں جا سکتی، جب ہم کسی چیز کے کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں پھر اس کے ہونے میں دیر نہیں لگتی بس ہم اس کو کہتے ہیں ہو جا وہ ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: قیامت کا آنا اور مرنے کے بعد جی اٹھنا اس لئے بھی ضروری ہے تا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے سامنے وہ بات ظاہر کر دے جس میں وہ اختلاف کرتے تھے وہ لوگ اسی بات میں اختلاف کرتے تھے اور زوردار قسمیں اٹھا کر کہتے تھے کہ کوئی قیامت نہیں آئے گی اللہ کا پیغمبر سچ نہیں کہتا، اور ہمارے معبود بالکل برحق ہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: اسی بات کا فیصلہ کرنے کے لئے قیامت قائم ہونا ضروری ہے، پھر فرمایا: قیامت کا آنا اس لئے بھی ضروری ہے تا کہ کافر جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔

ہجرت کا بدلہ

وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِى
اور وہ لوگ گھر چھوڑا انہوں نے واسطے اللہ کے سے بعد کہ ظلم کیا گیا ان پر البتہ ٹھکانہ دیں گے ہم ان کو میں
الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ لَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ وقف لازم
دنیا اچھا اور البتہ ثواب آخرت کا سب سے بڑا ہے اگر ہوتے وہ جانتے (۴۱)
الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾
وہ جنہوں نے صبر کیا اور پر رب اپنے بھروسہ کرتے ہیں (۴۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جنہوں نے اللہ کے واسطے گھر چھوڑا، اس کے بعد کہ ظلم اٹھایا البتہ ہم ان کو دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے، اور آخرت کا ثواب تو بہت بڑا ہے اگر وہ جانتے۔ (۴۱) جو ثابت قدم رہے اور اپنے رب پر بھروسہ کیا۔ (۴۲)

تفسیر

دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں، ایک وہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو مانا، اس پر ایمان لائے، دوسرے وہ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا انکار کر دیا اور اپنے ہی زور میں مست رہے، ایمان لانے والے ایمان کا مزہ پا کر چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی اس کی لذت چکھائیں، لیکن منکر لوگ دنیا ہی کے مزوں کو سب کچھ سمجھ کر ان کی مخالفت پر کمر باندھ لیتے ہیں اور ان کو ستانا شروع کر دیتے ہیں، اللہ کے ماننے والے ان کی تکلیفوں پر صبر کرتے ہیں، مصیبتیں برداشت کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ کے لیے اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ دیتے ہیں، ایسے لوگوں کو اللہ اور اس کے پیغمبر کی وفاداری کا بدلہ ملے گا دنیا میں ان کو پہلے سے بہتر گھر اور آرام نصیب ہوگا اس کے بعد آخرت میں ایسے ایسے انعام پائیں گے جن کے آگے یہ دنیا کے عارضی آرام کچھ بھی حقیقت نہیں رکھتے۔ یہ خوش قسمت لوگ وہ ہیں

جنہوں نے صبر کے ساتھ کفروں کی ساری مصیبتیں برداشت کیں اور اپنے رب پر بھروسہ کیا۔

جب مسلمان بے حد تکلیفیں سہنے کے بعد مدینہ طیبہ پہنچے، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں نہایت اچھا ٹھکانا عطا کیا اور تھوڑی سی مدت میں انہیں سہولت کی ہر چیز عطا فرمادی، حکومت بھی عطا کی، مال و دولت بھی عطا کیا، مکانات اور کاروبار عطا کیے، عزت بخشی، حتی کہ "مدینہ منورہ" اسلام اور مسلمانوں کا مرکز بن گیا، اور اس طرح ہجرت کرنے والوں کے نقصان اور ان کی جسمانی اور ذہنی تکلیفیں دور ہوگئی۔

فرمایا: یہ تو دنیا میں عطا کیا اور آخرت کا اجر و ثواب تو بہت ہی بڑا ہے جو آگے چل کر حاصل ہوگا اور جس کے مقابلے میں پوری دنیا کا ساز و سامان بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتا، بہرحال فرمایا: کہ ہجرت کی تکلیفیں برداشت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اچھا بدلہ عطا فرمائے گا، مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص کی تکلیفوں اور مصیبتوں کا ازالہ دنیا ہی میں دیا جائے، اس بات میں شک نہیں کہ ہجرت کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو مجموعی حیثیت سے بہت کچھ دیا مگر ایسے مسلمان بھی تھے، جو ہجرت کے بعد بے سروسامانی کی حالت میں ہی اس دنیا سے جلدی سے رخصت ہوگئے اور انہوں نے خوشحالی کا دور نہ دیکھا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ ہجرت کے بعد جو لوگ لمبی مدت تک زندہ رہے انہوں نے بڑے فائدے اٹھائے مگر بعض ایسے بھی تھے جو اسلام کے غلبے کا پورا پھل نہ کھا سکے اور جلدی ہی اللہ کو پیارے ہوگئے۔ بعض لوگ ایسے بھی تھے کہ جن کا پھل دنیا میں بھی پک چکا تھا اور انہوں نے اس سے خوب فائدہ اٹھایا؛ اسی لیے مہاجرین کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تھا کہ جب وہ مکہ مکرمہ آئیں تو وہاں تین دن سے زیادہ قیام نہ کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی موت کا وقت وہیں آجائے اور ان کی ہجرت ناقص ہوجائے، آپ اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ہجرت کے بعد کسی مہاجر کو موت مدینے کی بجائے مکہ میں آئے، فرمایا: آخرت کا اجر تو بہت زیادہ ہے۔

بہرحال مہاجرین نے کافروں کے ہاتھوں بڑے دکھ سہے، بعض کے بچے رکھ لیے گئے اور بعض کی بیویوں کو روک لیا گیا، مگر اسلام کے ان شیدائیوں نے ہر قسم کی مالی، جسمانی اور ذہنی تکلیفوں کو برداشت کیا اور اللہ

تعالیٰ کی رضا کی خاطر اور اس کے دین کی سربلندی کے لیے ہجرت کی، انہوں نے صبر کیا، اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کیا، اگر اللہ پر بھروسہ نہ ہوتا تو اتنی تکلیفوں کو کیسے برداشت کر سکتے؟ اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی قدر دانی کی اور انعامات سے نوازا۔

پیغمبروں اور کتابوں کا سلسلہ

وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْـَٔلُوْٓا
اور نہیں بھیجا ہم نے سے پہلے آپ مگر مردوں کو کہ وحی کی ہم نے طرف ان کی پس پوچھ لو

اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ بِالْبَيِّنٰتِ وَ الزُّبُرِ ؕ وَ
یاد رکھنے والوں سے اگر ہو تم نہ جانتے (۴۳) ساتھ نشانیوں کے اور کتابوں کے اور

اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ
اتارا ہم نے طرف آپ کی یہ ذکر تا کہ بیان کر دیں آپ واسطے لوگوں کے جو اتارا گیا طرف ان کی اور

لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾
تا کہ وہ غور کریں (۴۴)

النصف

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ سے پہلے بھی ہم نے مرد ہی بھیجے کہ ہم ان کی طرف حکم بھیجتے تھے، سو! یاد کرنے والوں سے پوچھو اگر تمہیں معلوم نہیں۔ (۴۳) بھیجا نشانیاں اور کتابیں دے کر، اور ہم نے آپ پر یہ ذکر (قرآن) اتارا، تا کہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کریں وہ چیز (قرآن مجید) جو ان کے واسطے اتارا گیا تا کہ وہ غور کریں۔ (۴۴)

تفسیر

اس سے پہلے ذکر تھا کہ دنیا کی بناوٹ میں یہ بات داخل ہے کہ یہاں ہر قسم کے لوگ رہیں ان سب کو سمجھ

اور عقل دے کر سیدھا راستہ پیغمبر اور کتابوں کے ذریعہ واضح کر دیا جائے، اس آیت میں اسی کا بیان ہے۔ فرماتے ہیں کہ: ہمارا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ لوگوں کے لئے مردوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے عورتوں اور فرشتوں کی نفی ہوگئی کہ ہم نے ہمیشہ پیغمبری کے لئے مرد ہی کا انتخاب کیا ہے نہ کسی عورت کا اور نہ کسی فرشتے اور نہ جن کا، اور ہم ان کی طرف وحی بھیجتے ہیں کہ ان کو فلاں باتوں کے کرنے کے لئے کہو اور فلاں باتوں سے رُکنے کی ہدایت کرو، ان پیغمبروں کو ایسی نشانیاں عطا کیں اور کتابیں بھی دیں جن سے ان کو پہچاننے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے، اگر تمہیں یہ بات معلوم نہیں تو جو دنیا میں اصل حالات جاننے والے اور سمجھنے والے موجود ہیں ان سے پوچھ کر اپنی تسلی کرلو کیونکہ نہ جاننے والوں کے لئے اس کے سوا اور کیا چارہ ہوسکتا ہے کہ وہ جاننے والوں سے پوچھیں اور ان کے کہنے کے مطابق چلیں، اور "وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ... الخ" اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اسی سلسلہ کی آخری کڑی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہیں آخری کتاب، یعنی: قرآن مجید دے کر ہم نے دنیا میں بھیجا تا کہ پیغمبروں کے ذریعے انسان کو ہدایت کرنے کا جو کام شروع ہوا تھا وہ مکمل ہو جائے اب اے پیغمبر! آپ کا کام یہ ہے کہ اس آخری کتاب کو جو قیامت تک تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجی گئی ہے اور جس میں پہلی تمام شریعتوں کا خلاصہ اور نچوڑ موجود ہے، لوگوں کو اچھی طرح کھول کھول کر سمجھا دیں تا کہ وہ اپنے تمام مشکل مسئلے اس کے ذریعے حل کرنے کے قابل ہو جائیں۔

اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ قرآن مجید میں وہ تمام اچھی باتیں جو پہلے پیغمبروں کی کتابوں میں موجود تھیں ایک جگہ جمع کر دی گئی ہیں عقل مند لوگ غور کر کے اس کتاب میں سے ہر جگہ اور ہر زمانے میں نصیحت اور عبرت حاصل کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبانی اور عملی ہدایتوں اور اپنی تعلیمات سے وہ باتیں واضح کر دیں جس سے ہمیں نصیحت اور عبرت لینے میں آسانی ہو۔

آخری پیغمبر کی اس امت کے لئے قرآن کریم کو بنیادی حیثیت حاصل ہے جب کہ سنت اس کی تشریح ہے اللہ نے اپنے پیغمبر کی زبان اور اس کے عمل سے جس چیز کو ظاہر کیا ہے وہ سنت ہے، بعض گمراہ فرقے پیغمبر کو محض

ڈاکئے سے زیادہ حیثیت نہیں دیتے کہ پیغمبر اللہ کا پیغام پہنچا کر پھر لاتعلق ہو جاتا ہے، نہیں بلکہ قرآن کی تشریح کرنا بھی پیغمبر کا کام ہے۔

ایک اہم مضمون

امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میرا مسلک یہ ہے کہ قرآن پاک کی تشریح کے لئے میں سب سے پہلے قرآن دیکھتا ہوں، کیونکہ بعض چیزوں کی تشریح خود قرآن پاک کرتا ہے، اگر ایک مقام پر کسی بات میں اجمال ہے تو دوسرے مقام پر تفصیل مل جاتی ہے، اگر کوئی چیز قرآن پاک سے نہ ملے تو پھر میں پیغمبر کی سنت کی طرف رجوع کرتا ہوں وہاں سے مسئلہ حل ہو جاتا ہے، اور اگر وہاں بھی کوئی چیز معلوم نہ ہو تو پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عمل کو دیکھتا ہوں کیونکہ قرآن کے پہلے حاصل کرنے والے اور پہنچانے والے یہی لوگ ہیں، امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر کسی معاملہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتفاق ہو تو میں اس کو اختیار کر لیتا ہوں اور اگر ان میں اختلاف ہو تو پھر میں جن کی دلیلیں مضبوط ہوں ان کو لے لیتا ہوں۔

عذاب کی صورتیں

اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ
کیا پس نڈر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے داؤ کیے برے کہ دھنسا دے اللہ ان کو زمین میں

اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۴۵﴾ اَوْ یَاْخُذَهُمْ
یا آجائے ان پر عذاب سے اس جگہ کہ نہ خبر رکھتے ہوں وہ (۴۵) یا پکڑے ان کو

فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۴۶﴾ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ
میں ان کے چلنے پھرنے پس نہیں وہ عاجز کرنے والے (۴۶) یا پکڑے ان کو پر کم کرنے کے

فَاِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۷﴾
پس تحقیق رب تمہارا البتہ نرم ہے مہربان ہے (۴۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔سو! کیا وہ لوگ جو برے داؤ کرتے ہیں بے خوف ہوگئے اس بات سے کہ اللہ ان کو زمین میں دھنسا دے یا ان پر عذاب اس جگہ سے آپہنچے جہاں کی وہ خبر بھی نہ رکھتے ہوں۔(۴۵) یا ان کو چلتے پھرتے پکڑ لے،سو! وہ عاجز کرنے والے نہیں۔(۴۶) یا ان کو ڈرا کر پکڑ لے،سو! تمہارا رب نرمی کرنے والا مہربان ہے۔(۴۷)

تفسیر

اس آیت میں کافروں اور مشرکوں سے کہا گیا ہے کہ تم بے فکری سے دنیا میں لگے ہوئے ہو،ایسی حالت میں ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں زمین میں دھنسا دے یا وہ ایسا کرے کہ سسکا سسکا کر اور سہا سہا کر رفتہ رفتہ تمہیں ختم کردے۔یاد رکھو! اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ کرسکتا ہے اور تمہارے عمل ہیں بھی ایسے ہی کہ تم کو اچانک یا سہا سہا کرتباہ کردیا جائے مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا شفیق اور مہربان ہے اس کی نرمی اور مہربانی عذاب کے آڑے آجاتی ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں: کہ"تَخَوُّف" کا مطلب یہ ہے کہ ان کی پکڑ کرے،گھٹا گھٹا کر۔

"تَخَوُّف" کے معنٰی کے بارے میں ایک حکایت

اکثر مفسرین"تَخَوُّف" کا معنٰی"خوف دلانا" ہی کرتے ہیں مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس لفظ کے صحیح معانی میں کچھ شبہ تھا،"صاحبِ روح المعانی" لکھتے ہیں کہ: آپ نے منبر پر کھڑے ہوکر فرمایا: لوگو! مجھے بتلاؤ کہ "تَخَوُّف" کا کیا معنٰی ہے؟ بعض نے جن میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ شامل ہیں فرمایا کہ: اس کا معنٰی"تنقص" یعنی: کسی چیز کو کم کردینا یا گھٹا دینا ہے۔

کائنات کا مطالعہ

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ

کیا نہیں دیکھا انہوں نے طرف اس کے جو پیدا کی اللہ نے کوئی چیز ڈھلتے ہیں سائے اس کے سے

الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَ هُمْ دٰخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

دائیں　اور　بائیں　سجدہ کرتے ہوئے　اللہ کو　اور　وہ　عاجزی کرنے والے ہیں(۴۸)

بامحاورہ ترجمہ: کیا وہ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کوئی چیز بھی پیدا کی ہے اس کے سائے دائیں اور بائیں طرف سے ڈھلتے ہیں اللہ کو سجدے کرتے ہوئے اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں۔(۴۸)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: اے غافلو! سایہ دار چیز کو کبھی دیکھا ہے، صبح کو ہر چیز کا سایہ پیدا ہوتا ہے، پھر گھٹنا شروع ہوتا ہے دوپہر کو ٹھہر جاتا ہے، زوال کے بعد ڈھلنا شروع ہو جاتا ہے، ان سب حالتوں میں زمین پر پڑا رہتا ہے گویا کے سائیوں کی پیشانی ہر وقت اللہ کے سامنے سجدے میں ٹکی رہتی ہے لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی چیزوں کے سائے دائیں اور بائیں ڈھلتے رہتے ہیں۔

"یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ" کا مطلب: دوپہر کے وقت جب سورج سر پر آتا ہے تو ہر چیز کا سایہ ٹھہر جاتا ہے اور جب دن ڈھلتا ہے تو سایہ جھکتے جھکتے شام تک زمین پر پڑ جاتا ہے، ان سایوں کا سجدہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح کوئی آدمی پہلے قیام کرتا ہے، پھر رکوع میں جاتا ہے اور پھر سجدہ میں گر پڑتا ہے، اسی طرح ہر موجود چیز پہاڑ، درخت، عمارات وغیرہ اپنے سایوں کے ذریعہ سجدہ کرتے ہیں اور پھر یہ ہے کہ جغرافیائی لحاظ سے یہ سایہ کسی ملک میں کسی موسم میں دائیں طرف جھکتا ہے اور کہیں بائیں طرف۔

اللہ تعالیٰ کی بادشاہت

وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّ

اور　اللہ ہی کو　سجدہ کرتا ہے　جو　میں　آسمانوں　اور　جو　میں　زمین　سے　جانداروں　اور

اَلْمَلٰٓئِكَةُ وَ هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ

فرشتے اور وہ نہیں بڑے بنتے (۴۹) ڈرتے ہیں رب اپنے سے اوپر اپنے

وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

اور کرتے ہیں جو حکم دیے جاتے ہیں (۵۰)

ع ۶ النحل ۱۲

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ ہی کو سجدہ کرتا ہے جو آسمان میں ہے اور جو زمین میں ہے جانداروں میں سے ہو یا فرشتوں میں سے اور وہ تکبر نہیں کرتے۔(۴۹) اپنے اوپر سے اپنے رب کا ڈر رکھتے ہیں اور جو حکم پاتے ہیں کرتے ہیں۔(۵۰)

تفسیر

اس آیت میں اختیاری اور غیر اختیاری دونوں سجدوں کا ذکر ہے، زمین کی ہر جاندار چیز اللہ کے آگے سر سجدہ میں رکھے ہوئے ہوتی ہے اور جب جاندار ہی جھک گئے تو بے جان کا کہنا ہی کیا ہے، کسی کی مجال نہیں کہ اس کے حکم سے سر پھیر سکے۔ نیز: وہ شاندار مخلوق جنہیں فرشتے کہتے ہیں، باوجود طاقت اور مرتبہ والے ہونے کے اللہ کے آگے عاجزی کے ساتھ سر سجدہ میں رکھے ہوئے ہیں۔

وہ جانتے ہیں کہ ہماری ساری قوت اور عزت اللہ کی عطا کی ہوئی ہے ہم اس کے سامنے بالکل عاجز ہیں اور بغیر اس کے حکم اور اس کی اجازت کے کچھ نہیں کر سکتے، ان کے دل میں اپنی بڑائی کا خیال تک نہیں آتا، وہ خوب جانتے ہیں کہ ہم سب سے اوپر ہمارا رب ہے اور ہم سب نیچے اس کے حکم کے مطابق اپنے اپنے مقررہ کام انجام دیتے ہیں؛ اس لئے ہمارا کام سوا اس کے کچھ نہیں کہ اس کی بندگی کریں اور جو وہ حکم دے اس کو اپنے سر آنکھوں پر رکھیں، چنانچہ وہ وہی کرتے ہیں جو حکم ہوتا ہے، یہ سجدہ کی آیتیں ہیں، یعنی: ان دو آیتوں کے پڑھنے اور سننے والے پر سجدہ تلاوت کرنا واجب ہے۔

زمین میں چلنے پھرنے والوں سے مراد جاندار ہیں، اور آسمان پر فرشتے ہیں، البتہ انسانوں کے متعلق

دوسری جگہ پر فرمایا ہے: کہ ان کے دو گروہ ہیں، ایک گروہ اپنے اختیار اور رضا ورغبت سے اللہ کے سامنے سجدہ کرتا ہے، مراد اس سے فرشتے اور مومنین ہیں جب کہ دوسرا نافرمانوں اور کافروں کا گروہ ہے جو تکبر کرتا ہے اور سجدہ نہیں کرتا۔

شرک غلط ہے

وَ قَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْۤا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ

اور کہا اللہ نے مت اختیار کرو معبود دو بات یہی ہے کہ وہ معبود ایک ہی ہے

فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾ وَ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَهُ

پس مجھ ہی سے ڈرو (۵۱) اور اسی کا ہے جو کچھ میں ہے آسمانوں اور زمین اور لئے اسی کے

الدِّیْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَیْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿۵۲﴾

عبادت ہے ہمیشہ کیا پس غیر اللہ سے ڈرتے ہو (۵۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کہ دو معبود مت بناؤ، معبود ایک ہی ہے سو! مجھ ہی سے ڈرو۔ (۵۲) اور جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اسی کا ہے اور عبادت ہمیشہ اسی کے لئے ہے، سو! کیا اللہ کے سوا کسی اور سے ڈرتے ہو۔ (۵۲)

تفسیر

انسان کی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ بہکانے سے بہک جاتا ہے، اس لئے اس کو سیدھا راستہ بتانے کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ نے اس کی فطرت کا خیال کر کے اپنا پیغمبر اور اپنی کتاب دونوں انسانوں کے پاس بھیجے، اور فرمایا: دیکھو! دو (۲) معبود کبھی مت بنانا۔ حقیقت یہی ہے کہ معبود ایک ہی ہے اور ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ میں ہوں، سو! مجھ ہی سے ڈرو۔ سنو! جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ اللہ کا ہے، سیدھی بات یہ ہے کہ

تابعداری ہمیشہ اسی کی لازم ہے جب سارے کے سارے اس کے آگے بے بس ہیں تو کسی کی کیا مجال کہ بغیر اس کے حکم کے کسی کو نفع یا نقصان پہنچا سکے، پھر کسی اور سے ڈرنے کے کیا معنیٰ؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: دو(۲) معبود مت بناؤ، یہ اس لئے فرمایا کہ: مجوسی دو خداؤں کو مانتے تھے، ایک "یزداں" اور دوسرا "اہرمن"۔ "یزداں" اچھائی کا خدا اور "اہرمن" برائی کا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں پر اس باطل عقیدے کو غلط قرار دیا اور فرمایا کہ: خدا تو ایک ہی ہے۔

حقیقی انعام دینے والا

وَ مَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ

اور جو تمہارے پاس کوئی بھی نعمت پس طرف سے اللہ کے پھر جب پہنچتی ہے تمہیں سختی

فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ

تو آگے اسی کے چیختے ہو (۵۳) پھر جب کھول دے سختی سے تم اچانک ایک گروہ

مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ فَتَمَتَّعُوْا ۫

سے تمہارے ساتھ رب اپنے کے شریک کرتا ہے (۵۴) تاکہ انکار کریں اس کا جو دیا ہم نے ان کو سو! مزے اڑا لو

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾

پس عنقریب جان لو گے (۵۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تمہارے پاس جو کچھ نعمت ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں سختی پہنچتی ہے تو اسی سے فریاد کرتے ہو۔ (۵۳) پھر جب تم سے سختی ہٹا دیتا ہے تو اسی وقت تم میں سے ایک گروہ اپنے رب کے ساتھ شریک ٹھہرانے لگتا ہے۔ (۵۴) تاکہ اس چیز کی جو ہم نے ان کو دی ناشکری کریں، سو! مزے اڑا لو آخر جان لو گے۔ (۵۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہر نعمت جو تمہیں ملی ہے خواہ وہ حسی ہو یا معنوی، مادی ہو یا روحانی، ظاہری ہو یا باطنی وہ اللہ کی طرف سے ہے، اسی طرح بیرونی انعامات کا بھی کوئی شمار نہیں اللہ تعالیٰ نے انسان کو وجود دیا صحت، تندرستی اور عمر دی، اولاد، زمین ومکانات، تجارت، سرمایہ، عزت، اقتدار اور معاشرہ میں اعلیٰ مقام عطا کیا، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اور اس میں کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہیں، اسی لئے فرمایا: کہ تمہارے پاس موجود ہر نعمت اللہ ہی کی عطا کی ہوئی ہے۔

بعض دفعہ کسی چیز سے سخت تکلیف پہنچتی ہے اور اس حالت میں لوگ سب کچھ بھول کر اللہ ہی کو پکارتے ہیں، آخرکار وہی اس تکلیف کو دور کرتا ہے، تھوڑی دیر میں لوگ اللہ کو بھول بھال جاتے ہیں اور دوسروں کو اپنا حاجت روا سمجھنے لگتے ہیں، اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ وہ اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتے ہیں اور جو چیزیں سامنے دکھائی دیتی ہیں انہیں اپنا مددگار سمجھتے ہیں، حالانکہ وہ خود اپنی بےبسی اور اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کی گواہی دے رہے ہیں، ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ اس ناشکری کا بدلہ دے سکتا تھا، لیکن وہ حوصلہ والا ہے جلدی نہیں پکڑتا؛ اس لئے تمہیں برابر موقع دیے جاتا ہے کہ اس کی نعمتوں سے فائدہ اٹھائے جاؤ، آخر ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ مہلت ختم ہوجائے گی اس وقت وہ لوگ جانیں گے کہ وہ کس قدر غفلت میں تھے۔

فرمایا: پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو تم اسی کے سامنے چلاّتے ہو، اور روکر دعائیں کرتے ہو، جب مریض کے سرہانے کھڑے سارے ڈاکٹر عاجز آجاتے ہیں کسی کی کوئی تدبیر کامیاب نہیں ہوتی تو پھر آخرکار انسان اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرتا ہے کہ اے اللہ! ظاہری اسباب تو ختم ہوچکے ہیں اب تو ہی شفا دے سکتا ہے، مگر دیکھو! جس وقت اللہ تعالیٰ تم سے وہ تکلیف دور کردیتا ہے تو اچانک تم میں سے ایک گروہ اپنے پروردگار کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے، جب تکلیف دور ہوجاتی ہے تو پھر وہی غیر اللہ کی نذر ونیاز شروع ہوجاتی

ہے اور انسان انہی خیالات میں گم ہو جاتا ہے جن میں تکلیف آنے سے پہلے ڈوبا ہوا تھا، ایسا لگتا ہے کہ اسے کوئی تکلیف آئی ہی نہیں، اس نے اللہ تعالیٰ کو پکارا ہی نہیں اور نہ اسے اللہ نے کسی مصیبت سے رہائی دی ہے۔ حاصل یہ کہ مطلب نکل جانے کے بعد لوگ پھر وہی شرکیہ رسمیں کرنے لگتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احسانات کو بھول جاتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس کی ناقدری ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے عقل، صحت، علم، مال و دولت سب کچھ دیا مگر اس کا نتیجہ ناقدری کی صورت میں تو نہیں نکلنا چاہئے تھا، انسان کو شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ نے تمام نعمتیں عطا کیں، پھر تکلیف کو دور کیا مگر انسان نے پھر اسی کے ساتھ شریک ٹھہرا کر اس کی نعمتوں کی ناشکری کی، فرمایا: ان نعمتوں سے فائدہ اٹھالو، مگر کب تک؟ تمہیں بہت جلد پتہ چل جائے گا کہ تم کیا کیا کرتے تھے۔

بے انصافی

وَ يَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ تَاللّٰهِ

اور مقرر کرتے ہیں واسطے اس کے نہیں جسے جانتے حصہ سے اس جو دیا ہم نے انہیں قسم اللہ کی!

لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ

البتہ ضرور پوچھے جاؤ گے بارے میں اسکے جو تھے تم جھوٹ گھڑتے (۵۶) اور ٹھہراتے ہیں واسطے اللہ کے بیٹیاں

سُبْحٰنَهٗ ۙ وَ لَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾

پاک ہے وہ اس سے اور اپنے لئے جو وہ چاہیں (۵۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ایک حصہ ہماری دی ہوئی روزی میں سے ان کے لئے ٹھہراتے ہیں جن کی وہ حقیقت نہیں جانتے اللہ کی قسم! تم سے ضرور بالضرور اس بہتان کے بابت پوچھا جائے گا جو تم گھڑتے ہو۔ (۵۶) اور ٹھہراتے ہیں اللہ کے لئے بیٹیاں وہ اس سے پاک ہے اور اپنے لئے وہ جو ان کا دل چاہتا ہے۔ (۵۷)

تفسیر

قرآن مجید سکھاتا ہے کہ بتوں کے لئے نذر نیازی چڑھانی چھوڑو، تمہیں جو کچھ ملتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے، کھیتی باڑی اور چوپائے، تجارت سب اسی کی طرف سے ہے۔ پھر اس کی پیداوار میں سے بتوں کا حصہ کیوں نکالتے ہو؟ اس آیت میں یہی بیان ہے فرماتے ہیں کہ: یہ کافر لوگ اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے بتوں کا حصہ مقرر کرتے ہیں یہ سخت بے انصافی ہے، یہ جھوٹ موٹ کے معبود جو تم نے بنا رکھے ہیں اس کے متعلق تم سے ایک وقت آنے والا ہے جس میں تم سے اس کے بارے میں پوچھ گوچھ ہوگی، سنو! وہ اولاد سے پاک ہے تم اس کے لئے اولاد مقرر کرتے ہو اور وہ بھی بیٹیاں توبہ کرو، اللہ کو اس کی حاجت نہیں، وہ محتاجی سے بالاتر ہے اور پھر ستم یہ کہ اپنے لئے اچھی سے اچھی چیز پسند کرتے ہو اور ہمیشہ بیٹا مانگتے ہو اور جسے تم اپنے خیال کے مطابق گری پڑی نکمی چیز سمجھتے ہو ان کو اللہ کے لئے بناتے ہو۔

بچیوں سے نفرت

وَ اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّ هُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾

اور جب خبر دی جائے کسی کو ان میں سے لڑکی کی دن بھر رہے چہرا اس کا سیاہ اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا ہے (۵۸)

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى

چھپتا پھرے سے لوگوں سے برائی اسکی کہ خبر دیا گیا وہ جسکی کہ کیا روک رکھے اس کو ساتھ

هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾

رسوائی کے یا دبادے اس کو میں مٹی خبردار! برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں (۵۹)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کی خبر ملے تو سارا دن اس کا چہرا سیاہ رہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا رہے۔ (۵۸) اور اس خبر کی برائی کے بارے میں جو اس نے لوگوں سے سنی چھپتا پھرے (اور دل

میں کہتا پھرے کہ) کیا اس کو ذلت قبول کر کے زندہ رہنے دے یا اس کو مٹی میں دبا دے، خبردار! برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔ (۵۹)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب کسی مشرک کو کوئی آ کر یہ خبر سناتا ہے کہ تیرے گھر لڑکی پیدا ہوئی ہے تو اس پر غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑتا ہے، چہرہ غم کی وجہ سے کالا سیاہ ہو جاتا ہے وہ اس سوچ میں پڑ جاتا ہے کہ اسے زندہ رہنے دوں اور عمر بھر کی ذلت ورسوائی اور طعنے برداشت کروں یا اس کو زمین میں گاڑ دوں تاکہ زندگی میں رسوائی کا منہ نہ دیکھنا پڑے، اپنی تو بیٹی کے معاملے میں یہ حالت ہے اور اللہ کے لیے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں، خوب سن لو! یہ ان کی بے انصافی ہے۔

اول تو ان کا یہ فیصلہ ہی برا ہے کہ لڑکیوں کو ایک عذاب اور ذلت سمجھیں، دوسرے پھر جس چیز کو اپنے لیے ذلت سمجھیں اسی کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیں۔

اللہ تعالیٰ نے بعض عرب قبائل کے اس غم وغصہ کا ذکر کیا ہے جس کا اظہار وہ اپنی بیٹی کی پیدائش پر کیا کرتے تھے جب انہیں بیٹی کی پیدائش کی خوشخبری دی جاتی ہے، یعنی: کسی شخص کے گھر بیٹی پیدا ہوتی اور اس بات کی اطلاع اسے مجلس کے دوران دی جاتی تو پھر اس کی حالت یہ ہوتی کہ اس کا چہرہ غم کے مارے سیاہ ہو جاتا کہ وہ ایک بیٹی کا باپ بن گیا ہے اور وہ دل ہی دل میں کڑھتا کہ یہ بیٹی کیوں پیدا ہوگئی ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: بیٹی کی پیدائش پر ان مشرکوں کی یہ حالت ہو جاتی ہے مگر فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں، ذرا شرم نہیں کھاتے اور پھر وہ اپنی اس بدنامی کے خودساختہ داغ کو دھونے کے لیے طرح طرح کے حیلے بہانے کرتے ہیں، مشرک آدمی اس خبر کی وجہ سے قوم سے چھپتا پھرتا ہے کسی کو اپنا منہ نہیں دکھانا چاہتا کہ لوگ کہیں گے اس کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے، اس شرم کے بارے میں وہ اپنی بستی اور گھر بار بھی چھوڑ بیٹھتے ہیں۔

وہ بدنصیب لوگ بیٹی کو اس لیے ذلت کا باعث سمجھتے تھے کہ بڑی ہوگی تو اس کی شادی کرنا ہوگی اور پھر

لوگ لڑکی کے شوہر کے بارے میں کیا کہیں گے کہ یہ فلاں کا داماد ہے، وہ یہ نہیں سوچتا کہ وہ بھی تو کسی عورت ہی کا جنا ہوا ہے، اگر عورت نہ ہوتی تو اس کی اپنی پیدائش کب ممکن ہوتی؟ وہ لوگ محض خود سے گھڑی ہوئی جاہلانہ غیرت کو سینے سے لگائے بیٹھے تھے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے، دیکھو! یہ کتنا برا فیصلہ کرتے ہیں، بہر حال سارا عرب بچیوں کے ساتھ یہ وحشیانہ سلوک نہیں کرتے تھے، بلکہ چند قبیلے بنوخزاعہ، بنی کنانہ، مضر اور بنوتمیم تھے جو عام طور پر بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔

لفظی تصویر

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ

واسطے ان کے جو نہیں ایمان لاتے پر آخرت حالت ہے بری اور واسطے اللہ کے شان ہے

ع ۱۰ ۱۴

الْاَعْلٰى ؕ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾

سب سے بلند اور وہ زبردست حکمت والا ہے (۶۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جو آخرت کو نہیں مانتے ان کی مثال بری ہے اور اللہ تعالیٰ کی مثال سب سے اوپر ہے اور وہی زبردست حکمت والا ہے۔(۶۰)

تفسیر

یہ مشرک خود غرض لوگ ہیں، اپنی سمجھ سے اچھی اچھی چیزیں خود لینا چاہتے ہیں اور گھٹیا سمجھی ہوئی چیزیں اللہ تعالیٰ کے لئے تجویز کرتے ہیں، اس کی مثال یہ ہے کہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتاتے ہیں، اور خود ان کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہو تو اسے اپنے لئے عار اور شرم کا باعث سمجھتے ہیں۔

ان کی خرابی کی اصل جڑ یہ ہے کہ یہ آخرت کو نہیں مانتے، ایسے لوگوں کے حالات سن کر سوا ان کی برائی کے اور کوئی چیز ذہن میں نہیں جمتی، کیونکہ ان میں اچھی صفتیں ہیں ہی نہیں جو بیان کی جائیں، برخلاف اس کے اگر

اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کر وان سے اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا اور عظیم الشان ہونا ثابت ہوتا ہے۔

دنیا میں مہلت

وَ لَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ
اور اگر پکڑے اللہ لوگوں کو بسبب ظلم ان کے نہ چھوڑے پر زمین کوئی چلنے والا

وَّ لٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا
اور لیکن مہلت دیتا ہے ان کو تک ایک وقت مقررہ پس جب آجائے گی موت ان کی نہ

يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾
پیچھے ہٹیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے بڑھیں گے (۶۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی بے انصافی پر پکڑے تو زمین پر ایک چلنے والا نہ چھوڑے لیکن ان کو ایک مقررہ وقت تک ڈھیل دیتا ہے، پھر جب ان کا وقت آجائے گا تو نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکیں گے اور نہ ایک گھڑی آگے۔ (۶۱)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: تم لوگوں کی ہٹ دھرمی خود غرضی گستاخانہ رویوں کا تقاضا تو یہی ہے کہ زمین کو تم سے پاک کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے اس نے اپنے علم و حکمت کے ذریعے یہ فیصلہ کیا ہے کہ دنیا کو ایک مقررہ وقت تک باقی رکھنا ہے تاکہ جس کو اچھا بننا ہو بن جائے جب مقررہ وقت آجائے گا تو سب ختم ہو جائیں گے نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹ سکیں گے نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ آپ کے سامنے کسی شخص نے اس بات کا ذکر کیا کہ ظالم آدمی صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں ظلم کا اثر دوسرں پر بھی پڑتا ہے، فرمایا:

"حبارہ" یعنی: سرخاب پرندہ ظلم کی وجہ سے اپنے گھونسلے میں لاغر ہو کر مرجاتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی منقول ہے کہ کیڑا اپنے بل میں ظلم کی وجہ سے مرجاتا ہے، گویا ظلم کا اثر دوسری چیزوں پر بھی پڑتا ہے، "بخاری و مسلم" اور "مؤطا امام مالک" کی روایت میں آتا ہے کہ جب کوئی ظالم، فاسق اور مجرم آدمی مرجاتا ہے تو جانور، درخت حتیٰ کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کا شکرادا کرتی ہے کہ وہ ظالم کی نحوست سے چھوٹ گئے، ظلم بہر حال برا ہے خواہ وہ عقیدے میں کفر وشرک کی شکل میں ہو یا جور و جفا کی صورت میں۔

کافروں کی بے عقلی

وَ يَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَ تَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ

اور کردیتے ہیں واسطے اللہ کے وہ جو خود ناپسند کرتے ہیں اور کہتی ہیں زبانیں ان کی جھوٹ کہ

لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَ اَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾

واسطے ان کے خوبی ہے قطعی ہوگیا کہ واسطے ان کے آگ ہے اور یہ کہ وہ بڑھائے جارہے ہیں (۶۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کردیتے ہیں اللہ کے واسطے جس کو اپنا جی نہ چاہے اور ان کی زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں کہ ان کے واسطے خوبی ہے حالانکہ پکی بات یہ ہے کہ ان کے لیے آگ ہے اور وہ اس کی طرف بڑھائے جارہے ہیں۔ (۶۲)

تفسیر

وہ گھٹیا چیزیں جن کو یہ اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں، اور خود اپنی زبان سے بکتے پھرتے ہیں کہ اچھی چیزیں تو ہماری ہیں اور ہم ان کے حقدار ہیں یہ ان کی سراسر جھوٹ اور گھڑی ہوئی باتیں ہیں، ایسی باتیں ان کو قطعی طور پر دوزخ کا حقدار بنارہی ہیں۔

سمجھ کا پھیر

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ

قسم اللہ کی! البتہ تحقیق بھیجے ہم نے پیغمبر طرف امتوں کی سے پہلے آپ پھر خوبصورت بنا کر دکھائے واسطے ان کے شیطان نے

اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِیُّهُمُ الْیَوْمَ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝۶۳

عمل ان کے پس وہی دوست ہے ان کا آج کے دن اور واسطے ان کے عذاب ہے دردناک (۶۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ قسم اللہ کی! ہم نے آپ سے پہلے مختلف امتوں میں پیغمبر بھیجے، پھر شیطان نے انہیں ان کے کام اچھے کر کے دکھائے، سو! آج وہی ان کا دوست ہے اور ان کے واسطے دردناک عذاب ہے۔ (۶۳)

تفسیر

اس آیت میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے ارشاد ہے کہ: دنیا میں ہمیشہ یہی ہوتا رہا ہے کہ انسان شیطان کے چکر میں پھنس جاتا ہے اور ہمارے پیغمبروں کے کہنے کی پروا نہیں کرتے، بہت سے لوگ اپنے برے کاموں ہی کو اچھا سمجھتے رہیں گے یہاں تک کہ آخر میں ان کی کم بختی انہیں ہر طرف سے گھیر لے گی اور وہ عذاب میں مبتلا ہو کر دنیا سے غارت ہو جائیں گے، اور آخرت میں ہمیشہ کے عذاب کے اندر پھنس جائیں گے، اللہ تعالیٰ نے اپنی قسم کھا کر اپنے پیغمبر سے کہا ہے کہ آپ سے پہلے ہم نے مختلف امتوں میں پیغمبر بھیجے اور انہوں نے ان کے سمجھانے میں کسر نہیں اٹھا رکھی، لیکن شیطان نے ان کے عمل ان کی نظر میں خوبصورت کر کے دکھا دیے، وہ لوگ تو شیطان کے بہکانے میں آ کر اپنے ان کرتوتوں کی وجہ سے برباد ہوئے لیکن کافر اور مشرک لوگوں کا آج بھی وہی رویہ ہے وہی اکڑ، وہی ضد اور وہی شیطانی وسوسے آج بھی اپنا کام کر رہے ہیں اور یقیناً ان کا بھی وہی حشر ہوگا جو ان کا ہوا، یہ دونوں جگہ سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اور یہ عذاب انہی کے عملوں کا نتیجہ ہوگا۔

نزول قرآن

وَ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا
اور نہیں اتاری ہم نے پر آپ یہ کتاب مگر اسلئے کہ آپ واضح کردیں واسطے ان کے وہ چیز کہ اختلاف کر رہے ہیں وہ
فِيْهِ ۙ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾
میں اس کے اور ہدایت اور رحمت واسطے ان لوگوں کے جو ایمان لائے (۶۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور ہم نے آپ پر کتاب اسی واسطے اُتاری کہ آپ ان کو وہ چیز کہ جس میں وہ جھگڑ رہے ہیں کھول کر سنادیں اور تا کہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہو۔ (۶۴)

تفسیر

لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ: یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے میں پیغمبر کو سچا مانتے ہیں اور قیامت کے آنے میں اور مر کر دوبارہ زندہ ہونے میں، اچھے برے عملوں کا بدلہ دیئے جانے میں اختلاف کرتے ہیں، یہ قرآن اسی لئے اتارا گیا کہ اللہ کا پیغمبر قرآن مجید کی روشنی میں ان سب باتوں کو کھول کر بیان کردے کہ یہ کتاب ماننے والوں کے حق میں ہدایت اور رحمت بنا کر اُتاری۔

رحمت کا نمونہ

وَ اللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ؕ
اور اللہ نے اتارا سے آسمان پانی پھر زندہ کیا ذریعہ اس کے زمین کو بعد مردہ ہونے اس کے
مَوْتِهَا ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۵﴾ ع ۸ / ۵ / ۱۴
مردہ ہونے اس کے تحقیق میں اس البتہ نشانی ہے واسطے ان لوگوں کے جو سنتے ہیں (۶۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس نے زمین کو اس کے بنجر ہونے کے بعد آباد کیا، یعنی: سرسبز وشاداب کیا، اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو سنتے ہیں۔ (۶۵)

تفسیر

اللہ تعالیٰ آسمان سے بارش برساتا ہے تو مردہ زمین زندہ ہوجاتی ہے، یعنی: سبزہ اور کھیت لہلہانے لگتے ہیں آدمیوں اور جانوروں کے کھانے پینے کا سامان کثرت کے ساتھ پیدا ہوجاتا ہے ان سب کو دیکھ کر ان پر جو غور کریں گے تو انہیں معلوم ہوجائے گا کہ قرآن مجید سے بھی اسی طرح مردہ روحوں میں جان پڑ جاتی ہے، دل میں پاک جذبات پیدا ہوتے ہیں، خوشیاں پھیلانے والی ہواؤں کے جھونکے دل اور جان کو ہر وقت تروتازہ رکھتے ہیں، جسم اور جان دونوں میں خوشی کی لہر دوڑ جاتی ہے، اس میں ان لوگوں کے لئے نشانی ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کی بات سنتے ہیں۔

رحمت کے اور نمونے

وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ
اور تحقیق واسطے تمہارے میں چوپایوں البتہ عبرت ہے پلاتے ہیں ہم تم کو سے اس میں پیٹوں ان کے سے

بَيْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۶۶﴾
درمیان گوبر اور خون کے دودھ صاف ستھرا خوشگوار لئے پینے والوں کے (۶۶)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور تمہارے واسطے چوپایوں میں سوچنے کی بات ہے ہم ان کے پیٹ کی چیزوں میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے تمہیں دودھ پلاتے ہیں صاف ستھرا، پینے والوں کے لئے خوشگوار۔ (۶۶)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: زمین کی پیداوار کے علاوہ جانوروں سے بھی تمہاری ضرورت کی چیزیں پیدا

کیں، دیکھو! جو کچھ وہ کھاتے ہیں وہ ان کے پیٹوں میں جا کر تین حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ایک حصہ گوبر، ایک حصہ خون، ایک حصہ دودھ بن جاتا ہے، دودھ گوبر اور خون کے درمیان ہی بنتا ہے لیکن ان دونوں گندگیوں اور بدمزگیوں سے پاک ہے یہ ایک صاف ستھری خوشنما خوش ذائقہ گلے میں آسانی کے ساتھ اتر جانے والی غذا ہے جسے پینے والے مزے لے لے کر پیتے ہیں اور جو بچ رہتا ہے اس سے مکھن دہی اور پنیر وغیرہ بناتے ہیں جو بہت طاقتور اور مزیدار غذائیں ہیں اور جو قوت غلوں ترکاریوں پھلوں وغیرہ سے انسان کو نہیں ملتی، یا ملتی ہے تو کم ملتی ہے وہ دودھ کے ذریعے پوری ہو جاتی ہے تاکہ انسان کی جسمانی نشوونما میں کوئی کمی نہ ہو۔

پینے کی چیزیں

وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ

اور سے پھلوں کھجور اور انگور بناتے ہو تم سے اس نشہ اور

رِزْقًا حَسَنًا ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

روزی اچھی تحقیق میں اس نشانی ہے واسطے ان لوگوں کے جو سمجھتے ہیں (۶۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور کھجور اور انگور کے میوں سے تم نشہ آور چیز اور عمدہ روزی بھی بناتے ہو، اس میں نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں۔ (۶۷)

تفسیر

اس آیت میں یہ بیان ہے کہ تمہارے لئے کھجور اور انگور اور اس جیسے میوے اور پھل پیدا کئے جس میں سے تم اپنی ضرورتوں اور تفریح کی چیزیں تیار کرتے ہو جن میں سے بعض اچھی ہیں اور بعض بری، مثلاً: کھجور اور انگور سے تم شراب بناتے ہو، حالانکہ اس میں تمہارے لئے نقصان ہے، پھر انہیں میں سے سرکہ، چھوہارے، کشمش وغیرہ بناتے ہو جو اچھی اور عمدہ چیزیں ہیں، یہ سب چیزیں اللہ نے تمہارے لئے بنائی ہیں اور تم کو قوت اور عقل دی

ہے کہ تم سوچ سمجھ کر ان میں سے فائدہ مند چیزیں لے لو اور نقصان دینے والی چیزوں سے بچو، سب سے زیادہ ضروری کام جو تمہیں عقل سے لینا ہے وہ یہ ہے کہ ان سب چیزوں کو دیکھ کر اور ان کے قواعد اور نظام پر نظر کر کے ان کے بنانے والے کو پہچانو اور اس کے تمام احسانات کا جو اس نے تم پر کئے ہیں، شکر ادا کرو اور ان چیزوں کا استعمال اسی طرح کرو جس طرح وہ حکم دے اور ہر اس چیز اور بات سے بچنے کے لئے تیار رہو جس سے وہ اپنے پیغمبر کے ذریعے منع کر دے، یقیناً انسان کی عقل اس قابل ہے کہ ان نشانیوں کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کو پہچان سکے۔

دودھ کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے فائدہ مند پھلوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اور انہیں اپنی قدرت کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ: کھجوروں کے پھل اور انگوروں سے تم نشے والی چیز بناتے ہو اور اچھی روزی بھی تیار کرتے ہو، کھجور اور انگور ایسی چیزیں ہیں جن سے شراب بھی بن سکتی ہے اور اچار، مربے، چٹنی اور غذائیت کی دوسری چیزیں بھی تیار ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے تو تمہارے لئے کھجور اور انگور پیدا فرمادیئے ہیں اب تم اپنی مرضی کے مطابق چاہے نشہ آور چیز شراب تیار کر لو، یا اسی کا سرکہ بنا کر حلال طور پر استعمال کر لو۔

سکر کے مقابلہ میں، رزق حسن کو ذکر فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ سکر اچھا رزق نہیں ہے، سکر کے معنی جمہور مفسرین کے نزدیک نشہ آور چیز کے ہیں۔ "روح المعانی، قرطبی، جصاص"۔ یہ آیت باتفاق امت مکی ہے اور شراب کی حرمت اس کے بعد مدینہ طیبہ میں آئی، اس آیت کے اترتے وقت شراب حلال تھی، اور مسلمان عام طور پر پیتے تھے مگر اس وقت بھی اس آیت میں اشارہ اس طرف کر دیا گیا کہ اس کا پینا اچھا نہیں، بعد میں واضح طور پر شراب کو حرام قرار دیا گیا۔

ایک اور نعمت

وَ اَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّ

اور دل میں ڈالا رب آپ کے نے شہد کی مکھی کے کہ بنا میں پہاڑوں گھر اور

مِنَ الشَّجَرِ وَ مِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿٦٨﴾ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

میں درختوں اور سے جسے لوگ بلند کرتے ہیں (۶۸) پھر کھا سے ہر قسم کے میووں

فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ؕ

پھر چل راستوں رب اپنے کے آسان کئے ہوئے۔

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو حکم دیا کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں گھر بنا، اور کھا انگور کی بیلوں سے جو سہارے کے ذریعے اونچی کی جاتی ہے۔ (۶۸) ہر طرح کے میووں میں سے کھا، پھر چل اپنے رب کے آسان کئے ہوئے راستوں میں۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: تیرے رب نے شہد کی مکھی کی فطرت میں یہ رکھ دیا ہے کہ وہ ہمیشہ پہاڑوں، اونچے درختوں یا بلند مکانوں اور انگور کی بیلوں پر گھر بنائے اور خوش ذائقہ میٹھے پھلوں اور پھولوں کا رس چوسے اور پھر اپنے بنائے اونچے گھروں میں واپس آ جائیں، اور وہاں سب مل کر عجیب نظام کے تحت شہد تیار کریں، شہد کی مکھی کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے لئے پینے کی ایک نہایت لذیذ اور نفیس چیز تیار کرنے کے کام میں لگا رکھا ہے۔

شہد میں شفاء

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ

نکلتی ہے سے پیٹوں ان کے ایک پینے کی چیز کہ الگ الگ ہیں رنگ ان کے میں اس شفاء ہے

لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿٦٩﴾

واسطے لوگوں کے تحقیق میں اس البتہ نشانی ہے واسطے اس قوم کے جو سوچتے ہیں (۶۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ان کے پیٹ میں سے پینے کی ایک چیز نکلتی ہے جس کے مختلف رنگ ہیں اس سے لوگوں کے مرض اچھے ہوتے ہیں اس میں ان لوگوں کے لیے جو دھیان کرتے ہیں نشانی ہے۔ (۶۹)

تفسیر

پچھلی آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ شہد کی مکھی میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت اور قدرت سے یہ بات رکھ دی کہ پہاڑوں، بلند درختوں اور اونچی اونچی جگہوں پر اپنے مکان بنائے اور اس میں خاص انتظام کے ساتھ باطمینان ہر جگہ سے پھر پھرا کر آئے جائے، یہاں فرمایا کہ: جیسے مویشیوں کے اندر دودھ بنتا ہے اسی طرح شہد کی مکھی ہر پھل اور شیرینی سے عمدہ حصہ پی کر شہد بناتی ہے جو ایک نہایت لذیذ اور میٹھی چیز ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرت ہے کہ دودھ دینے والے حیوانات کا دودھ موسم اور غذا کے بدلنے سے سرخ اور زرد نہیں ہوتا جبکہ مکھی کا شہد مختلف رنگوں کا ہوتا ہے۔

شہد کے کھانے سے انسانوں کی بہت سی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں، استعمال کرنے والے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور غور کرنے والے اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی ایک خاص جھلک دیکھتے ہیں اور آخر کار اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اس کا اقرار کر کے اسی کی فرماں برداری میں مشغول ہو جانا چاہئے جن لوگوں کی نظر اس کی قدرت کے یہ سب کرشمے دیکھ کر بھی اس تک نہیں پہنچتی بلکہ خود چیزوں ہی تک محدود رہتی ہے اور وہ خود غرضی کے ساتھ ان سے فائدہ اٹھانے ہی میں گم رہتے ہیں اور بجائے اس کے اس میں اللہ کے تمام بندوں کا حق تسلیم کریں خود اپنا ہی پیٹ بھرنا چاہتے ہیں، ان لوگوں کے لیے سوا اس کے کیا کہا جائے کہ وہ تنگ نظر، کم ہمت اور انسانیت سے گرے ہوئے ہیں۔

فِيهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ: شہد بیماریوں کے لیے شفاء کا نسخہ بھی ہے۔ اور کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ کی یہ عجیب مخلوق جو ہر قسم کے پھل پھول سے طاقتور عرق اور پاکیزہ مادہ چوس کر اپنے محفوظ گھروں میں ذخیرہ کرتی ہے

اگر جڑی بوٹیوں میں شفاء اور دوا کا سامان ہے تو شہد میں کیوں نہیں ہوگا، بلغمی امراض میں بلا واسطہ اور دوسرے امراض میں دوسرے اجزاء کے ساتھ مل کر بطور دوا شہد کا استعمال ہوتا ہے، طبیب حضرات معجونوں میں بطور خاص اس کو شامل کرتے ہیں، اس کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ خود بھی خراب نہیں ہوتا اور دوسری چیزوں کی بھی طویل عرصہ تک حفاظت کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہزار ہا سال سے طبیب حضرات اس کو الکحل کی جگہ استعمال کرتے آئے ہیں۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ: اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل قدرت کی مثالیں بیان فرمانے کے بعد انسان کو پھر غور وفکر کرنے کی طرف توجہ دلائی ہے کہ قدرت کی ان مثالوں میں غور وفکر تو کر کے دیکھ لو، اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو پانی برسا کر زندہ کر دیتا ہے وہ غلاظت اور نجاست کے درمیان سے تمہارے لئے صاف وشفاف اور خوشگوار دودھ کی نالیاں بہاتا ہے، وہ انگور و کھجور کے درختوں پر پھل پیدا کرتا ہے جن سے تم مربے بناتے ہو، شہد کی مکھی جو ایک چھوٹا سا زہریلا جانور ہے اس کے ذریعہ تمہارے لیے لذت اور غذا وشفاء کا بہترین سامان مہیا کرتا ہے؟ کیا اب بھی تم جھوٹے خداؤں کو پکارو گے، کیا اب بھی تمہاری عبادت اور وفاداری اپنے خالق و مالک کے بجائے پتھر اور لکڑی کی بے جان مورتیوں کے لئے ہوگی؟ خوب سمجھ لو۔

خود اپنی حالت

وَ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ ۙ۫ وَ مِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ
اور اللہ نے پیدا کیا تم کو پھر وہ وفات دیتا ہے تمہیں اور بعض تم میں سے وہ ہیں کہ لوٹایا جاتا ہے طرف نکمی

ع ۹ ۵ ۱۵ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ۠ ﴿۷۰﴾
عمر کے تاکہ نہ جانے بعد جاننے کے کچھ بھی تحقیق اللہ جاننے والا قدرت والا ہے (۷۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ نے تم کو پیدا کیا، پھر وہ تم کو موت دیتا ہے اور تم میں سے بعض نکمی عمر تک پہنچائے جاتے ہیں کہ سمجھنے کے بعد اب کچھ نہ سمجھے، تحقیق اللہ تعالیٰ قدرت والا اخبر دار ہے۔ (۷۰)

تفسیر

اس آیت میں انسان کو بتایا گیا ہے کہ وہ خود اپنی حالت پر بھی غور کرے خود اس کے اندر اللہ تعالیٰ کے پہچاننے کے لیے بڑی بڑی نشانیاں موجود ہیں، ارشاد ہے کہ: تم کو جس نے بنایا وہ اللہ تعالیٰ ہے، بنانے کے بعد تم پر ہر طرح قادر ہے تم اس کے حکم کے تابع ہو، اس کے حکم سے باہر ہونا تمہارے بس کا نہیں، پس تم میں سے جس جس کی عمر ختم ہوتی جائے گی اسے وہ دنیا سے اٹھاتا چلا جائے گا، بعض لوگ ایسے بھی ہوں گے جو بڑی عمر تک زندہ رہیں گے اور عمر کے اس حصہ تک پہنچ جائیں گے جس میں آدمی نکما ہو جاتا ہے، اعضاء اچھی طرح کام نہیں کر سکتے، سوچنے، سمجھنے کی طاقت بھی کم ہو جاتی ہے، پڑھا پڑھایا سب بھولتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ جو کچھ سیکھا تھا اس میں سے کچھ بھی یاد نہیں رہتا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے ہیں، اس نے جیسا چاہا اسے بنا دیا، جیسی شکل چاہی دے دی اسے ہر چیز کا علم ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قدرت رکھتا ہے۔

عبرت کی بات

اور اپنی حالت بھی سوچنے کے قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اول پیدا کیا، پھر عمر ختم ہونے پر تمہاری جان قبض کرتا ہے جن میں بعض تو ہوش و حواس میں چلتے ہاتھ پاؤں اٹھ جاتے ہیں اور بعض تم میں وہ ہیں جو ناکارہ عمر تک پہنچ جاتے ہیں جن میں نہ جسمانی قوت رہی نہ ہی دماغ میں عقل رہی۔

غلام اور آقا برابر نہیں

وَ اللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِی الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِیْنَ

اور | اللہ نے | بڑھایا | بعض تمہارے کو | پر | بعض | میں | روزی | پس نہیں | وہ لوگ جو

فُضِّلُوْا بِرَآدِّیْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُهُمْ فَهُمْ فِیْهِ

برتری دیے گئے | دینے والے | رزق اپنا | پر | جن کے | مالک ہوئے | ہاتھ ان کے | پس وہ | میں اس

سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝۷۱

برابر ہوجائیں کیا پس نعمت کا اللہ کی انکار کرتے ہیں (۷۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم میں بعض کو بعض پر روزی میں برتری دی ، سو! جن کو اللہ نے برتری دی وہ اپنا رزق اپنے غلاموں باندیوں کو اس طرح نہیں دیتے کہ وہ سب برابر ہوجائیں ، کیا پس وہ اللہ کی نعمت کے منکر ہیں ۔ (۷۱)

تفسیر

اس سے پہلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنا علم وقدرت بیان کرکے انسان کو عطا کی جانے والی نعمتوں کا ذکر فرمایا ، اپنی توحید کی دلیلیں بیان فرمائی ہیں جن کو دیکھ کر تھوڑی سی سمجھ بوجھ رکھنے والا آدمی بھی کسی مخلوق کو حق تعالیٰ کے ساتھ اس کی علم وقدرت کی صفتوں میں شریک نہیں مان سکتا ۔

توحید ثابت کرنے کیلئے ایک مثال

اس مثال سے سمجھو کہ جب مشرک بھی اس بات کو مانتے ہیں کہ یہ بت اور دوسری مخلوقات جن کی وہ عبادت کرتے ہیں سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں تو یہ کیسے جائز رکھتے ہیں کہ وہ ان کو خالق ومالک کے برابر کردیں؟ کیا یہ لوگ سب نشانیاں دیکھ کر اور یہ مضمون سن کر پھر بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو برابر مانتے ہیں؟ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں کیونکہ اگر یہ اقرار ہوتا کہ یہ سب نعمتیں صرف اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہیں ان میں کسی خود بنائے ہوئے بت کا یا کسی انسان اور جن کا کوئی دخل نہیں ہے تو پھر ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر قرار نہ دیتے؟ اسی بات کو واضح کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ: جن کو رزق میں برتری دی گئی ہے ، وہ نہیں چاہتے کہ اپنا رزق اپنی باندی اور غلاموں میں تقسیم کرکے ان کو اپنے برابر کرلیں ، تو پھر مشرک لوگ یہ کیوں چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے غلاموں اور باندیوں کو سارا علم اور قدرت دیکر اپنے برابر کردے اور یہ اس کے ساتھ

خدائی میں شریک ہو جائیں، عرب کے مشرکوں کا یہ دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض ہستیوں کو اختیارات دے کر انہیں اپنا شریک بنالیا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ تم اپنے غلاموں اور خدمتگاروں کو اپنے برابر کرنا پسند نہیں کرتے تو اللہ کے لئے یہ کیسے پسند کرتے ہو کہ وہ اور اس کی مخلوق و مملوک چیزیں اس کے برابر ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ

اور اللہ نے بنائیں واسطے تمہارے سے میں سے تم بیویاں اور دیئے تم کو سے

اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَ حَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ؕ اَفَبِالْبَاطِلِ

بیویوں تمہاری بیٹے اور پوتے اور عطا کیا تم کو سے پاکیزہ چیزوں پس کیا جھوٹی بات پر

يُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۲﴾

ایمان لائیں گے اور نعمت کو اللہ کی وہ جھٹلائیں گے (۷۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ نے تمہارے لیے تمہاری ہی قسم سے عورتیں پیدا کیں اور تم کو تمہاری عورتوں سے بیٹے اور پوتے دیے اور کھانے کو تمہیں ستھری چیزیں دیں، سو! کیا جھوٹی باتیں مانتے ہو، اور اللہ کے فضل کو نہیں مانتے۔ (۷۲)

لفظی تحقیق: حَفَدَةً: پوتے۔ "حافد" کی جمع ہے جو اسم فاعل ہے، "حافد" وہ ہے جو خدمت کے لیے فوراً حاضر ہو جائے، اس میں غلام، نوکر چاکر، رشتہ دار، داماد، پوتے وغیرہ سب آ گئے۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے تم کو پیدا کیا اور تمہاری ہی قسم میں سے عورت کو پیدا کر دیا تا کہ وہ تمہارا جوڑا بنے

اور اس سے بیٹے پیدا ہوں اور تمہارے گرد تمہارے مددگار، رشتہ دار، اولاد در اولاد ہو جائیں، پھر تمہاری زندگی قائم رکھنے کے لیے کھانے پینے کی صاف ستھری چیزیں کثرت کے ساتھ پیدا کیں، تاکہ تمہاری زندگی کے سب کام چلتے رہیں، ظاہر ہے کہ یہ زندگی کو قائم رکھنے کا انتظام اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور نے نہیں کیا تو تم دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو اور جس نے تم پر سارے احسان اور انعام کیے اس کو تو بھلا دیا اور جنہوں نے کچھ بھی نہیں کیا اس کی پوجا پاٹ کرنے لگے، ناشکری کی انتہا ہے۔

غلط طریقہ

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ

اور عبادت کرتے ہیں کے سوا اللہ ان کی جو نہیں مالک لئے ان کے رزق سے آسمان

وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ﴿۷۳﴾ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ

اور زمین سے کچھ اور نہ وہ قدرت رکھتے ہیں (۷۳) پس مت بیان کرو اللہ پر مثالیں

اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۴﴾

تحقیق اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (۷۴)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اور اللہ کے سوا ایسوں کی عبادت کرتے ہیں جو ان کے لئے روزی کے آسمانوں اور زمین میں کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ وہ قدرت رکھتے ہیں۔ (۷۳) پس اللہ تعالیٰ کے لئے مثالیں مت بیان کرو، بے شک اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ (۷۴)

تفسیر

ان آیتوں میں مشرکوں کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کی نعمتوں سے بھرپور فائدے اٹھاتے ہیں اور پھر اس کو اپنا روزی دینے والا نہیں مانتے، ان چیزوں کو اس کے برابر ٹھہراتے ہیں جو انہیں کچھ نہیں دے سکتیں

،وہ نہ آسمان سے بارش برسا سکتے ہیں، تا کہ کھانے کے لئے غلہ پیدا ہو اور پینے کو پانی ملے۔ نہ زمین ہی سے کچھ اگانے کی طاقت رکھتے ہیں، اس کے لئے دنیا کے بادشاہوں کی مثالیں مت ڈھونڈو، یہ جو تم کہتے ہو کہ اللہ ایک بڑے بادشاہ کی طرح ہے اس تک ہماری رسائی بتوں یا پہنچے ہوئے لوگوں کے بغیر نہیں ہو سکتی، یہ نادانی کی باتیں ہیں اللہ کی صفتیں وہی ہیں جو اس نے بتادیں، ان کو وہی جانتا ہے تم نہیں جانتے۔

ایک مثال

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ

بیان کی اللہ نے ایک مثال ایک غلام مملوک کی نہیں قدرت رکھتا پر کسی چیز کے اور وہ کہ دیا ہم نے اسے

مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ

سے طرف اپنی رزق خوب پس وہ خرچ کرتا ہے سے اس چھپا کر اور کھلم کھلا کہیں برابر ہوتے ہیں یہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

سب خوبی لئے اللہ کے پر اکثر ان کے نہیں جانتے (۷۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بتلائی، ایک غلام بندہ کی جو کسی چیز پر اختیار نہیں رکھتا، اور دوسری مثال اس شخص کی جس کو ہم نے اپنی طرف سے اچھی روزی دی، سو! وہ اس میں سے خرچ کرتا ہے چھپا کر اور کھلم کھلا، کہیں یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں، ساری خوبی اللہ کے لئے ہے پر بہت لوگ نہیں جانتے۔ (۷۵)

تفسیر

ایک مثال پر غور کرو، دیکھو! ایک طرف تو ایک ایسا شخص ہے جو غلام ہے اور ہر طرح دوسرے کا محتاج ہے اور اپنے مالک کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا، نہ اس کی اجازت کے بغیر کوئی کام انجام دے سکتا ہے دوسری طرف ایک ایسا آدمی ہے جو مال اور مرتبے کا مالک ہے اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے اس کے پاس بہت کچھ ہے، خرچ

کرنے میں اسے کسی اور سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں، دن رات چھپا کر اور دکھا کر ہر طرح کھلے خرچ کرتا ہے کوئی اسے روکنے ٹوکنے والا نہیں۔ اب بتاؤ! کہ کیا وہ محتاج غلام اور یہ مالدار آزاد دونوں کسی طرح ایک دوسرے کے برابر ہو سکتے ہیں؟ اس کے بعد پھر اس پر غور کرو کہ! اللہ تعالیٰ ساری خوبیوں کا مالک ہے وہ کسی کا محتاج نہیں سارے جہان کا مال اور خزانہ اس کے پاس ہے جو چاہے حکم دے اور جو چاہے کرے کیا اس کے برابر دنیا کی کوئی چیز ہو سکتی ہے بڑی سے بڑی خوبیوں والی چیز اس کے سامنے عاجز ولا چار ہے، پھر اس کا کوئی شریک اور اس کی خدائی میں کوئی حصہ دار کیسے ہو سکتا ہے یہ نادانی کی انتہا ہے کہ تم ان بے جان مورتیوں اور پتھر مٹی سے بنائے ہوئے ان بتوں کو اس کا شریک اور مقابل ٹھہراتے ہو اور کہتے ہو کہ ان کے بغیر اللہ تعالیٰ کوئی کام نہیں کرتا پھر بھی اکثر لوگ یا تو جانتے ہی نہیں یا جان کر انجان بنتے ہیں۔

ایک اور مثال

وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ

اور بیان کی اللہ نے ایک اور مثال دو آدمیوں کی ایک ان میں گونگا نہیں قدرت رکھتا پر کسی چیز کے

وَّ هُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ

اور وہ بوجھ ہے پر آقا اپنے جہاں بھیجے اسے نہ لائے کوئی بھلائی کیا

يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَ مَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَ هُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ ع ۱۰ ۱۶

برابر ہے وہ اور وہ جو حکم کرتا ہے انصاف سے اور وہ پر راستے سیدھے (۷۶)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اور اللہ نے ایک دوسری مثال بتائی، دو مردوں میں ایک گونگا جو کچھ کام نہیں کر سکتا، اور وہ بوجھ بنا ہوا ہے اپنے آقا پر، جس طرف اس کو بھیجے کوئی خیر کی خبر نہ لائے، کہیں برابر ہے اور وہ شخص جو انصاف سے حکم کرتا ہے اور وہ سیدھے راستہ پر ہے۔ (۷۶)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ایک گونگا اور بہرا آدمی جو نہ سوچ سمجھ رکھتا ہے اور نہ ٹھیک طرح کوئی کام کرسکتا ہے ہر طرح اپنے سرپرست پر ایک بوجھ بنا ہوا ہے، اگر وہ اسے کبھی کسی کام کے کرنے کو کہتا بھی ہے تو وہ اسے بگاڑ کر رکھ دیتا ہے، اول تو سمجھتا ہی نہیں کہ میرے مالک نے کیا کہا، اور اگر کچھ اوٹ پٹانگ سمجھا بھی تو کرتے وقت سٹ پٹا جاتا ہے، اور جو کچھ کرتا ہے اس کی بابت یہ خیال ہوتا ہے کہ اگر کچھ نہ کرتا تو اچھا ہوتا، کیا وہ ایسے شخص کے برابر ہوسکتا ہے جو ہر طرح سے چاق و چوبند ہے، اپنے سارے کام خود ہی کرتا ہے اور ہمیشہ سب سے آگے رہتا ہے اور دوسروں کو بھی یہی سکھاتا رہتا ہے کہ دیکھو! آپس کے معاملوں میں عدل و انصاف سے کام لو، جب یہ دونوں شخص برابر نہیں ہوسکتے تو پھر تم اپنے خود بنائے ہوئے خداؤں کو اللہ تعالیٰ کے برابر کیسے ٹھہرا سکتے ہو۔

مثالوں کا مطلب

اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے وہی ہوسکتے ہیں، جنہوں نے اس کو ٹھیک طور پر نہیں پہچانا، اس کے متعلق انہوں نے بس یہی خیال قائم کیا کہ وہ ایک زبردست بادشاہ ہے، جیسے دنیا میں زبردست بادشاہ ہوتے ہیں وہ اوروں پر حکم چلاتے ہیں، لیکن یہ حکم وزیروں اور درباریوں کے واسطے سے چلتا ہے، ان کے دربار میں اسی کی پہنچ ہوسکتی ہے جس کی سفارش ان میں سے کوئی وزیر یا درباری کردے، عرب کے مشرک اللہ تعالیٰ کے لئے دنیا کے بادشاہوں کی مثال دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو بتوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہماری سفارش کرکے اللہ کے دربار میں ہمیں پہنچادیں اور ہم اس کے قریب ہوجائیں، اس کے بعد فرمایا کہ: مخلوقات کے اندر ایک دوسرے کی مثال مل سکتی ہے، اور وہ مثال اس کی حقیقت کو واضح کرسکتی ہے، لیکن خالق اور مخلوق میں زمین و آسمان کا فرق ہے، ایک کے حالات دوسروں پر فٹ نہیں آسکتے، تم انسانوں ہی کے اندر دیکھو کہ! ایک بے کس بے بس دوسرے کا غلام، ایک مال دار اور آزاد شخص کے برابر نہیں ہوسکتا اور نہ ایک معذور، اپاہج، ایک تندرست و توانا کی

برابری کرسکتا ہے۔اس سے تمہیں دو باتیں سمجھنی چاہئیں، ایک تو یہ کہ جب مخلوقات کے مرتبوں میں برابری نہیں، قوت اقتدار اور دیگر حالات کے لحاظ سے آپس میں فرق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو زمین اور آسمان کے اقتدار کا مالک ہے اس سے زیادہ قوت والا کوئی نہیں ہے، تمہارے اپنے گڑھے ہوئے بتوں کی اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی وقعت نہیں اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کو ان کی ضرورت ہے۔

مخلوقات کا بھید

وَ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ
اور واسطے اللہ کے بھید آسمانوں کا اور زمین کا اور نہیں حال قیامت کا مگر جیسے جھپکنا

الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۝۷۷
آنکھ کا یا وہ اس سے بھی قریب ہے تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے (۷۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور بھید آسمانوں کے اور زمین کے اللہ ہی کے پاس ہیں، اور قیامت کا آنا آنکھ کی جھپک جیسا ہے یا اس سے بھی قریب اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔(۷۷)

لفظی تحقیق: لَمْحِ الْبَصَرِ: آنکھ جھپکنا۔

تفسیر

کسی آدمی کی بابت کوئی دوسرا آدمی ساری باتیں نہیں جانتا اور نہ جان سکتا ہے ہر ایک میں ایک نہ ایک راز ہے جس سے دوسرے پورے طور پر واقف نہیں، بس وہ اتنا ہی جانتا ہے جتنا وہ اپنے اندازے سے یا خود اس کے بتانے سے معلوم کرسکتا ہے، جب کوئی کسی کی حالت سے پورے طور پر آگاہ نہیں، تو پھر ظاہر ہے کہ ہر چیز کا بھید جاننے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں؛ اس لیے انسان سے اس کا پورا پورا حساب سوا اللہ کے کوئی نہیں لے سکتا، اس

آیت میں یہی سمجھایا گیا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں ہر ایک راز اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور وہ اس کا حساب لے گا؛ اس لیے قیامت کا آنا ضروری ہے اور جب اللہ تعالیٰ ارادہ کرے گا پلک جھپکتے میں قیامت آجائے گی، آنکھیں بند کر کے کھولنے میں جتنی دیر لگتی ہے اتنی بھی دیر اس کے آنے میں نہ لگے گی۔

اللہ تعالیٰ کی قدرت

وَ اللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا ۙ وَّ

اور اللہ نے نکالا تم کو سے پیٹوں ماؤں تمہاری کے نہ جانتے تھے تم کچھ اور

جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۝۷۸

بنائے لیے تمہارے کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم شکر گذار بنو (۷۸)

اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ

کیا نہیں دیکھا انہوں نے طرف پرندوں کے قاعدے کے پابند میں فضا آسمان کی نہیں تھامتا انہیں

اِلَّا اللّٰهُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ۝۷۹

مگر اللہ تحقیق میں اس البتہ نشانیاں ہیں واسطے ایسی قوم کے جو ایمان لاتے ہیں (۷۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا کہ تم کسی چیز کو نہ جانتے تھے اور دیے تم کو کان اور آنکھیں اور دل تاکہ تم احسان مانو۔ (۷۸) کیا انہوں نے آسمان کی فضاء میں اُڑتے پرندے حکم کے پابند نہیں، دیکھے! اللہ تعالیٰ کے سوا انہیں کوئی نہیں تھام رہا اس میں ان لوگوں کے لیے جو یقین لاتے ہیں نشانیاں ہیں۔ (۷۹)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس طرح پیدا فرمایا کہ: تم کچھ بھی نہیں

جانتے تھے، پھر تم کو رفتہ رفتہ ترقی دی یہاں تک کہ تم چیزوں کو سن کر اور دیکھ کر پہچاننے لگے اس کے ساتھ ہی تمہیں دل عطا کیا جو سوچ سمجھ کر ان چیزوں کے متعلق رائے قائم کرے اور آہستہ آہستہ تمہیں اللہ تعالیٰ کی پہچان کی طرف لے جائے، اور اس حقیقی رب کا ہر وقت شکر گذار رہنا سکھائے، اس کے بعد ایک اور مخلوق، یعنی: پرندوں کی طرف توجہ دلائی ہے ان کی بناوٹ کا تقاضا یہ تھا کہ وہ آسمان کی فضا میں اڑتے پھریں، یہ آسمان میں انہی قاعدوں کے تحت اڑتے پھرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر فرما دیے، ان کا تھامنے والا اور ان کو سنبھالنے والا صرف اللہ ہی ہے، اپنے اور ان کے حالات میں ایمانداروں کو اللہ کی قدرت کی نشانیاں صاف نظر آتی ہیں۔

انسان کا آرام

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ

اور اللہ نے بنایا واسطے تمہارے سے گھروں تمہارے ٹھکانا اور بنائے واسطے تمہارے سے

جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَ يَوْمَ

کھالوں چوپایوں کی گھر کہ ہلکے پاتے ہو تم انہیں دن سفر کے اپنے اور دن

اِقَامَتِكُمْ ۙ وَ مِنْ اَصْوَافِهَا وَ اَوْبَارِهَا وَ اَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّ

ٹھہرنے کے اپنے اور سے اونوں ان کی اور روؤں ان کے اور بالوں ان کے گھر کا سامان اور

مَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾

برتنے کی چیزیں تک ایک وقت (۸۰)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے رہنے کے لیے گھر بنائے اور چوپایوں کی کھالوں کے بھی تمہارے لئے گھر بنا دیے، جو تم پر ہلکے رہتے ہیں جس دن سفر میں ہو، اور جس دن گھر میں ہو، اور ان کی اون اور روؤں اور بالوں سے کتنے ہی اسباب اور استعمال کی چیزیں بنا دیں ایک وقت مقرر تک۔ (۸۰)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: تم اللہ کی بنائی ہوئی چیزوں سے اپنے آرام کا سامان تیار کرتے ہو تمہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے اسی نے تمہیں راستہ دکھایا کہ اپنے رہنے سہنے کے لیے اینٹ، پتھر، لکڑی، لوہا وغیرہ جمع کر کے اچھے اچھے مکان بناؤ اور پھر یہ بھی بتایا کہ جانوروں کی کھالوں سے ڈیرے اور خیمے وغیرہ بناؤ تا کہ وہ سفر اور مقیم ہونے کی حالت میں ہلکے مکانوں کا کام دیں سکیں، پختہ مکان جگہ سے ہل نہیں سکتے لیکن تمہیں کسی سفر میں جانا پڑتا ہے، کبھی رہائش کے لیے ہی مکان کی جگہ بدلنی پڑتی ہے یہ ڈیرے اور خیمے اپنے ساتھ اٹھا کر جہاں جی چاہے گاڑ کر بہت اچھے آرام کا عارضی یا مستقل مکان بنا سکتے ہو پرانے زمانے میں سفر کے دوران خیموں کی بڑی اہمیت تھی، اور آج کے دور میں بھی فوجی سفر کے دوران خیموں سے کام لیا جاتا ہے، اس کے علاوہ بھیڑ بکریوں کی، اون اونٹوں کی رووں اور بکری وغیرہ کے بالوں سے بہت سے گھر کے سامان کمبل قالین وغیرہ بناتے ہو اور بہت سی استعمال کی چیزیں، مثلاً: رسی وغیرہ تیار کرتے ہو۔

مزید انعامات

وَ اللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ

اور اللہ نے بنائے واسطے تمہارے سے جو پیدا کیا سائے اور بنائیں واسطے تمہارے سے پہاڑوں

اَكْنَانًا وَّ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَ سَرَابِيْلَ

پناہ گاہیں اور بنائے واسطے تمہارے کرتے بچاتے ہیں تمہیں گرمی سے اور کرتے

تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

بچاتے ہیں تمہیں لڑائی تمہاری سے اسی طرح پورا کرتا ہے نعمت اپنی کو پر تمہارے تا کہ تم فرمانبردار بنو (۸۱)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اوراللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے اپنی بنائی ہوئی چیزوں کے سائے بنادیے اور تمہارے واسطے پہاڑوں میں چھپنے کی جگہیں بنادیں اورتمہارے لیے کرتے بنادیے جوگرمی سے بچاتے ہیں اور تمہاری لڑائی میں تم کو بچاتے ہیں،اسی طرح اپنااحسان تم پر پورا کرتا ہے تاکہ تم فرمانبرداری کرو۔(۸۱)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے بہت سی چیزوں کے گھرے سائے بنائے مثلاً پہاڑ، درخت، عمارتوں اور بادلوں کے سائے کہ جن کے نیچے تم آرام کے ساتھ ٹھنڈک میں بیٹھتے ہو، نیز: پہاڑوں کے اندر چھپنے کی جگہیں بنائیں جن میں تم دھوپ، بارش یا دشمن سے پناہ لے سکتے ہو، پھر گرمی سے بچاؤ کے لیے تمہیں کرتے بنانے سکھائے جن کو پہن کر دھوپ کی تپش سے اپنے بدن محفوظ رکھتے ہو، پھر لوہے کے حلقوں کو جوڑ کر ایک اور قسم کے کرتے بنانے سکھائے جنھیں زرہ کہتے ہیں وہ لڑائی کے وقت تمہارے بدن کو زخمی ہونے سے بچاتے ہیں، یہ سارے انعامات تمہارے اوپر کس کی طرف سے ہیں یقیناً یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی نے اپنے فضل سے تمہارے لیے مہیا کیا ہے اسی نے اس کا سارا سامان تمہیں دیا اور اسی نے تمہیں عقل اور سمجھ دی کہ اس سامان سے اپنے لیے ضرورتوں کی چیزیں تیار کرو اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو۔

اس سورت کے ابتدائی حصے میں مویشیوں کے تذکرہ میں "دِفْءٌ" کا ذکر کیا ہے کہ ان میں تمہارے لیے گرمائش کا سامان ہے، ظاہر ہے کہ سردی کے موسم میں کمبل، شال اور اونی لباس کی ضرورت ہوتی ہے جو جانوروں کے پشم اور بالوں سے تیار ہوتے ہیں، چونکہ وہاں سردی سے بچاؤ کا ذکر ختم ہو چکا ہے اس لیے یہاں پر صرف گرمی سے بچاؤ کا بیان آیا ہے۔

فرمایا: كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ: اسی طرح اللہ تعالیٰ تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ: تاکہ تم فرمانبردار بن جاؤ، مکان، لباس، خوراک، سایہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے احسانات ہیں، اسی طرح

بارش بھی اللہ تعالیٰ کا مخلوق پر بہت بڑا احسان ہے تو لوگوں کو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کا شکریہ ادا کریں اور اس کی فرمانبرداری کریں۔

ہٹ دھرمی

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ

پس اگر منہ پھیر لیں تو کچھ نہیں پر آپ پر مگر پہنچا دینا کھلم کھلا (۸۲) پہچانتے ہیں وہ نعمت

ع ۱۱ ۱۷

اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾

اللہ کی پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور اکثر ان میں ناشکرے ہیں (۸۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ پھر اگر پھر جائیں تو آپ کا کام تو فقط کھول کر سنا دینا ہے۔(۸۲) اللہ کا احسان پہچانتے ہیں، پھر اس کا انکار کرتے ہیں اور ان میں اکثر ناشکر گزار ہیں۔(۸۳)

تفسیر

قرآن مجید کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان دنیا کی چیزوں سے فائدہ اٹھا کر یہ سمجھے کہ میری ان فائدے کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایت سے پیدا کیا ہے اور مجھے اتنی قوت دی ہے اور اتنا اختیار دیا ہے کہ میں ان سے فائدہ اٹھاؤں ساتھ ہی عقل بھی دی ہے جس سے میں اتنی بات سمجھ سکوں کہ ان چیزوں کا استعمال اس طرح نہ کرنا چاہئے کہ وہ میرے لیے بجائے فائدہ پہنچانے کے الٹا نقصان پہنچانے کا سبب بن جائیں، چیزوں کے استعمال کا طریقہ قرآن مجید میں صاف صاف کھول کر بیان کر دیا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل کر کے ہمیشہ کے لیے انسان کے لیے طرز عمل معین کر دیا ہے۔

اس آیت میں ارشاد ہے کہ اے پیغمبر! ہوسکتا ہے کہ یہ لوگ آپ کی نہ سنیں اور منہ موڑ کر چلے جائیں، آپ ان کے اس رویہ سے پریشان نہ ہوں آپ کا کام تو یہی ہے کہ قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنا دیں، ان پر عمل

کرنے کا طریقہ کھول کر بیان کردیں، اس کے بعد اگر کوئی سنے اور نہ مانے تو وہ جانے، مر کر ہمارے ہی پاس آئے گا۔

قیامت میں کیا ہوگا؟

وَ يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ
اور جس دن کھڑا کریں گے ہم سے ہر امت گواہ پھر نہ اجازت دی جائے گی لئے ان کے جنہوں نے
كَفَرُوْا وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾ وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ
کفر کیا اور نہ وہ منانے کی اجازت دیے جائیں گے (۸۴) اور جب دیکھیں گے وہ جنہوں نے ظلم کیا عذاب کو
فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَ لَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۵﴾
پس نہ ہلکا کیا جائے گا سے ان اور نہ وہ ڈھیل دیے جائیں گے (۸۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جس دن ہم ہر ایک جماعت میں سے گواہ کھڑا کریں گے پھر منکروں کو اجازت نہ دی جائے گی اور نہ ان کی توبہ قبول ہوگی۔ (۸۴) اور جب ظالم عذاب دیکھیں گے پھر نہ ان سے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا اور نہ ان کو ڈھیل دی جائے گی۔ (۸۵)

لفظی تحقیق: شَهِيْدًا: آنکھوں دیکھا حال بیان کرنے والا۔ یہاں اس سے مراد پیغمبر ہیں جو قیامت میں اپنی اپنی امت کا سچا سچا حال جو انہوں نے دیکھا ہے، بیان کریں گے۔ يُسْتَعْتَبُوْنَ: منانے کی اجازت دیے جائیں گے۔ "استعتاب" کے معنی ہیں، دوسرے کو یہ کہہ کر منانا کہ میں قابل عتاب ہوں، مجھے معاف کر دیجئے، دنیا میں یہ موقع ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ عرض کر کے اسے منانے کی کوشش کریں، قیامت میں اس کا موقع نصیب نہ ہوگا۔

تفسیر

ارشاد ہے کہ: اس دن ہر پیغمبر کو کھڑا کر دیا جائے گا کہ اپنی اپنی امت کا سلوک بتاؤ، وہاں اللہ تعالیٰ کا انکار

کرنے والوں کو اجازت نہ ہوگی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کچھ بول سکیں یا اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں، عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد نہ توبہ و استغفار کا موقع رہے گا اور نہ عذاب میں کوئی کمی ہو سکے گی، یہ بھی نہ ہوگا کہ سزا ملنے میں کچھ مہلت مل جائے۔

ان آیتوں میں کافروں اور مشرکوں کو عذاب کی بات سنائی گئی ہے کہ جب حساب کتاب کی منزل آئے گی تو انہیں سخت عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا، جس میں کمی بھی نہیں ہوگی، ارشاد ہوتا ہے، اور جس دن ہم ہر امت سے کھڑا کریں گے ایک گواہ، ہر پیغمبر اپنی امت کے متعلق اللہ کے سامنے گواہی دے گا کہ اس نے اللہ کا پیغام اپنی امت کے لوگوں تک پہنچا دیا مگر انہوں نے نہ مانا، ظاہر ہے کہ اس وقت کتنا خوفناک منظر ہوگا؟ اور پھر کفر کرنے والوں کو اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ کوئی حیلہ بہانہ کر سکیں اور نہ ہی انہیں اللہ تعالیٰ کو منانے کا موقع دیا جائے گا، یعنی: ان کو توبہ کرنے کی اجازت بھی نہیں دی جائے کہ وہ اپنی کرتوتوں پر توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کو راضی کر سکیں۔

فرمایا: جب ظالم لوگ عذاب کو دیکھیں گے تو اس میں کمی نہیں کی جائے گی اور نہ ان کو ڈھیل دی جائے گی۔

مشرکوں کا رویّہ

وَ اِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

اور جب دیکھیں گے وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا شریکوں اپنے کو کہیں گے اے رب ہمارے! یہ ہیں

شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ

شریک ہمارے جنہیں تھے ہم پکارتے سوا آپ کے پس ڈالیں گے وہ طرف ان کی یہ قول

الثلثه

اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ وَ اَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ۨالسَّلَمَ وَ ضَلَّ

یقیناً البتہ تم جھوٹے ہو (۸۶) اور ڈالیں گے طرف اللہ کے اس دن اطاعت اور کھو جائے گی

عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ

سے ان وہ چیز کہ تھے وہ جھوٹ گھڑتے (۸۷) جن لوگوں نے کفر کیا اور روکا سے راستے

اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ۝۸۸

اللہ کے بڑھائیں گے ہم ان پر عذاب اوپر عذاب کے بدلے اس کے جو تھے وہ فساد کرتے (۸۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جب مشرک اپنے شریکوں کو دیکھیں گے بولیں گے، اے رب! یہ ہمارے شریک ہیں جن کو ہم تجھے چھوڑ کر پکارتے تھے تب وہ انہیں جواب دیں گے کہ تم جھوٹے ہو۔(۸۶) اور اس دن عاجز ہو کر اللہ کے آگے پڑیں گے اور جو جھوٹ باندھتے تھے وہ بھول جائیں گے۔(۸۷) جو لوگ منکر ہوئے اور اللہ کے راستے سے روکتے رہے ان کے لئے ہم عذاب پر عذاب بڑھا دینگے اس کے بدلے جو فساد کرتے تھے۔(۸۸)

لفظی تحقیق: **شُرَكَآءَهُمْ:** اپنے شریکوں کو۔ مراد یہ ہے کہ وہ جاندار یا بے جان چیزیں جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت میں شریک سمجھتے تھے۔ **فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ:** "القاء القول" بات ڈالنا۔ کسی سے کچھ کہنا، بات سننا، جواب دینا۔

تفسیر

قیامت کے دن کافروں کو اپنی غلطی صاف طور پر معلوم ہو جائے گی، وہاں جب انہیں وہ چیزیں نظر آئیں گی جن کو دنیا میں وہ اپنا معبود بنائے ہوئے تھے، تو عرض کریں گے: اے ہمارے رب! انہی کو ہم آپ کا شریک بنائے ہوئے تھے، گویا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے ہمیں بہکایا، یہ سن کر سب کے سب انہیں یہ جواب دیں گے کہ تم جھوٹ بولتے ہو۔

آگے ارشاد ہے کہ: قیامت کے دن دیکھ لینے کے بعد ماننا کسی کام نہ آئے گا، دنیا میں جو ان کے کرتوت تھے، ان کی سزا انہیں مل کر رہے گی، وہ اللہ تعالیٰ سے منہ موڑتے تھے اور دوسرے لوگوں کو بھی بہکاتے تھے، ان کی اس گمراہی کی باتوں سے دنیا میں جو فساد پھیلا اس وجہ سے ان کو عذاب پر عذاب دیا جائے گا۔

قرآن عظیم

وَ يَوْمَ نَبْعَثُ فِىْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَ

اور جس دن اٹھائیں گے ہم سے ہر امت گواہ اوپر ان کے سے نفوس ان کے اور

جِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ؕ وَ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا

لائیں گے ہم آپ کو گواہ پر ان لوگوں اور اتاری ہم نے پر آپ کتاب کھلا بیان

١٢ ع ٦ ١٨ لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّ هُدًى وَّ رَحْمَةً وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿٨٩﴾

ہر چیز کا اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری لیے مسلمانوں کے (٨٩)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور جس دن ہم ہر فرقے میں سے ان کے اوپر انہی میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ لائیں گے، اور ہم نے آپ پر کتاب اُتاری جو ہر چیز کا کھلا بیان اور ہدایت اور رحمت اور خوشخبری ہے حکم ماننے والوں کے لیے۔ (٨٩)

تفسیر

قیامت کے دن ہم ہر امت میں سے ایک گواہ کھڑا کریں گے جو اس بات کی گواہی دیگا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام انہیں پہنچا دیا تھا، امتیں اس بات کا انکار کردینگی، پھر آپ کو ان پر بطور گواہ لایا جائے گا اور آپ گواہی دینگے کہ پیغمبروں نے سچ کہا کہ انہوں نے آپ کا پیغام اپنی امتوں کو پہنچا دیا تھا۔

آگے ارشاد ہے کہ: ہم نے اے پیغمبر! آپ کی طرف ایک عظیم الشان کتاب اتاری، جس میں قیامت کے دن تک کے لئے ہر چیز جو دنیا اور آخرت میں انسان کے کام آنے والی ہے خوب کھول کر بیان کردی گئی ہے، اس سے ہر انسان ہدایت حاصل کرسکتا ہے، اس میں اسے آخرت کے فائدے کی ہر چیز ملے گی اور آخرت میں نقصان دینے والی چیز علم میں آجائے گی۔

ارشاد ہوتا ہے کہ: ہم نے ہر چیز کو واضح کرنے کے لئے آپ کی طرف کتاب اُتاری ہے، یعنی: ہر چیز کی بہت زیادہ وضاحت کرتی ہے۔

ایک سرسری نظر میں یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں ہر مسئلہ کی وضاحت تو نہیں ہے، پھر "تِبْيَان" کا کیا مطلب ہے؟ تو مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں کسی چیز کو کسی مقام پر اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے اور کہیں تفصیل موجود ہے، بعض مقامات پر پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے زبان اور عمل سے کسی حکم کی جزئیات سے آگاہ کردیں گے، لہٰذا پیغمبر کی وضاحت بھی قرآن پاک کی طرف سے ہی وضاحت سمجھی جائے گی، اس کے علاوہ اگر کوئی مسئلہ قرآن وسنت میں صراحت کے ساتھ موجود نہیں مگر اس پر مسلمانوں کا اجماع ہوگیا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے بیان سمجھا جائے گا اور قرآن پاک کے "تِبْيَان" میں شمار ہوگا۔

زمانے کے ساتھ ساتھ نئے نئے پیدا ہونے والے مسائل کے حل کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجتہاد واستنباط کے اصول بھی بیان فرمائے ہیں، جگہ جگہ "فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ" کے الفاظ آتے ہیں، یعنی: اے عقل اور سمجھ والوں! قرآن پاک میں بیان کیے ہوئے اصولوں پر غور وفکر کرکے نئے مسائل کا حل نکالو۔

قرآنی تعلیم کا خلاصہ

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى

تحقیق　اللہ　حکم کرتا ہے　عدل کا　اور　احسان کا　اور　دینے کا　رشتہ داروں　اور　منع کرتا ہے

عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٩٠﴾

سے　بے حیائی　اور　ناشائستہ کاموں سے　اور　سرکشی سے　سمجھاتا ہے تم کو　تاکہ تم　نصیحت مانو　(۹۰)

بامحاورہ ترجمہ: ۔ اللہ تعالیٰ حکم کرتا ہے انصاف کرنے کا اور بھلائی کرنے کا اور قرابت داروں کو دینے کا

اور منع کرتا ہے بے حیائی سے اور نامعقول کاموں سے اور سرکشی سے، سمجھاتا ہے تمہیں تاکہ تم یاد رکھو۔(۹۰)

تفسیر

اس آیت میں ان ساری چیزوں کو چند لفظوں میں بیان کر دیا گیا ہے کہ جن پر انسانوں کی کامیابی اور بھلائی کا دارومدار ہے۔

ارشاد ہے کہ: انسان کو اپنے ساتھ اور دوسروں کے ساتھ برتاؤ کرنے میں تین چیزوں کا خیال رکھنا چاہئے:

(۱).... عدل وانصاف کا۔(۲).... رحم ومروت کا۔(۳).... سخاوت کا۔اور تین چیزوں سے بچنا چاہئے۔

(۱).... بے حیائی سے۔(۲).... ناشائستہ کاموں سے۔(۳).... ظلم اور زیادتی سے۔پھر ان نیک کاموں کا کرنا اور برے کاموں سے رُکنا بھی اس خیال سے ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے، آخر میں یہ بھی بتادیا ہے کہ یہ آیت تم کو اس لیے سنائی جارہی ہے کہ تم اپنے حقوق وفرائض کو سمجھو اور ہر وقت یاد رکھو کہ تمہیں کیا کام کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا ہے۔

کئی حضرات صرف یہی آیت سن کر ایمان لائے، حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ ابتدائی دور میں ہی اسلام لے آئے، یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دودھ شریک بھائی بھی ہیں، مدینہ طیبہ پہنچ کر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے سب سے پہلے فوت ہونے والے بھی آپ ہی ہیں، آپ خود بیان کرتے ہیں کہ شروع شروع میں میں اسلام قبول کرنے سے کتراتا تھا، ایک دفعہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ آپ پر وحی اترنے لگی آپ نے دو دفعہ اوپر دیکھا، پھر نگاہ مبارک نیچے کی طرف کر لی، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر بات کرنی شروع کر دی، کہتے ہیں کہ میں نے اس وحی اترنے کے متعلق پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے یہی آیت پڑھ دی جو اس وحی کے دوران نازل ہوئی تھی، میں اس آیت کو سن کر ایمان لے آیا۔

اس آیت میں تین باتوں کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس میں سے پہلی چیز ہے عدل۔حدیث شریف میں

آتا ہے کہ عدل کرنے والوں کو قیامت کے دن کستوری کے ٹیلوں پر بٹھایا جائے گا۔

دوسری چیز جس کا حکم دیا گیا ہے وہ ہے احسان۔حدیث میں اعلیٰ درجے کی عبادت کو احسان کہا گیا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ: احسان اس چیز کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح سے کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر یہ صورت حال پیدا نہ ہو سکے تو کم از کم اتنا تصور کر لو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے، تو یہ احسان کا ایک معنی ہے، البتہ اس جگہ میں احسان سے مراد نیکی، ہمدردی، اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح، ان کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ ہے۔

تیسری چیز ہے رشتہ داروں کا حق ادا کرنا۔ ہر شخص کے ساتھ اچھا سلوک کرنا احسان کی منزل ہے جبکہ رشتہ داروں کا حق دوہرا ہوتا ہے، ایک دین کا تعلق ہوتا ہے اور دوسرا رشتہ داری کا، لہٰذا دوسروں کی نسبت ان کا حق زیادہ ہوتا ہے، شریعت میں رشتہ داروں کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرنے کی بڑی تاکید آئی ہے۔

اس کے بعد تین چیزوں سے روکا گیا ہے جن میں پہلی چیز ہے: اَلْفَحْشَآءِ: یعنی: بے حیائی، اس میں عریانی، فحاشی، بدکاری، گالی گلوچ، ناچ گانے وغیرہ داخل ہیں، ان چیزوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور دوسری چیز ہے: اَلْمُنْكَرِ: اس میں وہ تمام بری چیزیں آجاتی ہیں جن سے شریعت بھی منع کرتی ہے اور عقل بھی برا جانتی ہے، ہر نامعقول بات جو فطرت اور عقل کے خلاف ہو منکر کی تعریف میں آتی ہے۔

اور تیسری چیز ہے: اَلْبَغْيِ: یعنی: بغاوت اور سرکشی۔

عہد و پیمان

وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَ لَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ

اور | پورا کرو | عہد | اللہ کا | جب | عہد کرو تم آپس میں | اور | نہ | توڑو | قسموں کو | بعد

تَوْكِيْدِهَا وَ قَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ

ان کے پختہ کرنے کے | اور | تحقیق | کر دیا ہے تم نے | اللہ کو | پر اپنے | ذمہ دار | تحقیق | اللہ | جانتا ہے

مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَ لَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ
جو تم کرتے ہو (۹۱) اور مت ہو طرح اس عورت کے کہ جس نے توڑا کاتا ہوا سوت اپنا سے پیچھے

قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ؕ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ
مضبوطی کے ٹکڑے ٹکڑے بناتے ہو قسموں اپنی کو دخل کا بہانہ درمیان اپنے تاکہ ہوجائے

اُمَّةٌ هِيَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَ لَيُبَيِّنَنَّ
ایک گروہ وہی بڑھتا ہوا سے گروہ بات یہی ہے کہ آزماتا ہے تم کو اللہ سے اس اور البتہ ضرور کھول دے گا

لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾
لیے تمہارے دن قیامت کے وہ کہ تھے تم میں اس اختلاف کرتے (۹۲)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور اللہ کا عہد پورا کرو جب تم آپس میں عہد کرو، اور قسموں کو نہ توڑو ان کے پکا کرنے کے بعد، اور تم نے اللہ کو اپنا ضامن کیا ہے اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو۔(۹۱) اور مت ہو اس عورت کی طرح جس نے اپنا کاتا ہوا سوت مضبوط کرنے کے بعد توڑ ڈالا ٹکڑے ٹکڑے کر کے کہ اپنی قسموں کو ایک دوسرے کے درمیان دخل دینے کا بہانہ بناؤ، اس واسطے کہ ایک فرقہ بڑھا ہوا رہے دوسرے پر، اللہ تعالیٰ تم کو اس کے ذریعے آزماتا ہے اور آئندہ قیامت کے دن تم پر کھول دے گا جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔(۹۲)

لفظی تحقیق: غَزْلٌ: کتا ہوا سوت۔"غزل" کے معنی کاتنے کے ہیں، مغزل اسی سے بنا ہے جو عربی میں "تکلے" کو کہتے ہیں۔ اَنْكَاثًا: ٹکڑے ٹکڑے۔ دَخَلًا: کسی کے درمیان میں گھس جانا تاکہ ان میں فساد یا لڑائی کرادے۔

تفسیر

انسان جبھی ترقی کرسکتا ہے جب آپس کے معاملوں میں ان اخلاقی اصولوں کی سختی کے ساتھ پابندی کرے جو انہیں بتائے گئے ہیں، ان میں سے ایک بات قول وقرار کی پابندی ہے، عرب میں یہ بری عادت رواج

پکڑ گئی تھی کہ جب اپنا کام نکالنا ہوتا تو ایک جماعت کسی دوسری جماعت سے سمجھوتہ کرلیتی اور اللہ کا نام بیچ میں لاکر عہد کرلیتے کہ ہم آپس میں ان شرطوں کی پابندی کریں گے جو ہمارے درمیان طے ہوگئی ہیں، پھر اگر دیکھتے کہ کسی اور زبردست قوم سے سمجھوتہ کرنا زیادہ مفید ہے تو پہلے سمجھوتے کو بلا جھجک توڑ ڈالتے، اور اس دوسری جماعت سے اسی طرح قسمیں کھا کر عہد کرلیتے، قرآن کریم بتاتا ہے کہ جب تم قول وقرار کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام بیچ میں لاتے ہو تو پھر اس کے توڑنے کے کیا معنی؟ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے واقف نہیں؟ ایسا خیال تمہاری نادانی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کام سے اچھی طرح واقف ہے، اس کے نام سے جو قول وقرار کرو، اس کو پورا کرو، ورنہ وہ تمہیں سزا دے گا، قول وقرار کرکے توڑ دینا عدل کے خلاف ہے۔

اس آیت میں اس بات کو ایک مثال دے کر سمجھایا گیا ہے کہ قول دے کر پھر جانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک دیوانی عورت بڑی محنت سے مضبوط سوت کاتتی ہے اور جب وہ تیار ہوجاتا ہے تو اس کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کردیتی ہے اور ہمیشہ اسی ادھیڑ بن میں رہتی ہے۔

قسمیں کھا کھا کر لوگوں کے اندر گھس جانا اور یقین دلانا کہ ہم دھوکہ نہیں دیں گے، لیکن اس کے بعد کسی اور قوم کو زیادہ مضبوط دیکھ کر پہلی قوم کے عہد کو بغیر اس کے اطلاع دیے توڑ دینا اور اپنے فائدے کے لیے اس مضبوط قوم سے یارانہ گانٹھ لینا، انتہائی درجے کی بداخلاقی ہے، ایسے لوگ آخر اپنا اعتبار کھو بیٹھیں گے، اگر فرض کرو کہ یہی عادت عام طور پر ہر جگہ رائج ہوجائے تو اجتماعی زندگی کا اعتماد اور وقار ختم ہوجائے گا، یہ بات عدل کے خلاف ہے جو اجتماعی زندگی کی پہلی شرط ہے۔

احکام ومسائل

عہد توڑنا حرام ہے

لفظ "عہد" ان تمام معاملوں اور معاہدوں کو شامل ہے جن کا زبان سے اقرار کیا جائے، یعنی: اس کی ذمہ

داری لی جائے، خواہ اس پر قسم کھائے یا نہ کھائے، خواہ وہ کسی کام کرنے سے متعلق ہو یا نہ کرنے سے۔

پچھلی آیت میں عدل واحسان کا ذکر تھا اور عدل کے مفہوم میں "عہد" کا پورا کرنا بھی داخل ہے۔

کسی سے "عہد و معاہدہ" کر لینے کے بعد اس کو توڑنا بڑا گناہ ہے، مگر اس کے توڑنے پر کوئی کفارہ مقرر نہیں، بلکہ آخرت کا عذاب ہے، حدیث میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: قیامت کے روز "عہد" توڑنے والے کی کمر پر ایک جھنڈا گاڑ دیا جائے گا جو میدانِ حشر میں اس کی رسوائی کا سبب بنے گا۔

اسی طرح جس کام کی قسم کھائی اس کے خلاف کرنا بھی گناہ کبیرہ ہے، آخرت میں وبال عظیم ہے اور دنیا میں بھی اس کی خاص صورتوں میں کفارہ لازم ہوتا ہے۔

اس آیت میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جس جماعت سے تمہارا معاہدہ ہو جائے اس معاہدہ کو دنیا کے کسی نفع اور غرض کے لیے نہ توڑو، مثلاً: تمہیں یہ محسوس ہو کہ جس پارٹی سے تمہارا معاہدہ ہوا ہے یہ کمزور اور تعداد میں کم ہیں یا مال کے اعتبار سے مفلس ہیں اور اس کے مقابل دوسری جماعت طاقت اور مال کے اعتبار سے اس پہلی جماعت سے بہتر ہے، تو صرف اس طمع اور لالچ کی وجہ سے کہ اس دوسری جماعت کے ساتھ معاہدے میں زیادہ فائدے حاصل ہوں گے، اس پہلی جماعت سے "عہد" توڑنا جائز نہیں، البتہ جس پارٹی سے "عہد" کیا ہے وہ اگر خلاف شرع کام کرے یا کرائے تو اس کا "عہد" توڑ دینا واجب ہے، بشرطیکہ واضح طور پر ان کو جتلا دیا جائے کہ ہم اس "عہد" کے پابند نہیں رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ بندوں کا امتحان لیتے ہیں کہ یہ انسان اپنے نفس کی خواہشوں کے تابع ہو کر "عہد" کو توڑ دیتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرنے میں اپنے دلی جذبات کو قربان کرتا ہے۔

اختلاف اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے

وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ لٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

اور اگر چاہتا اللہ البتہ کر دیتا تم کو امت ایک اور لیکن گمراہ کرتا ہے جس کو چاہے

وَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَ لَا

اور ہدایت کرتا ہے جس کو چاہے اور البتہ تم پوچھے جاؤ گے اس کے متعلق جو تھے تم کرتے (۹۳) اور نہ

تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا

بناؤ قسموں اپنی کو ذریعہ فریب کا آپس میں پس پھسلے قدم بعد جم جانے اس کے

وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَ لَكُمْ

اور چکھو گے تم وبال اس کا کہ روکا تم تھے سے راستے اللہ کے اور لیے تمہارے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾

عذاب ہے بڑا (۹۴)

بامحاورہ ترجمہ: ۔اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو ایک ہی فرقہ کر دیتا لیکن وہ جس کو چاہے راہ بھلاتا ہے اور جس کو چاہے راہ دکھاتا ہے اور تم سے پوچھ ہوگی جو تم کرتے ہو۔(۹۳) اور اپنی قسموں کو آپس میں دھوکا دینے کا ذریعہ مت بناؤ، پس تمہارا قدم جم جانے کے بعد پھسل جائے گا، اور تم ہر برائی کا مزہ چکھو گے اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کی وجہ سے اور تمہیں بڑا عذاب ہوگا۔(۹۴)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے: کہ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو سب کو ایک ہی قسم کا بنا دیتا، سب کی حالت ایک ہوتی اور سب کے عقیدے بھی ایک ہی ہوتے، لیکن نہیں، اس کی حکمت کا تقاضا ہوا کہ انسانوں میں مختلف خیالات والے لوگ ہوں اور اسی کے مطابق کسی کو سیدھے راستے سے ہٹا دیا جائے اور کسی کو راہ راست پر چلنے کی توفیق عطا کی جائے، دنیا میں گمراہ اور ہدایت یافتہ، ایمان دار اور کفر کرنے والے سب زندہ رہیں، کوئی کسی کو نہ ستائے، آپس میں اخلاق کا برتاؤ کریں اور قول وقرار کا خیال رکھیں، عارضی فائدے کے لئے اخلاق کا خون نہ کریں،

خیالات کے اختلاف کی وجہ سے آپس میں "تُوتُو" "میں میں" نہ کریں، انسان کے تمام کاموں کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، وہاں ایمان دار، بے ایمان، خوش اخلاق، بد اخلاق، ٹیڑھے اور سیدھے سب کا کیا دھرا کھول دیا جائے گا اور کہا جائے گا، بولو! دنیا میں کیا کیا؟ برائیوں میں کیوں پھنسے؟ نیک کام کیوں نہ کیے؟

آگے ارشاد فرمایا کہ: آپس میں بدعہدی نہ کرو، اگر بدعہدی کرو گے تو وہ لوگ جو تمہاری ایمانداری دیکھ کر تم میں شامل ہیں تم سے علیحدہ ہو جائیں گے کہ یہ لوگ تو دھوکے باز ہیں اور جو تم میں شامل ہونا چاہتے ہیں وہ بھی اپنا ارادہ بدل دیں گے کہ ایسے لوگوں کا کیا اعتبار جو اپنے تھوڑے سے نفع کے لئے پرانے دوستوں کو چھوڑ کر نئے یارانے گانٹھنے میں ذرا دیر نہ لگاتے ہوں، ایسے طرز عمل سے تمہارے پکے دوست بھی تم سے علیحدہ ہو جائیں گے، اسلام بدنام ہو جائے گا اور تمہارا برتاؤ دیکھ کر لوگ اللہ کے مقرر کیے ہوئے راستے سے ڈگمگا جائیں گے یا اسے اختیار کرتے کرتے ایک دم چھوڑ بیٹھیں گے، اس سے تمہاری جماعت کو سخت نقصان پہنچے گا اور انجام کار تم بڑے عذاب میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

فرمایا: اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی گروہ میں شامل کر دیتا لیکن وہ جسے چاہتا ہے گمراہی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور گمراہ وہی ہوتا ہے جو ہٹ دھرمی اور ظلم و زیادتی کی وجہ سے اپنی فطرت کو خراب کر لیتا ہے، ایسے لوگوں سے متعلق اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہدایت نہیں دیتا، اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو ہدایت کے راستے پر نہیں ڈالتا، اللہ تعالیٰ کافروں کو ہدایت نصیب نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ بلا وجہ کسی کے دل پر مہر لگا کر اسے ہدایت سے محروم نہیں کرتا اور نہ اسے ایمان سے محروم کرتا ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کے خلاف ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ ہدایت کی ساری باتیں واضح کرنے کے بعد گمراہی کا راستہ اختیار کرنے والوں کو اسی طرف ڈال دیتا ہے۔

اور تم سے سوال کیا جائے گا ان کاموں سے متعلق جو تم کرتے تھے، آگے منزل آنے والی ہے جہاں کوئی عذر نہیں سنا جائے گا، لہٰذا کسی کے ساتھ بدعہدی نہیں کرنی چاہئے، بلکہ ہر مومن اور کافر کے عہد کو پورا کرنا چاہئے۔

اپنی قسموں کو اپنے درمیان فساد کا ذریعہ نہ بناؤ، پہلے قسم اٹھا کر پختہ عہد کر لیا اور پھر اس کی خلاف ورزی کی

، یہ اخلاقی طور پر بڑے عیب کی بات ہے، اگر ایسا کرو گے تو اس کا نتیجہ بد اعتمادی کی صورت میں ظاہر ہوگا اور کوئی تمہارا مددگار نہیں ہوگا، اگر تم عہد کی پابندی نہیں کرو گے تو لوگوں کو دین سے بیگانہ کرنے کا ذریعہ بنو گے، اور اس طرح تمہاری یہ بدعہدی لوگوں کی گمراہی اور دین سے دوری کا سبب بنے گی، اور اگر بدعہدی نہیں کرو گے تو ساری دنیا اسلام کی برتری کی قائل ہوجائے گی اور اسلام کو سچا مذہب ماننے پر مجبور ہوجائے گی۔

لَاتَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا: اس آیت میں ایک اور عظیم گناہ اور وبال سے بچنے کی ہدایت ہے، وہ یہ کہ قسم کھاتے وقت ہی سے اس قسم کے خلاف کرنے کا ارادہ ہو، صرف مخاطب کو دھوکا دینے کے لئے قسم کھائی جائے تو یہ عام قسم توڑنے سے زیادہ خطرناک گناہ ہے، جس کے نتیجہ میں یہ خطرہ ہے کہ ایمان کی دولت سے ہی محروم ہوجائے۔

اللہ کا عہد

وَ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ

اور نہ قبول کرو بدلے عہد اللہ کے مول تھوڑا سا تحقیق جو پاس اللہ کے وہی بہتر ہے

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ

لیے تمہارے اگر ہو تم جانتے (۹۵) جو پاس ہے تمہارے ختم ہوگا اور جو پاس ہے اللہ کے

بَاقٍ ؕ وَ لَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

باقی رہنے والا ہے اور البتہ ضرور دیں گے ہم ان کو جنہوں نے صبر کیا اجر ان کا ان اچھے کاموں کا جو تھے وہ

يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ

کرتے (۹۶) جو کام کرے نیک سے مرد یا عورت اور وہ ایمان دار ہو

فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا

پس دیں گے ہم اس کو زندگی پاکیزہ اور عطا کریں گے ہم ان کو اجر ان کا ان بہتر کاموں کا جو

كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٩٧﴾

تھے وہ کرتے (۹۷)

بامحاورہ ترجمہ:۔اور اللہ کے عہد کے بدلے تھوڑا سا مول نہ لو بے شک جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو۔(۹۵) جو تمہارے پاس ہے ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا، اور ہم صبر کرنے والوں کو ان کا اجر دیں گے اچھے کاموں پر جو وہ کرتے تھے۔(۹۶) جس نے نیک کام کیا مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان دار ہو، پس ہم ان کو زندگی دیں گے ایک اچھی زندگی اور بدلہ دیں گے ان کو بہتر کاموں کا جو وہ کرتے تھے۔(۹۷)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جب عارضی فائدے کے لالچ سے پرانا قول وقرار توڑ کر کسی سے نیا عہد و پیمان کر لینا غداری اور بے وفائی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کر کے اس سے پھر جانا تو یقیناً عقل کی کمزوری کی مضبوط دلیل ہے اور بداخلاقی کی انتہاء ہے کہ دنیا کے عارضی فائدوں پر نظر کر کے ایسی باتیں کرنا کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی حکم عدولی ہوتی ہو اس عہد و پیمان کو توڑ دینا ہے جو اللہ تعالیٰ سے کیا تھا، یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس جو کچھ ہے وہ انسان کے لیے دنیا اور اس کے عارضی عیش و آرام سے کہیں بہتر ہے، اگر تم اس بات کو اچھی طرح سمجھ لو تو کبھی ایسی بے وقوفی نہیں کر سکتے کہ اس کے حکم کی پروا نہ کر کے دنیا ہی سمیٹنے میں لگ جاؤ اور انعام و اکرام کی قدر نہ کرو جو اس نے اپنے فرمانبرداروں کے لیے تیار کر رکھا ہے جو آخرت میں انہیں ملے گا، ایک موٹی سی بات یہ یاد رکھو! کہ دنیا کا سارا عیش و آرام آخر ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گا لیکن جو اللہ تعالیٰ کے پاس انعام ہے وہ ہمیشہ رہے گا کبھی ختم نہیں ہو گا۔

جنہوں نے دنیا میں اچھے کام کیے اور صبر سے کام لیا اور بے صبرے ہو کر دنیا کے عیش و آرام میں نہ

پڑے توان کوان کے اچھے کاموں کا پھل ملے گا اور یہاں کی بیہودہ خواہشوں سے رکنے کا اجر بہت بڑا ہوگا۔

ہمارے ہاں قاعدہ مقرر ہے کہ انسان مرد ہو یا عورت جو ایمان لاکر اچھے کام کرے گا ہم اس کو پاکیزہ زندگی عطا کریں گے اور اس کے بہترین کاموں کا اجر وثواب عطا فرمائیں گے، اس آیت میں ایمان لانے والوں کے لیے بہت بڑی خوشخبری ہے کہ ان کی زندگی دنیا میں بھی اطمینان بخش اور آسائش کی ہوگی اور جو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اچھے اچھے کام کریں گے ان کا اجر انہیں آخرت میں بھی بھرپور ملے گا۔

فرمایا: اور نہ خریدو اللہ کے عہد کے بدلے میں تھوڑی سی قیمت اگر اللہ کے نام کی قسم اٹھا کر عہد کیا، لیکن اگر اس عہد کو توڑ کر دنیا کے حقیر مال کو قبول کرلیا، تو یہ بڑے ہی خسارے کا سودا ہے، اگر تم اپنے عہد و پیمان پر قائم رہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا نتیجہ تمہارے لیے دنیا اور آخرت میں بہتر ہوگا دنیا میں لوگ تمہاری بات پر اعتماد کرینگے اور تمہیں یہاں بھلائی حاصل ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی بہتر اجر پاؤ گے، کاش! کہ تمہیں اس بات کا علم ہوتا۔

جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ تو ختم ہو جائے گا، جس مال کی خاطر تم نے جھوٹی قسمیں اٹھائیں اور پھر عہد کو توڑا ، وہ تو تمہارے پاس نہیں رہے گا، لفظ "ما" عام ہے اس سے مراد صرف مال و دولت ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہر چیز زندگی، صحت، زمین، مکان، باغات، کارخانے وغیرہ اس میں شامل ہیں، تمہیں اس دنیا سے بالآخر جانا ہے اور پھر تمہارے پاس کچھ بھی نہیں رہے گا، اس دنیا کی ہر چیز فانی ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے، ہر چیز کا والی اور وارث اللہ تعالیٰ ہی ہے، انسان کا ایمان، نیکی، اخلاص، خضوع، طہارت سب اللہ کے پاس محفوظ رہتے ہیں، ان میں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوتی، لہذا دنیا کی فنا ہونے والی چیزوں کی خاطر ہیرا پھیری کرنے کے بجائے نیکی کو اپنالو کہ یہی چیز باقی رہنے والی ہے جو کام دے گی۔

جس نے نیک اعمال کیے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، نیک اعمال کے بدلے میں مرد و عورت میں کوئی فرق نہیں ہے، ہر ایک کو اس کے اچھے عملوں کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا، قرآن کریم کے اترنے کے زمانے میں بعض عورتوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ ہر میدان میں مرد ہی آگے آگے رہتے تھے، اور ہر مقام پر اللہ تعالیٰ

نے انہی کا تذکرہ فرمایا ہے، حالانکہ ہماری بھی اچھی خاصی تعداد ہے، ان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کی تسکین کے لیے قرآن مجید میں مختلف جگہوں پر مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کا ذکر بھی فرمایا ہے۔

فرمایا: جس نے بھی نیک کام کیا خواہ وہ مرد ہو یا عورت شرط یہ ہے کہ اسے ایمان کی دولت حاصل ہو، ایمان کی بنیاد ہوگی تو نیک عمل بھی پھل لائیں گے، ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہم انہیں پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔

قرآن مجید پڑھنے کا طریقہ

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾

پس جب پڑھیں آپ قرآن تو پناہ لیں اللہ کی سے شیطان مردود (۹۸)

اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾

واقعہ یہ ہے کہ نہیں اس کا کچھ زور پر ان لوگوں جو ایمان لائے اور پر رب اپنے بھروسہ کرتے ہیں (۹۹)

بامحاورہ ترجمہ: سو! جب آپ قرآن پڑھنے لگیں تو شیطان مردود سے اللہ کی پناہ لیں۔ (۹۸) اس کا زور ان پر نہیں چلتا جو ایمان رکھتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ (۹۹)

تفسیر

اس آیت میں ارشاد ہے کہ: قرآن مجید کو دل لگا کر پڑھنے اور اس کے مطلب پر غور کرنے سے انسان کو شیطان روکتا ہے، کیونکہ وہ نہیں چاہتا کہ انسان کو ایمان نصیب ہو اور وہ نیک کام کرنے لگے، اس لیے قرآن مجید پڑھنے لگو تو دل اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرو، اور اس سے عرض کرو کہ اے اللہ! شیطان مردود کے گھات سے ہمیں بچا اور اس کے لئے زبان سے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" کہو، اگر تم اللہ تعالیٰ کی طرف سچے دل سے متوجہ ہوگے اور اس کے اوپر بھروسہ کر کے قرآن مجید پڑھ کر اس کے معنی پر توجہ کروگے، تو شیطان

کے بہکانے کا تم پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ ایمان لانے والوں اور اپنے تمام کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے اس سے مدد اور اس کی پناہ مانگنے والوں پر شیطان مردود کا کچھ زور نہیں چل سکتا، ورنہ وہ مردود اپنی تخریب کاریوں سے نہیں چوکتا، کبھی کہتا ہے کہ قرآن پڑھ کر کیا کرے گا؟ دنیا میں اور کیا تھوڑے کام ہیں جو تو "نعوذ باللہ" اس میں وقت گنواتا ہے۔

فرمایا: بیشک اس کا غلبہ ایمان والوں پر نہیں ہوگا اور ان پر بھی نہیں ہوگا جو اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں، گویا کہ کامل ایمان والے لوگوں پر شیطان کا داؤ نہیں چلتا۔

احکام و مسائل

مسئلہ:۔ قرآن مجید کی تلاوت سے پہلے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" کا پڑھنا اس آیت پر عمل کرتے ہوئے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، مگر کبھی کبھی اس کا چھوڑ دینا بھی صحیح حدیثوں سے ثابت ہے، اس لیے اکثر علماء کرام نے اس حکم کو واجب نہیں بلکہ سنت قرار دیا ہے، اور ابن جریر طبری نے اس پر امت کا اجماع نقل کیا ہے۔

مسئلہ:۔ نماز میں "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" صرف پہلی رکعت میں پڑھا جائے گا امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک۔

مسئلہ:۔ قرآن کی تلاوت نماز میں ہو یا نماز کے باہر دونوں صورتوں میں تلاوت سے پہلے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ" پڑھنا سنت ہے، اگر ایک دفعہ پڑھ لیا تو آگے جتنا پڑھتا رہے وہی ایک مرتبہ پڑھنا اس کے لئے کافی ہے، البتہ تلاوت کو درمیان میں چھوڑ کر کسی دنیوی کام میں لگ گیا اور پھر دوبارہ پڑھنا شروع کیا تو دوبارہ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ" اور "بِسْمِ اللّٰهِ" پڑھنا چاہئے۔

مسئلہ:۔ تلاوت قرآن کے سوا کسی دوسرے کام یا کتاب پڑھنے سے پہلے "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ" پڑھنا سنت نہیں ہے، وہاں صرف "بِسْمِ اللّٰهِ" پڑھنا چاہئے۔

البتہ مختلف حالات واعمال میں تعوذ کی تعلیم حدیث میں آئی ہے، مثلاً: جب کسی کو غصہ زیادہ آئے تو حدیث میں ہے کہ "اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ" پڑھنے سے غصہ کی تیزی دور ہوجاتی ہے۔

شیطان کا داؤ

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ۱۳ ع ۱۱ ۱۹

بات یہی ہے کہ زوراس کا پر ان لوگوں کے جو دوستی رکھتے ہیں اس سے اور وہ لوگ جو اس کے بہکانے سے شرک کرتے ہیں (۱۰۰)

وَ اِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا

اور جب بدلتے ہیں ہم ایک آیت بجائے دوسری آیت کے اور اللہ زیادہ جانتا ہے اس کو جو وہ اتارتا ہے کہتے ہیں

اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

بات یہی ہے کہ تو گھڑتا ہے بلکہ اکثر ان کے نہیں جانتے (۱۰۱)

بامحاورہ ترجمہ: اس کا زور تو انہی پر ہے جو اس سے دوستی کرتے ہیں اور جو اس کے بہکانے کے سبب شرک کرتے ہیں۔ (۱۰۰) اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جو اُتارتا ہے، تو کہتے ہیں تُو تو خود گھڑتا ہے، نہیں بلکہ اکثر ان میں بے خبر ہیں۔ (۱۰۱)

تفسیر

اس آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہے جن پر شیطان قابو پالیتا ہے اور وہ اللہ کی مدد اور اس کی رحمت سے محروم ہوجاتے ہیں، فرماتے ہیں کہ: جو لوگ اچھی باتوں سے علیحدگی اختیار کرلیں اور ہمیشہ دنیا ہی کے جھگڑوں میں پھنسے رہیں اور یہیں کے کھیل تماشوں میں دل بہلانے کے عادی ہوجائیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ یہ لوگ شیطان کو اپنا ساتھی بنا چکے ہیں۔

شیطان اپنے ماننے والوں کو پہلے یہی سکھاتا ہے کہ قرآن مجید کو اللہ کا کلام نہ مانیں، اس سے آگے کی آیت میں ارشاد ہے کہ: شیطان لوگوں کے دلوں میں قرآن مجید کے متعلق کیا کیا شبہات پیدا کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ قرآن مجید کے حکم تو بدلتے رہتے ہیں، پہلے نماز کا کوئی وقت مقرر نہیں تھا پھر پانچ نمازیں اپنے خاص وقتوں میں مقرر ہوئیں، پہلے قبلہ اور تھا پھر اور ہو گیا، پہلے حکم تھا کہ کسی سے نہ لڑو، پھر حکم آیا کہ ہتھیار سنبھالو اور مخالفوں سے جنگ کرو، اللہ تعالیٰ اس آیت میں ارشاد فرماتے ہیں کہ: ہم حالات کے بدل جانے سے حکموں کو بدل دیتے ہیں، اس پر یہ لوگ جو مصلحت کو ذرا نہیں سمجھتے، کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو ایک خود بنایا ہوا کلام ہے، جیسا چاہا وقت پر بنا لیا یہ اکثر لوگ حقیقت حال سے ناواقف ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت تبدیل کرتے ہیں تو دوسری آیت اُتارنے کی حکمت ہم اچھی طرح جانتے ہیں، کافر اور مشرک لوگ پیغمبر کو کہتے ہیں کہ تُو تو جھوٹ گھڑتا ہے کہ فلاں حکم فلاں کے ساتھ بدل گیا، بھلا! اللہ کو اپنا حکم بدلنے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا اللہ کو پہلے معلوم نہیں تھا کہ کون سا حکم اس کی مخلوق کے لیے مناسب ہے؟

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: کہ ہم خوب جانتے ہیں جس چیز کو اتارتے ہیں، اور اپنے پہلے حکم کا بھی اچھی طرح علم رکھتے ہیں، جس طرح زمانہ اور واقعات بدلتے رہتے ہیں اسی طرح ہم اس کی مصلحت کے مطابق حکم بھی بدلتے رہتے ہیں۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ کسی مریض کو کسی وقت میں کسی دوا کی ضرورت ہوتی ہے، جب کہ کچھ وقت کے بعد اس کی حالت کے مطابق دوا تبدیل ہو جاتی ہے، کبھی سرد دوا مناسب حال ہوتی ہے تو کبھی گرم دوا، گویا مریض کے مرض میں تبدیلی کے ساتھ طبیب دوا بھی تبدیل کرتا رہتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی انسانی معاشرے کے حالات وضروریات کو جاننے والے ہیں؛ اس لیے وہ ان کے حال کے مناسب حکم بیان فرماتے ہیں، پھر جب معاشرے میں کچھ تبدیلی آجاتی ہے اور اسے دوسرے حکموں کی ضرورت ہوتی ہے تو پہلے کے حکم ختم کر کے

دوسرے جاری کر دیئے جاتے ہیں، اب اللہ تعالیٰ کی آخری شریعت آخری پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مکمل ہو چکی ہے، اب یہ حکم ہمیشہ کے لیے ہیں جس میں تبدیلی کی گنجائش نہیں، لہذا جب تک دنیا کا یہ نظام قائم ہے یہ احکام بھی باقی رہیں گے۔

قرآن کے اترنے کے زمانے میں بعض حکم تبدیل ہوتے رہے، مکی زندگی میں جو حکم تھا وہ مدنی زندگی میں جا کر تبدیل ہو گیا، مثلاً: کافروں اور مشرکوں کے ساتھ جنگ کرنا یہ مکی زندگی میں منع تھا، پھر جب مدنی دور میں مسلمانوں کے پاس کچھ طاقت جمع ہوئی تو اللہ کا حکم کافروں اور مشرکوں کے ساتھ اعلان جنگ کا آیا۔

"سورہ بقرہ" میں ہے کہ جب ہم کوئی حکم منسوخ کرتے ہیں یا آپ کو بھلا دیتے ہیں تو اس کے بدلے اس سے بہتر یا کم از کم اسے جیسا دوسرا حکم لے آتے ہیں، بہتر سے مراد یہ ہے کہ نیا حکم اپنی نوعیت اور اجر و ثواب کے اعتبار سے بہتر ہوتا ہے، ایسے حکم پر عمل کرنے میں بھی سہولت ہوتی ہے۔

قرآن کی حقیقت

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ

کہہ دے اتارا اس کو روح پاکیزہ نے سے رب آپ کے ساتھ حق تاکہ پختہ کرے ان کو جو

اٰمَنُوْا وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۝۱۰۲ وَ لَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ

ایمان لائے اور ہدایت اور خوش خبری مسلمانوں کیلئے ہے (۱۰۲) اور البتہ تحقیق ہم جانتے ہیں کہ وہ لوگ

يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ

کہتے ہیں بات یہی ہے کہ سکھاتا ہے اس کو ایک آدمی زبان اس شخص کی کہ اشارہ کرتے ہیں وہ طرف جس کی

اَعْجَمِيٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ۝۱۰۳ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

عجمی ہے اور یہ زبان عربی ہے صاف (۱۰۳) تحقیق جو لوگ نہیں ایمان لاتے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۝۱۰۴

پر نشانیوں اللہ کی نہیں راہ سمجھاتا ان کو اللہ اور لیے ان کے عذاب ہے دردناک (۱۰۴)

بامحاورہ ترجمہ:۔آپ کہہ دیں کہ اس کو پاکیزہ روح، یعنی: جبرئیل علیہ السلام نے آپکے رب کی طرف سے اتارا ہے حق کے ساتھ، تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم کرے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری ہو۔ (۱۰۲) اور ہم کو خوب معلوم ہے کہ وہ کہتے ہیں اس کو ایک آدمی سکھلاتا ہے اس شخص کی زبان جس کی طرف یہ اشارہ کرتے ہیں عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی زبان ہے۔ (۱۰۳) وہ لوگ جنہیں اللہ کی باتوں پر یقین نہیں، اللہ انہیں راہ نہیں سجھاتا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ (۱۰۴)

تفسیر

اس آیت میں قرآن مجید کی اصل حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اس عظیم الشان کتاب کو اے پیغمبر! آپ کے رب نے آپ کی طرف بھیجا ہے اور اس کو آپ تک لانے والے "روح القدس" یعنی جبریل علیہ السلام ہیں، جبریل امین کو "روح القدس" یعنی: پاکیزگی والی روح اس لئے کہا گیا کہ وہ تمام ظاہری اور باطنی گندگیوں سے پاک ہے، ظاہری گندگی تو اس لیے نہیں کہ وہ صرف روح ہی روح ہے، ظاہری گندگی تو بدن کی وجہ سے ہوتی ہے اور بدن ہی سے متعلق ہوتی ہے، ظاہری گندگی سے روح کا کیا کام؟ باطنی گندگی مثلاً جھوٹ بولنے، دھوکا دینے، خیانت وغیرہ سے بھی پاک روحیں پاک صاف ہوتی ہیں۔

جبریل امین کے بھیجنے سے اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں کے دل کو مضبوط کرتے ہیں اور موقع بہ موقع حسب مصلحت آیتیں اترتی دیکھ کر انہیں اطمینان ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے کاموں کو دیکھ رہا ہے اور ہمارے حالات سے واقف ہے، جیسا موقع ہوتا ہے اسی کے مطابق حکم نازل فرماتا ہے۔

اور مسلمانوں کو اس سے بہر حال آسانی کے ساتھ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس وقت کیا کام کرنا چاہئے، اول تو خود حکم ہی صاف ہوتا ہے کہ اس وقت یہ کرو، پھر پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خود کام میں شریک ہو کر بتا دیتے ہیں کہ اس طرح کام کرو، اور جبریل کا اترنا مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہے تمہارے کاموں کا تمہیں بہت اچھا پھل ملے گا، دنیا میں بھی کامیاب رہو گے اور آخرت میں بھی ہمیشہ کا عیش اور آرام حاصل کرو گے۔

آگے ارشاد ہے کہ: ہمیں معلوم ہے کہ یہ لوگ قرآن بنا کر پیغمبر ﷺ کو سکھانے والا ایک ایسے شخص کو بتاتے ہیں کہ جس کی زبان بھی عربی نہیں ہے، ایسے شخص کے متعلق یہ کہنا کہ وہ ایسی فصیح وبلیغ عربی عبارت میں قرآن مجید جیسی کتاب لکھ کر تیار کر سکتا ہے، انتہائی درجے کی بے وقوفی ہے اور ایسی بے وقوفی انہی لوگوں سے ہوتی ہے جو اللہ کی نشانیوں کو دیکھ کر اللہ کو نہیں پہچانتے، اللہ انہیں غفلت کی وجہ سے گمراہی میں رہنے دیتا ہے، وہاں قیامت کے دن ان کے لیے بہت ہی دکھ دینے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

فرمایا: ہم خوب جانتے ہیں کہ کافر ومشرک لوگ یوں کہتے ہیں کہ یہ قرآن پاک پیغمبر ﷺ کو کوئی انسان سکھاتا ہے۔

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جبر، یسار، یعیش یا بلعام نامی ایک رومی غلام تھا، اس کا پہلا مذہب عیسائیت تھا، وہ "انجیل" پڑھا کرتا تھا، پھر اس نے اسلام قبول کر لیا، یہ شخص رات کے وقت کبھی کبھی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپ سے دین سیکھتا، کبھی کبھار خود پیغمبر ﷺ بھی اس کے پاس تشریف لے جاتے، اس پر مشرکوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ عجمی شخص آپ کو باتیں سکھاتا ہے جسے آپ قرآن کے نام سے پیش کر دیتے ہیں۔

اس بہتان کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ لوگ جس شخص کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر ﷺ کو قرآن سکھاتا ہے اس کی زبان عربی ہے ہی نہیں، اور اللہ کا یہ کلام، یعنی: قرآن مجید تو خالص عربی زبان میں ہے، بھلا وہ شخص جو خود ٹھیک طریقے سے عربی زبان میں بیان نہیں کر سکتا وہ قرآن پاک جیسا کلام کیسے بنا سکتا ہے؟ یہ ان لوگوں کا کھلا جھوٹ اور بہتان ہے، اس کلام کو سن کر تو عرب کے بڑے بڑے شاعر اور عربی زبان کے ماہر حیران رہ جاتے ہیں، بھلا! اس رومی عجمی غلام کی کیا حیثیت ہے کہ ایسے اونچے کلام کی تعلیم دے سکے؟ قرآن کریم نے تو واضح کہہ رکھا ہے کہ اگر تمہیں اس کلام میں کوئی شک ہے تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ، اس بات کو قبول کرنے سے عرب کے بڑے بڑے شاعر بھی عاجز آ گئے، اس بات کا تو کیا ٹھکانہ ہے کہ قرآن مجید بنانے والا کوئی عجمی غلام ہو۔

فرمایا: یہ جھوٹ اور بہتان بازی ایمان سے خالی لوگوں کا کام ہے اور یہی فساد کی جڑ ہے جو انہیں غلط بہتان بازی پر آمادہ کرتی ہے۔

کافروں کا انجام

اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ
بات یہی ہے کہ گھڑتے ہیں جھوٹ وہی لوگ جو نہیں ایمان لاتے ساتھ نشانیوں اللہ کی اور یہ لوگ

هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ
وہی جھوٹے ہیں (۱۰۵) جس نے انکار کیا اللہ کا پیچھے ایمان لانے اپنے مگر وہ نہیں جسے

اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ
مجبور کیا گیا اور دل اس کا مطمئن ہے پر ایمان اور لیکن وہ جس نے کھول دیا کفر کے لئے

صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ ذٰلِكَ
سینہ پس پر ان کے غضب ہے سے طرف اللہ کے اور لیے ان کے عذاب ہے بڑا (۱۰۶) یہ

بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَا
اس لیے کہ انہوں نے پسند کی زندگی دنیا کی پر آخرت اور اس لیے کہ اللہ نہیں

يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى
ہدایت کرتا ان لوگوں کو جو کافر ہوئے (۱۰۷) یہی ہیں وہ لوگ کہ مہر لگا دی اللہ نے پر

قُلُوْبِهِمْ وَ سَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾
دلوں ان کے اور کانوں ان کے اور آنکھوں ان کی اور یہی ہیں وہ جو غافل ہیں (۱۰۸)

بامحاورہ ترجمہ:۔ جھوٹ تو وہ لوگ بناتے ہیں جنہیں اللہ کی باتوں پر یقین نہیں اور وہی لوگ جھوٹے ہیں۔ (۱۰۵) جو کوئی یقین لانے کے بعد منکر ہوا مگر وہ نہیں جس پر زبردستی کی گئی ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن

ہے لیکن وہ جنہوں نے انکار کے لئے دل کھول دیئے ہیں، ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ کا بڑا عذاب ہے۔(۱۰۶) یہ اس واسطے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت سے عزیز رکھا اور اللہ تعالیٰ منکروں کو راہ نہیں دکھاتا۔(۱۰۷) یہ لوگ وہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں، کانوں اور آنکھوں میں مہر لگادی اور یہی ہیں بالکل غافل۔(۱۰۸)

تفسیر

کافروں کا یہ کہنا کہ قرآن مجید آپ نے خود گھڑ لیا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جھوٹ تو وہ لوگ بولتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو دیکھ کر ایمان نہیں لاتے، آگے ارشاد ہے: کہ ان لوگوں کے علاوہ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو ایمان لانے کے بعد مرتد ہو جاتے ہیں، ان میں سے جو شخص کسی کے دباؤ سے جان بچانے کے لیے کفر کا کلمہ کہہ دے مگر اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو وہ تو قابل معافی ہے، لیکن جو شخص ایمان لانے کے بعد دل ہی سے کافر ہو جائے اور سچ مچ اسلام سے پھر جائے تو اس سے زیادہ غدار کوئی نہیں، ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہوگا اور ان کو بڑا عذاب دیا جائے گا۔

مرتدوں کی سزا دنیا میں بھی مقرر ہے جس کا ذکر "سورہ مائدہ" میں گذر چکا ہے، جو لوگ جان بچانے کیلئے بھی اسلام سے ظاہری طور پر بھی نہ پھریں ان کا درجہ بہت بلند ہے جیسے حضرت بلال رضی اللہ عنہ، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ وغیرہ۔

احکام و مسائل

"اکراہ" کی تعریف

"اکراہ" کے لفظی معنی یہ ہیں کہ کسی شخص کو کسی ایسے کام کے کرنے یا کہنے پر مجبور کیا جائے جس پر وہ راضی نہ ہو، پھر اس کے دو درجے ہیں، ایک درجہ "اکراہ" کا یہ ہے کہ وہ دل سے تو اس پر راضی نہیں مگر ایسا بے اختیار و

بے قابو بھی نہیں کہ انکار نہ کر سکے، یہ فقہاء کی اصطلاح میں "اکراہ غیر ملجی" کہلاتا ہے، ایسے "اکراہ" سے کوئی کلمہ کفر کہنا یا کسی حرام فعل کا ارتکاب کرنا جائز نہیں ہوتا۔

دوسرا درجہ "اکراہ" کا یہ ہے کہ وہ بالکل بے اختیار ہو کہ اگر وہ "اکراہ" کرنے والوں کے کہنے پر عمل نہ کرے تو اس کو قتل کر دیا جائے گا یا اس کا کوئی عضو کاٹ دیا جائے گا، یہ فقہاء کی اصطلاح میں "اکراہ ملجی" کہلاتا ہے جس کے معنی ہیں، ایسا "اکراہ" جو انسان کو مجبور کر دے، ایسے "اکراہ" کی حالت میں کلمہ کفر کا زبان سے کہہ دینا بشرطیکہ دل ایمان پر مطمئن رہے، جائز ہے۔

اسی طرح دوسرے انسان کو قتل کرنے کے علاوہ اور کوئی حرام فعل کرنے پر مجبور کر دیا جائے تو اس میں بھی کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

مگر دونوں قسم کے "اکراہ" میں شرط یہ ہے کہ "اکراہ" کرنے والا جس کام کی دھمکی دے رہا ہے وہ اس پر قادر بھی ہو اور جو شخص مبتلا ہے اس کو غالب گمان یہ ہو کہ اگر میں اس کی بات نہ مانوں گا تو جس چیز کی دھمکی دے رہا ہے وہ اس کو ضرور کر ڈالے گا۔

مسئلہ:۔ معاملے دو قسم کے ہیں، ایک وہ جن میں دل سے رضامند ہونا ضروری ہے، جیسے: خرید و فروخت و ہبہ وغیرہ کہ ان میں دل سے رضامند ہونا معاملہ کے لئے شرط ہے، ایسے معاملات اگر "اکراہ" کے ساتھ کرا لئے جائیں تو شرعاً ان کا کوئی اعتبار نہیں، "اکراہ" کی حالت سے نکلنے کے بعد اس کو اختیار ہوگا کہ اس حالت میں جو بیع یا ہبہ کیا تھا اس کو اپنی رضا سے باقی رکھے یا ختم کر دے۔

اور کچھ معاملے ایسے بھی ہیں جن میں صرف زبان سے الفاظ کہہ دینے پر مدار ہے، دل کا قصد اور ارادہ یا رضا و خوشی معاملہ کے صحیح ہونے کی شرط نہیں، مثلاً نکاح، طلاق، رجعت، وغیرہ، ایسے معاملے کے متعلق حدیث کا مفہوم ہے: اگر دو شخص زبان سے نکاح کا ایجاب و قبول شرائط کے مطابق کر لیں یا کوئی شوہر اپنی بیوی کو زبان سے طلاق دے دے یا طلاق کے بعد زبان سے رجوع کرے، خواہ وہ بطور ہنسی مذاق کے ہو، دل میں ارادہ نکاح

یا طلاق یا رجعت کا نہ ہو پھر بھی محض الفاظ کہنے سے نکاح منعقد ہوجائے گا اور طلاق پڑ جائے گی، نیز: رجعت صحیح ہوجائے گی۔

امام اعظم امام ابوحنیفہ، شعبی، زہری، نخعی اور قتادہ رحمۃ اللہ علیہم کے نزدیک "مُکْرَہ" کی طلاق کا بھی یہی حکم ہے کہ حالت "اکراہ" میں اگرچہ وہ طلاق دینے پر دل سے تیار نہیں تھا، مجبور ہوکر الفاظ طلاق کہہ دیئے اور وقوع طلاق کا تعلق صرف الفاظ طلاق ادا کردینے سے ہے، دل کا ارادہ شرط نہیں؛ اس لئے یہ طلاق واقع ہوجائے گی۔

مسئلہ:۔ جس شخص کو کلمہ کفر کہنے پر اس طرح مجبور کردیا گیا کہ اگر یہ کلمہ نہ کہے تو اس کو قتل کردیا جائے، اور یہ بھی غالب گمان معلوم ہو کہ دھمکی دینے والے کو اس پر پوری قدرت حاصل ہے تو ایسے "اکراہ" کی حالت میں اگر وہ زبان سے کلمہ کفر کہہ دے مگر اس کا دل ایمان پر جما ہوا ہو اور اس کلمہ کو باطل اور برا جانتا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی۔

ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے "اکراہ واضطرار" کی حالت کے مسائلوں کا تذکرہ کیا ہے، اگرچہ کفر کا کلمہ کسی حالت میں بھی پسندیدہ نہیں ہے پھر بھی اگر کوئی شخص مجبوری کی حالت میں اپنی جان بچانے کی خاطر اپنی زبان پر کلمہ کفر لاتا ہے، تو وہ شخص کافر یا مرتد نہیں ہوجاتا، بشرطیکہ اس کا دل اطمینان کے ساتھ ایمان پر قائم ہو، ایسے شخص کو وقتی طور پر کلمہ کفر کہنے کی رخصت ہوگی۔

امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر "احکام القرآن" میں لکھتے ہیں کہ خواہ جان کا خطرہ ہو یا جسم کے کسی عضو کے کٹ جانے کا ڈر ہو، ایسے شخص کو کافر کی بات ماننے کی صرف رخصت ہے، البتہ بلند درجہ یہ ہے کہ انسان حق کی بات پر ڈٹ جائے خواہ اس کے لیے شہید ہی کیوں نہ ہونا پڑے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت حبیب ابن زید انصاری رضی اللہ عنہ کسی طرح مسیلمہ کذاب کے ہاتھ آ گئے، مسیلمہ کہنے لگا: کیا تم محمد کو پیغمبر مانتے ہو؟ آپ نے فرمایا: وہ اللہ کے پیغمبر ہیں اور میں اس کی گواہی دیتا ہوں، پھر مسیلمہ نے پوچھا: میرے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ کیا مجھے اللہ کا پیغمبر مانتے ہو؟

حضرت حبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: یہ بات تو میں سننے کے لیے بھی تیار نہیں یہ کیسے ہوسکتا تیرے پیغمبر ہونے کا اقرار کروں، غرضیکہ آپ کا جوڑ جوڑ کاٹ کر آپ کو شہید کر دیا گیا، مگر آپ کلمہ کفر زبان پر نہ لائے۔

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی بڑا مشہور ہے، کافروں نے کفر کا کلمہ کہلوانا چاہا، سولی پر چڑھانے کی دھمکی دی مگر آپ کے یقین اور ایمان میں کوئی ڈگمگاہٹ نہیں آئی، اور فرمایا: اللہ کے راستے میں اسی کی عطا کی ہوئی جان قربان کر دینا کوئی بڑی بات نہیں، میں اس کے لیے تیار ہوں، چنانچہ آپ کو سولی پر لٹکا کر شہید کر دیا گیا۔

حضرت عبداللہ بن حذیفہ سہمی رضی اللہ عنہ رومیوں کے خلاف جہاد کرتے ہوئے جب قید ہوکر رومی بادشاہ کے سامنے پہنچے تو اس نے کہا کہ اگر اسلام چھوڑ کر عیسائیت قبول کرلو تو میں نہ صرف تمہیں اپنی حکومت میں شریک کرلوں گا بلکہ اپنی بیٹی کی شادی بھی تم سے کردوں گا، آپ نے فرمایا: اگر تم اپنا سارا ملک اور پورا عرب بھی مجھے دے دو تو میں آنکھ جھپکنے کی مقدار بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین سے پلٹنے کے لیے تیار نہیں ہوں، بادشاہ نے حکم دیا کہ آپ کو سولی پر لٹکا دیا جائے، آپ نے فرمایا کہ: اللہ کے راستے میں جان دے دینا کوئی بڑی بات نہیں، میں اس کے لیے تیار ہوں، بادشاہ نے تانبے کی ایک بہت بڑی دیگ منگوائی، اس میں تیل ڈال کر اس کو خوب گرم کیا گیا پھر آپ کے ساتھیوں میں سے ایک کو اس دیگ میں ڈال دیا گیا دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم گل گیا اور اس کی ہڈیاں ظاہر ہونے لگیں، اس کے بعد پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مان جاؤ، ورنہ تمہارا بھی یہی حشر ہونے والا ہے، آپ نے فرمایا کہ: میں ایک لمحہ بھر اسلام کو چھوڑنے والا نہیں ہوں، بادشاہ نے پھر حکم دیا کہ اس کو سولی پر لٹکا کر اس کے دائیں بائیں تیر چلاؤ، آپ پھر بھی اپنے ایمان پر قائم رہے، بادشاہ نے سولی سے اتروالیا اور کہا کہ اسے تپتی ہوئی دیگ میں پھینک دو، آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر بادشاہ نے اپنے پاس بلایا اور کہنے لگا کہ شاید تم اپنا دین چھوڑ کر عیسائی بننے پر تیار ہوگئے ہو، آپ نے فرمایا: میں اپنی جان جانے کے خوف سے نہیں روتا، بلکہ اس لیے رو رہا ہوں کہ اللہ نے مجھے ایک ہی جان دی ہے جو میں اس کے راستے میں قربان کر رہا ہوں اگر میری ہزار جانیں بھی ہوتیں تو ایک ایک کر کے اللہ کے نام پر قربان کر دیتا، اس پر بادشاہ نے اپنے قریب بلا کر کہا کہ اگر تم

میری پیشانی پر بوسہ دے دو تو میں تمہیں رہا کردوں، فرمایا: اس کام کے عوض میں اپنے ساتھیوں کی رہائی چاہتا ہوں، بادشاہ نے یہ شرط قبول کر لی، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے پیشانی کو بوسہ دیا اور پھر اپنے لشکر کے ہمراہ رہائی پا کر واپس آ گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے سارا واقعہ بیان کیا تو آپ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا، لوگو! سب سے پہلے میں عبداللہ رضی اللہ عنہ کی پیشانی کو بوسہ دیتا ہوں، تم بھی ایسا کرو، پھر سب لوگوں نے آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

اب مسئلے کی نوعیت یہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کی بات تو یہ ہے کہ انسان کفر کا کلمہ کہنے کی بجائے شہادت قبول کر لے، لیکن تمام فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جب جان جانے کا خطرہ ہو تو انسان کلمہ کفر زبان سے ادا کر سکتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اس کا دل ایمان کے ساتھ مطمئن ہو۔

کافر نقصان میں ہیں

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ
یقینی ہے کہ یہی لوگ میں آخرت یہی لوگ نقصان والے ہیں (۱۰۹) پھر تحقیق رب آپ کا
لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا ۙ
لیے ان کے جو ہجرت کر گئے سے بعد اس کے کہ مصیبت میں ڈالے گئے پھر جدوجہد کرتے رہے اور صبر کیا
۱۴ ع ۱۰ ۲۰ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ
تحقیق رب آپ کا بعد اس کے البتہ بخشنے والا مہربان ہے (۱۱۰) جس دن آئے گا ہر شخص
تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُمْ
جواب سوال کرتا سے اپنے آپ کے اور پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو اس نے کیا اور ان پر
لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً
ظلم نہ کیا جائے گا (۱۱۱) اور بیان کی اللہ نے ایک مثال ایک بستی کی کہ تھی بے خوف چین سے

يَّأْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ
آتا تھا اس کے پاس رزق اس کا بافراغت سے ہر جگہ پس ناشکری کی اس نے ساتھ نعمتوں اللہ کی

فَأَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَ الْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
پس مزہ چکھایا اس کو اللہ نے مزہ بھوک اور ڈر کا بدلے اس کے جو وہ کرتے تھے (۱۱۲)

بامحاورہ ترجمہ:۔ یقینی بات ہے کہ یہی لوگ قیامت کے دن خسارے میں ہونگے۔(۱۰۹) پھر آپ کا رب ان لوگوں پر جنہوں نے وطن چھوڑا مصیبت اٹھانے کے بعد پھر انتہائی صبر اور کوشش کرتے رہے، بیشک ان باتوں کے بعد تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔(۱۱۰) اس دن کو یاد کرو! جس دن ہر شخص اپنی طرف سے سوال جواب کرتا آئے گا اور ہر کسی کو جو اس نے کیا پورا ملے گا اور ان پر ظلم نہ ہوگا۔(۱۱۱) اور اللہ نے ایک مثال بیان کی کہ ایک بستی تھی امن چین سے، جس کی روزی ہر جگہ سے فراغت کے ساتھ چلی آتی تھی، پھر اس نے اللہ تعالیٰ کے احسان کی ناشکری کی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک اور خوف کا مزہ چکھایا کا اس ناشکری کے بدلے میں جو وہ کرتے تھے۔(۱۱۲)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جو لوگ دنیا میں بہت زیادہ مشغول ہیں اور آخرت کی انہیں کوئی فکر نہیں، وہ آخرت میں خسارے کے سوا کچھ نہیں پائیں گے، مکہ والوں نے شروع دن سے مسلمانوں پر اس قدر ظلم کے پہاڑ توڑے کہ جن کو پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، حتی کہ بعض مسلمانوں کو بے دردی سے شہید کیا، انہی شہید ہونے والوں میں ایک صحابی حضرت یاسر رضی اللہ عنہ اور ان کی بیوی حضرت سمیّہ رضی اللہ عنہا تھیں، ایک دن ابو جہل نے حضرت یاسر رضی اللہ عنہ کے چاروں ہاتھ پاؤں چار مضبوط جوان اونٹوں سے باندھ کر انہیں ہانک دیا اور ہاتھ پاؤں کے جسم سے علیحدہ ہو جانے پر وہ تڑپ تڑپ کر شہید ہو گئے۔

پھر ان کی بیوی سمیہ رضی اللہ عنہا کی شرم گاہ میں نیزہ مارا، جو کمر تک نکل گیا اور وہ بھی شہید ہوگئیں، یہ اسلام کے پہلے شہید ہیں، لیکن ان کے جوان فرزند نے جان بچانے کے لیے منہ سے ایسا لفظ کہہ دیا جو قابل اعتراض تھا مگر دل میں ایمان مضبوط تھا، آخر روتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، ان کے بارے میں یہ آیت اتری کہ "جان لیوا مصیبتوں سے بچنے کی خاطر منہ سے اسلام کا انکار کر دینا، لیکن دل میں ایمان پر قائم رہنا، پھر گھر بار چھوڑ کر دین کی خاطر ہجرت کر جانا اور پھر مسلمانوں کے ساتھ مل کر اسلام کو بچانے کے لیے جدوجہد کرتے رہنا اور صبر کے ساتھ دین پر جمے رہنا ان سب باتوں کے بعد اللہ تعالیٰ غلطیاں معاف کر دے گا، وہ غفور رحیم ہے"۔

فرمایا کہ: یاد رکھو! ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ ہر شخص اپنی ہی مصیبت میں گرفتار ہوگا اور اپنی جان مصیبت سے چھڑانے کے لیے ادھر ادھر کی بحث کرتا ہوا آئے گا، لیکن اسے ملے گا وہی جس کا وہ اپنے اعمال کی وجہ سے حقدار ہوگا، اس کے بعد مکہ والوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اس بستی کو یاد کرو جہاں اللہ کے فضل سے امن وامان اور چین کا دور دورہ تھا، کھانے پینے کا سامان وافر مقدار میں موجود تھا، وہاں کے لوگ ایسے مغرور ہوئے کہ اللہ کا خیال بھولے سے بھی ان کے دل میں نہ آیا، اور اپنی خواہشوں کے پیچھے دیوانہ وار لگے رہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو سرکشی کا مزہ اس طرح چکھایا کہ ہر طرف سے ان کو قحط اور خوف نے گھیر لیا۔

پیغمبروں کی آمد

وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَ
اور تحقیق آیا ان کے پاس پیغمبر میں سے ان پس جھٹلایا انہوں نے اس کو پس پکڑا ان کو عذاب نے اس حال میں کہ

هُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ اشْكُرُوْا
وہ ظالم تھے (۱۱۳) پس کھاؤ سے اس جو دیا تمہیں اللہ نے حلال ستھرا اور شکر کرو

نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ
نعمت اللہ کی کا اگر ہو تم اس کی عبادت کرتے (۱۱۴) یہی تو حرام کیا اللہ نے پر تمہارے

الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ
مردار اور خون اور گوشت سور کا اور جس کو پکارا جائے لئے غیر اللہ کے اس پر

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾
پس جو لاچار ہوا نہ حکم سے نکلنے والا اور نہ حد سے بڑھنے والا پس تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے (۱۱۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اوران کے پاس انہی میں سے ایک پیغمبر آ چکا ہے پس اس کو جھٹلایا پھر ان کو عذاب نے آ پکڑا، اور وہ ظالم تھے۔ (۱۱۳) سو! کھاؤ جو تم کو روزی دی اللہ تعالیٰ نے حلال اور پاک اور اللہ تعالیٰ کے احسان کا شکر کرو اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔ (۱۱۴) اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کیا ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے پھر جو شخص لاچار ہو جائے، نہ نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ (۱۱۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: ہم نے اپنے قاعدے کے مطابق ان کے پاس انہی میں سے ایک آدمی کو چن کر اپنا پیغمبر مقرر کیا اور اس سے کہا کہ جاؤ انہیں سمجھاؤ، کیونکہ ہم کسی قوم کو اس وقت تک تباہ نہیں کرتے جب تک اپنا پیغمبر بھیج کر ان پر حقیقت حال واضح نہیں کر دیتے، لیکن انہوں نے پیغمبر کے کہنے پر کچھ دھیان نہیں دیا اور غلط باتوں میں پھنسے رہے، انہی غلط کاریوں کے دوران انہیں عذاب نے آ دبوچا، اور وہ اپنی بے جا زیادتیوں کی وجہ سے ہلاک ہو گئے، آگے ارشاد ہے کہ: تم لوگوں کو چاہیئے کہ ان باتوں پر غور کرو اور ان سے عبرت حاصل کرو اور دیکھو کہ مکہ میں اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کھانے پینے اور آرام و راحت کے سارے سامان مہیا کر دیے ہیں اس لیے تمہیں یہ کسی طرح زیب نہیں دیتا کہ تم ان سے فائدے اٹھاتے رہو اور اللہ کا شکر ادا نہ کرو، اللہ تعالیٰ نے جو حلال اور پاک و صاف چیزیں تمہیں دی ہیں انہیں کھاؤ پیو، اور اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال اور حرام مت

بناؤ اور سمجھو کہ یہ سب نعمتیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں؛ اس لیے اگر اس کا بندہ بن کر رہنا ہے اور اسی کی عبادت میں زندگی بسر کرنی ہے تو شکر گذار بن کر رہو، ورنہ سرکشوں میں لکھے جاؤ گے اور احسان فراموشی اور ناشکری کا وبال تمہارے سر پر پڑے گا۔

ارشاد ہے کہ: مردہ جانور کا گوشت، بہتا ہوا خون، سور کا گوشت اور جس پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے ان چیزوں کو چھوڑ دو، ہاں اگر کسی کی بھوک کے مارے جان نکلنے لگے اور ان حرام چیزوں کے سوا اور کوئی چیز میسر نہ ہو تو وہ ان میں سے اتنا کھا سکتا ہے جس سے جان بچ جائے، بشرطیکہ لذت حاصل کرنے کے لئے نہ کھا رہا ہو اور نہ فاقہ کی حد سے زیادہ کھا رہا ہو، ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ اس کے قصور کو معاف کر دے گا، وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔

اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا

اور مت کہو اسکے لئے جو بنالی ہیں زبانوں تمہاری نے جھوٹ باتیں کہ یہ حلال ہے اور یہ

حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى

حرام ہے تاکہ باندھو پر اللہ جھوٹ تحقیق جو لوگ باندھتے ہیں پر

اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ؕ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۪ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

اللہ جھوٹ نہ فلاح پائیں گے (۱۱۶) فائدہ ہے تھوڑا سا اور واسطے انکے ہے عذاب دردناک (۱۱۷)

وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ

اور پر ان لوگوں جو یہودی ہوئے حرام کیا ہم نے جو بتایا ہم نے آپ کو سے پہلے اس

وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ

اور نہیں ظلم کیا ہم نے ان پر اور لیکن تھے وہ پر جانوں اپنی ظلم کرتے (۱۱۸) پھر تحقیق

رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ
رب آپ کا لیے ان لوگوں کے جنہوں نے کی برائی سے نادانی پھر توبہ کی سے بعد اس کے

۱۵ ع ۹ ۲۱ وَ اَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾
اور اصلاح کی تحقیق رب آپ کا بعد ان باتوں کے البتہ بخشنے والا مہربان ہے(۱۱۹)

بامحاورہ ترجمہ:۔ اور مت کہو اپنی زبان کے جھوٹ بنا لینے سے کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھو، بے شک جو اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا۔(۱۱٦) تھوڑا سا فائدہ اٹھالیں اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔(۱۱۷) اور جو لوگ یہودی ہیں ان پر ہم نے حرام کیا تھا جو آپ کو ہم پہلے سنا چکے اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔(۱۱۸) پھر بات یہ ہے کہ آپ کا رب ان لوگوں پر جنہوں نے نادانی سے برائی کی پھر اس کے بعد توبہ کرلی اور اپنا کام سنوارا، سو! آپ کا رب ان باتوں کے بعد بخشنے والا ہے مہربان ہے۔(۱۱۹)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: چیزوں کے حلال وحرام کرنے کا تمہارا دعویٰ جھوٹا ہے یہ تو صرف تمہاری زبان کی گڑی ہوئی بے بنیاد باتیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے ذمہ بہتان مت لگاؤ، کیونکہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والے کبھی کامیاب نہیں ہوں گے، کیا ہوا اگر تھوڑا بہت عارضی فائدہ ان کو مل گیا، اس سے کب تک کام چلے گا؟ آخر منہ کی کھائیں گے اور آخرت میں بھی بہت بے قرار کر دینے والا اور دکھ دینے والا عذاب ان کے لیے تیار ہے، وہ اس میں مبتلا ہوں گے۔

آگے ارشاد ہے کہ: یہودیوں نے بھی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے حکموں پر عمل نہ کیا اور اپنی مرضی سے جو چاہا کیا، پھر آخر دیکھو کہ! ان کا کیا حشر ہوا؟ ان کی سرکشی کی وجہ سے ہم نے ان پر بعض چیزیں حرام کر دیں، ان چیزوں کا ذکر اے پیغمبر! ہم آپ کو پہلے سنا چکے ہیں، ہم نے باوجود قدرت کے انہیں بلاوجہ سزا نہ دی، ہمارے ہاں

کسی پر ظلم نہیں ہوتا، کوئی خود اپنے آپ پر ظلم کرے تو کرے ہم کسی پر ظلم نہیں کرتے، اگر کوئی نادانی سے کوئی برا کام کر بیٹھے پھر اس پر شرمندہ ہو اور پختہ ارادہ کرلے کہ اب کبھی ایسا برا کام نہ کروں گا اور پھر اپنی حالت سنوارے تو ہم اس کا قصور معاف کر دیتے ہیں اور اس کی توبہ قبول کر لیتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کا نمونہ

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَ لَمْ يَكُ مِنَ
تحقیق ابراہیم تھے پیشوا فرمانبردار لیے اللہ کے سب سے منہ موڑ کر اور نہ تھے وہ سے

الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۲۰ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ؕ اِجْتَبٰىهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ
مشرکوں (۱۲۰) شکرگزار تھا لیے نعمتوں اس کی چنا اللہ نے اسی کو اور ہدایت دی اسکو طرف راستے

مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۲۱ وَ اٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ
سیدھے کی (۱۲۱) اور دی ہم نے اسے میں دنیا خوبی اور تحقیق وہ میں آخرت

لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۱۲۲ ؕ ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
البتہ سے نیک لوگوں میں ہے (۱۲۲) پھر وحی بھیجی ہم نے طرف آپ کی کہ پیروی کریں ملت ابراہیم کی

حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۲۳
جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا وہ سے مشرکوں (۱۲۳)

بامحاورہ ترجمہ:۔ بیشک ابرہیم ایسے پیشوا تھے جنہوں نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرلی تھی، اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے۔ (۱۲۰) وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اس نے انہیں چن لیا تھا اور ان کو سیدھے راستے تک پہنچا دیا تھا۔ (۱۲۱) اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی دی تھی اور آخرت میں تو یقیناً ان کا شمار صالحین میں ہے۔ (۱۲۲) پھر (اے پیغمبر !) ہم نے آپ پر وحی کے ذریعے یہ حکم اتارا کہ آپ ابرہیم کے دین کی پیروی کریں، جس نے اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی

طرف کیا ہوا تھا، اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے تھے۔(۱۲۳)

تفسیر

اس آیت میں اس طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام انسانوں کے اندر بہترین اخلاق کا نمونہ تھے، وہ اللہ کے فرمانبردار، سب سے ہٹ کر اسی کے ہو رہنے والے تھے، وہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکرادا کرتے رہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا منتخب بندہ بنایا اور سیدھے راستے پر چلایا، دنیا میں بھی خیر وخوبی کے ساتھ رکھا اور آخرت میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں میں شامل ہوں گے۔

فرمایا: ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا: اس آیت میں ملت ابراہیمی کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے زمانے ہی میں دین کے پختہ اصول لکھ کر رکھ لیے گئے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی یہی اصول بنی اسرائیل کے سامنے پیش کیے، جن میں سے کچھ انہوں نے مانے اور کچھ نہ مانے، اور اس طور پر ان یہودیوں نے تمام ملت کی شکل بگاڑ کر رکھ دی، اسی دین کو دوبارہ دنیا میں رواج دینے اور مکمل طریقے سے محفوظ کر کے انسانوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے، ان کو قرآن مجید دیا گیا جس میں اس دین کی تشریح کر دی گئی اور دنیا بھر کے انسانوں کے لیے اس کو ایک مکمل اور صاف ستھری شکل میں پیش کیا گیا۔

ان سب اصولوں کی اصل یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے کچھ غرض نہ رکھے اور سب سے منہ موڑ کر خالص اسی کی طرف متوجہ ہو، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذات وصفات میں کسی کو ذرّہ بھر بھی شریک نہیں کرتے تھے، صرف اسی ایک کو تنہا سب کا خالق، مالک اور رب مانتے تھے، جو کچھ مانگنا ہوتا اسی سے مانگتے، وہ یقین رکھتے تھے کہ دنیا کی ساری نعمتیں اسی کی عطا کی ہوئی ہیں؛ اس لیے اسی خدا

کا شکر گذار رہنا چاہئے، اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں کرنی چاہئے، اسلام کا خلاصہ یہی ہے اور اس دین اسلام کو نام بھی انہی کا دیا ہوا ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے والا ہو، نماز پڑھتے وقت اپنا رُخ کعبہ کی طرف کرنے والا ہو، بیت اللہ شریف کا حج کرتا ہو، ختنہ کرتا ہو اور غسل جنابت کرتا ہو وہ حنیف ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام میں یہ ساری خوبیاں موجود تھیں۔

اللہ تعالیٰ نے عام مومنوں کو بھی "حنیفیت" کا حکم دیا ہے، جیسا کہ "سورہ حج" میں ہے" حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ " تم سب کے سب اللہ کی طرف رجوع کرنے والے بن جاؤ اور مشرک نہ بنو، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشرک نہ ہونے کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بار بار ذکر کیا ہے کہ آپ مشرکوں میں سے نہیں تھے، بلکہ وہ تو ایک لحظہ کے لئے بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہوئے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بھی بھلائی اور فراخی والی روزی عطا فرمائی اور آخرت میں بھی بلند درجات عطا فرمائے۔

ہفتہ کا دن

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ

بات یہی ہے کہ مقرر کیا گیا ہفتہ پر ان لوگوں جو اختلاف کرتے تھے میں اس اور تحقیق رب آپ کا

لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

ضرور فیصلہ کرے گا درمیان ان کے دن قیامت کے میں اس چیز کے کہ تھے وہ میں اس اختلاف کرتے (۱۲۴)

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَ الْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَ جَادِلْهُمْ

بلا طرف راستے رب اپنے کے سے پکی باتوں اور وعظ و نصیحت اچھی سے اور بحث کر ان سے

بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ

ساتھ ایسے طریقے کے کہ وہ بہتر ہوں تحقیق رب آپ کا وہی زیادہ جانتا ہے اس کو جو بہکا سے راستے اس کے

وَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

اور وہی زیادہ جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو (۱۲۵)

بامحاورہ ترجمہ:۔ ہفتہ کا دن انہیں لوگوں پر مقرر کیا گیا جو اس میں اختلاف کرتے تھے اور قیامت کے دن تیرا رب ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کریگا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔(۱۲۴) اپنے رب کی راہ کی طرف بلا پکی باتیں سمجھا کر، اور بھلی طرح نصیحت سنا کر اور انہیں جواب دے جس طرح بہتر ہو، تیرا رب ہی اس کو بہتر جانتا ہے جو اس کی راہ بھول گیا اور وہی بہتر جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔(۱۲۵)

تفسیر

ارشاد ہے کہ: جن باتوں میں انہوں نے جھگڑا اور اختلاف کیا ان کی حقیقت انہیں قیامت کے دن معلوم ہوجائے گی، یہاں سے آپ ﷺ کی امت کو یہ سبق سیکھنا چاہیے کہ جب ثابت ہوجائے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر کا حکم یہ ہے پھر اس پر عمل کرنے میں حیلے بہانے اور اختلاف نہیں کرنا چاہئے، حکم معلوم ہوجانے کے بعد اس پر عمل نہ کرنے کے بہانے تلاش کرنا یہ یہودیوں کی عادت تھی، یہ اسلام کے خلاف ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی بات کی ہے اور تبلیغ کرنے کا طریقہ بیان فرمایا ہے، ارشاد ہوتا ہے کہ: اپنے رب کے راستے کی طرف بلائیں حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ، عمدہ الفاظ اور اعلیٰ بیان کے ذریعے کسی چیز کو پیش کرنا مواعظتِ حسنہ، یعنی: اچھی نصیحت کہلاتا ہے، خود قرآن پاک کا ایک نام "الموعظۃ" بھی ہے کہ اس کے ذریعے لوگوں کو نصیحت کرنی چاہیئے اس سے عقیدے اور اخلاق کی اصلاح ہوتی ہے، عمدہ طریقے سے نصیحت کی مثال خود قرآن نے بھی بیان کی ہے، جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس جاکر تبلیغ کرنے کا حکم دیا تو فرمایا: اس سے نرم لہجہ میں بات کرنا تاکہ وہ نصیحت پکڑے یا ڈر جائے، غرضیکہ نصیحت کرتے ہوئے ہمیشہ بات نرم کرنی چاہیے تاکہ مخاطب پر زیادہ اثر کرے۔

فرمایا: اگر مخاطب سے بحث ومباحثہ کی نوبت پیش آجائے اور سوال وجواب کا موقع ہو، اعتراض کا جواب

دینا مطلوب ہو تو سختی کی بجائے نرمی اور حکمت سے ہر سوال کا جواب دیں، سختی اور گالی گلوچ کی نوبت نہیں آنی چاہیے، کسی کے ساتھ جھگڑنے کی ضرورت نہیں، اخلاقی حدود میں رہتے ہوئے ہر اعتراض کو آرام اور اطمینان سے سنیں اور اس کا اچھے طریقے سے جواب دیں، اگر اچھے طریقے سے معاملہ کو سلجھائیں گے تو اس کا اثر بھی اچھا نکلے گا۔

اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَاعُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَ لَئِنْ صَبَرْتُمْ

اور اگر بدلہ لو تم تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی سزا دی گئی تم کو اور اگر صبر کرو تم

لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾ وَ اصْبِرْ وَ مَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَ لَا

تو یقیناً وہ بہتر ہے لیے صبر کرنے والوں کے (۱۲۶) اور صبر کریں اور نہیں صبر آپ کا مگر سے مدد اللہ کی اور نہ

تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَ لَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ

غم کر پر ان کے اور نہ ہو میں تنگی سے اس جو وہ مکاری کرتے ہیں (۱۲۷) بے شک اللہ

۱۶ ع ۹ ۲۲ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

ساتھ ہے ان کے جو بچ کر چلے اور ان کے کہ وہ نیکوکار ہیں (۱۲۸)

با محاورہ ترجمہ:۔ اور اگر بدلہ لو تو اسی قدر بدلہ لو جس قدر تمہیں تکلیف پہنچائی جائے اور اگر صبر کرو تو یہ صبر کرنے والوں کے لیے بہتر ہے۔ (۱۲۶) اور آپ صبر کریں اور آپ سے اللہ ہی کی مدد سے صبر ہو سکے گا اور ان پر غم نہ کھائیں اور ان کے فریب سے تنگ مت ہوں۔ (۱۲۷) بے شک اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو کفر اور شرک سے بچ کر چلے اور جو نیکوکار رہیں۔ (۱۲۸)

تفسیر

ارشاد ہے کہ لوگوں سے جو تکلیف پہنچتی ہے اس کا اگر بدلہ لینا ہو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنی تکلیف تم کو پہنچی ہے

اور اگر صبر کرو تو صبر کا پھل بہت ہی اچھا ملتا ہے، صبر کی توفیق اللہ سے مانگو، مخالفین کی ضد اور ہٹ دھرمی سے غمگین اور ان کی چالبازیوں سے تنگ دل مت ہو، یقین رکھو! کہ اللہ ان کے ساتھ ہے جو اس سے ڈر کر کفر و شرک اور برے کام چھوڑ دیتے ہیں اور اس کے بتائے ہوئے نیک کام اختیار کرتے ہیں۔

تمت بالخیر

دفتر ریسرچ اینڈ رجسٹریشن آفیسر اوقاف

(حکومتِ سندھ)

جامع مسجد آرام باغ۔ کراچی

فون نمبر: 021-9933 2012 | موبائل: 0300-3311811

نشانِ مجاریہ:- آر۔آر۔او (اوقاف) A-64/2017 | مورخہ 28/9/2017

MUFTI MUNEER AHMED TARIQ — RESEARCH & REGISTRATION OFFICER — AUQAF DEPARTMENT GOVT. OF SINDH

تصدیق نامہ

میں نے مکتبہ ربانیہ کراچی کے مطبوعہ قرآن پاک مترجم بنام: آسان تفسیر القرآن مکمل (۱۰ جلدیں)، تالیف وترتیب حضرت مولانا مفتی اصغر علی ربانی صاحب مدظلہم کے عربی متن کو بغور پڑھا اور اسکے تمام حروف واعراب (زبر، زیر، پیش وغیرہ) کی پروف ریڈنگ اپنی زیرِ نگرانی کروائی ہے۔

الحمدللہ! بہت معیاری اور صحیح کتابت کرائی گئی ہے۔ تصدیق کی جاتی ہے کہ مذکورہ بالا قرآن پاک (اردو مترجم) آسان تفسیر القرآن (۱۰ جلدیں) تمام اغلاط سے پاک اور مبرا ہے۔ ان شاء اللہ

المصدق

مولانا مفتی منیر احمد طارق

ریسرچ درجسٹریشن آفیسر اوقاف

حکومت سندھ

مفتی منیر احمد طارق
ریسرچ ورجسٹریشن آفیسر
محکمہ اوقاف سندھ کراچی

مکتبہ ربانیہ کراچی

ISLAMIC STUDIES PUBLISHERS